RARE
NOT TO ...

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ

میرے ان بندوں کو خوشخبری دو جو باتیں سب سنتے ہیں مگر پیروی انہی بہتر کلام کی کرتے ہیں

دین و دانش

CHECKED - 1963

جس میں

حکیمانہ اصول سے اسلامی تعلیمات کا سائنس سے

موازنہ کیا گیا ہے

از

مولوی محمود علی صاحب پروفیسر کپورتھلہ کالج

١٣٢٩ھ
١٩١١ء

مطبوعہ روز بازار سٹیم پریس امرتسر

شیخ عبد العزیز پرنٹر

قیمت مجلد ۳ ر

مختصر فہرست کتب

جو روز بازار پریس امرتسر سے مل سکتی ہیں اور ہندوستان کے بہترین دل و دماغ کے علمی نتائج ہیں

نام کتاب	تعداد صفحے	نام مصنف	قیمت
اساس الاخلاق	۷۴۳	خان بہادر مرزا سلطان احمد خان	عار
ماحضر فی رد الطعن علیٰ خیر البشر	۶۰	مولانا مولوی محمود علی پروفیسر کپورتھلہ کالج	۳ر
سوانح مولانا روم	۲۰۰	شمس العلما مولانا شبلی	عہ۴
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	۱۳۷	"	۸ر
حیات خسرو، امیر خسرو علیہ الرحمہ کی مفصل سوانح	۱۷۷	منشی سعید احمد مارہروی	۱۲ر
سیاحت ہند معہ چالیس تصاویر	۴۴۸	حافظ عبد الرحمن مرحوم	عار ۸
تاریخ عرب قدیم	۱۰۸	مولانا عمادی	۸ر
حیات صالح - نواب سعد اللہ خان مرحوم وزیر شاہجہان بادشاہ کی مکمل سوانح	۸۲	منشی سعید احمد مارہروی	۴ر
رسالہ علم الغیب	۱۶	مولوی امام الدین	۱ر
مائدہ محمدیہ	۱۵	مولانا حسام الدین احمد	۲ر
تفسیر غایۃ البرہان (ہر سہ جلد)	۱۶۴۱	حکیم سید محمد حسن مرحوم	۴ہے
ارشاد القرآن	۱۷۶	مولانا فتح محمد خان	۸ر
نفائس القصص و الحکایات	۱۱۸	"	۶ر
اسرار نماز	۱۲۰	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	۴ر
آداب و اخلاق	۰	"	۲ر
کتاب الزکات	۶۴	مولانا عمادی	۲ر
تذکرۃ المصطفیٰ	۲۰۲	مولانا سید نواب علی	عہ۴

صحت نامہ کتاب دین و دانش

صفحہ	سطر	خطا	صواب	صفحہ	سطر	خطا	صواب
۲	۱۰	ذریعہ سے	ذریعہ سے	۴۶	۱	دامی ہی ہین	عادی رہے ہین
〃	۱۱	نامحسوس	نہ محسوس	۵۶	۱۰	سفید جانور	مفید جانور
〃	۱۴	ناتانہین	پایا نہین جاتا	۶۱	۱۱	محصور بنانا	محصور بنایا
۴	۲۱	منحصر تھا	منحصر ہوتا	۹۳	۱۲	وعدہ الصاف	وعدہ الصدق
۵	۶	سب تک اس	اور اس	۷۸	۵	بدلائل عقلی	دلائل عقلی
۱۴	۱۸	اور متعلق	اور مطلق	〃	۹	اسی طرف	اسی کی طرف
۱۴	۱۴	انکو مناتے	انکو سناتے	۹۱	۲۱	وحی ہو	وحی ء ہو
۱۵	۱۵	محسس	مجسس	۹۸	۶	کبھی	کسی
۱۶	۱۰	کس قدر	جس قدر	۱۰۳	۳	محل کا قاعدہ	عمل کا قاعدہ
〃	۱۸	بھی چیزین	یہی چیزین	〃	۴	سینگے	سہونگے
۱۸	۱	کا کمہ	کاملہ	۱۰۵	۱۶	شامل ہونا	شامل کرنا
۲۳	۱۷	کچہ تہذیب	کچھ عرصہ تہذیب	۱۱	۳	اسی طرح اسی	اسی طرح دعائی
۲۴	۳	اور الرحمت	اور رحمت	۱۱۱	۱۹	بادی النظر	بادی النظر مین
۳۱	۱۲	عیاشیون	عباسیون	۱۱۵	۲	خاک ایک ذرہ	خاک کے ایک ذرے
۳۴	۱۰	اوگون	لوگون	۱۱۶	۱۵	اپنے درجات	اپنی درجات
۳۴	۱۶	مناسب بھی	مناسب یہی	۱۱۷	۱	کرسکتے ہین مگر	کرسکتے ہین - بس گناہگار اور پارسا دونو گروہون مین تسے ہرایک مین بہت سے مراتب ہین مگر
۳۵	۱۷	احصاف کو	ان اوصاف کو				
〃	۳	استقتناء	استغناء				
۳۶	۳	پیدائش	پیدایشی	۱۲	۱۱	کہ کچھ کہا	کہ جو کچھ کہا
۴۱	۱۸	اب فضول	ایسا فضول	۱۳۱	حاشیہ	جسم ارادی	جسم مین ارادی
۴۲	۱۹	حاصل کرتا	حاصل کرنا	۱۳۹	۳	ڈایلٹیکل	ڈائلیکٹیکل
〃	۲۰	دور ہوتا	دور ہونا	۱۴۴	۱	کس طرح وجد	کسی طرح کے وجد
۴۴	۱۸	بڑے بڑے زور	بڑے زور	〃	۱۵	کیون جیسان	کیونکر جیسان

صفحہ	سطر	خطا	صواب	صفحہ	سطر	خطا	صواب
۱۴۹	۱۸	کہ اب بھی	کہ اب ہے	۲۱۶	۲	سے موجودہ	مین موجودہ
۱۶۵	۱	شک سے	شک ہے	۲۱۷	۵	ہے جنہون نے	ہین جنہوں نے
″	۱۱	زیبا ہوگا	زیبا نہ ہوگا	″	۱۰	اور اسی طرح	اور اس طرح
۱۶۶	۲	داخل یہ دیا	دخل یہ دیا	۲۲۱	۲۰	ان کی بجا	انکی بجا
۱۶۸	۲	نباتات مین	نباتات سے	۲۲۲	۵	بڑے کوہ تک	بڑے کرہ تک
۱۷۰	۹	و مبانی معنون	و مبانی اسباب	۲۲۵	۱	اسی تک	اسی حد تک
۱۷۵	۱۵	ان مین نہایت	اس مین بہات	۲۲۸	۵	اور ہی اوصاف	وہی اوصاف
۱۷۶	۴	تحریر ہی	تجربہ بھی	۲۲۹	۱	من انقہ	مین انقلاب
۱۸۱	۶	ہوسکتی ہے	ہوسکتی ہین	″	۳	سے مست	سے ہیبت ہونا
۱۸۶	۳	انسان کی	حیوان کی	″	۵	چیزوں کو	چیزون کو دیکھا
۱۸۸	۳	لہ انسان	کہ انسان	″	۶	بڑے بڑے	بڑے بڑے عقلا
۲۰۱	۳	اعلی ہمتی	یہ عالی ہمتی	۲۳۳	۱۸	خاکی بیداری	خاکی جسم بیداری
۲۰۲	۴	کام اعلے ہمتی	کام عالی ہمتی	۲۳۵	۱۸	مین یعنی عالم	مین عالم
″	۱۶	اسی قسم کی	اس قسم کی	۲۳۸	۱۱	قدم ہے ہر زمانہ	قدم سے ہر زمانہ
۲۰۴	۴	اسی لیے مذہبی	اسلئے مذہبی	۲۴۲	۱۶	آتا کہ سکون قاضی	آتا کہ قاضی
″	۷	اس لیئے	پس	۲۴۳	۴	عکس سایہ	عکس اور سایہ
۲۰۵	۵	قاعدے کبھی	قاعدے سے کبھی	۲۴۴	۳	اصداد یا ہمدگر	اضداد کے باہمدگر
۲۰۷	۱	یہ حلقے بھی	یہ حلقے ہی	″	۷	حال آن کا	حال مین انکا
۲۰۸	۵	امریکہ مین تمام	امریکہ مین بلکہ تمام	۲۵۱	۱۵	مگر فضا	مگر یہ فضا
″	۱۳	اور آخر سائنس کو بہری سوال ہوگا	×	۲۵۲	۷	آپنے آگے	اپنے آگے
۲۱۰	۱۵	تجربہ ہی دیکھتا	تجربہ سے دیکھتا	۲۵۳	۱۱	اور تعدیت	اور بعدیت
۲۱۲	۵	یا انسانون	یا بعض انسانون	″	۱۷	کے ہم معدوم	کے معدوم
″	۱۷	عقل انسان	عقل انسانی	″	۲۰	کا فرض تصور	کا تصور
۲۱۵	۵	ہوتی کہ	ہوتی ہے کہ	۲۵۵	۸	مین اسونت قابل	مین تقابل

صفحہ	سطر	خطا	صواب	صفحہ	سطر	خطا	صواب
۲۵۷	۴	وجود ٹھیرایا	وجود دیر ٹھیرایا	۳۴۷	۱۷	بالکل اور	اور بالکل
۲۶۵	۱۱	اس عیر محدود	اسکا غیر محدود	۳۵۱	۲	کاس بین مین	کاش میں
۲۷۸	۱۹	وہی حداوندی	وہی ذات خداوندی	۳۵۴	۵	عمل سے نفرت کے	نفرت کے عمل سے
۲۸۷	۱۳	نکل جانیوالے	نکلکے جانیوالے	۳۵۵	۱۶	یا تو یہ	یا تو یہ
۲۹۰	۲۱	اگر نور	اگرچہ نور	۳۵۷	۲	صداقت ہی قریب	صداقت سے قریب
۲۹۱	۱۴	جہالت اگر برائی	جہالت برائی	〃	۱۵	اور اسنے	اور اپنے
۲۹۲	۱۹	مین عود ذات	مین خود ذات	۳۸۰	۱	سے بے سود	سے اُسنے بے سود
۲۹۳	۱۰	معدوم کردیا	جاری کردیا	〃	۱۴	گیا تھا اگر	گیا تھا تو ظلم ہوتا اگر
۳۰۲	۱۰	خط پر آیا	خط پر کون آیا	۳۹۷	۷	اور چونکہ	وہ چونکہ
۳۰۵	۴	ہمارا بھی فرض	ہمارا یہی فرض	۴۰۵	۸	یہی ماہتاب	یہی کہ ماہتاب
۳۰۷	۱۱	کافر اور	کافر ہین اور	〃	۲۱	اور پائدار	اور زیادہ پائدار
۳۰۹	۱۱	جس پیز کی	جس چیز کی	۴۰۷	۷	شہادت کے نہوے	شہادت نہونے
۳۱۱	۲۱	کفر ہی کی	کفر کی	〃	۲۱	ہن یہی استدلال	ہن یہی استدلال
۳۱۲	۲۰	ان یہ باتین	ان سے باتین	۴۰۹	۷	لطف اٹھاسے	لطف اٹھائے
۳۱۳	۸	نہین اور	نہین رہتا اور	۴۱۵	۱	لوازم صحبت	لوازم صحت
۳۲۵	۱۵	توجہ پیدا ہونے کو توجہ کرنکو	توجہ پیدا ہونے کو	۴۲۴	۲۳	اڈورڈ کلاٹکی	اڈورڈ کلاڈ کی
۳۲۷	۱۵	برابر جو	برابر ہے جو	۴۲۵	۴	اپنی دونو	انہی دونو
۳۲۹	۱۴	اس سے	اس مین سے	〃	۱۸	خوراک وتسکل	خوراک کی شکل
۳۳۲	۲	اپنی محبت	اپنی حجت	۴۲۶	۱۲	سائنس اپنا	سائنس نے اپنا
〃	۱۰	محبت کامل	حجت کامل	۴۳۱	۳	جانے قوت	جانے والی قوت
۳۳۶	۲۱	سکا دیر ٹرہے	کا دائرہ ہے	۴۳۳	۱۹	ایزا وتنزل	ایزاد وتنزل
۳۳۹	۳	ایسا ہونا ضرور	ایسا ہوتا ضرور	۴۳۵	۱۱	زمانے زیادہ	زمانے مین زیادہ
۳۴۵	۵	وسیحت	وسعت	۴۳۹	۴	مادی کی طرف	مادی ترقی کیطرف
〃	۱۷	اورات کی	اور رات کی	۴۴۰	۸	سمجھتا ہے	سمجھا جاتا ہے

مضمون	صفحہ

باب نہم

باب دہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰینَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰینَا اللّٰہُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۚ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ۚ

فی زمانہ قوم مین ایک طرف ایسے لوگ موجود ہین جو مذہبی بحث و تکرار کو غیر ضروری تصور کرتے ہین تو دوسری جانب ایک گروہ نہ صرف اصول مذہب بین بلکہ اسکے فروعی مسائل مین بھی رد و قدح کا حد سے زیادہ اہتمام کرتا ہے۔ اور ایک اور فرقہ فرعی بحث کو غیر ضروری جانتا ہے مگر ضرورت محسوس کرتا ہے کہ جس طرح ایک زمانہ مین فلسفی علوم کی اشاعت پر حمایت مذہب مین علم کلام ایجاد ہوا تھا اب جدید طرز استدلال اور تازہ علمی انکشافون کے اثر سے جو غلط فہمی مسلمات مذہب مین پیدا ہو رہی ہے اس کا تدارک کرنے کیلئے جدید علم کلام مرتب ہونا چاہیئے،

میرے دل پر پہلے فریق کا خیال اثر نہین کرتا اور اسکی پہلی وجہ شاید یہ ہے کہ مین مذہب کو ایسا ضروری سمجھتا ہون کہ اس پر کاربند ہونا نوع انسانی کیلئے سب فنون سے بڑھ کر مفید ہے

اوراسکو ترک کرنا سب مضرتون سے زیادہ مضر اور اس لیئے میرے نزدیک مذہب کو ایسا ضروری سمجھنے
والون کا اخلاقی فرض ہے بابالفاظ دیگر وہ مجبور ہین کہ ایسے حتمی فائدے اور ایسے ضروری نقصان
سے جو لوگ چشم پوشی کرتے ہین انہین کسی نہ کسی طرح آگاہ کرین اور ان لوگون کی پاس خاطر سے جو اس
گفتگو کو لا طائل سمجھتے ہین اپنی یقین کی آنکھون سے لوگون کو کنوئین مین گرتے دیکھ کر خاموش
نہ رہین

بلکہ اس بارہ مین میرے نزدیک اصول و فروع کی بھی حدبندی نہین ہوسکتی کیونکہ جو
مسئلہ ایک کے نزدیک فروع مین داخل ہے اور زیادہ مہتم بالشان نہین ممکن ہے کہ دوسرے کے
نزدیک وہی اصل الاصول ہو یا کوئی شخص اُسے فرعی سمجھکر بھی ایسا مہتم بالشان سمجھتا ہو کہ اُس کو
ترک کرنے سے اصول قائم نہین رہ سکتے اور انجام ہلاکت پر ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص بالفرض
یقین رکھتا ہو کہ روزانہ صبح کو غسل نہ کرنے سے انسان کافر اور دائمی عذاب کا مستحق ٹھیرتا ہے تو خواہ
واقع مین ایسا اصرار غلط ہو مگر وہ شخص صدق دل سے ایسا عقیدہ رکھنے کے سبب مجبور ہے کہ اپنے
بھائیون کو اُنکی غلطی پر متنبہ کرے - اور وہ اِس عقیدہ کو مناسب طرز پر پیش کرے تو کسی کو حق نہین
کہ اُس پر خندہ زن ہو ۔

یہ تو وہ وجہ ہے جس سے مین مذہبی بحث و تکرار کو ضروری سمجھتا ہون لیکن اگر ایک لحظے
کیلیئے اپنے اور اپنے ہمخیالون کے خیال سے قطع نظر کرون تب بھی اِس واقعہ کو تو کسی طرح آنکھون
کے سامنے سے دور نہین کرسکتا کہ مذہب کے بارہ مین دُنیا کے اہل الرایے کا اختلاف موجود ہے -
پس ایک طرف سے اُسکے فضول ہونے اور دوسری طرف سے ضروری ہونیکا اصرار دیکھکر جو شخص اپنے
خیال سے قطع نظر کرسکتا ہے وہ صرف مذبذب ہونیکی ڈگری پاسکتا ہے اور اب اسے دیکھنا
چاہیئے کہ اس تذبذب کو دور کرنے کیلیئے دُنیا کے اور اختلافون مین کیا تدبیر مفید ہوتی ہے -
دنیا مین علمی اور ملکی اور تمدنی معاملات مین بے انتہا اختلاف موجود ہین اور ہوتے رہتے ہین
اور اگر ان سب مین بحث و تکرار کو بند کردیا جائے اور کوئی شخص کسی خیال کو بہتر سمجھکر ظاہر کرنیکا

مرتکب نہ ہو تو کسی رائے کی غلطی اور کسی اور رائے کی صحت بھی معلوم نہ ہوگی اور دنیا جس حالت مین ہے اس سے ترقی نہ کریگی - مگر یہ نتیجہ یقیناً کسی عاقل کو گوارا نہ ہوگا اور بیشک سب کے نزدیک یہی مناسب ہوگا کہ ہر شخص کی رائے مع اسکی دلائل کے دیکھی جائے اور باہمی مقابلہ و تطبیق سے سقم و صحت کا فیصلہ ہو - اور مقابلہ و تطبیق کی غرض اسی طرح پوری ہوسکتی ہے کہ جو خیالات فی الواقع صحیح ہین اُنکے ساتھ وہ خیالات بھی معرض بحث مین آئین جن کو بعد مین غلط ہونیکا فتوی دیا جائیگا - اس لئے سقم و صحت کا فیصلہ کرنے اور انسان کو ترقی کی راہ پر لانیکے لیئے جو کام صحیح خیالات سے نکلتا ہے وہی خدمت غلط خیالات اپنی بحث و تکرار سے بجالاتے ہین اور دُنیا کے تمام معاملات غلطی اور صحت کی اسی جد و جہد سے صفائی کے قریب آتے ہین - اورجب یہ صورت ہے تو مذہبی اختلاف مین جو فی الواقع دنیا مین موجود ہے مذہبی بحث و تکرار ان لوگون کیطرف سے جو مذہب کو ضروری سمجھتے ہین یا انکی طرف سے جو مذہب کو مٹانا چاہتے ہین اگر انکا خیال غلط ہو تب بھی غیر ضروری نہین ہوسکتا - بلکہ انسان کی مختلف ترقیون مین سے ایک ترقی کا رستہ صاف کرنے کی خدمت ادا کرتا ہے اور اسلئے مفید ہے ✦

غرض میرے نزدیک اہل مذہب کا اپنے خیالات کو شائع کرنا اور جن امور پر وہ سب سے بڑے سود و زیان کو مرتّب سمجھتے ہین اُن کو بنی نوع کے کانون تک پہنچانے کی کوششون مین مصروف رہنا کسی طرح غیر مفید اور قابل تحقیر نہین - البتہ مین دیکھتا ہون کہ دنیا کی کسی کوشش مین حد مناسب سے تجاوز کرنا اور بداخلاقی و فتنہ انگیزی سے کام لینا مفید نہین ہوتا - بلکہ اکثر اوقات کسی صحیح مسئلہ پر نامناسب زور دینے سے اُلٹا اثر ہوتا ہے اور اس فعل سے مخالف کو جو رنج و غصہ پیدا ہوتا ہے وہ اسکو صداقت کے قریب نہین آنے دیتا اور غلطی پر اصرار کرنے کا محرک ہوتا ہے - بعض لوگ ملکی صنعت کو رواج دینا چاہتے ہین جو واقع مین شریف خیال ہے مگر لوگون سے منوانے کیلئے غیر ملکی چیز جسکے پاس دیکھتے ہین چھین کے جلا دیتے ہین اور خریدنے والیکو ایذا پہنچاتے ہین یا بعض لوگ حکام سے ملکی حقوق منوانے چاہتے ہین اور اس غرض

کیلئے حاکم کے کارندون اور ربگڑ بیٹھا ہون کو تیر و تفنگ اور دشنام و لعنت کا نشانہ بناتے ہین
ان افعال سے دعوی کی صداقت کو کوئی تعلق نہین اور جو لوگ اس دعوی کو نہین مانتے اگر
وہ غلطی پر ہون تو انکی غلطی ثابت نہین ہوسکتی - بلکہ تکلیف اور فساد سے متاثر ہوکر مخالفون کو تدبیر کے
ساتھ تدبیر پیدا کرنے والے خیال کو اور زیادہ غلط سمجھنے کی ترغیب ہوتی ہے اور جو لوگ قوت رکھتے
ہین وہ اس خیال کو دبانے کی پہلے سے زیادہ کوشش کرنے لگتے ہین اور روہ فساد پھیلتا ہے
جس کا انجام ضعف و قوت کی لڑائی ہین خواہ کسی فریق کے موافق ہو مگر غلط رائے کی غلطی اور صحیح
کی صحت ثابت ہونیکا نتیجہ ایسی کوشش پر کبھی مرتب نہین ہوتا اور اگر کسی خیال کو مقبول بنانا ہے
تو اسکی صرف یہی سبیل ہے کہ متانت اور تہذیب کے ساتھ رائے اور اسکے دلائل پیش کیجائین ؛
یہی کیفیت مذہبی بحث و تکرار کی ہے - آہنی زنجیر نشدد اور مار پیٹ کا دور اب سے
بہت دور رہگیا ہے اور ترقی تہذیب نے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا سبق لوگون کو یاد کروا دیا ؛
مگر تہذیب و متانت کے استعمال مین ابھی بہت زیادہ اہتمام درکار ہے - اگر ہم غیر مذہب کے مقتداؤن
کا ذکر بے ادبی سے کرین - مخالف کا نام ذلت سے لین - اصل مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی بجائے شخصی
عیوب کو فخر سے دہرائین - کتاب کا نام ایسا تجویز کرین جس سے نفرت و عداوت کا اظہار ہو بلکہ اگر
مخالف کے خیال کو حماقت اور جہالت وغیرہ غضب انگیز نامون سے یاد کرین تو ظاہر ہے کہ ان تمام
افعال سے نفرت اور ملال بلکہ غصہ اور عداوت کو تحریک ہوگی اور جس وقت قلب کی یہ کیفیت ہوگی انصاف
پسندی اور نصفت شعاری کی صفت دور ہو جاتی ہے اسلئے وہ صداقت جسے ہمنے غیر مہذب
کلام مین مخالف کے سامنے پیش کیا ہے اسکو قریب لانے کی بجائے اور زیادہ دور کرنیکا باعث ہوگی
اور اسلئے ایسی مذہبی بحث و تکرار جسمین تہذیب سے چشم پوشی کیگئی ہے کسی طرح مفید نہین اور انسانی ترقی
کیلئے وہی بحث و تکرار ضروری اور مفید ہے جسمین ملال انگیز طرز ادا سے بالکل اجتناب کیا جائے اور
نہایت مہذب طریق سے محض نفس مطلب کو ظاہر کرنے پر اکتفا ہو - چنانچہ اسلام اسی قسم کی مذہبی بحث
کو فرض گردانتا ہے بلکہ جو لوگ بدی سے پیش آئین انکو بھی تہذیب کے ساتھ جواب دینے کی ہدایت

کرتا ہے اور اسکا نتیجہ یہ بتاتا ہے کہ جو تمہارے دشمن ہیں وہ بھی دوست ہوجائینگے ۔ ارشاد ہے

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (نحل پارہ ۱۴ ع ۱۶)	اپنے خدا کے رستہ کیطرف دانائی اور نیک نصیحت سے بلاؤ اور وہ بحث کرو جو بہتر ہو۔
فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ط (طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۲)	پس تم دونوں (موسیٰ ہارون) اس سے نرم بات کہو شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈرے ۔
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ (مومنون پارہ ۱۸ ع)	بدی کا ایسی تدبیر سے مقابلہ کرو جو نیک ہو۔
وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۵)	اہل کتاب سے جھگڑا مت کرو مگر جو نیک ہو۔
وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ط (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۵)	نیکی اور بدی مساوی نہیں تم نیکی کے ساتھ مقابلہ کرو۔ اس طرح جو تمہارا دشمن ہوگا وہ بھی دیکھوگے کہ دلی دوست ہوگیا ۔

تہذیب و متانت کے علاوہ مذہبی بحث و تکرار کیلئے یہ بھی ضرور ہے کہ جو مسئلہ زیر بحث ہو اسکے موافق و مخالف تمام پہلو پورے طور پر ذہن نشین ہوں اور بالخصوص جبکہ فراہین مذہبی کو عقلی پہلو سے دیکھنا ہو اور مروجہ علوم عقلیہ سے مقابلہ کرنا ہو تو اس وقت ایک طرف مذہبی واقفیت مکمل ہونی چاہیئے اور دوسری جانب علوم عقلیہ میں کامل مہارت کی ضرورت ہے اور اس طرح پر اصولی بحث کے لئے سائنس و فلسفہ اور احکام مذہب کی مختلف شاخوں کیلئے قانون ۔ اخلاق ۔ پولیٹیکل اکانمی ۔ تاریخ اور سائیکالوجی وغیرہ علوم عقلیہ کے تمام جدید انکشافوں سے آگاہ ہونا ضرور ہے اور علامہ شبلی بجا فرماتے ہیں کہ " جبتک قوم میں فارابی نہ پیدا ہوں غزالی کا وجود میں آنا ممکن نہیں " اور میرے خیال میں مذہبی واقفیت کی ضرورت دیکھتے ہوئے اس کلیہ میں اس قدر اور ایزاد ہونا چاہیئے کہ جبتک فارابی کے ساتھ مالک و بوحنیفہ کا اثر نہ ہو صرف فارابی سے بوعلی پیدا ہوسکتا ہے اور غزالی بننے کی تحریک نہیں ہوتی ۔ اور یہاں یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف

مالکؒ و بو حنیفہؒ کا اثر یعنے مذہبی واقفیت کا شوق اور جوش یوماً فیوماً روبہ تنزل ہے
اور دوسری طرف فارابیت پیدا ہونے مین بہت دیر معلوم ہوتی ہے اور تمام ملک مین علوم
عقلیہ ابھی تک آبادی کے بہت مختصر حصہ مین اور وہ بھی بالعموم محض تقلید کی شکل مین داخل
ہوئے ہین اور تمام قوی اور ضعیف علمی مسائل پر اسلئے یقین کیا جاتا ہے کہ وہ مسلم الثبوت استادون
کی طرف سے پیش ہوئے ہین ورنہ یقین کو ظن سے اور تصوری کو فیکٹ سے تمیز کرنے کی مہارت
شاذ و نادر ہی موجود ہوگی چہ جائیکہ خود موجد یا محقق ہونیکا درجہ حاصل ہو یا اہل علم کی کثرت سے بیشتر
آبادی عام علمی اصطلاحون اور واضح اصول سے آشنا ہونیکا فخر کرسکے۔ اور جبتک مذہب اور حنفی علوم
کی واقفیت اس درجہ پر ہے کچھ شک نہین کہ علوم عقلیہ کے مقابلہ مین مذہبی حمایت کا دعوی نہین ہوسکتا
لیکن اس عجز کا یہ اثر ہو کہ نامعلوم عرصہ کے لئے مذہبی بحث و تکرار کو ترک کر دیا جائے اور
اس خدمت کا انتظار کیا جاوے جسکی تخم ریزی کیلئے علیگڈھ اور لکھنؤ کی زمین ہموار ہو رہی
ہے تو ایسی موسم آنے سے پہلے فاقہ کش تباہ ہوچکینگے اور کیا عجب ہے کہ فارابی زراعت مخالف قوت
کو بالکل نابود رکھنے سے ایسا پھل لائے جو مذہبی جذبہ کیلئے زہر کا اثر رکھے یا اگر اس وقت تک دونو
طاقتین پوری نشو و نما پا جائین جب بھی۔ گر از بس من کنی فیکون شد شدہ باشد۔ اسوقت کی
ارزانی سے کوئی اونسل فائدہ اٹھائیگی نہ ہم لوگ۔ اسلئے گو مرض سخت ہو اور معالج ناپید مگر جب تک
مناسب علاج نہ ہوسکے تیمار دار اپنی ہمت کے موافق بیمار کی خبر گیری سے دریغ نہین کرتے
اور جو کوششین اس بارہ مین موجودہ وسائل کو حتے الوسع کام مین لاکر ہوسکتی ہین انکو دہریت کی
عقلی دوا نہ کہا جائے تب بھی وہ مذہبی غذا کو کسی حد تک صاف اور خوشگوار کرنے مین ضرور مدد دیتی
ہین اور اسلئے فائدہ سے خالی نہین اور کیا عجب ہے کہ یہی تدبیر ترقی کرتی ہوئی ایک وقت پر ازالہ
مرض کے لیے تیر بہدف ہو۔ شاید کہ ہمین بیضہ بر آرد پر و بال۔ عنقا گردد۔
علاج بیشک ڈاکٹر ہی کرسکتے ہین مگر تیمارداروں مین وہ شخص بھی شامل ہے جو صاف
کرنے کے لئے پانی کو جوش دے چنانچہ ایسی ہی خدمت کی آرزو مجھے بھی ہے اور آج

کل کے مخالفانہ خیالات میں سے جو میرے دلکو پریشان کرتے رہے ہین اگرچہ ان کے لائق
سامان میری دسترس مین نہین مگر ایک عرصہ تک غور و تامل مین مصروف رہنے پر جن وجوہ سے
مجھے تسکین ہوئی ہے انہین پیش کرنے کی جراٴت کرتا ہون - مین نہین کہ سکتا کہ یہ تحریر ان لوگون کو
جنہوں نے ایسا کام دیکھی جنہون نے ان مسائل مین غور کیا ہے اور مخالف راے قائم کر چکے ہین اور
یہ بہی توقع نہین ہو سکتا کہ وہ لوگ تسلیم کرینگے جو مذبذب ہین مگر میلان دوسری طرف رکھتے ہین
البتہ جو لوگ مذبذب ہین - اور کسیقدر میلان بہی میرے موافق رکھتے ہین - انہین سے بعض ممکن
ہے کہ انہی وجوہ سے تسکین پائین جو مجھے مطمئن کرتی ہین - اور مین سمجھتا ہون کہ ایسے لوگون کے
لئے (اگر کوئی ہون) میری تحریر مفید ہوگی - یا جو لوگ پہلے سے میرے ہمخیال ہین اور میری جیسی
طبیعت رکھنے کے سبب میرے دلائل کو پسند کر سکتے ہین انہین ایک ہمخیال کی آواز بلند ہونے
سے مسرت ہوگی اور مخالف خیالات کے قابو مین نہ آنے کیلئے پہلے سے زیادہ مستعد ہو جائینگے
یا اگر کوئی شخص میری تمام تحریر سے متفق نہ ہو لیکن اسکے بعض مقامات سے اپنے بعض خیالات
مین ترمیم کی ضرورت محسوس کرے تو یہ بھی ایک فایدہ ہوگا - اور یہ سب فائدے ضرورت کے
لحاظ سے اگرچہ کم ہین لیکن اگر حاصل ہون تو نہ ہونے سے بہتر ہین اور اگر نہ ہون تو بہی انکی آرزو
مین اپنے نقطۂ خیال سے ایک مناسب آرزو اور اس کیلئے کوشش انسانی فرض سمجھتا ہون
مجھے مفصل معلوم نہین کہ خاص ان مضامین مین قوم کے قابل اہل قلم نے کس قدر کام
کیا ہے اگر کوئی تحریر انہی عنوانون پر شائع ہو چکی ہے مگر نتائج اور پیدا کئے گئے ہین تو میری
کوشش جداگانہ نتائج پیش کرنیکے سبب ضرور توجہ کی مستحق ہوگی - اور اگر انہی نتائج کو ثابت کیا
جا چکا ہے تو بہی ایک مضمون کی دو تحریرین طرز بیان مین ضرور مختلف ہونگی - اور اگر کوئی
مضمون توجہ کے قابل ہو تو اسکا مختلف طرزون سے پیش ہونا بہر حال مفید ہے اور مین اس
مضمون کو توجہ کے قابل سمجھتا ہون اس لئے ایسی کوشش کو اس صورت مین بہی فضول
نہین سمجھہ سکتا -

اِس تحریر میں جو نقص ہونگے وہ دیکھنے والوں کو نظر آئینگے۔ البتہ مجھے اِس کی طوالت اور پیچیدگی کی نسبت خیال ہے کہ شاید عیب معلوم ہو۔ لیکن اول تو یہ گذارش ہے کہ میرے ، عادی اگرچہ دیرینہ ہیں مگر اُن کو ثابت کرنیکا طرز (کم از کم میرے خیال میں) ضرور نیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جن رستوں میں ہو کر میں منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہوں اُردو دان پبلک کو اِنہیں دیکھنے کا کم اتفاق ہوا ہوگا۔ بلکہ اکثر اوقات مجھے اُن مضامین کو اُردو لباس پہنانے میں دقت پیش آئی ہے اِسلئے میری توجہ تمام تر اِسی جانب مصروف رہی ہے کہ کسی طرح اُن مضامین کو ادا کر سکوں اور کسی مقدمہ کو جس قدر الفاظ سے میں اپنے ذہن میں قائم کر سکا ہوں جب لکھنے کے وقت انہیں واضح نہیں پایا تو اور طول دینا پڑا ہے اور اِس وجہ سے عجب نہیں کہ کہیں ناگوار طول۔ کہیں تکرار اور کہیں سلجھانے کی کوشش میں اور پیچیدگی پیدا ہو گئی ہو۔ اور دوسرے مجھے اپنے قصور کا اعتراف ہے کہ میں کسی مضمون کو منشیانہ قابلیت سے ادا نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ نقص اگر ہے تو اس کا الزام ایک شخص واحد پر ہوگا اور با انصاف ناظرین سے یہ توقع بیجا نہیں کہ نفس مضمون کی صحت و سقم کو پرکھیں۔ اور اگر صداقت نظر آئے تو غیر فصیح کلام کے سبب گرد آلود چہرہ کی ذاتی خوبی دیکھنے میں توجہ سے دریغ نہ فرمائیں۔

اس تحریر میں جس قدر مطالب دیگر اہل الرائے سے اخذ کئے گئے ہیں اُن کو ظاہر کرنیکا حتی الوسع اہتمام کیا ہے۔ لیکن اگر کسی اور کا مضمون اس طرز پر ادا ہوا ہو کہ بظاہر مصنف کا طبعزاد سمجھا جائے تو یہ سہو انسانیت ہوگا ورنہ مجھے اعتراف ہے کہ میرا طبعی کارنامہ کچھ بھی نہیں اور جو کچھ ہے وہ اہل علم کی خوشہ چینی کا ثمر ہے۔ اور بعض اوقات کسی مصنف یا سپیکر کا خیال اس طرح ذہن میں در آتا ہے کہ اُس کا فیضان محسوس نہیں ہوتا لیکن متفکرہ پر اثر کرتا ہے اور جب انسان ذہنی عمل سے اسی نتیجہ پر پہونچتا ہے تو سمجھتا ہے کہ بہ خود اس کا فعل ہے حالانکہ حقیقت میں خارجی ترغیب کا اثر ہوتا ہے اور اس طرح پر ممکن ہے کہ میرے اکثر بلکہ تمام مضامین کی لہر اسی قسم کے شبنمی قطروں سے مرکب ہو۔

مجھے اکثر جگہ آیات قرآنیہ کا حوالہ دینے کی ضرورت پیش آئی ہے اور ہم مسلمانون
کے نقطۂ خیال سے قرآنِ پاک کا ہر حرف اور ہر حرکت بیشمار لطائف و نکات سے معمور ہے اِس لیئے
اس کا ترجمہ جس قدر دشوار ہے محتاج بیان نہین اور مینے جو ترجمہ لکھا ہے وہ آیت کے تمام
مطالب پر نہ حاوی ہو سکتا تھا اور نہ ایسی کوشش کی گئی ہے بلکہ صرف اُس مدعا کو ظاہر کرنا
مدنظر رہا ہے جس کے لئے کسی آئیت سے استناد کیا گیا ہے۔ والسلام۔ تحریر ۱ر صفر ۱۳۲۸ھ

راقم

محمود علی عفی اللہ عنہ
کپورتھلہ

زیب عنوان

تصنیف کو کسی قابل تعظیم بزرگ کے نام سے مزین کرنا اہل تصنیف کا عام دستور ہے جس سے
کتاب کو کسیکی ذاتی عظمت سے معزز کرنا یا کتاب کی پائیداری سے کسی محسن کی یادگار قائم کرنا مقصود
ہوتا ہے اور میرے خیال مین کتاب سے خود مصنف کی بقا اسی لیے متصوّر ہے کہ اُسکی کوشش نے
کتاب کو موجود کیا۔ اِس لیے مصنّف کے علاوہ اور جو لوگ کتاب کی ہستی کا باعث ہون وہی سب
سے زیادہ کتاب کے ساتھ قایم رہنے کیلئے شایان ہین اور انھی کے نام سے کتاب کو زینت
ہونی چاہیئے۔ مجھے اس تحریر کی توفیق اسی لئے ہوئی کہ ایک عرصہ تک بعض اہل علم کی کفش
برداری کا شرف حاصل کیا ہے سب سے پہلے اور بہت عرصہ تک جس مکتب سے فیضیاب ہوا ہون
وہ یادش بخیر آغوش پدر تھی۔ اور نہ صرف اِسی قدر بلکہ وہ روحانی تعلق جس کے بغیر انسان کو
انسان کہنا شیر قالین کو شیر نیستان کا خطاب دینا ہے اور جس کا فی زمانہ بہت کم اور مخصوص سمی

لحاظ رکھا جاتا ہے مجھے وہ تعلق بہی جیسا کچھ ہے اُسی جناب سے ہے جس کا توسط جسمانی وجود کا باعث ہوا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح فخر کرتے ہین کہ اُن کے والد والد بھی ہین اُستاد بھی ہین اور پیر بھی ہین۔ اس اعزاز سے فائدہ اُٹھانا خوش نصیبون کا حصہ ہے مگر الحمد للہ کہ یہ فخر مجھے بھی حاصل ہے۔ تہیدستی شامل اعمال ہے ورنہ میرا عقیدہ ہے کہ جس جناب سے مجھے یہ تینون تعلق ہین اُنکی ذات سے ہر طرح کی دولت حاصل ہوسکتی تھی ،

پدری تربیت کی اثنا مین اور اسکے بعد اکثر بزرگوارون کی آستان بوسی باعث افتخار ہوئی اور آخر مین بخت بیدار شمس العلما مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج کی خدمت مین لیگیا اور مجھے بجا فخر ہے کہ جس مایۂ فضیلت سے سب کے بعد جیب و دامن بھرنیکا موقع ملا وہ اپنے کمال مین گذشتہ اسلامی فہم و فراست کی بینظیر یادگار ہے اور اسی خوان نعمت کی ریزہ چینی کا اثر ہے کہ باوجود بیسامانی میدان تصنیف مین قدم رکھنے کی جرأت ہوئی۔

پس مین اس ناچیز تحریر کو اپنے والد بزرگوار میر سید علی دہلوی مرحوم اور مفتی صاحب قبلہ کے اسمائے گرامی سے مزین کرتا ہون۔ والد ماجد جہان فانی کو طے کرچکے ہین اسلئے اُن کی خدمت مین عرض کرنے کی صرف یہی شکل ہے کہ تامحسوس قلبی صدا فضائے خیال سے عالم روحانی تک پہنچاؤن اور اپنی آرزو کیلئے غائبانہ شرف قبول کی التجا کرون البتہ مولانا مدظلہ کی خدمت مین یہ ناچیز ہدیہ پیش کرنیکے بعد اجازت کی درخواست کرسکتا تہا جو نہین کرسکا۔ کیونکہ میرے خیال مین جس طرح اپنے محسن کی یاد کا دل مین موجود رہنا ایک فطری کشش ہے اور اس موقع پر اجازت کا ذکر ایک بے اختیاری فعل پر داد کی طلب ہے اور جس طرح اپنے محسن کا ذکر زبان پر لانا اخلاقی فرض ہے اور اسکے ساتھ اجازت کا تذکرہ زیبا نہین اسی طرح اپنے محسن کا نام نامی تحریر مین لانا تحریر کرنیوالے کا اپنا فخر ہے اور اس لئے یہان بہی اجازت کو دخل دینا فرض واجب الادا کو احسان کے لباس مین جلوہ گر کرنا ہے۔ اور اُدھر گرانباری احسان اصرار کرتی ہے کہ جب مصنف کا نام جو حقیقت مین کچھ نہین

کتاب کے ساتھ وابستہ ہے توجس سرچشمہ سے یہ نم پیدا ہوئی ہو اُس کا ذکر نہ کرنا کفران نعمت ہے۔ بیشک جو نتائج مینے پیدا کئے ہین وہ غلط ہون تو الزام مجھ پر ہوگا اور شاگردی تعلق سے اساتذہ جواب دہ نہین ہو سکتے مگر تمنا ہے کہ جو قابل یادگار ہین اُن کے اسماگرامی ہمیشہ صفحہ ہستی پر ثبت رہن۔ یہ عاجز نہ رہیگا لیکن جو فیضان اِسے متحرک کرتا ہے وہ قائم رہے تو اور موجین اس سے بہتر و برتر پیدا ہو سکتی ہین۔

در چمن خندۂ گل از اثر باد صبا ست
گل نماند مگر این باد بہاری ماند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

باب اول

مذہب اور فطرت

مذہبی احساس کی قوت ۔ مذہب کو نابود کرنے کی کوشش اور اُس کا انجام ۔ مذہب کو پیدا کرنے کے اسباب بھی فطری ہیں ۔ کیا مذہب استدلال سے پیدا ہوا ہے ۔ مذہب کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں عقلی ترقی سے مذہب روشن ہوتا گیا ہے ۔ سائنس مذہب کی کیا خدمت کرتی ہے ۔ مذہب اور معتقدانان توہم ۔ مذہب کا معبود ہمیشہ ایک نہیں رہا ۔ ایک معبود ہونے کی وجہ ۔ بعض قومیں مذہب سے معرا ہیں اکثر اشخاص لا مذہب ہوگئے ہیں ۔ مذہب کا اثر اور بغیر استثنا بھی قانون قدرت ہے ۔ لامذہب بھی اکثر کسی نہ کسی طرح کا مذہب رکھتے ہیں ۔ مذہب کی تعریف ۔ ایک دہریہ کے قول میں مذہبی نشان ۔ دہریوں مذہبی کشش کے چند اور نمونے ۔ مذہب فطرت میں وہی درجہ رکھتا ہے جو عقل و ترقی وغیرہ صفات کو حاصل ہے

مذہبی احساس کی قوت

انسان کسی چیز کو دیکھتا ہے ۔ اُسکی شکل صورت اور قطع وضع سے رغبت یا نفرت کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے ۔ اگر عقل خداداد یاری کرتی ہے تو اُس کے متعلق تحقیق و تفتیش میں مصروف ہوتا ہے حواس ظاہری کو حتی الوسع پورے طور پر کام میں لاتا ہے پھر فکر و تخیل سے مدد لیتا ہے

استقرار و قیاس تمثیل و ترجیح کے قاعدے استعمال کرتا ہے اور کسی نتیجہ پر پہنچ کر اسے ہاتھ میں لانے یا اس سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر تہذیب و تربیت سے بے بہرہ ہوتا ہے تو محض حواس ظاہری یا خیالِ باطل سے متاثر ہو کر فوراً اُسکی طرف جھپٹتا ہے یا خوف زدہ ہو کر بے تحاشا بھاگ جاتا ہے۔ غرض تمام مظاہر عالم اور تمام مناظر قدرت کے پیش نظر ہونے پر عالم و جاہل اپنے اپنے مدارج علم و جہل کے مطابق اِسی روش پر کاربند ہوتے ہیں اور اِسکے برخلاف جس چیز تک نظر یا دیگر حواس کی رسائی نہیں ہوتی نہ اس سے محبت یا نفرت پیدا ہوتی ہے اور نہ اُس کی نسبت فہم و ادراک مصروف کار ہوتے ہیں اور نہ اس کے متعلق حصول یا مدافعت کی کوشش ظہور میں آتی ہے۔ اگر اس کو قوت مدرکہ کا ایک کلیہ قاعدہ مان لیا جائے جیسا کہ بظاہر انسانی دل و دماغ کے تمام حرکات اور اعمال سے ثابت ہوتا ہے تو بیشک بعض کہنے والوں کے ساتھ ملکر کہنا پڑے گا کہ محض حواس ظاہری اور عقل ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ اور نتائج کے بعد توجہ یا گریز کا اثر مرتب ہوتا ہے اور جو چیز نا محسوس ہو اور نہ عقل اُسے استنباط کر سکے وہ نہ چیز کہلانے کی مستحق ہے اور نہ اُسکی نسبت کسی قسم کا علم و یقین پیدا ہو سکتا ہے۔ اور فی الحقیقت قوت مدرکہ اور طبیعت انسانی کی یہ خاصیت ایسی عام اور وسیع ہے کہ جہاں تک عام طور پر تلاش و تجسس کی حد ہے اس کے خلاف پایا نہیں اور اسلئے اِس کو قاعدہ کلیہ ماننے میں تامل نہ ہونا چاہیئے۔

لیکن جس طرح دُنیا کے اکثر کلیہ قاعدوں میں استثنا ہوا کرتا ہے اسی طرح استثنا سے یہ قاعدہ بھی بری نہیں ہے۔ بیشک ہم کسی چیز سے بغیر دیکھے نہ ڈرتے ہیں اور نہ اس کی طرف رغبت کرتے ہیں مگر یہ بھی قریباً ساری دُنیا اور غالباً تمام بنی نوع انسان کا متفقہ میلان ہے کہ کم از کم ایک نادیدہ ہستی کی طرف انکی رغبت ہے اور رغبت بھی ایسی کہ اور تمام رغبتوں سے فائق اور اُسی ایک نادیدہ ہستی سے خوف ہے اور خوف بھی ایسا کہ دُنیا کی بڑی سے بڑی چیز بھی ایسی خوفناک نہیں۔ وہ اُسے دیکھ نہیں سکتے لیکن جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اُس میں اُسی کا

جلوہ نظر آتا ہے۔ اور جس کو دیکھتے ہین اُسکے وجود مین شک کرین تو کرین لیکن جس کا نُور
آنکھون مین سما رہا ہے اُس پر بے دیکھے ایسا یقین ہے کہ اُسکے خلاف ہزار حجتین پیش ہون
لاکھ دلیلین بیان کی جائین اور انسان عقلی طور پر جواب دینے سے عاجز آجائے بلکہ کسی وقت مخالف
کی مخالفت سے مغلوب ہو کر اُس یقین کو چھوڑنا چاہے غرض کیسی ہی رد و کد اور بحث و تکرار
ہو دل جسمین یقین گھر کیئے ہوئے ہے وہ فنا ہو جائے تو ہو جائے مگر یقین فنا نہین ہوتا اور
اعتقاد زوال نہیں پاتا۔ وہ اسے سمجھ نہین سکتے اور عقل جو ہر میدان مین جولانیان دکھا دکھا کر
لوگون کو حیران و ششدر کر رہی ہے اُس کے سراپردۂ جلال پر جا کر خود حیران و ششدر رہجاتی
ہے مگر جن عقدون کو سمجھنے کا دعوے کیا جاتا ہے اُن مین سے ہر ایک اُس ناقابل فہمیدہ ہستی
کو زبان بے زبانی سے ایسا سمجھا رہا ہے کہ سمجھی ہوئی باتین غلط ہون تو ہون مگر اُس سر تراز
خیال و قیاس ہستی کا جو قبضہ خیال و قیاس پر ہے خود خیال و قیاس کے فنا ہونے پر بھی دور نہین ہوتا

اور چونکہ یہ اعتقاد جاہل و عالم عامی و عارف ہر شخص کے دل پر کم و بیش قبضہ کیئے
ہوئے ہے اور دُنیا کا کوئی حصہ اور زمانہ کا کوئی عرصہ ایسا متحقق نہین ہوتا جس مین لوگ اِس
یقین سے قطعًا بے بہرہ ہون اس لیئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ یقین عقل و استدلال سے پیدا
نہین ہوا۔ کیونکہ اِس یقین کے دلائل عقلیہ جہان تک پیدا ہو سکے ہین ایسے دقیق اور پیچیدہ
ہین کہ جب کبھی ہستی باری تعالی کے ثبوت کو محض ان دلایل پر منحصر سمجھ کر بحث و تکرار کیا گیا
ہے تو بڑے بڑے عقلا کو اِس ثبوت مین طرح طرح کے شکوک اور فیصلہ کے وقت اُن کے
گوناگون مذاہب پیدا ہوتے رہے ہین جس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض عقل ایسے جوہر کو پیدا
کرنے کے قابل نہین اور اگر ہے تو بھی نہایت ہی باریک بین اور نکتہ رس عقول کا کام ہے
کہ محض استدلالی طریق سے اُس ہستی کا پتہ لگائین اور چونکہ عقل کو روشنی اور جلا کا یہ درجہ تعلیم
و تہذیب کے اعلے پایہ پر پہونچ کر حاصل ہو سکتا ہے اِس لیئے ضرور تھا کہ ہستی باری تعالی کا
یقین اگر محض استدلال پر منحصر تھا تو جاہل قومون مین پایا نہ جاتا بلکہ تہذیب کے ابتدائی مراتب

ین بھی اسکا وجود نہ ہوتا حالانکہ واقعیت اسکے خلاف ہے اور جہلا کے دلون مین جس وثوق اور
اطمینان کے ساتھ یہ یقین موجود رہتا ہے وہ بسا اوقات علماء کے لئے قابل رشک ہوتا ہے
اس لئے خیال ہوتا ہے کہ اگر وجود باری تعالیٰ کا یقین عقل و استدلال پر موقوف نہین اور باوجود
اس کے ہر زمانہ اور ہر ملک مین اس عموم کے ساتھ پایا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ فطرت انسانی مین
دیگر فطری خواہشوں کیطرح یہ یقین بھی ازل سے ودیعت ہوگا ۔

مذہب کو مٹانیکی کوشش اور اسکا انجام

اگرچہ یہ ضرور ہے کہ کم از کم تاریخی زمانہ کے ہر عرصہ مین ایسے چند اشخاص بھی موجود
رہے ہین جو اس یقین سے بالکل معرا ہون - بلکہ وہ لوگ اپنی طاقت کے موافق اس امر کی کوشش بھی
کرتے رہے ہیں کہ اس خیال کو لوگوں کے دل سے مٹائین اور جو بندشین انسان کے خیالات
اور اعمال پر خدا کے یقین سے لازمی طور پر عاید ہوتی ہین اُن کو زایل کرین اور چونکہ خود انسان کی
فطرت مین بندشون سے رہائی پانے کی خواہش نہایت قوت کے ساتھ موجود ہے اور ضروریات
زندگی کو مہیا کرنے اور نفسانی خواہشون کو برلانے کیلئے وہ چاہتا ہے کہ ہر طرح کی آزادی سے
بہرہ یاب ہو اور لذائذ جسمانی کے حصول مین کوئی مزاحمت سد راہ نہ ہو اس لئے چاہئے تھا کہ خدا
کے یقین کو زائل کرنے کی کوشش اس کے اپنی دنیوی خواہشون کی مدد سے نہایت آسانی کے
ساتھ کامیاب ہوتی - اور دوسرے بسا اوقات دنیوی تہذیب کی ترقی سے تعلیم و تربیت بھی ایسی
رائج ہو جاتی ہے جسمین سہک دیکھ کر کچھ عرصہ کیلئے اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ مذہبی قیود اور خدا کا
یقین ایسی نسل یا ایسے ملک سے بالکل زائل ہو جائے گا جسمین محض مادی تعلیم و تربیت پر مدار
کار رہ گیا ہے - مگر زمانہ چکر کھاتا ہوا چلا جاتا ہے - مادی علوم و فنون اپنی ترقی و تنزل کے آثار
چڑھاؤ سے اپنی اپنی نوبت میں ہر ملک اور قوم کو کمال و زوال کی چاشنی چکھاتے ہوئے جاتے
ہین اور ایسے لوگ اپنے دلکش ترانون اور فرحت بخش نغمون سے عوام الناس کو اپنی طرف کھینچنے
میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کرتے اور کسی کسی وقت انکی کامیابی کا گمان بھی ہو جاتا ہے
لیکن پھر بھی ایسی خوشگوار آزادی کو پسند کرنیوالون اور مذہب سے بیزار رہنے والوں لوگوں کے

ساتھ بسر لانے والوں کی تعداد کو اُن لوگوں کی تعداد سے مقابلہ کیا جاوے جو باوجود آزادی
کی خواہش اور اُن لوگوں کی کوشش کے مذہبی دائرہ سے قدم باہر نہیں نکالتے یا نہیں نکال
سکتے تو عاجز آکر ان آزاد خیال بزرگواروں کو اپنے خلاف ملے انتہا کثرت دیکھ کر اس کی وجہ تلاش
کرنے ہوئے یہ اختیار کہنا پڑتا ہے کہ -

"جب تک انسانی زندگی انسانی تمناؤں کو برلانے کے ناقابل ہے جب تک یہاں کی کامیابیوں سے
بالاتر لذائذ کا اشتیاق قائم رہیگا جب تک اس اشتیاق کو صرف کسی مذہب سے حاصل ہوگی
جب تک دنیوی زیست تکالیف سے معمور ہے تسلی کی ضرورت رہیگی جو خود غرضوں کو بہشت
کی امید سے اور پارسا لوگوں کو خدا کی محبت سے حاصل ہوگی۔" [*]

مطلب یہ کہ دافع بین مذہب یا ایمان بین کوئی خوبی نہیں بلکہ انسان مبتلا ہی ایسی حالتین ہوا ہے
جس بین ہاتھ پاؤن مارتے ہوئے عاجز آتا ہے تو روحانی اور مابعد الموت فوائد پر بھروسہ کرکے اپنے دل کو
اطمینان دیتا ہے ✝

مذہب کو پیدا کرنے کے اسباب بھی فطری ہیں۔

لیکن مذہب ضروری اور مفید ہو یا نہ ہو سر دست دیکھنا یہ ہے کہ جس خیال کو وہ اپنے
زعم مین بالکل غلط اور بے سر و پا سمجھتے ہین اسمین غور کرتے ہوئے وہ خود کس نتیجہ پر پہنچتے ہین سوا مذہب
کو یا خدا کے یقین کو انسانی فطرت مین داخل نہین سمجھتے مگر نوع انسانی کو پابند مذہب دیکھ کر اسکی
وجہ تلاش کرتے ہین اور اس جستجو مین مذہب کو پیدا کرنے والے اسباب وہ نظر آتے ہین جو خود قدرت
نے اپنے ہاتھ سے پیدا کئے ہین اور انسانی اختیارات و تصرف کو اُن مین دخل نہین۔ انسان کا اپنی
تمناؤن کو برلانے کے ناقابل ہونا یہان کی کامیابیون سے بالاتر لذائذ کا اشتیاق قائم رکھنا،
اور انسانی زندگی کا تکالیف سے خالی نہ رہنا یہ تمام اسباب فطری ہین پس جو نتیجہ ان فطری اسباب
پر مرتب ہوتا ہے یعنی مذہب اگر وہ فطری نہ ہو اس لیئے کہ اس کے اسباب ان حکیمون کو معلوم
ہو گئے ہین تو انسان کے دیگر فطری خواص بھی اسی دلیل سے غیر فطری ثابت ہو سکتے ہین۔
مثلاً بھوک و پیاس انسان و حیوان کی سب سے مقدم فطری خواہش ہے لیکن کیا بھوک پیاس کا

[*] مسٹر جان سٹوارٹ مل۔ ایسّے ۲۰ سنہ ۱۸۷۴ء صفحہ ۱

کوئی سبب موجود نہین یا معلوم نہین ہوا ؟ اور کیا اسکو غیر فطری ثابت کرنے کیلئے نہیں کہہ سکتے کہ جبتک حرکت حرارت وغیرہ اسباب انسان کے جسم کو تحلیل کرتے رہتے ہین اور جب تک معدہ اور دیگر اعضائے غذائیہ اپنے موجودہ ذخیرہ کو بدل ما یتحلل مین خرچ کرکے اپنے سکڑنے اور کشش پیدا کرنے سے ایک طرح کی تکلیف پیدا کیے رہتے ہین انسان و حیوان کو بھوک پیاس کی تکلیف مضطرب کرتی رہے گی پس اگر اِس دلیل سے بھوک پیاس کا فطری نہ ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے تو یقیناً مذہبی احساس بھی چونکہ دنیوی تکالیف سے پیدا ہوتا ہے فطری نہ ہوگا۔ بلکہ ترقی جو انسان کی سب سے بڑی اور اسے دیگر حیوانات سے برتر ثابت کرنے والی خاصیت ہے وہ خود انسان کی ناحاصل شدہ تمناؤن اور موجودہ تکالیف کے سبب سے پیدا ہوتی ہے اور اسکی نسبت بعینہٖ مسٹر مل کے الفاظ مین استدلال کیا جا سکتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ۔

"جب تک انسانی زندگی انسانی تمناؤن کو بر لانے کے ناقابل ہے تب تک "موجودہ حالت سے برتر حالت" کا اشتیاق باقی رہیگا اور اس اشتیاق کو صریح تسکین "ترقی" سے حاصل ہوگی۔ جب تک دنیوی زیست تکالیف سے معمور ہے تسلی کی ضرورت رہیگی جو محض "ترقی" سے حاصل ہوگی"۔

لیکن یہ ایک دھوکا ہے جو ان لوگون کو مذہبی احساس کے کچھ اسباب معلوم ہو جانے سے لگا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس عالم اسباب مین ہر چیز کے لیئے اسباب و علل ہوا کرتے ہین چنانچہ خواص فطرت بھی اِس سے مستثنیٰ نہین ہین لیکن چونکہ ان کے اسباب خود فطری اور انسانی اختیار سے بالاتر ہین اِس لیئے اس بنا پر بھوک پیاس ہو یا مذہب اور ترقی کسی کے فطری ہونے سے انکار نہین ہو سکتا ✤

ایک اور صاحب اِسی بحث کو یوُن پیش کرتے ہین † کہ انسان اپنی جہالت و وحشت

مذہب کی کوشش انجام

یہ سبب لال سے ہوتا ہے۔

---

† سر چارلس برڈلا نے اپنی کتاب "فری تھنکرس ٹکسٹ بک" مین ایک صاحب کو باسمہ مذہب ظاہر کر کے انکا ایک بہت لمبا مضمون تردید دلائل مذہب مین نقل کیا ہے یہان اسکے ایک مقام کا خلاصہ لکھا گیا ہے سنہ ۱۸۸۲ء صفحہ ۱۱۵

کے زمانہ مین اکثر چیزون سے خوف کھاتا ہے اور بعض مناظر کو دیکھ کر پسند کرتا ہے کبھی کبھی بلا مین مبتلا ہو کر یاس و نا امیدی کا شکار ہوتا ہے کبھی بے انتہا لذت پاتا ہے اور فرط مسرّت سے بے اختیار ہو جاتا ہے مگر اپنی نادانی کے سبب ان مناظر کے مادّی اسباب و علل معلوم نہیں کرسکتا اور قوانین قدرت کو نہ جاننے اور نیچر کے بے انتہا وسائل کو نہ سمجھنے کے سبب اپنے دل کو تسکین نہین دیسکتا۔ فرط حیرت سے اُن کو کسی مخفی کارکن اور غیر محسوس طاقت کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور رُوح ' دیوتا ' خدا وغیرہ مبہم الفاظ سے اپنی ذات مین قدرت کا راز دریافت کرنیکا دعوے کرنے لگتا ہے اور یہی حال باپ سے بیٹے تک موارث چلا آتا ہے اور پھر ایسے لوگون میں سے بڑی سمجھ بوجھ کے لوگ باحکام اور مذہبی پیشوا لوگون کو اپنی اطاعت مین رکھنے اور اُن سے ذاتی مفاد حاصل کرنے کیلئے اس خیال کو قوی کرتے رہتے ہین۔ اپنے معبودون کے عبادت کے قاعدے قانون بناتے رہتے ہیں اور یون لوگون کے غلط خیال اور بیجا خوف سے اُن کی جہالت کے سبب۔ لازمی نتیجہ یعنی مذہب پیدا ہوتا اور بڑھتا رہتا ہے ؛

اُن کے نزدیک جو فطری اسباب مذہب پیدا کرنے کے ہین مثلاً عجائبات اور باعث تکلیف اشیا کا دیکھنا اور اُن کو جہالت کے سبب حل کرنے کے ناقابل ہونا اُن کے بعد مذہب کو پیدا کرنے مین استدلال کو بھی دخل ہے اور انسان غور و فکر کرنے کے بعد اپنی نادانی سے خدا اور دیوتا کے وجود کا غلط نتیجہ نکال لیتا ہے۔ لیکن اگر مذہب استدلال سے پیدا ہوا ہے اور استدلال جس سے وہ پیدا ہوا ہے اُن کے نزدیک حقیقت مین غلط ہے تو جب یا دیگر غلط استدلالون کی حالت ہے تمدن و تہذیب سے اُس کی غلطی معلوم ہونے لگی اور جون جون لوگون کو قوانین قدرت اور نیچر کے بے انتہا وسایل کا علم ہوتا جاتا اِس استدلال کا ضعف معلوم ہوتا رہتا اور بتدریج مذہبی احساس کم ہوتے ہوتے بالکل فنا ہو جاتا اور چونکہ یہ استدلال بھی ان کے خیال کے مطابق نوع انسان کی محض ابتدائی حالت مین پیدا کیا گیا تھا اِس لیئے تاریخی

زمانہ سے جو بہت عرصہ پہلے سے اُسکی نسبت شکوک پیدا ہونے لگتے اور پھر وہ شکوک علم و شعور کی
ترقی سے اعتراض اور اعتراض سے مذہب کے خلاف قوی دلائل میں تبدیل ہو جاتے اور ہوتے
ہوتے مذہب اِس وقت تک کبھی کا صفحۂ ہستی سے یا کم از کم مہذّب قوموں سے نابود ہو جاتا۔
جیسا کہ انسانی قربانی، ستی ہونے کی رسم اور عورتوں کو مردوں کی غلام اور اُن سے بہت کم درجہ
کی مخلوق سمجھنے کے خیالات اور ان کے سوا اور وحشیانہ رسوم و عقائد جنکا وجود مذہبی احساس پیدا
ہونے سے یقینًا بعد ہے اور دُنیا کی اکثر قوموں میں نہایت کثرت سے رائج رہے ہیں غلط استدلال پر
مبنی ہونیکے سبب عمومًا مہذّب بلکہ نیم مہذّب ممالک سے بھی حرف غلط کیطرح مٹ چکے ہیں یا
جیسا کہ عرصہ دراز تک قوم کا سردار یا ملک کا بادشاہ بالکل خود مختار، مطلق العنان اور رعایا کی جان
مال اور آبرو کا بے شرکت غیرے مالک و مختار مانا جاتا تھا اور اس کے ہر فعل کو خواہ کیسا ہی خلاف
انصاف اور خلاف انسانیت ہو حکم آسمانی اور ناقابل اعتراض سمجھا جاتا تھا اور اب اِس کے بالکل
برعکس حاکم وقت کو رعایا کا خادم اور پبلک کی عام رائے کے ماتحت ثابت کیا جاتا ہے اور جہاں
وہ ایک طرف اس کو لوگوں کی ذرا سی چیز کو بے وجہ صرف کرنیکا مجاز نہیں سمجھا جاتا اور اِس بارہ
میں پہلے لوگوں کے غلط استدلال اور لغو نتائج غبار بن کر ایسے اُڑ گئے ہیں کہ اب خیال میں
بھی نہیں آ سکتا کہ اِن لوگوں نے کیونکر اپنے ایک ہم جنس کو ایسے خدائی اختیارات دے رکھے تھے
اور ان تمام غلط نتائج کے برخلاف مذہبی احساس کی یہ کیفیت ہے کہ۔

مذہب کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں

اوّل تو اس کے خلاف تلاش کرنیوالوں کو بھی آج تک کوئی قوی دلیل دستیاب نہیں ہوئی
جس سے وجود باری ناممکن ثابت ہو سکے مسٹر بریڈلا جو انکار خدا میں بہت سرگرم ہیں لکھتے ہیں کہ

"منکر خدا یہ نہیں کہتا کہ خدا نہیں ہے بلکہ یوں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا لفظ خدا سے تمہارا مطلب
کیا ہے میرے دماغ میں خدا کا خیال موجود نہیں اور لفظ خدا میرے نزدیک ایسی آواز ہے جس کا صاف اور
ممیّز مطلب مجھ میں جگہ نہیں کرتا کیونکہ جو چیز میرے تصوّر میں نہیں اور جس کا تصوّر بانی والے کے
دماغ میں بھی ایسا نامکمل ہے کہ وہ اسکی تعریف و تحدید نہیں کر سکتے میں اسی چیز کا انکار کیونکر کر سکتا ہوں۔"†

† دی تھنکرز ہینڈبک سنہ ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۱۸۔

اِس کے آگے مسٹر ولیم آر گرگ کا قول نقل کرتے ہین کہ۔

"ایک دائمی قدیم اور شخص خدا کا تصوّر مجھے بہت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ایسے شخص خالق کے بغیر پیدایش اور ترقّی کا تصوّر بھی ایسا ہی دشوار ہے کہ اُس پر غالب نہیں آسکتے۔"

مسٹر جان ایس مل جو آزاد خیالی کے ساتھ علم و فضل اور معقول پسندی میں بھی ممتاز ہین تحقیق مذہب کے بعد اپنی بیچار تقریر میں یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ۔

"ایمان کے ثبوت کا اور اسمان کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے متعلق وحی والہام کے ثبوت کا امتحان کر چکنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مذہب خواہ الہامی ہو یا فطری دونوں جن قدر ما فوق العادت کا تعلّق ہے اُسکی نسبت ایک ذی شعور قلب کا عقلی میلان انکار کی جانب ہے۔ لیکن یہ انکار جیسا کہ ایک طرف خدا کے اقرار سے جدا ہونا چاہئیے ویسا ہی دوسری جانب انکار خدا سے بھی علیحدہ ہونا ضرور ہے اور یہ انکار جدا جس سے ہم اپنے انکار کو جدا رکھنا چاہتے ہیں یہ بھی سلبی اور ایجابی دو قسم کا ہے یعنے ہمکو اس خیال سے بھی علیحدہ رہنا چاہئیے کہ "خدا نہیں ہے" اور اس خیال سے بھی الگ رہنا چاہئیے کہ "خدا کے ثبوت کی کوئی دلیل نہین ہے" کیونکہ عملاً اس آخری انکار کا بھی وہی نتیجہ ہے جو وجود خدا کو ناممکن ماننے کا ہوگا پس اپنی گذشتہ تحقیق مین جن نتائج تک ہم پہونچے ہین اگر وہ صحیح ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وجود خدا کی شہادت موجود ہے مگر اسکو ثابت کرنے کیلئے ناکافی ہے البتہ ایک کم درجہ کا گمان غالب پیدا کرتی ہے۔" ‡

اِس زمانے کے مشہور فلاسفر ڈاکٹر ہربرٹ سپنسر لکھتے ہین

"اگر کچھ ایسے لوگ ہین جنہوں نے قابل لعرت حالات مذہب مین ملا کر اسکی اصلی خوبی کو جو سب مذاہب مین مشترک ہے نابود کر دیا ہے تو ایسی جماعت بھی ضرور ہے جو سائنس دان کہلا کر مذہبی عقاید پر ایسی نکتہ چینی کے مرتکب ہوئے ہین جس سے اُن کو لعض علم کی نسبت سخت تعصب پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ اُنکی اِس لعرت کے لیئے کوئی دلیل بھی اُن کے پاس نہین۔ وہ صرف اُن ناشایستہ صدموں (اعتراضوں) سے واقف ہین جو سائنس نے ان کے بعض عقاید پر پہنچائے ہین

‡ کتاب تھری ایسیز آن ریلیجین ۱۸۷۴ء صفحہ ۲۴۲

اور اس سے گمان کر بیٹھے ہین کہ شاید سائنس ان کے تمام مذہبی خیالات کا استیصال کر دیگی اور اس طرح ایک مہمل خوف مین مبتلا ہو گئے ہین" †

عقلی ترقی سے مذہب روشن ہوتا گیا ہے

دوسرے جس چیز کو وحشیانہ خوف اور تعجب کی پیدائش مانا گیا تھا اسمین بجائے ضعف اور شک پیدا ہونے کے اور بجائے آہستہ آہستہ فنا ہو جانے کے جیسا کہ دیگر غلط استدلالون کی حالت دیکھی گئی ہے تمدن و تہذیب کی ترقی سے اور جلا آتی گئی ہے اور قوانین قدرت اور نیچر کے بے انتہا وسائل کی شناسائی ہوتے جانے سے اعتقاد و ایمان کا رستہ زیادہ صاف ہوتا گیا ہے۔ پہلے زمانے کے جہلا کسی خوب صورت اور عجیب درخت پتھر یا حیوان کو دیکھ کر اپنے مذہبی میلان کو اسی مین صرف کر دیتے تھے اور خدا مانکر اسکی پرستش کرنے لگتے تھے آگے چل کر جب کثرت مشاہدہ اور عقل و شعور کی ترقی سے ان چیزون کے خواص دریافت ہونے شروع ہوئے اور دیکھا گیا کہ یہ عدم سے وجود مین آتی ہین اور کچھ مدت کے بعد فنا ہو جاتی ہین اور نیز ان کے پیدا اور فنا ہونے کے اسباب کا پتہ لگنے لگا تو جن طاقتون کا علم حاصل ہوتا گیا اور جو نسبتاً ان سے زیادہ روحانی اور جسمانیت سے بعید تھین خدا کو ڈھونڈنے والے هٰذَا رَبِّي (میرا خدا یہ ہے) کہہ کر ان کیطرف جھکتے گئے اور بجائے محسوسات کے ان ارواح اور طاقتون کو خدا ماننے لگے جن کا اثر وہ اپنے حواس سے محسوس کرتے تھے اور اس طرح بارش کا دیوتا اور ہوا کا دیوتا وغیرہ فرض کیئے گیئے۔ اِس سے قدم آگے بڑھا اور ان طاقتون کو بھی ان سے بالائی طاقتون کا محکوم اور پست نسبت کی زنجیر مین پابند پایا تو اپنے شاہد مقصود کو ان ابتدائی منزلون سے دور نسبتہً زیادہ مجرد فضا مین دیکھنے لگے اور سمجھے کہ اگرچہ یہ طاقتین یا بالفاظ دیگر یہ دیوتا بھی اس کے مظہر اور جلوہ گاہ ہین لیکن حقیقت مین وہ ان سے بالاتر اور ان سب کا حاکم و فرمان روا ہے اور پھر جب تمام عقل و شعور مین آنے والی ہستیون کے کمال عجز اور بے بسی کا یقین ہوا تو لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (مین زائل ہونیوالون کو پسند نہین کرتا) کہہ کر اور تمام مظاہر قدرت سے منہ پھیر کر اس ایک ہستی کی طرف متوجہ ہوئے جسکی شان ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ط

مذہب کی کوشش انجام

† کتاب فرسٹ پرنسپلز باب اول خلاصہ صفحہ ۱۷ و ۱۸ اشاعت ۱۸۶۲ء

فَوقَ کُلِّ ذِی عِلمٍ عَلِیمٌ ط لَیسَ کَمِثلِہٖ شَیٔ ۔ یعنی نظر اُسے پا نہیں سکتی کوئی علم اُس تک پہنچ نہین سکتا اور کوئی مثال اسے واضح نہین کر سکتی۔

ڈاکٹر ہربرٹ سپنسر اپنے نقطۂ خیال سے اِس مضمون کو خوب ادا کرتے ہین چنانچہ فرماتے ہین

سائنس مذہب کی حد سے ہٹا لاتی

"مذہب کا اصلی مدعا یعنی ایک ناقابل فہم ہستی کا اعتقاد اس کو مذہب کی مختلف ساخین چھپاتی آئی ہین اور ہر ایک نے ہب اپنے لیئے دائرہ مین اُسکو کسی نہ کسی قدر قابل فہم مانتا آیا ہے مگر یہ مذہب پر سائنس کا احسان ہے کہ وہ اس مسئلہ کو صاف کرتی جاتی ہے اور ہر ایک محدود علت کے اوپر اس سے عام تر علت ثابت کرتے کرتے وہ آخر اُس اعم العوام علۃ العلل تک پہنچانے کا رستہ صاف کرتی آتی ہے۔"

چنانچہ اسکی مثال یون دیتے ہین کہ۔

"آفتاب کو پُرانے زمانے مین دیوتا کی گاڑی سمجھا جاتا تھا اور یون اُسکی حرکت کا ایک الٰہی سبب مقرر کرکے جیسا کہ عام طور پر دُنیا مین پایا جاتا ہے اسکی علت کو قابل فہم بنایا ہوا تھا کئی صدیون کے بعد کیپلر نے ثابت کیا کہ تمام سیارے آفتاب کے گرد پھرتے ہین اور ہر ایک کے لیئے خاص دائرہ ہے اور اس کے بعد اُس نے مانا کہ ہر ایک سیارہ مین روح ہے جو اُسکو حرکت دیتی ہے۔ اِس طرح اس وقت کی بہتری سائنس نے ذریعۂ حرکت ایسا ہی ثابت کیا جو بُت پرستون کے نقطۂ خیال سے ملتا جلتا تھا مگر اسے نامحدود اور کسی قدر کم سمجھ مین آنیوالا مانا۔ بعد کے زمانے مین تمام حرکات کو کشش ثقل کا اثر مانا گیا اور کیپلر کی ارواح کو غلط ٹھہرایا تو اب خیال مین آسکنے والی علت کی بجائے ایک خیال مین نہ آسکنے والی علت قایم ہوئی کیونکہ کشش ثقل اگرچہ ہمارے ذہن کی گرفت کے اندر ہے مگر پھر بھی اس کو خیال مین بالکل مشخص و معین کر لینا ناممکن ہے اور خود **نیوٹن** نے مانا ہے کہ کشش ثقل ناقابل فہم ہوتی اگر درمیانین ایتھر کا واسطہ نہ ہوتا" مگر ہم دکھا چکے ہین کہ ایتھر کے واسطہ کو مانکر بھی یہ عقدہ حل نہین ہوتا اور کشش ثقل کا اثر سمجھ مین نہین آتا۔ غرض سائنس کی ترقی سے عام در عام ذرایع اور علل دریافت ہوتے جاتے

ہیں اور یہ علل جو زیادہ سے زیادہ نامشخص ہوتے جاتے ہیں ضرور ہے کہ ان کو سمجھنے کی قابلیت بھی درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے"

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"سائنس نے بھی ابتداء میں پورے طور پر ادا نہیں کیا۔ پہلے قدم پر جب سائنس نے مظاہر کا باہمی مسلسل تعلق معلوم کیا اور بھوت مختلف ارواح کو ذریعہ کاروبار ٹھہرانے سے انکار کیا تو خود بھی ایسے ہی اسباب تسلیم کئے جو پرسنل (متشخص) تو نہیں مگر باہم کانکریٹ (جداگانہ) ضرور تھے اور اس طرح واقعات کو تشریح کرنے کا ایسا طریق اختیار کیا گیا جو اگرچہ موجودہ مذاہب کے طریق سے مختلف تھا مگر پھر بھی اس میں مختلف علل کو مانا گیا تھا اور اس طرح نامعلوم کو معلوم سمجھ لیا گیا تھا یعنے ان ملکوتی علل کو چھوڑ کر سائنس نے برق، حرارت، کشش ثقل والصال وغیرہ مختلف علتیں تسلیم کیں۔ اور آزادانہ طور پر دیکھا جائے تو سائنس کا یہ طریق غیر فلسفیانہ ہے جیسا کہ مذہب کا طریق مروجہ (بہت سے دیوتاؤں کو ماننا) غیر مذہبی ہے کیونکہ دو تو ناقابل فہم کو قابل فہم بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر تاہم حال میں بعض سائنس کے اعلیٰ درجہ کے ماہر حرارت، روشنی، مقناطیس وغیرہ طاقتوں کو چھوڑ کر جن کو جداجدا علتیں مانا جاتا ہے اب یہ کہنے لگ گئے ہیں کہ یہ سب طاقتیں کسی ایک اور محیط کل طاقت کے مختلف مظاہر ہیں اور اس طرح یہ لوگ اس طاقت کو قابل فہم سمجھنے سے باز آنے لگے ہیں"

پھر کہتے ہیں۔

"جب سائنس یہ مان لیگی کہ اس کے دعاوی صرف ظاہری چیزوں اور صرف تعلقات تک محدود ہیں اور مذہب یہ مان لیگا کہ جس راز کو وہ مانتا ہے وہ انتہائی اور مطلق ہے (یعنی جب سائنس حقیقت اشیاء کو جاننے کا دعویٰ چھوڑ دیگی اور جب مذہب اس کے جاننے کا دعویٰ ترک کر دیگا) تو وہ دونوں بالکل متحد ہو جائینگے" †

غرض یہ شان ہے اس احساس کی جس کو غلط استدلال سمجھا گیا تھا کہ بجائے کم ہونے کے سائنس و فلسفہ کی ترقی سے وہ اور بھی قوی اور قریب بہ صحت ہوتا گیا اور جو امور انسانی استدلال

† کتاب فرسٹ پرنسپلز خلاصہ باب پنجم صفحہ ۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۷ مطبوعہ ۱۸۸۶ء۔

مذہب بیں ملا تا رہا ہے مثلاً احد کا درخت پتھر وغیرہ مین محدود کرنا یا اُس کے بعد محسوسات مین ظاہر ہونیوالی طاقتون مین منحصر سمجھنا یا آگے چلکر ان سے زیادہ مخفی قوتون کو اپنا معبود ٹھیرانا ان امور پر عقل وشعور اور تہذیب و تعلیم کا اثر پڑا اور نور تہذیب نے ان تاریک خیالات کو بتدریج فنا کردیا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ یہ امور انسان کے اپنے پیدا کردہ اور غلط استدلال پر مبنی تھے۔ پس بریڈلا کی تقریر مین اگر کوئی بات ہے تو وہی جو مسٹر مِل نے کہی تھی کہ جب تک انسانی زندگی تکالیف سے معمور ہے مذہب انسان کیلئے باعث تسکین رہیگا۔ مطلب یہ کہ جبتک زمانے مین انقلاب وتغیر موجود ہے (اور یہ ہمیشہ رہیگا) تب تک انسان اس سے اپنے معبود کی طرف توجہ کرنیکا سامان پائیگا اور چونکہ یہ سامان خود نیچر کا پیدا کردہ ہے اس لیئے جیسا کہ ذکر ہوچکا ہے مذہبی احساس کے فطری ہونے مین اس سے کوئی شبہ واقع نہین ہوتا ۔

مذہب اور مقتدایان قوم

ثانیاً اس اعتراض مین یہی نقص تھا جسکی وجہ سے مسٹر بریڈلا اور اُن کے ہمخیالون کو عجائبات عالم کو مذہب کا محرک ماننے کے بعد مقتدایان قوم کی تعلیم وتربیت کا بہانہ بھی تلاش کرنا پڑا لیکن یہ عذر بھی کچھ وقیع معلوم نہین ہوتا کیونکہ جب مقتدایان قوم کے بنائے ہوئے دیوتا اور اُن کی تعلیم کردہ رسوم تمدنی اور عبادات مذہبی جن پر اپنے اپنے وقت میں نہایت سختی سے عمل ہوتا رہا ہے تہذیب و تعلیم سے ایک ایک کرکے نابود ہوگئین اور اُن بزرگون کا اثر اس سے مانع نہ ہوسکا بلکہ ترقی نے خود بزرگون اور سب سے بڑھکر بادشاہون تک کی بالاتری اور خود مختاری کو دلون سے مٹادیا اور صرف ایک قدر مشترک یعنی مذہب نہ صرف نابود ہونے سے محفوظ رہا بلکہ اور روشن ہوتا گیا تو ضرور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مذہب جسطرح غلط استدلال سے پیدا نہین ہوا اسی طرح مقتدایان قوم کا پیدا کردہ بھی نہین ۔ ڈاکٹر سپنسر لکھتے ہین :-

"شہادت ثابت کرتی ہے کہ مذہب کو مقتدایان مذہب کا پھیلایا ہوا کہنا غلط ہے اور یہ خیال

کہ نوع انسان کے ایک جگہ سے منتشر ہونے سے پہلے ہی مذہبی خیال مقتدایان مذہب نے پھیلا دیا تھا علم لوجی (علم السان) کے خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان مذہب کو ظاہر کرنے کے لایق زبان حاصل کرنے سے پہلے ہی پھیل گئے تھے'' ‡

مذہب کا معبود ہمیشہ ایک نہیں رہا

مذہب یا اعتقاد کے فطری ہونے پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مہذب اور وحشی قوموں کا خدا ایک نہیں ہے۔ چنانچہ مسٹر جے ایس مِل کہتے ہیں

" وحشیون کا مذہبی یقین مذہب عقلی کے خدا کا قبس نہین ہے کیونکہ وہ لوگ تمام قدرتی طاقتون کو جن کا ماخذ جان نہین سکتے اور جن کے عمل کو سمجھ نہیں سکتے زندگی شعور اور ارادہ سے ملبوس کر دیتے ہین اور ان طاقتون کو جو نامکمل سی تعمیم ان کے سمجھ میں آتی ہے اپنی جانب سے اسکی اصلاح کر کے خدا کہنے لگتے ہیں اور جتنی یہ طاقتیں ہیں اتنی ہی تعداد ان کے خداؤن کی ہے۔ ان کے نزدیک ہر ایک دریا چشمہ اور درخت کا خدا جدا گانہ ہے۔ پس ابتدائی جہالت کی اس غلطی کو دیکھ کر یہ سمجھنا کہ اُس بالاتر ہستی یعنے خدا نے اپنی مخلوقات کی فطرت مین اپنی ہستی کا علم ودیعت رکھا ہے خدا کی تعریف نہین بلکہ تحقیر ہے۔ وحشیون کا مذہب نہایت ہی بھدی قسم کی محسوس پرستی ہے۔ وہ جس کو دیکھتے ہین اسے ذی حیات و ذی ارادہ مان لیتے ہین اور پھر بھینٹ اور چڑھاوون سے انکو منانے رہتے ہین . . . . . . پھر جب مشاہدہ ترقی کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر محسوس چیزون کی بڑی بڑی خاصیتیں اُس قسم یا نوع کے تمام افراد مین یکسان موجود ہین اور خاص خاص حالتون مین جو اثر ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس حالت کے پیدا ہونے پر ہمیشہ یکسان رہتا ہے اور یون محسوسات کو معبود سمجھنے کے بجائے غیر محسوس معبود مانے جانے ہین جن کی نسبت فرض کیا جاتا ہے کہ وہ تمام نوع پر حکمران ہین اور خاص سے عام کی طرف جانے کا یہ قدم نہایت آہستگی تامل اور خوف کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے جیسا کہ اب بھی جاہل لوگون مین دیکھا جاتا ہے کہ تجربہ کس دشواری سے انکو ایسے کسی خاص بت کی ہستی کا نارضامندی اور فوق الفطرت طاقت کے اعتقاد سے ہٹا کر اہرسب پر لاتا ہے اور وحشی لوگون کا نہ مذہبی

‡ فرسٹ پرنسپلز باب اول خلاصہ صفحہ ۱۳ اشاعۃ ۱۸۰

خیال اگرچہ کچھ کچھ اصلاح پذیر ہوتا جاتا ہے مگر پھر بھی زیادہ تر اسی خوف کی وجہ سے مدتوں قائم رہتا ہے
حتیٰ کہ مہذب دماغوں کا مذہب ان کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور جس کو مہذب لوگوں کا مذہب کہا جاتا ہے
وہ انواع و دلائل کا مجموعہ ہوتا ہے جسکو براہین عقلیہ کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے اور مظاہر قدرت کا۔" †

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے مسٹر مِل کا بیان بالکل بجا اور دُرست ہے اور واقعی مہذب اور
وحشی لوگوں کے معبودوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اور جب ان کے معبود ایک نہیں ہیں تو
بظاہر یہی نتیجہ درست ہوگا کہ وہ سب تلاش بھی ایک چیز کو نہیں کرتے اور اس لیئے احساس بھی
ان سب کا ایک نہیں ہے پس مذہب اور ایک مذہب یعنی خدا کا یقین سب کی فطرت میں داخل
نہ ہوا۔ مگر اس نتیجہ پر یقین کرنے سے پہلے گردوپیش کے اور حالات کو دیکھنا بھی ضرور ہے مثلاً ابتدا
میں جب انسان زمین پر آباد ہوا ہوگا تو اُسکو خیال بھی ہوگا کہ یہ زمین جس پر وہ چلتا پھرتا ہے کیا چیز ہے
کیونکر بنی ہے؟ کس شکل کی ہے؟ کس چیز پر قایم ہے؟ اور انسان کا اُس وقت ان خیالات
سے مُعرّا ہونا بالکل یقینی ہے کیونکہ آج اس قدر زمانہ گُذر جانے کے بعد کروڑوں جاہل افراد
اور اقوام موجود ہیں جن کے دماغ ان فکروں سے پاک ہیں۔ اچھا تو پھر کچھ عرصہ گذر جانے کے
بعد اور اپنی آس پاس کی بہت سی چیزوں کی قطع وضع اور ترکیب وتحلیل کے منظر دیکھنے اور کچھ
کچھ واقفیت پیدا کرنے کے بعد جس تختہ پر اُن کی بودوباش کا سامان آراستہ کیا گیا ہے اُسکی
نسبت انکی تجسس نگاہیں دوڑنی شروع ہوئی ہونگی اور یہ پہلا قدم ہوگا جو زمین کے متعلق تلاش
وتفتیش کا اُٹھایا گیا۔ اِس کے بعد نہ معلوم کس کس زمانے میں کیا کیا خیالات زمین کے متعلق
قایم ہوئے ہوں گے کیونکہ انسانی تاریخ اس قسم کی تفاصیل ظاہر کرنے سے قاصر ہے مگر اتنا
یقین کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ اُنہوں نے پہلے پہل یا چند خیالات کو قایم کرنے اور پھر غلط ماننے
کے بعد یہ خیال قایم کیا ہوگا کہ زمین مسطح اور ہموار فرش ہے کیونکہ اس خیال کا پتہ اب بھی جاہل قوموں
مل سکتا ہے اور اس سے آگے بڑھکر کسی وقت وہ خیال قایم ہوا ہوگا جو اب تک ضرب المثلوں
اور شعروں میں ظاہر کیا جاتا ہے کہ زمین ایک گائے یا سانپ کے سر پر قایم ہے اور گمان ہوتا ہے

† تھری ایسیز آن ریلیجن صفحہ ۱۵۳ ۱۸۷۴ء۔

که یه خیال انسان کے بہت ہی ترقی کرنے کے بعد اُس وقت پیدا ہوا ہو گا جب وہ اِن دلایل کو سمجھنے کے قابل ہوا کہ ہر چیز کسی دوسری چیز پر قایم ہوا کرتی ہے اور بغیر کسی جاے قیام کے معلق رہنا ممکن نہین۔ پھر اس خیال کے بعد جس خیال کا ہمین علم ہے وہ ہے جو ابھی ابھی علمی دُنیا سے فنا ہوا ہے یعنی یہ کہ زمین گول ہے اور وہ کسی اور چیز پر قایم نہین بلکہ تمام موجودات کے عین وسط مین ہے اور پیاز کے چھلکون کی طرح اس پر ہوا اور آگ اور متعدد آسمانون کی تہین چڑھی ہوئی ہین اور سورج چاند اور تمام سیارے اِس کے گرد گھومتے ہین۔ اِس کے بعد ہمارے زمانے کا دَور ہے جسمین آگ کا غلاف اور آسمانون کی تہین غبار بن کر ایسی اُڑی ہین کہ کہین دکھائی نہین دیتین اور اب آفتاب دیوتا کی مانند وسط مین اور زمین اور دیگر ستارے راجہ اِندر کی پریون کیطرح ہوا مین معلق اِس کے گرد طواف کرتے مانے گئے ہین۔ آگے آگے خدا جانے کیا کیا گُل کھلین گے اور کس راجا کا راج ہو گا مگر اب تک کس قدر انسانی عقل کی ہمت ہے اِس خیال کو یقینی اور ہر طرح سے قابل تسلیم مانا جاتا ہے۔

اِسی طرح انسان ابتدائی حالت مین جب پھل کو دیکھتا ہو گا بھوک سے لاچار ہو کر مُنہ مین ڈال لیتا ہو گا جیسا کہ اب بھی اکثر گنوار سیب ناسپاتی اور کھیرے ککڑی کو بے چھیلے اور صاف کئے اُڑا جاتے ہین پھر ذرا تمیز پیدا ہوئی ہو گی اور خربوزہ تربوز وغیرہ کا چھلکا کھانے کے بعد اُس کے مغز کا ذایقہ چھلکے سے بہتر اور خوشگوار معلوم ہوا ہو گا تو پھل کا پوست اُتار کر کھانے کا رواج پڑا ہو گا اور یہ پہلا قدم ہو گا جو اشیا کی تحلیل اور اجزا کی شناخت کی طرف اُٹھایا گیا ہو گا۔ پھر جب ذرا اور غور و فکر کی عادت پڑی ہو گی تو سمجھنے لگے ہون گے کہ پھل کے عناصر چھلکا مغز اور اُس کے اندر کی گٹھلی اور بیج بھی چیزین ہین اِس کے بعد جب تجربہ بڑھا ہو گا تو بعض چیزون کو پگھلتے اور پانی بنتے اور بعض کو بخار بن کر اُڑتے اور بعض کو خاک ہوتے دیکھا ہو گا اور سمجھے ہونگے کہ چھلکا اور مغز وغیرہ عناصر نہین ہین بلکہ پانی اور ہوا وغیرہ اصلی اجزا ہین جن سے کوئی چیز بنتی ہے اور یون رفتہ رفتہ وہ خیال قایم ہوا ہو گا جس کا جنازہ موجودہ زمانے والون نے پڑھا ہے اور جسکی گور کے نشان ابھی موجود ہین

کہ اربعہ عناصر ہر چیز کا اصل ہین اور آگے ان کی تحلیل نہیں ہو سکتی۔ مگر زمانے کو ایک بات پر چین کہان
ڈھونڈھنے والے ڈھونڈھتے رہے اور کھودنے والے کھودتے رہے حتیٰ کہ مٹی کو ہوا اور پانی کو چھانا۔
انھون نے بات کر دکھائی اور چار کی جگہ ساٹھ سے زیادہ عناصر نکال کر رکھ دیئے۔ اکائیون سے دہائیون
کے آخر تک پہنچ گئے اب سینکڑون اور ہزارون کا نمبر باقی رہا۔ البتہ پچھلون کی غلطی سے فائدہ
اٹھا کر ان لوگون نے یہ عقلمندی کی کہ عنصر کی تعریف کو بدل دیا پہلے عنصر کو ناممکن التحلیل کہتے تھے
اب عنصر اسے کہتے ہین جو موجودہ ذرائع اور وسائل سے تحلیل نہ ہو سکے۔ گو آئندہ ترقی کرنے اور کسی اور
طرح کے وسایل بہم پہنچانے پر وہ بھی صاحب اجزا ثابت ہون اور اس طرح پانی کو عنصر کہنے والے جھوٹے
پڑے مگر ہائیڈروجن اور آکسیجن کے اجزا معلوم ہونے پر ان کو عنصر ماننے والے جھوٹے نہ ہون گے
کیونکہ موجودہ وسائل سے تحلیل انھی پر ختم ہوتی ہے اور آئندہ جو عناصر ثابت ہون گے وہ بھی وہی
ہون گے جن تک اس زمانہ کے موجودہ وسایل پہنچائین گے۔

غرض یہ ہے انسانی عقل اور عقلی ترقی کی حالت کہ وہ پیدا ہوئی تو ہزارون ٹھوکرین کھا کر اور
ہزارون غلطیان کر کے یہان تک پہنچی ہے اور مسٹر مل جو کچھ کہتے ہین اس سے انسانی مذہب کی
حالت بھی یہی ثابت ہوتی ہے۔ انسان نے زمین اور پھل کو دیکھا اسمین غور کیا یہ اسکی عقلی خوبی تھی
اسی طرح کسی عجیب درخت اور پتھر کو دیکھا اسمین سے قابل تعظیم ہستی کی قدرت کو تلاش کیا یہ مذہبی
خوبی ہے۔ زمین کو دیکھ کر مسطح مانا اور پھل کو دیکھ کر چھلکے اور گودے کو عنصر سمجھا یہ انسانی کمزوری تھی
اسی طرح درخت اور پتھر کو خدا جانا یہ بھی سہو انسانیت تھا۔ آگے چلکر عقل اور مذہب دونو نے انسانی
کمزوری اور سہو کو محسوس کیا زمین کو گول چھلکے کو قابل تحلیل اور خدا کو محسوسات سے بالاتر مانا مگر
کمزوری نے پیچھا نہ چھوڑا اور ایک اور ٹھوکر کھائی کہ عناصر کو چار زمین کو ساکن اور خدا کو قوائے
عالم مین منحصر مانا۔ رفتہ رفتہ عقل اور مذہب زور پکڑتے گئے انسانی کمزوری کم ہوتی گئی عقل نے
اپنی حالت کو پہچانا عجز کا اعتراف کیا اور کہا کہ واقعیت میری گرفت سے باہر ہے البتہ وسایل
تجربہ جس حد تک مدد کرتے ہین اسی قدر یقین کرنے کا حکم نافذ کرتی ہون۔ اسی طرح مذہب نے اعلان

گیا کہ میرا معبود احاطۂ فہم و ادراک سے بالا ہے مگر ذرائع کشف و شہود حس و وجدان تک اسکی صفات کاملہ
ظاہر کرتے ہیں اُسی حد تک ایمان لاسکا ہوں تو بے دیا ہوں۔ پس اگر مذہب فطرت میں داخل نہیں ہے
اس لئے کہ وحشیوں کا مذہب اور چیز کو خدا سمجھنا تھا اور تہذیب یافتہ لوگوں کا اعتقاد اور خدا کی پرستش
کرنا ہے اور اس لئے دونو کا مذہبی احساس ایک نہیں ہے تو عقل بھی انسان کی فطرت میں داخل
نہ ہوگی اسلیئے کہ وحشیوں کی عقل اور چیز کو امر واقع سمجھتی ہی اور تہذیب یافتہ دماغ اور سمجھتے ہیں اور اسلیئے
دونو کا عقلی مسلمات ایک نہیں ہے۔ مگر نہیں، عقل کے داخل فطرت ہونے سے انکار نہیں ہوسکتا
اسلیئے کہ تلاش واقعیت عقل کو ہمیشہ سے رہی ہے اِسی بنا پر مذہب کے داخل فطرت ہونے سے بھی انکار نہ ہونا
چاہیئے کیونکہ تلاش خدا مذہب کا دائمی خاصہ رہا ہے ؎
شاید وہم کا یہ ہوا ہے کہ اس اعتراض کے پیش کرنیوالوں نے جذبۂ فطرت اس خاصہ کو سمجھا ہے
جو شروع سے مکمل اور ناقابل ترقی ہو مثلاً کھانے پینے کی خواہش یا نشو و نما پانے کی طاقت کہ ایسے
خواص جس طرح ابتدائے آفرینش میں کام کرتے تھے اِسی طرح ہر زمانے میں کرتے آئے ہیں اور ایسا نہیں
ہوسکا کہ ابتدا میں خوراک کی خواہش کم ہو اور بعد میں اُس کے اندر ترقی ہوئی ہو پس وہ سمجھتے ہیں کہ
جذبۂ فطری وہی ہوتا ہے جو اس طرح ابتداء سے آخر تک ایک حالت پر رہے اور چونکہ مذہب کی یہ
صورت نہیں ہے اِسلئے وہ اسکو جذبۂ فطرت ماننے سے انکار کرتے ہیں مگر یہ ایک غلطی ہے جو حیوانی
یا نباتی خواص فطرت اور انسانی جذبات فطرت میں تمیز نہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ حالانکہ جس قدر
جذبات فطرت شروع سے مکمل اور ناقابل ترقی ہیں وہ یا نباتی ہیں مثلاً قوّت نشو و نما اور یا حیوانی
مثلاً بھوک پیاس کا احساس اور اجسام حادثہ چونکہ نباتی اور حیوانی درجہ سے ترقی کرتے ہوئے انسان
تک پہنچے ہیں اِس لیئے انسان بھی جسم نامی اور حیوان کی قسم سے شمار کیا جاتا ہے اور وہ تمام نباتی
اور حیوانی جذبات رکھتا ہے جو اسکی ترقی یافتہ حالت کے منافی نہ تھے اور ایسے جذبات بیشک اِس کے
اندر مکمل حالت میں ہیں مگر جو جذبات فطرت انسانی نے پیدا کئے ہیں یا جن نباتی اور حیوانی جذبات
کو فطرت انسانی نے ترمیم و اصلاح کے ساتھ قائم رکھا ہے ان میں سے غالباً کوئی بھی شروع سے

مکمل اور ناقابل ترقی نہیں ہے مثلاً نشوونما ایک نباتی خاصہ ہے اور اپنے سادہ طریق پر انسان کے اندر شروع سے مکمل ہے بلکہ اس کے واسطے اسباب و وسائل کا تلاش کرنا انسانی خاصہ ہے یا یوں کہا جائے کہ جذبہ نباتی میں انسانی فوقیت کی جانب سے ایک اصلاح ہے کیونکہ نبات پر اسباب و وسائل کی تلاش فرض نہیں کیگئی بلکہ قدرت خود ہی اسکا انتظام کرتی ہے اور انسان کے لئے جو ایک کارکن مخلوق تھا یہ رعایت روا نہ رکھی گئی اور فرض گردانا گیا کہ وہ خود اسباب و وسائل کو مہیا کرے اور یہی فرض حیوانات کی گردن پر بھی رکھا گیا تھا مگر فرق تکمیل اور عدم تکمیل کا ہے کہ حیوانات کی تلاش ازل سے اندنک یکسان ہے اور انسان نے اسبارہ میں ابتدائی نسل کی نسبت آجتک بہت ترقی کر لی ہے - ابتدائے آفرینش سے انسان محض حیوانوں کیطرح نشوونما پانے تھے اور قدرت کے دسترخوان پر جو الوان نعمت اس غرض کے لیئے چنے گئے ہے بے سمجھے بوجھے ان سے کام لیتے تھے مگر آجکا انسان بہت سے قواعد حصول معیشت حفظ صحت افزائش نسل اور ترقی نمو کے دریافت کر چکا ہے اور بڑی حد تک سمجھ گیا ہے کہ کیونکر نشوونما میں ترقی ہو سکتی ہے اور کن اسباب سے اس میں نقص پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح بھوک پیاس اگرچہ مکمل خاصہ ہے مگر انسان نے اپنی ترقی سے بہت کچھ بھوک پیاس بڑھانے کے وسائل اور کم ہونیکے اسباب دریافت کر لیئے ہیں ۔

انسانی جذبات فطرت کی حالت بھی جو انسان میں نباتیت اور حیوانیت کے ذریعہ سے منتقل ہو کر آئے ہیں اب ان جذبات کو دیکھا جائے جو فطرت نے خاص انسان کیلئے پیدا کئے ہیں تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام جذبات نہایت ہی ضعیف اور نامحسوس حالت میں پیدا کئے گئے ہیں اور کمال سب کا آہستہ آہستہ اور بہت سی غلطیوں کے بعد ہوا ہے مثلاً صداقت، شجاعت، عدالت، رحم، ہمدردی، نفاست اور خود عقل اور ترقی سب فطری خواص ہیں مگر ابتدا سے اب تک ان میں سینکڑوں تغیر اور ان کے مفہوم میں کئی طرح کے اختلاف پیدا ہوتے آئے ہیں۔ وحشت کے زمانے میں اپنے دشمن کو پامال کرتے ہوئے ضعیفوں، اپاہجوں، عورتوں اور بچوں تک کو بیدریغ تہ تیغ کیا جاتا تھا اور بیکسوں کی فریاد و زاری اور آہ و بکا پر ترس نہ کھانے کی تعریف

ہوتی تھی اور اس وصف کو شجاعت اور بسالت کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا اور کوئی شخص کیسا ہی ظلم وستم کرنے کا عادی ہو لیکن جب کسی بڑے آدمی کے پاس آکر ذلت کے ساتھ پناہ مانگے تو حمایت کو فرض سمجھا جاتا تھا اور اگر اتفاق سے وہ شخص پناہ دینے والے کے دشمنون پر کوئی مصیبت ڈال کر آتا ہے تو اسکی طرفداری اور بھی امر لازم اور فرض اتم مانی جاتی تھی اور ایسے پناہ مانگنے والکی حمایت کو ہمدردی ورحم سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ یا ایک زمانے مین دشمن سے مغلوب ہوجانے پر اپنے ہاتھ سے اپنی عزیز اولاد اور وفادار عورتون کو قتل اور جانورون کو نابینا کردیا جاتا تھا اور مال واسباب کو جلا دیتے تھے اور پھر دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے اور اس فعل کو مقتضائے شرافت وغیرت اور دشمن سے ایک طرح کا انتقام سمجھا جاتا تھا۔ علی ہذا جھوٹ اور فریب سے احتراز محض اپنے دوستون کیساتھ ضرور تھا اور دشمنون سے اِس قسم کا سلوک جائز بلکہ بعض اوقات واجب سمجھا جاتا تھا۔ غرض یہ اور اس قسم کی ہزارون غلطیان تھین جو ان اوصاف حسنہ کی حقیقت سمجھنے مین کی جاتی تھین اور بتدریج اور زمانے کا نامعلوم عرصہ گذرنے کے بعد اخلاق حسنہ کی وہ تعریف وتحدید ہوئی ہے جو آجکل بالعموم تسلیم کیجاتی ہے ؏

مسٹر مل ایک موقع پر صداقت وہمدردی وغیرہ چند اوصاف کا ذکر کرتے ہین اور دعوے کرتے ہین کہ ان کا کمال بہت کچھ تربیت پر منحصر ہے اور آگے چل کر تسلیم کرتے ہین کہ ان اوصاف کا تخم انسان کی فطرت مین موجود ہے۔ اس اظہار سے اِس مقام پر جو نتیجہ وہ نکالتے ہین وہ درست ہو یا غلط مگر یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ وہی مل جو مذہب کو داخل فطرت ماننے سے انکار کرتا ہے اِس بنا پر کہ وہ شروع سے مکمل نہین بلکہ بہت سی غلطیون کے بعد اس حالت تک آیا ہے وہ بہت سے دیگر خواص کو تربیت کا محتاج اور باایہمہ فطری تسلیم کرتا ہے اور جب بعینہ یہی حال مذہب کا ہے کہ اس کا کمال اگرچہ تربیت سے ہوا مگر ناکمل حالت مین موجود وحشیون مین بھی تھا اور بنر بعینہ یہی کل عقل اور خاصۂ ترقی کی ہے پس عقل ترقی اور دیگر تمام خواص کے تخم داخل فطرت انسانی ماننے کے بعد اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ مذہب کا تخم بھی اسی طرح داخل فطرت ہے۔

؏ ایسّے مل صفحہ ۵۳ سنہ ۱۸۸۴ء۔

بعض قومیں مذہب سے معرّا ہیں۔

اسی مضمون پر مسٹر مل† مسٹر برڈلا‡ اور مشہور فلاسفر ڈاروِن‡‡ چند وحشی اقوام کو پیش
کرتے ہیں جو مذہب سے بالکل معرّا ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مذہب فطرت انسانی میں داخل نہیں
ورنہ یہ قومیں انسان ہو کر اس سے خالی نہ ہوتیں۔ مگر ایک مسٹر تھیوڈور پارکر اس کے
جواب میں سچ کہتے ہیں کہ ۔

"ایسے سیاح (جو لامذہب اقوام کا پتہ دیتے ہیں) اکثر غلطی کرتے ہیں۔ وہ جس قوم کا ذکر
کرتے ہیں اس کے اطوار و رسوم سے کماحقہ واقف نہیں ہوتے اور سرسری معاینہ سے
حکم لگا دیتے ہیں اور اس کے سوا ان کا تعصب بھی اکثر اندھا کر دیتا ہے وہ باقاعدہ عبادت،
مذہبی اصول و فروع، مذہبی معتقدات، عبادت خانے اور مذہبی رسوم و قواعد تلاش کرتے ہیں حالانکہ
مذہبی احساس کا ایک درجہ ایسا بھی ہے جس میں یہ علامات بالکل نہیں ہوتیں اور تاہم مذہب
موجود ہوتا ہے۔ سیاح لوگ عبادت کے مروجہ قاعدے نہیں دیکھتے تو سرے سے عبادت
کے وجود کا ہی انکار کر دیتے ہیں اور اس سے بڑھ کر اس قوم میں مذہبی احساس کو بھی معدوم
مان لیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص ایسی قوم کو دیکھے جس میں کھانا پکانے کی کوئی علامت اور اس
قسم کا سامان موجود نہ ہو تو اس سلبی صورت سے کیا یہ نتیجہ نکالنا عقلمندی ہوگا؟ کہ وہ لوگ سرے سے
کھاتے پیتے ہی نہیں اسی قسم کی شہادت سے بت پرست قدیم عیسائیوں کو لامذہب کہہ دیا کرتے
تھے اور بعد میں عیسائی بت پرستوں کو کہنے لگے۔" ‡‡‡

اور دوسرے ایسی شہادت کو مان کر اور ایسی اقوام کا وجود تسلیم کرنے کے بعد جو مذہب سے بالکل
معرّا ہیں دیکھنا یہ ہے کہ آیا کوئی اور فطری خاصہ ایسا نہیں ہے جس سے کوئی قوم معرّا ہو اور کیا
ترقی اور عقل انسان کا فطری خاصہ نہیں ہے؟ کیونکہ آج تک جبکہ دنیا کی اکثر قوموں نے بے انتہا ترقی کر لی

---

† السنہ ۳ صفحہ ۱۵۷ سنہ ۱۸۷۲ء
‡ فری تھنکرز ٹکسٹ بک صفحہ ۹۹ سنہ ۱۸۸۲ء
‡‡ ڈیسنٹ آف مین باب سوم۔
‡‡‡ کتاب اے ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجن باب ۳ صفحہ ۱۶ سنہ ۱۸۸۱ء۔

ہے اور جبکہ بعض قومین ترقی کی ایک حد تک پہنچ کر پھر اس دائرہ کے دوسری قوس یعنی تنزل کے راستہ پر بھی ہولی ہیں اسی مختصر رہین کے آباد حصہ مین اکثر قومین موجود ہین جنہون نے حیوانیت سے ایک انچ بھر بھی ترقی نہین کی - وہی جنگل کی خود رو گھاس پات پر گذارہ ہے اور وہی صحرائی جھاڑیون مین بسیرا ہے اور اسی لیے انکا نام بش مین یعنی جھاڑیون مین رہنے والے انسان رکھا جاتا ہے - پس جبکہ مذہب فطری نہین ہے اس لیئے کہ وہ بعض قومون مین پایا نہین جاتا تو ترقی اور عقل بھی انسانی فطرت مین داخل نہ ہوگی کیونکہ یہ بھی اکثر قومون مین آجتک معدوم ہے - مگر ترقی کو غیر فطری ماننے سے تو یہان تک گریز ہے کہ جب مسٹر ڈاروِن پر اعتراض ہوا کہ انسان ترقی کرنیوالی مخلوق ہے اور حیوانات ترقی نہین کرتے اور نیز انسان پابند مذہب ہے اور حیوانات نہین ہین اس لیئے انکا دعوے کہ دونو ایک نسل سے ہین غلط ہوگا تو انہون نے مذہب کو انسانی فطرت سے نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ رخصت کر دیا مگر ترقی سے اُسے محروم نہ کر سکے بلکہ نہایت رکیک تاویلون سے حیوانات کو بھی قابل ترقی ثابت کرنے مین مصروف ہوگئے † اور حق یہ ہے کہ بعض قومون مین ترقی

---

† مثلاً وہ کہتے ہین کہ کسی جنگل مین زیادہ شکار کیا جائے تو وہان کے جانور دوسرو کی نسبت زیادہ ہوشیار ہو جاتے ہین - حالانکہ یہ دلیل اگر ثابت کرتی ہے تو صرف اس قدر کہ انہین قوت استدلال ہے اور ترقی اگر ہوتی تو اسکی صورت یہ ہونی چاہئے تھی کہ ایک نسل کسقدر ہوشیار ہوتی تو دوسری نسل اس سے ترقی کر کے گریز کی کوئی اور سبیل ایجاد کرتی اور تیسری نسل بجائے گریز کے مقاومت کی سبیل نکالتی - حالانکہ یہان کیفیت نہین بلکہ مصیبت کے وقت جس قسم کی ہوشیاری وہ ظاہر کیا کرتے ہین اس کی وسعت قرنین اور صدیان گذر جانے پر آج تک وہی ایک ہے - یا مثلاً وہ کہتے ہین کہ کُتے جو بھیڑیا اور گیدڑ کی ترقی یافتہ نسل ہے اس نے گیدڑ اور بھیڑیئے سے چستی اور رنگ اور مکر مین کمی کر لی ہے اور محبت اعتماد اور ملنساری مین بڑھ گیا ہے - مگر یہ دلیل بعینہٖ اپنے دعوے کو ثبوت مین پیش کر دینا ہے کیونکہ ترقی کی یہ مثال اسی شخص کو مسلّم ہوگی جو پہلے ان کے دعوے پر یقین کر لے کہ حیوانات ایک دوسرے سے بنے ہین حالانکہ یہ بھی ایک اختلاف ہے

ملاحظہ ہو ڈی سینٹ آف مین باب سوم *

اور عقل نہ ہونے سے یا مذہب کا نشان نہ ملنے سے ان اوصاف کو خارج فطرت نہیں کہہ سکتے اور ڈاکٹر سپنسر کا فیصلہ اس بارہ میں بہت مناسب ہے کہ ۔

" بعض قوموں کا مذہب نہ رکھنا خلاف فطرت ہونا ثابت نہیں کرتا کیونکہ ایک خاص درجہ ذہن کا مطلوب ہے جس کے بعد مذہب پیدا ہوا کرتا ہے ۔ ۔ مذہب یا تو براہ راست خدا نے پیدا کیا ہے یا اور اوصاف انسانی کی طرح خاص حالت انسانی میں پیدا ہو کر بتدریج بڑھتا گیا ہے اور ہر طرح قابل تعظیم ہے ۔ "[*]

اکثر انسان لامذہب ہوتے ہیں ۔

منکرین خدا تردید مذہب کے لئے اپنے وجود کو بھی ایک دلیل گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاکھوں انسان لامذہب اور دہریہ موجود ہیں پس اگر یہ چیز فطری ہوتی تو اس قدر نا آشنا موجود نہ ہوتے[*] لیکن اس عذر کا فیصلہ بھی اسی طریق سے ہو سکتا ہے جس سے مذکورہ بالا اعتراضوں کو حل کیا گیا ہے یعنے دیگر خواص فطرت کا مطالعہ ۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ کسی قوم پر عرصہ دراز تک بیرونی اور جابر حاکموں کا تسلط رہنے اور مدت تک ان کے خلاف جد وجہد کرنے پر ناکامی اٹھانے سے اور ان کے ظلموں کو برداشت کرتے کرتے اس حالت کے خوگیر ہو جانے سے اس قوم کی شرافت صداقت اور بہت سے اوصاف حسنہ تباہ ہو جاتے ہیں اور انکی جگہ کمینہ پن، مکر و فریب دروغگوئی اور دیگر رذایل طبیعت ثانیہ بن کر اس قوم کی قومیت کو برباد کر دیتے ہیں یا کوئی قوم کچھ مدت دولت و اقبال سے بہرہ ور اور برتری اور حکومت کے نشہ میں سرشار رہنے سے اور بیرونی دشمنوں کے ساتھ جنگ و مقابلہ کا موقع پیش نہ آنے سے محنت کشی اور شجاعت کے جوہر سے تہیدست اور بزدلی اور آرام طلبی کی عادی ہو جاتی ہے یا کچھ تہذیب و تربیت سے بے بہرہ رہنے پر عدالت اور رحم بلکہ عقل اور ترقی سے بھی نا آشنا ہو جاتی ہے اور ظلم ناخدا ترسی اور جہالت کو اپنا شعار بنا لیتی ہے اور ایسی حالتوں میں وہ لوگ ان اوصاف حسنہ سے ایسے بیگانہ ہو جاتے ہیں کہ جب اس قوم کی خوش قسمتی سے پھر کچھ اسباب ان کو تنبیہ دینے والے پیدا ہوتے ہیں اور کچھ لوگ عقل و شعور اور دیگر کمالات کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو شروع شروع میں بلکہ بعض اوقات بہت عرصہ تک وہ لوگ اپنے رہنماؤں اور ناصحوں کو دشمن اور انکی ہدایتوں کو اپنے

* کتاب فلاسفی آف ... مسٹر ... صفحہ ۹ ، ۱۸۸۲ء

* فرسٹ پرنسپلز باب اول خلاصہ صفحہ ۱۴ اور ۱۶ اشاعت ۔ † کتاب دی ہنگو اسٹ تک صفحہ ۲۸ تا ۳۶

حق میں سمّ قاتل سمجھ کر اُن سے بر سر پرخاش رہتے ہیں اور جب تک ہر طرح سے مجبور نہیں ہوتے ما عرصہ تک دیگر صاحبان کمال کی نظر اور اُس کے فوائد کا کثرت کے ساتھ تجربہ نہیں کر لیتے اپنی خلاف فطرت عادات و خصائل سے باز نہیں آتے مگر کیا تمدن اور تربیت کے اس قسم کے آثار دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ صداقت و رحم اور شجاعت و عدل اور اس سے بڑھ کر عقل اور ترقی وغیرہ جذبات انسانی فطرت میں داخل نہیں ورنہ وہ تربیت کے اثر سے زایل نہ ہوتے۔

حق یہ ہے کہ جہاں انسان کے اندر اور بہت سے خواص فطرت ودیعت ہیں وہاں ایک خاصہ اثر صحبت اور تربیت پذیری بھی ہے اور نیز خواص فطرت جہاں اکثر میں پائے جاتے ہیں وہاں بعض میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتے اور اس قسم کا استثنا شخصی اور قومی ہر طرح کے خواص میں پایا جاتا ہے۔ قوت رجولیت اور گویائی وغیرہ فطری قوتیں ہیں مگر بعض انسان مادر زاد نامرد اور گونگے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح مہذب اور علم قوموں میں بعض اشخاص محض کودن اور ناقابل تعلیم نکل آتے ہیں اور بعض قومیں سب کی سب کسی خاص جذبہ فطری سے محروم پائی جاتی ہیں۔ بعض دماغی قوتوں سے عاری ہوتی ہیں تو بعض قلبی ملکات سے حصہ نہیں رکھتیں پس یہی تربیت اور استثنا کا عام قانون مذہب پر بھی حاوی ہے اور جس طرح بعض اشخاص نامرد یا بعض قومیں ناقابل ترقی نکل آتی ہیں اسی طرح بعض لوگ مذہبی احساس سے بے بہرہ پائے جاتے ہیں اور جس طرح گرد و پیش کے حالات سے بعض آدمی اپنی رجولیت اور دیگر قویٰ کو زائل کر دیتے ہیں یا بعض قومیں ترقی سے تنزل کی طرف آ جاتی ہیں اسی طرح کسی زمانہ میں محض جسمانی اور مادّی تعلیم کا زور رہنے اور روحانی تاریکی اور جہالت پیدا ہو جانے سے مذہبی جذبہ افسردہ ہو کر تمام فضا میں دہریت کی ہوا پھیل جاتی ہے مگر جب عقل و ترقی کے زائل ہونے پر اس کے داخل فطرت ہونے سے انکار نہیں کیا جاتا تو انصاف کے رو سے مذہب کو خارج فطرت یا اکتسابی کہنا بھی روا نہ ہوگا۔

تربیت کا اثر اور استثنا بھی قانون قدرت ہے۔

اور دوسرے اگرچہ محض مادّی تعلیم اور دنیوی توغل کے سبب بلاشبہ مذہبی جذبہ بہت کچھ دب جاتا ہے اور لوگ کثرت سے مادہ پرست اور دہریہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے

…بھی اکثر کسی … کا مذہب … ہیں۔

تو جہالت کی اشاعت سے جس قدر عقل اور ترقی پر زوال آتا ہے مادیت کی تعلیم سے مذہب کو اس قدر نقصان نہیں پہنچا اور جس مبالغہ سے لامذہبوں کی تعداد بیان کیجاتی ہے حقیقت میں اُن کے اعداد و شمار اس سے بہت کم ہیں مذہب کی تعریف جو مسٹر پادکوک نے کی ہے یعنی

مذہب کی تعریف

"مذہب خدا کے اُن اندرونی اور بیرونی قوانین کی اطاعت کا نام ہے جو اس نے ہماری فطرت میں رکھے ہیں اور جو مختلف طریقوں سے عقل حیوانی، عقل انسانی، ضمیر اور مذہبی جذبہ کی وساطت سے ظاہر ہوتے ہیں"۔*

یہ تعریف تو ایسی عام ہے کہ غالباً دنیا کا ہر ایک کام اس کے رو سے مذہب میں داخل ہو جاتا ہے مگر جو تعریفیں اس سے خاص اور مذہب کو نمایاں طور پر تعبیر کرنے والی بیان کیگئی ہیں مثلاً فچ کا کا قول ہے کہ "مذہب دنیا کی اخلاقی سلطنت پر اعتقاد رکھنا ہے"۔+ یا افلاطون کی رائے ہیں "مذہب اپنی استطاعت کے موافق خدا کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کا نام ہے" + یا پروفیسر ولیم جیمس ایل ایل ڈی اپنی بے نظیر کتاب میں لکھتے ہیں کہ "اگر مذہب کے کوئی ایسے خواص پوچھے جائیں جو سب میں پائے جاتے ہوں تو جواب یہ ہے کہ مذہب ایک نادیدہ نظام کا یقین دلاتا ہے اور انسان کی سب سے فائق بھلائی اسے تئیں اسکے ساتھ ہم آہنگ کرنے کو بتاتا ہے پس یہی یقین اور یہی ہم آہنگی ہے جو روح کے اندر مذہبی عنصر ہے" ‡ ان تعریفوں سے جس مذہب کا پتہ لگتا ہے اس سے ناآشنائی بعض دنیا میں بہت ہی کم ہوں گے یا کم از کم عقل و ترقی سے محروم رہنے والوں کی تعداد ضرور ایسے لوگوں سے زیادہ ہوگی کیونکہ اخلاقی گورنمنٹ یا نادیدہ نظام کا یقین اور اس سے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کی ایک تو یہ صورت ہے کہ کسی خاص ہستی کو معبود ٹھیرا کر اسکی خوشنودی حاصل کرنیکی کوشش کریں اور اس حالت کو علانیہ مذہب کے نام سے پکاریں اور دوسری صورت یہ

---

* اے ڈسکورس آف میٹر پرٹیننگ ٹو ریلیجن باب چہارم صفحہ ۲۴ سنہ ۱۸۸۲ء۔

+ ایضاً صفحہ ۲۵۔

‡ کتاب ورائٹیز آف دی ریلیجس ایکسپیرینس لیکچر نمبر ۳ صفحہ ۵۳ سنہ ۱۹۰۲ء

بھی ہے کہ کسی قسم کے اسباب سے معبود، خدا اور مذہب کے نام سے چڑتے ہیں اور مذہب کا اقرار کرنے والوں کے مقرر کردہ اطوار سے جسکو عبادت کہا جاتا ہے نفرت کرتے ہیں مگر دوسرے نام اور دوسرے طریقوں سے کسی خاص مدعا کو اسی عظمت اور اہتمام شان کا مقدار بنا لیتے ہیں جو پابندان مذہب معبود کیلئے قرار دیتے ہیں اور اس تک پہنچنے کی اور اسکو اشاعت دینے کی ویسی ہی کوشش کرتے ہیں جیسی مذہب والے اپنے اعتقاد کیلئے کرتے ہیں کہ اس صورت میں بھی وہی نادیدہ نظام کی کشش ہے جو کسی خاص تربیت کے سبب دوسری شکل میں جلوہ گر ہوئی ہے اور ایسے لوگ جوان دونو صورتوں سے بے بہرہ ہوں بہت کم ہونگے۔ وہ لوگ جو ٹیمپرینس سوسائیٹی (فریق مانع مسکرات) یا ویجیٹیرین سوسائیٹی (فریق نباتات خوار) وغیرہ ناموں سے اپنا ایک خاص مدعا قرار دیتے ہیں اور اس کو سب سے زیادہ اچھا اور مفید جان کر رات دن اسی خیال میں محو رہتے ہیں اور اسکی اشاعت کے لیئے جنگل اور پہاڑ کاٹ کر ملکوں ملکوں چکر لگاتے ہیں، اسکی منادی کرتے ہیں، اسکی تعریف و توصیف کے لکچر دیتے ہیں اور بھجن گاتے ہیں اگرچہ وہ مذہب کا نام اپنے لیئے گوارا نہیں کرتے مگر مذہب نہ سہی سوسائٹی سہی اور اگرچہ کسیکو اپنا معبود نہیں کہتے مگر معبود نہ سہی نصب العین سہی ایک اشتیاق ہے جو ان کے دل کو بیقرار کیئے ہوئے ہے اور ایک کشش ہے جو ان کے قلب و جگر کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ کسی نے قابل تعظیم ہستی کو تلاش کیا اور درخت پتھر میں اُس کا جلوہ دیکھ کر سجدہ میں گر پڑا لوگوں نے کہا مذہبی دیوانہ ہے تو کسی اور نے اُس سب سے اچھے کو ڈھونڈا تو ترک مسکرات میں خوبی نظر آئی اسکے پیچھے سرگردان پھرنے لگا اسے مذہبی دیوانہ نہ کہو سوسائیٹی کا دلدادہ کہو مگر دونو میں فرق کچھ نہیں۔ کھانے کی خواہش فطری ہے مگر تندرست کو وہی خواہش الوان نعمت اور لذیذ غذاؤں کیطرف کھینچتی ہے اور ایک قسم کے بیمار میں وہی خواہش مٹی کھانے کی ترغیب دیتی ہے ایسا ہی مرض یہاں کام کر رہا ہے کہ فطری جذبہ مطلوب کیطرف کھینچتا ہے لیکن یہ دیوانے اُس تک پہنچ نہیں سکتے اور اینٹ پتھر یا وہم و خیال کے پیچھے پھرنے لگتے ہیں مٹی کھانیوالا اور پتھر یا خیال کو پوجنے والا قابل رحم دونو ہیں مگر فطری جذبہ سے محروم نہیں ہیں۔

ایک دہریے کے قول میں ہی نشان

اور تو اور وہ خدا کا بندہ جس نے پروفیسر سٹاربک کی گشتی چھٹی کے جواب میں نہایت بیگانگی ظاہر کی ہے اور اس سوال کے جواب میں کہ مذ تمہارے نزدیک مذہب کا کیا مطلب ہے؟ لکھا ہے کہ

"میرے نزدیک مذہب کا کچھ بھی مطلب نہیں اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یہ اوروں کے لیئے بھی بیسود ہے۔ میری عمر سٹرسٹھ سال کی ہے اور میں مقام اکس میں پچاس سال رہا ہوں اور پینتالیس سال کاروبار کیا ہے۔ اِس لیئے مجھے مردوں کی اور کسقدر عورتوں کی زندگی کا تھوڑا بہت تجربہ حاصل ہے اور میں جانتا ہوں کہ سب سے بڑے پابند مذہب اور سب سے بڑے پارسا لوگ راستی اور اخلاق میں سب سے زیادہ ناقص ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو عبادتخانوں میں نہیں جاتے اور مذہبی مسلمات نہیں رکھتے سب سے بہتر ہوتے ہیں۔ عبادت، حمد سرائی اور مذہبی رسوم منحوس کام ہے یہ باتیں سکھاتی ہیں کہ کسی فوق الفطرت طاقت پر بھروسہ کرو حالانکہ ہمکو خود اپنے اوپر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ میں خدا کا بالکل منکر ہوں۔ خدا کا خیال جہالت خوف اور قوانین فطرت کی عام ناواقفی سے پیدا ہوا ہے۔ اگر میں اس وقت مرجاؤں مگر جسقدر میری عمر کے لحاظ سے ہو سکتا ہے میں قلبی اور جسمانی طور پر تندرست ہوں تو میں مرنے کے وقت ایسا ہی خوش ہونگا جیسا کہ اب ہوں بلکہ راگ رنگ شکار یا اور ایسے ہی غافلانہ تفریحوں سے لطف اُٹھاتا ہوا جان دیدونگا جس طرح ایک ٹائم پیس ٹھہر جاتا ہے ہم مرجاتے ہیں اور دونو کے لیئے کوئی بقا بعد الموت نہیں ہے" ؎

افسوس ہے کہ مجھے اس شخص کا نام معلوم ہونے کی بھی عزت حاصل نہیں حالانکہ دل میں اشتیاق اسکی زیارت کا ہے کیونکہ باوجود اس ناآشنائی کے جو وہ اپنی طرف سے نہایت زور کے ساتھ ظاہر کرتا ہے مجھے محبوب ازل کا قبضہ اُسکے دل پر بھی نظر آتا ہے وہ مذہب اور مذہب والوں ہی کیوں نفور ہے؟ اِس لیئے کہ راستی اور اخلاق جسکو وہ سب سے اچھی چیز سمجھتا ہے اس کو ان لوگوں میں نہیں پاتا۔ وہ خدا کا کیوں انکار کرتا ہے؟ اس لیئے کہ اسکو جہالت اور ناواقفی پر مترتب سمجھتا ہے اور ان مذایم سے اُسے نفرت ہے پس کون کہہ سکتا ہے کہ اسکو مکمل خوبی اور مکمل علم کی تلاش نہیں

؎ ورائٹیز آف ریلیجیس ایکسپیرینس لیکچر نمبر ۴ و ۵ صفحہ ۹۲ سنہ ۱۹۰۲ء۔

مگر افسوس ہے کہ بیچارہ بیمار ہے مکمل ہستی کا اشتیاق اسکو اپنی طرف کھینچ رہا ہے لیکن نظر میں ضعف ہے کھینچنے والے کو نہیں دیکھتا اور اس دنیوی خوبی اور دنیوی علم کو جو حقیقت میں کھینچنے والے کی رسیاں اور خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں بعینہ کھینچنے والا سمجھ لیتا ہے اور اسلیئے جو لوگ ان رسیوں سے پرے کسی اور کو دیکھ رہے ہیں ان پر خفا ہوتا ہے اور ان کے خیال سے نفرت کرتا ہے۔ بچہ بیماری میں کسی ایسی چیز کیلئے ضد کرتا ہے جو طبیب اُس کیواسطے مضر بتاتا ہے۔ سرپرست بجائے اُس چیز کے کوئی مفید اور صحت بخش غذا کھلانے لگتے ہیں بچہ غصہ میں اگر لات مارتا ہے اور مفید چیز کو ضائع کر دیتا ہے یہی کیفیت اس غریب کی ہے صرف حسن اخلاق اور دنیوی علوم کو معراج کمال سمجھتا تھا اور مذہب اس سے گذر کر اور مدعا کیطرف بھی لیجانا چاہتا تھا بچوں کیطرح غصہ آگیا اور حقیقی مدعا سے نفرت ظاہر کرنے لگا لیکن جس طرح بچہ حقیقی صحت کی خواہش رکھتا ہے گو اسے نہیں سمجھتا اور صحت بخش چیز کو نہیں پہچانتا اسی طرح اسکے دل میں کامل خوبی حاصل کرنے کی خواہش ہے مگر بیماری کے سبب کامل خوبی تک پہنچانے والے مذہب سے بیزار ہوتا ہے۔

پروفیسر جیمس اس شخص کا قول نقل کرتے ہوئے بجا فرماتے ہیں کہ

"اس راقم کی دلی حالت کو بے کتے وہ پیشانی مذہب کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ تمام اشیا کی فطرت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس میں باقاعدگی اور میلان ہے اور اپنے تئیں وفاداری کے ساتھ ایک خاص قلبی نصب العین سے وابستہ کرتا ہے۔"

ہمارے داستان دہریت کے ہیرو مسٹر بریڈلا مذہب کے بڑے بھاری مخالف ہیں اور اسکو اپنے خیال میں گویا بڑی بری قسم کا جنون سمجھتے ہیں جسمیں دنیا کا بڑا حصہ مبتلا ہے اور ایک وہ با "ایک ارب تیس کروڑ انسانوں میں سے صرف چند ملین" ان کے بخیال اس مرض سے بری اور تندرست ہیں۔ مگر مجھے وہ بھی اسی مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک عجیب خیال ہے مگر ان کا وہ جوش جوان کو تردید مذاہب میں محو کیئے ہوئے ہے اور وہ تصانیف اور مباحثوں کا سلسلہ جو باتبدا ان مذہب کے خلاف نہایت کوشش سے جاری

دہریہ مذہبی کی تشنیع کے پھندا اور کموسنے۔

رکھا گیا ہے † یہ خود ایک مدعا ہے جس کو وہ سب سے زیادہ پاک اور سب سے زیادہ لائق اشاعت اور قابل اعتقاد سمجھتے ہین - خدا یا کوئی دیوتا ان کا معبود نہین مگر مذہب کی تردید بجائے خود ایک معبود بنکر ان کے دل پر قبضہ کیئے ہوئے ہے - وہ معبود کے آگے سجدہ نہین کرتے منتین نہین مانتے مگر اسکی خدمت مین انکی تمام عمر صرف ہوئی ہے - پس نظر ہر این جا بہ دل مین قائم ہونے کے لحاظ سے ان کو لفظ کہنا انکے اپنے خیال کو ظاہر کرنا ہے وہ اس لحاظ سے میرے نزدیک مذہب درست ہین البتہ دوسری حیثیت سے وہ بیشک بیمار بلکہ مہلک مرض مین گرفتار ہین کیونکہ تلاش مین تھے نوشدارو کے اور دھوکہ مین کھا گئے زہر ہلاہل اور وہی دوسرون کو نوشدارو سمجھ کر کھلانا چاہتے ہین -

میدان آزاد خیالی کے دوسرے شہسوار مسٹر مِل مذہب کے داخل فطرت ہونے سے کانون پر ہاتھ دھرتے ہین بلکہ اس طریق پر خدا کا ثبوت دینے کو آن سائنٹیفک یعنی غیر عالمانہ بتاتے ہین مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس فطری کشش نے ان کے دل و دماغ دونو پر قبضہ کیا ہوا ہے

† تردید مذہب مین مفصلہ ذیل مضمون پر مسٹر بریڈلا کی تصانیف اور مباحثات ہین "آزاد خیالی" "انکار قصہ آدم" "انکار خدا" "مذہب عیسوی کیا سکھاتا ہے" "خدا انسان اور بائبل" "الحاد کے اخلاق اور فائدے" "خدا کا خالق اور اخلاقی حاکم" "ہماری انجیلین کب لکھی گئیں" "کیا ان میں روح ہے" "انکار خدا اور اعتقاد خدا کے ساتھ عیسائیت کا تعلق" "کیا خدا کی عبادت کرنا عقلمندی ہے" -

مین یہ فری تھاٹ پبلشنگ کمپنی کی فہرست کتب سے نقل کرتا ہون ورنہ مجھے اُن کی صرف پہلی کتاب دیکھنے کی عزت حاصل ہوئی ہے اور اسی ایک مین انہون نے اپنے نزدیک مذہب کا تسمہ لگا نہین چھوڑا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون سے انھیں کامل عشق ہے لیکن جس دلیل سے مسٹر بریڈلا کو پابند مذہب کہتا ہون اسی دلیل سے اس فری تھاٹ پبلشنگ کمپنی یعنی آزاد خیالی کی اشاعت کرنیوالی جماعت کو بھی مذہب کے دائرہ مین مت سمجھتا ہون کیونکہ وہ بھی ایک مدعا کو اعلی انسانی فرض سمجھ کر اپنی کتابون اور اخبارون کی وساطت سے اسکی اشاعت مین سرگرم ہے -

دماغ پر اس خیال کا قبضہ یون ثابت ہوتا ہے کہ مروجہ مذہب کی تین کوششون یعنی اِن کے تین لکچرون مین سے ایک لکچر محض فطرت اور اُس کے آثار و احکام کی تحقیق سے مخصوص ہے جس سے جہان تک مین سمجھ سکا ہون یہ مطلب ہے کہ انسان کو عقل و بکیہ فطرت پر حاکم اور اپنی ضرورتون کے مطابق اس سے کام لینے والا بنایا گیا ہے پس جو فطرت کا قانون یا حد یہ معلوم ہو اُسکا اثر یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہمیشہ اُسکی اطاعت کیجائے بلکہ کبھی ترمیم اور کبھی تنسیخ کا عمل جاری کر کے ہمیشہ نیا مطلب نکالنا چاہئے۔ یہ تمام کوشش اسی لئے ہے کہ مذہب کے فطری ہونے کو وہ کچھ نہ کچھ زوردار سمجھتے ہین اور اس لئے یہ بحث پیدا کرنی چاہتے ہین کہ مذہب اگر فطرت مین ہو تب بھی ضرور نہین کہ اسکی پابندی کیجائے۔ اور ان کے دل پر اثر ہونے کی یہ کیفیت ہے کہ خود ایک مذہب کا بانی بننا چاہتے ہین اور ریلیجن آف ہیومینٹی یعنی مذہب انسانیت کے نام سے † ایک نیا پنتھ بنانے کی ترغیب دیتے ہین جسمین بجائے خدا کو ماننے کے نوع انسان کی ہمدردی کو مقصد اعلیٰ قرار دیا جائے۔ بات وہی ہے کہ سب سے اعلیٰ ہستی اور سب سے اعلیٰ فائدے کی تلاش دل مین موجود ہے مگر نظر دنیا تک محدود ہے یہین کی اعلیٰ ہستی یعنی انسان کو معبود گردانتے ہین اور یہین کے اعلیٰ فائدون یعنی اخلاق حسنہ کو معراج کمال سمجھتے ہین اور یہ وہی مرض ہے جس سے بنی اسرائیل کی اشتہا من و سلویٰ کو چھوڑ کر جنگلی گھاس پات اور لہسن پیاز کی طرف مبتدل ہو گئی تھی یا کوئی بیمار مفید غذا کو چھوڑ کر مٹی پھانکنے لگتا ہے۔

مسٹر مِل لکھتے ہین کہ "روما الکبریٰ کا ملک کئی نسلون تک اہل مُلک کے لیئے مذہب بنا رہا تھا بعینہ جیسا کہ یھووا (خدا) یہودیون کے لیئے نہین بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ وہ کبھی اپنے مُلک کی پرستش سے نہین اُکتائے جیسے یہودی اپنے خدا کی عبادت سے سرتابی کرتے رہے ہین" ‡ اس واقعہ سے جو نتیجہ وہ نکالتے ہین (یعنی دنیوی فرائض کی پابندی خدا پر ایمان لانے کے بغیر بھی ملک یا نوع انسانی کو مدعائے اعلیٰ بنانے سے ہو سکتی ہے اس لئے خدا کی ضرورت نہین) اسکو ماننے کیلئے اگرچہ مین آمادہ نہین ہون کیونکہ اس نتیجہ پر پہنچنے کیلئے

† الستے ۲ سنہ ۱۸۷۴ء صفحہ ۱۰۵
‡ الستے ۲ صفحہ ۱۰۴ سنہ ۱۸۷۴ء

پہلے یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ خدا کو ماننے کی اگر ضرورت ہے تو صرف دنیا مین اخلاق و عادات کی اصلاح اور انتظام عالم کی بہتری کیواسطے ہے حالانکہ جیسا اپنے موقع پر بیان ہوگا حقیقی ضرورت کچھ اور ہے اور دنیوی انتظام اسکا دوسرے درجہ کا نتیجہ ہے اور وہ بھی جیسا کچھ ہونا چاہیے بدون خدا کو ماننے کے بغیر نہین ہو سکتا مگر اس بحث کو اپنے موقع مناسب کیلئے ملتوی چھوڑ کر سر دست جو استحقاق کسی واقعہ سے ہر ایک شخص کو نتیجہ نکالنے کا ہے اُسسے ہاتھ مین لیکر رومتہ الکبرےٰ کے اِس واقعہ سے ہم یہ نتیجہ ضرور نکال سکتے ہین اور مسٹر مِل کو دکھا سکتے ہین کہ جس فطرت کا آپ انکار کرتے ہین یہ اُسی کا جلوہ ہے اور وہی کشش جو صاحب کشف کو نادیدہ خدائے لایزال کیطرف اور وحشی کو اینٹ پتھر کی طرف کھینچتی ہے وہ عقل و خرد کے دعویدارون سے جو محض دنیوی معاد کو معراج کمال سمجھتے ہین ملک یا بنی نوع کے آگے سجدہ کروا رہی ہے اور چاہے کسی رنگ مین ہو چھپا ہر گز کسی کا نہین چھوڑتی ۔

غرض مذہب سے محض بیگانہ وہی لوگ رہتے ہین جن کو ابتدا سے دنیوی تعلیم اور جسمانی خیالات مین منہمک رکھا گیا ہو اور تمام عمر اسی قسم کے کاروبار مین سر تا پا غرق رہین ✝ اور یہ لوگ جیسا کہ

✝ اور ایسے لوگون کے دنیوی انہماک کو عیاشون اور بدمعاشون کی عشرت پرستی اور سیہ کاری کے توغل کو جو محض مذہب کے معرض خطاب سے ممتاز نہین کر سکتا حالانکہ وہ بھی ایک دھن مین لگے رہتے ہین تو اسلئے کہ مذہب کا پیرو بھی ایک خاصہ ہے کہ اسکے ماننے والے دل سے چاہتے ہین کہ اور لوگ انکے ہمخیال ہو جائین اور اس لئے وہ اپنے خیال کی اشاعت مین حتی الوسع مصروف رہتے ہین اور اسکی بھلائیان اور [illegible] سکے ترک کر نیکی برائیان لوگون پر ظاہر کرتے رہتے ہین اور مذہب کو اور مذہب کی اشاعت کو سب سے اعلےٰ خوبی سمجھتے ہین اور یہ وصف عیاشون اور بدمعاشون مین نہین ہوتا بلکہ انصاف کے رو سے وہ عموماً اپنی طرز و روش کو قبیح جانتے ہین اور اسکی بجا آوری کو اپنی ضرورت کے سبب مجبوری جائز سمجھے ہین ۔ اور دنیوی کاروبار مین منہمک رہنے والے اگر مدعیان روشن خیالی کے زیر اثر نہ ہون تو وہ گو اپنے فعل کو جائز یا واجب سمجھین مگر اسکو سب سے بڑی خوبی نہین جانتے اور بانیان مذہب کے بر سر غلط ہونیکا یقین نہین رکھتے بلکہ اس بارہ مین نیوٹرل یعنے اقرار و انکار دونو سے بیگانہ ہوتے ہین اور اگر بالفرض ان مین سے کوئی شخص اپنے کام کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتا ہو جیسا مذہب کا خاصہ بیان کیا گیا ہے یعنی وہ اپنے کام کو سب سے بہتر اور اُس کے خلاف اور روش اختیار کرنیوالون کو گمراہ جانتا ہو تو پھر اس شخص کو بھی پابند مذہب کہنے مین تامل نہ ہوگا کیونکہ اب اُس کا معبود یہی اس کا کام ہے ۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے اسی قاعدہ استثنا کے ماتحت اور اسی فیض صحبت سے متاثر ہیں جس کے رو سے بعض لوگ نادر زاد نابینا اور دیوانہ پیدا ہو جاتے ہیں یا محض جاہل اور وحشی سوسائٹی میں پرورش پانے کے سبب جذبۂ ترقی سے کام نہیں لے سکتے۔ ورنہ دہریت کی منادی کرنیوالوں اور دیگر روشن خیالوں کا حال دیکھیے کہ مذہبی احساس کا معجزہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس میں غور کرتے ہیں وہ اگر فطرت سلیم نہیں رکھتے تب بھی ضرور کسی نہ کسی شکل میں کسی نہ کسی مدعا کو بطور معبود کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پروفیسر ولیم جیمس لکھتے ہیں

"بہت سے ایسے فرقے جو خدا کو نہیں مانتے مگر اخلاق کے حامی ہیں اور اخلاقی سوسائٹیوں کے نام سے آجکل تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک امر انتزاعی کو معبود ٹھیرایا جاتا ہے اور قانون اخلاق کے نام سے اسکو مقصد اعلیٰ فرض کیا جاتا ہے۔ اور بہت سے لوگوں کے نزدیک آجکل سائنس نے مذہب کی جگہ لے لی ہے اور ایسے سائنس دان تو انین فطرت کی معبود کے طور پر تعظیم کرتے ہیں" +

مذکورہ بالا تحقیق سے جس مدعا تک ہم پہنچ سکے ہیں وہ یہ ہے کہ جذبہ فطری اگر اس کشش کو کہتے ہیں جس کا تخم انسان کی فطرت میں موجود ہو اور باستثنائے واقعات نادرہ ہر ایک شخص میں اس کشش کا اثر نظر آئے مگر انسان کی عقل اور تجربہ کے تفاوت سے وہ اثر مختلف شکلوں میں ظاہر ہو تو مذہب بیشک ایک جذبہ فطری ہے۔ لیکن اگر اس تعریف کو غلط مانا جائے اور جائے فطرت کسی اور چیز کا نام ہو تو اس صورت میں مذہب کو شاید جذبۂ فطرت نہ کہ سکیں لیکن اتنا پھر بھی یقیناً تسلیم کرنا پڑیگا کہ مذہب انسان کا اسی قسم کا خاصہ ہے جس قسم کا خاصہ عقل، ترقی، عدالت، شجاعت وغیرہ امور کو مانا جاتا ہے کیونکہ جس طرح ابتدائی حالت کے وحشیوں میں مذہب نہیں اسیطرح ان میں عقل و ترقی بھی نہیں اور جس طرح کسی قدر تربیت کے بعد مذہب غلط شکلوں میں نمودار ہوتا ہے اسی طرح عقل و ترقی بھی بہت سے غلط راستے دکھاتی ہے اور جس طرح مذہبی احساس کے ظہور کے واسطے موہوم مصائب و آلام ایک ظاہری سبب ہیں اسی طرح عقل و ترقی کے ظہور کے واسطے

طبقات میں وہی وجہ لینا ہے جو عقل و ترقی بعض ہیئات کو حاصل ہے

ملہ ۔ رائٹ سی آف ۔ دی ورائیٹیز آف ریلیجس ایکسپیرینس لیکچر ۳

بھی یہی اسباب کام دیتے ہین اور جسطرح کسی خاص مذہب کی اشاعت سے مذہب پر ضعف یا عدم طاری ہوتا ہے اسی طرح کسی خاص تربیت سے عقل و ترقی بھی معدوم ہوجاتی ہے اور جس طرح مذہب کے عموم مین بعض بعض استثنا پائے جاتے ہین اسی طرح عقل و ترقی سے بھی بعض لوگ فطرۃً محروم ہوتے ہین بلکہ دیکھا جاچکا ہے کہ عقل و ترقی سے محروم رہنے والے زیادہ اور مذہب سے بالکل بیگانہ نسبتہً کم ہین۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ (اعراف پ ۹ ع ۲۲)

اور جب لیا تیرے پروردگار نے بنی آدم یعنی ان کی پیٹھوں سے انکی اولاد کو اور گواہ بنایا انکو خود ان کے اوپر (اور سوال ہوا کہ) کیا مین تمھارا پروردگار نہیں ہون تو سب نے کہا کہ بیشک تو پروردگار ہے اور ہم اس پر گواہ ہین اور یہ اس لیئے کیا گیا کہ تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم اس سے بیخبر تھے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (روم پارہ ۲۱ ع ۴)

پس قایم کر اپنے تئین دین کیلئے سب طرف سے منہ پھیر کر خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگون کو پیدا کیا۔ خدا کی پیدایش مین تغیر نہین ہوتا۔ یہ سیدھا رستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہین جانتے۔

باب دویم

تحقیق مذکور کے نتائج

مذہب کی اصلاح و ترقی انسان کا اولین فرض ہے۔ کیا کوئی جذبہ فطرت برباد کرنے کے قابل ہے۔ جذبات فطری کے امراض غلطی فائدے سے محروم رکھتی ہے غلطی سے نقصانات

سمجھا جاتا ہے۔ اخلاقی افعال پر بھی یہی قانون حاوی ہے یعنی صحت و غلطی کے بارہ مین کیا قانون ہو جانا چاہیئے۔ تمام مذاہب کو یکسان سمجھنے کی وجہ۔ مذہب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے۔ مہذب ممالک کے اخلاق۔ عمل کی تدبیر اور اسکا نقص۔ مذہب عین اخلاق ہیں۔ پابندی اخلاق مذہبی ترقی کا ذریعہ ہے۔ مختلف مذاہب ایک دوسرے سے بہتر ہین مذہب کی تدریجی ترقی۔ بعثت انبیاء۔

جذبۂ فطری کی تعریف کو جو ابھی ذکر ہوئی ہے صحیح مانکر مذہب کو داخل فطرت انسانی سمجھا جائے یا کوئی اور فرضی تعریف تسلیم کرکے اسکو عقل و ترقی کا ہم پلہ مانا جائے۔ دونو صورتون مین مذہب کی اس خصوصیت پر چند نتائج مرتب ہوتے ہین۔

اول جس طرح سے عقل، ترقی، عدالت، شجاعت، وغیرہ صفات کو اگر کوئی انسان صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرے تو ایسی کوشش کے لیئے ناکامی کے سوا کوئی ثمرہ نہ ہوگا اور جس طرح عقل کا مقتضا ان اوصاف کے بارہ مین یہ سمجھا جاتا ہے کہ حتی الوسع ان اوصاف کو حد کمال تک پہنچایا جائے اور جو غلط خیالات عقل کو اور جو نازیبا آمیزش عدالت شجاعت وغیرہ کو عیب لگانے والے ہین ان کو مٹا کر ان اوصاف کا حقیقی جوہر ظاہر کیا جائے یہی استحقاق عقل و ترقی کے ہم پلہ اور برابر کے حصہ دار یعنی مذہب کو بھی حاصل ہے۔ یعنی وہ بھی ایسی خصوصیت ہے کہ نوع انسانی کو اس سے پاک کرنا اور صفحۂ ہستی سے اس کا نام مٹانا ناممکن ہے اور انسان کو اس بارہ مین مناسب یہی ہے کہ اس خاصہ کو اس کے معراج کمال تک ترقی دے اور انسانی جہالت اور تربیت کے اثر سے جو غلطیان اور قباحتین اس خاصہ کو مکدر اور ناشائستہ بنانے والی ہین ان کو دور کرے۔ پس جو لوگ تعلیم و تربیت اور عقل و شعور حاصل کرنے اور بزعم خود فرائض انسانی کو سمجھنے کے بعد محض دنیوی کار و بار اور لذائذ جسمانی مین مصروف و منہمک ہونا شرافت انسانی کا اعلیٰ مقتضا سمجھتے ہین اور مذہبی ضرورت کو محسوس نہین کرتے بلکہ پابندان مذہب اور اسکی اشاعت اور اصلاح کرنیوالون کو عقل سے بیگانہ سمجھکر ان پر تمسخر کرتے ہین نہ معلوم وہ خود کہان تک دعویٰ

عقل و خرد میں صادق ہیں اور کیا مذہب کے سوا کسی اور جذبۂ فطرت کا نشان دے سکتے ہیں جسکو اِس طرح بیکار چھوڑنا اور اسکی اصلاح و ترقی کی کوشش نہ کرنا داخل انسانیت اور مقتضائے دانشمندی ہو؟

کیا کوئی جذبۂ فطرت تباہ کرنے کے قابل ہے؟

مسٹر مل کی مضمون آفرینی اور بلند پروازی قابل تعریف ہے کہ وہ جب جذبۂ مذہبی کو کشتنی و گردن زدنی ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ٹوٹتے موت کبوقت اپنے فیصلہ مین اُس کی نظیرین درج کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ گو اکثر خواص فطرت کے بارہ مین یہی ضرور ہے کہ انکی اصلاح کیجائے اور معدوم نہ کیا جاوے مگر سب خواص فطرت کا یہ حال نہین بلکہ بعض قابل انعدام بھی ہین اور قابل انعدام جذبات فطرت مین تباہ کرنیکی خواہش، خود مختار یا غالب رہنے کی خواہش اور ظلم کرنے کی خواہش کا ذکر کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ بعض لوگون مین یہ خواہشین فطری ہوتی ہین مگر باوجود فطری ہونے کے انکو تباہ کرنا ضرور ہے نہ کہ ان کو بڑھانا اور پرورش کرنا †

لیکن اول تو وہ خود تسلیم کرتے ہین کہ یہ خواہشین بعض اشخاص کی فطرت مین ہوتی ہین پس اُن کو عام نوع انسانی یا کسی خاص قوم کی فطرت سے بھی تعلق نہین اور ایسی عادت کو جو کبھی شاذ و نادر کسی شخص مین دکھائی دیتی ہے جذبۂ فطری کا خطاب اور وہ بھی ایسے فلاسفر کی طرف سے حاصل ہو جو مذہب جیسی عام اور عالمگیر صفت کو بعض انسانون مین نہ پائے جانیکے سبب فطرت سے خارج کرتا ہے نہایت تعجب ہے۔

بعض جذبات فطری کے

اور دوسرے اوصاف کو مستقل جذبات فطرت کہنا اس لئے بھی غلط ہے کہ فی الحقیقت جو جذبات فطرت نوع انسان مین ودیعت ہین اُن پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ مختلف امراض بھی ہوتے ہین جو کامل تربیت نہ ہونیکی حالت مین زور پکڑتے ہین یا بعض اوقات کسی شخص مین استثناء کے طور پر ایسے امراض پیدائشی ہوتے ہین مثلاً قوت نمو فطری ہے لیکن اکثر نقص تربیت کے سبب اسمین کئی طرح کے نقص پیدا ہو جاتے ہین یا بعض

† المسٹے بمبر لصعہ ۵۶ ء ۱۸۷۵ء

اوقات بعض انسان پیدائشی پست قامت اور بالشتئے ہوتے ہیں یا بعض انسان پیدائش
میں عام انسانی یا قومی مقدار نمو سے زیادہ ملبند بالا اور بدنما طویل القامت نکل آتے ہیں مگر کسی
شخص کی پیدائش ٹھنگنا یا لم ڈھینگ ہونے پر یا نقص تربیت سے اس قسم کا نقص پیدا ہونے پر
نہیں کہا جاتا کہ پست قد یا طویل القامت ہونا انسان کا فطری خاصہ ہے۔ علیٰ ہذا اپنی ضروریات
او خواہش کے مطابق اپنے مال کو صرف کرنا انسانی جوہر ہے گر یہ ہی ترقی میں اسراف تک اور
کبھی تنزل میں بخل تک پہنچ جاتا ہے۔ اور بعض شخص پائے جاتے ہیں جو فطرۃً مسرف یا بخیل
ہوتے ہیں لیکن ایسے شخصوں کے وجود سے اسراف یا بخل کو فطرت انسانی کہنا غلط ہوگا
اسی طرح ایک قوت انتقام انسان میں فطرۃً ودیعت ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جس شخص یا جس چیز
سے اسے نقصان یا تکلیف پہنچی ہے اسکو حتی الامکان دور کرے اب اس جذبہ کی صحیح اور
تندرست حالت یہ ہے کہ جس شخص یا جس چیز سے واقعی نقصان یا تکلیف پہنچے اسکو اسی حد تک
نقصان یا تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے جس حد تک فی الواقع اس کا ہرج ہوا ہے اور اس
معیار کے دونو جانب مرض کے بیشمار درجات ہو سکتے ہیں بعض اشخاص یا بعض قومیں انتقام
کے موقعوں کو سستی بزدلی یا کسی اور سبب سے ضائع کرتے کرتے ذلت اور کمینہ پن تک
پہنچ جاتے ہیں اور ایسا ہی دوسری جانب بعض اشخاص واقعی نقصان اور تکلیف سے شبہ کر خیالی
بلکہ وہمی نقصان و تکلیف پر بھی انتقام لینے کیلئے آمادہ ہو جاتے ہیں اور نیز انتقام کی کیفیت
میں حد سے بڑھ کر ایسی تکلیف پہنچانے لگتے ہیں جو انہیں خود برداشت کرنی نہ پڑی ہوتی
کہ یہ مرض ترقی کرتا ہوا بعض اشخاص میں اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ جو چیز ان کو بدنما معلوم ہو یا
جس شخص کے اطوار و عادات انکو مکروہ نظر آئیں ایسے شخص یا ایسی چیز کا ان کے سامنے آنا یا رہنا ہی
انکو ایک تکلیف مالا یطاق معلوم ہوتا ہے اور پھر اس وہمی تکلیف سے متاثر ہوکر وہ انتقام کی کیفیت
میں بھی انصاف کو روا نہیں رکھتے اور چاہتے ہیں کہ وہ مکروہ اور بدنما منظر صفحہ ہستی سے معدوم
ہوجائے اور اس وقت اگر وحشت و جہالت کے مرض میں بھی مبتلا ہوں اور پھر زور اور غلبہ رکھتے

ہون تو وہ حالت پیدا ہوتی ہے جس کو ڈاکٹر مل تباہ کرنے کی خواہش کہتے ہین یعنی وہ شخص
ایسی حالت جنون میں ہر بد نما چیز کو توڑنے اور ہر مکروہ شخص کو مارنیکا عادی ہوجاتا ہے اور اس
وقت جس فعل کو ڈاکٹر صاحب جذبۂ فطری کا معدوم کرنا سمجھتے ہین اور جایز جانتے ہین حقیقت مین
وہ جذبۂ فطری کا معدوم کرنا نہین بلکہ ایک جذبۂ فطری کی اصلاح کرنا اور اُس کے مرض کو معدوم
کرنا ہے یعنی ایسی تباہ کرنیکی خواہش کو دبانا دوسری جانب لپست ہمت لوگون کو انتقام
کیلئے اُبھارنا حقیقت مین یہ دونو فعل جذبۂ انتقام کو اصلی حالت پر لانے اور ترقی دینے کیلئے
ہین۔ علیٰ ہذا القیاس جسکو وہ ظلم کی خواہش کہتے ہیں وہ بھی درحقیقت کہین شجاعت اور
جوانمردی کی صفت کا اور کہین جذبۂ انتقام کا ایک مرض ہے جو کسی شخص میں اسی طرح پیدا
ہوجاتا ہے جس طرح کوئی شخص بالستی یا لم ڈھینک بن جاتا ہے بس اس مرض کا ازالہ
بھی حقیقت مین ایک اور جذبۂ فطری کی اصلاح و ترقی ہے نہ کسی جذبۂ فطری کی ملالت نعدام
البتہ ایک تیسرا وصف جو ڈاکٹر مل نے قابل انعدام مانا ہے یعنی خود مختار یا غالب
رہنے کی خواہش اس کو ہم بیشک عام نوع انسانی کا جذبۂ فطری ماننے مین تامل نہین کرتے مگر
جس شکل مین یہ انسانی جذبۂ فطرت مانا جاسکتا ہے اُس شکل مین اسکو قابل انعدام کہنا فاش غلطی ہوگی
کیونکہ اگر خود مختار یا غالب رہنے کی خواہش انسان مین نہ ہوگی اور وہ کسی اور کے بس مین اور کسی اور
کا مغلوب ہوکر خوش رہ سکتا تو وہ انسان کی ابتدائی وحشیانہ حالت جسمین اُسکو خوراک بہم پہنچانا
موسمی خودرو ساگ پات اور پھل پھول کے بس مین، پانی دریا بارانی چشمون کے اختیار مین، گرمی
دینا آفتاب کے قبضہ مین اور سردی پہنچانا رات کی ٹھنڈی ہوا کے تصرف مین تھا انسان
اسی بے بسی کیحالت مین آجتک رہتا اور یہ بے انتہا ذرائع حصول اسباب معیشت جن پر نوع
انسانی کو بجا فخر ہے کبھی عدم سے وجود مین نہ آتے۔ انسان کے خود مختار بننے کی خواہش ہی تھی
جس نے اوسکو خودرو پھلون کی بجائے اپنے اختیار سے کاشت کرنیکا رستہ دکھایا نالون کی
جگہ کوئین اور نہرین کھدوائین گرمی اور سردی کے واسطے طرح طرح کی غذائین قسم قسم کے لباس

دیگر ذرائع مہیا کرتے کرتے اسٹیم اور بجلی سے بڑی بڑی کام لینے کا ڈھنگ بنایا - اور نیز اگر دوسرے کی مرضی پر منحصر رہنے کی خاصیت ہوتی اور اپنے استغنا رہنے کی خواہش نہ ہوتی تو دیگر جذبات فطرت میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان سے نوع انسانی نقصان اٹھا اٹھا کر جلد روز زمین فنا ہو جاتی مثلاً کسی شخص کے جذبہ شجاعت میں مرض نمودار ہونے سے وہ ظالم ہو جاتا یا کوئی حصول معاش کے جذبہ میں مرض پیدا ہونے سے حریص اور مکار بن جاتا تو دوسرے لوگ چونکہ دوسروں کی مرضی پر خوش رہنے والے ہوتے اس لئے کسی کی ظلم اور مکاری کا سدباب نہ کرتے اور اس طرح سرقہ رہزنی اور قتل وغارت سے مزاحمت ہوتے ہوتے - نوع تھوڑے عرصہ میں نابود ہو جاتی پس - خود مختار رہنے کی خواہش ہے جس نے حکومت و سلطنت کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے انتظام کو قایم رکھا اور پھر یہ خود مختار رہنے کی خواہش ہے جس نے بادشاہوں اور حاکموں کی جانب سے ظلم و زیادتی ہوتے دیکھ کر انکی مزاحمت کی اور اس طرح حاکم و محکوم کے فرایض اور شاہ و رعیت کے تعلقات معین ہو کر انسان کو وہ دستور العمل ہاتھ لگا جس سے وہ امن و آسایش کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو گیا ہے اور آیندہ اس دستور العمل کو اور ترقی دینے سے اور زیادہ راحت و آرام سے بہرہ ور ہوگا -

پس خود مختار اور غالب رہنے کی خواہش بیشک فطری اور اسلئے بیشک قابل اصلاح و ترقی ہے - اس کو قابل انعدام کہنا نہیں معلوم کس وجہ سے کسی دماغ میں جاگزین ہوا ہے ہاں بیشک دیگر خواص فطرت کیطرح اسمیں بھی مرض اور نقص ہوتے ہیں مثلاً کسی شخص کو خود مختار رہنے کی یہاں تک خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر نہ صرف کسی انسان کی بلکہ قوانین قدرت کی حکومت بھی پسند نہیں کرتا پس اس نقص کو دور کر کے خواہش غلبہ و اختیار کو اسکی حد مناسب پر لانا اور اختیارات انسانی سے شخصی اور نوعی فواید اور راحت و آرام کا کام لینا اس فطرت کو نور اور جلا بخشنا ہے نہ تباہ و برباد کرنا -

غرض کوئی جذبہ فطرت نہیں پایا جاتا جس کو صفحہ ہستی سے معدوم کرنا قرین مصلحت ہو

یا اسکی اصلاح و ترقی باعث بہبود عالم اور انسان کے لیئے فرض و واجب نہ ہو پس جو لوگ مذہب کی طرف سے بے پروا اور اسکی اصلاح و ترقی کیجانب سے غافل رہتے ہین اور اس بارہ مین غور و تامل کرنے کو لغو اور جاہلانہ فعل سمجھتے ہین وہ یقیناً انسانیت کے ایک بڑے فرض کو ترک کرنے کے مجرم اور نوع انسانی پر ایک سخت ظلم روا رکھنے کے مرتکب ہین۔

علطی فائدہ سے محروم رکھتی ہے

دوم عقل و تمیزی اور شرافت و عدالت وغیرہ صفات انسانی کا یہ ایک عام اور کلیہ قاعدہ ہے کہ نوع انسانی کو ان مین سے کسی صفت کا سچا فائدہ محض اسی حالت مین پہنچتا ہے کہ انسان اسکی حقیقی اور واقعی مفہوم تک پہنچ جائے اور جبتک یہ کیفیت حاصل نہ ہو اور انسان غلطی سے کسی وصف کے اصلی مطلب تک نہ پہنچے اس صورت مین خواہ وہ کیسا ہی نیک نیتی اور صدق دل سے کام لے غلطی سے ہرگز منزل مقصود تک نہین پہنچتا۔ عقل انسانی نے اپنی طرف سے نہایت خلوص کے ساتھ غور کیا اور اپنی طاقت کے موافق زور لگایا مگر جب تک زمین کو ایک مسطح فرش اور گائے کے سینگ پر ٹھہرے ہوئے سمجھا اسکو وہ فائدے ہرگز حاصل نہ ہوئے جو زمین کو گول اور چارون طرف سے مصائبین محصور ہونے کے علم سے حاصل ہو سکتے تھے۔ اس وقت تک وہ دنیا کے گرد چکر لگا سکا اور نہ ان ویرانہ و آباد ممالک کو پا سکا جو اسکی جائے سکونت سے دوسری جانب واقع تھے اور اس طرح ان تمام فواید سے محروم رہا جو زمین کی اصلی حالت دریافت ہونے پر مترتب تھے اسی طرح اس نے حتی الوسع غور کیا اور مرکبات کو تحلیل کرنیکے بعد چار چیزون کو بسیط اور ناقابل تجزی سمجھا اس وقت تک قدرت نے اسکو ان تمام نعمتوں سے بے بہرہ رکھا جو ان مفروضہ عناصر کو تحلیل کرنے اور آئندہ بہت سی عناصر دریافت ہونے پر منحصر نہین۔ قدرت کے رازون کو تلاش کرنیکی کوشش ہمیشہ رہی اور اپنے اپنے وقت پر اکثر عقلا نے علم و ہنر مین انا ولا غیری کا دعوی کیا مگر خشکی و تری مین قطع مسافت کے حیرت انگیز کارنامے اہی کی قسمت مین تھے جن کو سٹیم کی طاقت دریافت ہوئی صنعت و حرفت کے بیشمار وسایل انھی کو حاصل ہوئے جنہون نے مکینکل قوانین معلوم کئے اور نامہ و پیام کے معجز نما کرشمے انہی کے حصے مین آئے

جنھون نے برقی طاقت پر قابو پایا۔

لطی سے نقصان پہنچتا ہے۔

اور نہ صرف یہی کہ مفید چیز تک رسائی نہ ہونے سے اُس کے فوائد سے محروم رہنا پڑتا ہے بلکہ ہمیشہ جس چیز کو غلطی سے مفید مان لیا گیا ہے اُسکے نقصان بھی ضرور ہی برداشت کرنے پڑتے ہین۔ تلاش ہوتی ہے قیام صحت اور درازی عمر کی اور اُس کے لیئے مناسب غذا خوشگوار آب و ہوا اور دیگر وسایل کی جستجو رہتی ہے مگر جو شخص اِس مبارک تلاش مین غلطی سے مضر غذا، بد آب و ہوا یا دیگر منافی صحت وسایل کو مناسب سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے وہ نہایت اشتیاق سے اپنی طاقتون مین افزایش کا منتظر ہوتا ہے مگر دفعتہً امید کے خلاف خوفناک امرض اور سخت تکالیف مین مبتلا ہوجاتا ہے پھر اپنی طاقت کے موافق پوری کوشش سے ازالہ مرض کی تدبیر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تیر بہدف دواؤن اور حتمی تدبیرون سے اپنی گذشتہ صحت کو واپس لائے مگر اِس حق بجانب دوڑ دھوپ مین جہان اپنی غلطی یا دیگر یا ان معالجون کی کوتاہی سے کسی مخالف دوا یا بیموقع عمل سے کام لیتا ہے تو اپنی آرزو کے خلاف غلطی کے نقصان کا شکار ہوجاتا ہے اور بجائے صحت کے موت کا لقمہ بنتا ہے۔

[اخـ]لاقی افعال پر بھی [یہ]ی قانون حاوی ہے

اور فائدے کو تلاش کرتے ہوئے غلطی سے نقصان اُٹھانا نہ صرف افعال جسمانی تک محدود ہے بلکہ یہ قانون افعال اخلاقی پر بھی اسیطرح حاوی ہے اور انسان جب کبھی کسی بدعادت کو اپنے خیال مین نیک اور باعث برتری سمجھ کر اختیار کرتا ہے تو اُس کا نیک سمجھنا اس عادت کی فطرت کو بدل نہین سکتا اور جو فائدہ وہ سمجھے ہوئے ہوتا ہے وہ حاصل نہین ہوتا اور جو نقصان اُس عادت مین ودیعت ہوتا ہے وہ نہین ٹلتا۔ انسان نے جبتک دشمن کے زن و بچہ کو بیدریغ تہ تیغ کرنا اور بیکسون کی فریاد و زاری پر ترس نہ کھانا زیور شجاعت سمجھا پناہ مانگنے والے ظالم کی بیجا حمایت کو شرافت مانا وہ شجاعت و شرافت کے اصلی جوہر سے قطعاً محروم اور انسانیت کے مفہوم سے بالکل بے بہرہ رہا۔ جس شخص نے جھوٹ کو فعل مذموم نہ جانا اور جائز سمجھ کر اسکا مرتکب ہوتا رہا یا رہزنی اور قتل کو ظلم اور بے رحمی نہ سمجھا اور اپنے خیال مین امر مباح سمجھ کر اس فعل سے معاش

حاصل کرتا رہا جو مکر و فریب کی عادت جھوٹ سے پیدا ہوا کرتی ہے اور جو قساوت اور سخت دلی
قتل و غارت کا نتیجہ ہوتی ہے وہ ناوان اس اثر سے ہرگز بری نہیں رہا اور قدرت نے جس قدر
دل کی سیاہی ایسے فعل کی سزا مقرر کی ہوئی ہے اس سے کبھی معاف نہیں رکھا اور اس کی
نادانی پر ترس نہیں کھایا۔ جیسے قوم کا بچہ جو ان جنگل میں پیدا ہوا ہے اور ایسے لوگوں میں پرورش
پاتا رہا ہے جو رات دن قتل و غارت اور لوٹ مار کے سوا کوئی کام نہیں کرتے اور جو اپنے بچوں
کو ہوش سنبھالتے ہی اس کام کی تعلیم دینے لگتے ہیں اور رحم یا انصاف کی آواز کبھی کان
تک نہیں آنے دیتے وہ بچہ بڑا ہو کر اس تعلیم و تربیت کے اثر سے ضرور صدق دل سے اس
فعل کو جائز اور اپنی بہبود کیلئے ضروری سمجھتا ہے لیکن باایں ہمہ اس فعل کی این جسمانی سزا سے بری
نہیں رہتا اور ضرور سخت دل سیہ کار اور قسی القلب ہو جاتا ہے ✝

✝ ڈاکٹر پال ڈائسن (کتاب ایلیمنٹس آف میٹا فزکس حصہ دوم باب پنجم صفحہ ۱۱۳ ۱۸۹۴ء) لکھتے ہیں کہ جب انسان
کی اصلی قدر و قیمت یعنی اخلاقی اوصاف کا سوال ہو تو دماغی صحت اور غلطی کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس اثر کیلئے
جو قبر سے پرے تک جاتا ہوا مانا جاتا ہے انسان کے فعل کو اور صرف فعل کو اس جانب سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ
اسکی صفت خواہش کا ظہور ہے (یعنی یہ کہ اسکی نیت کیسی ہے) اس دلیل سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں (تفصیل
کیلئے ملاحظہ ہو باب ۱۲ کتاب ہذا) کہ انسان کی اصلی یعنی روحانی صفت خواہش ہے نہ علم۔ خیال اس حد تک بیشک
درست ہے کہ بسیط اور دائمی روح کی صفت دائمی ہونی چاہئے اور علم چونکہ جسم کی صحت و قوت سے گھٹتا بڑھتا رہتا
ہے اس لئے وہ روح کی صفت نہ ہوگا اور اس کے اس خیال کو مانکر کہ روح نے جسم کی وساطت سے علم کی صفت
حاصل کی ہے پھر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ انسان کو جو نعمت عقل و شعور کی دی گئی ہے یہی ایک صفت ہے جس سے انسان
کی روح حیوان کی روح سے افضل مانی جاتی ہے اس لئے اسکو اب فضول سمجھنا کہ اسکی غلطی یا صحت کو انسانی
قدر و قیمت میں کچھ دخل ہی نہیں یہ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتی ہے اور جیسا کہ ہماری پیش کردہ مثالوں سے ظاہر ہوتا
ہے انسان کے غلط اعتقاد کا اثر نہ صرف جسم تک ہی محدود ہے بلکہ اسکی روحانی حالت میں سختی یا نرمی
پیدا کرنے میں بھی ویسا ہی دخیل ہے۔ (باقی برصفحہ ۴۲)

مذہبی صحت عمل کے لئے کیسا قانون ہونا چاہئیے ؟

غرض فطری اور کسبی روحانی اور جسمانی ہر قسم کے تمام افعال کا یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ جو اثر کسی فعل مین ودیعت ہو اُسکا بجا لانے والا اُس اثر سے بے بہرہ نہین رہتا اور جس چیز کو غلطی سے اپنا مدعا و مقصود سمجھا جاتا ہے وہ کبھی مدعا و مقصود کا کام نہین دیتی اور عقل انسانی یا جذبۂ اخلاقی کو جہان دھوکا ہوتا ہے وہین ضرور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اب اِس قانون فطرت کو ملحوظ رکھکر مذہب کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جس چیز کو تلاش کیا ہے اُسکے دھوکے مین بہت سی چیزون کیطرف متوجہ ہوا ہے کبھی اینٹ پتھر وغیرہ کو خدا سمجھ لیا ہے اور کبھی بارش اور ہوا کی طاقتون کو سجدہ کرکے متعدد معبودون کا معتقد ہو گیا ہے اور کبھی اُسے واحد سمجھا ہے تو بہت سی جسمانی خواص اسمین تسلیم کرنے لگا ہے۔ کبھی ممتاز انسانون کے جسم مین اُسکے حلول کا قایل ہوا ہے اور اُسکو جسمانی ضروریات مین مبتلا کر کے بجائے نادیدہ اور پاک خدا کے خاکی انسان کی پرستش مین محو ہو گیا ہے اور کبھی دیگر انسانی ضروریات سے پاک مانا ہے تو باپ بیٹے کا رشتہ فرض کرکے ایک انسان کو خدائی طاقتون مین اُسکا شریک ٹھیرا لیا ہے اور کبھی نظام عالم اور کُنہ خالقیت کو سمجھنے کے بہانہ سے اسکی صفات کو ناقص اور مفروضہ چند اشیا کو اُسکے ساتھ قدامت وغیرہ مین شریک گردان لیا ہے اور اگرچہ اسکی نسبت عقل و قیاس سے بالاتر اور اوس کے کارخانۂ قدرت کے ناقابل فہمید ہونیکی آواز بھی انسان کے منہ سے نکلی ہے مگر پھر دیگر انسانی خیالات کی آمیزش سے حلول اور نقص خالقیت وغیرہ عیوب نے اِس خیال کو مٹا دیا ہے اور اس طرح کے بہت سے انقلابون کے بعد صاف لفظون

[illegible]

اور دوسرے درجے پر جو تک جا پہونچے اثر یعنے عذاب ثواب کا اصول جیسا کہ اپنے موقع پر ظاہر ہوگا یہ نہین کہ خدا کسیکی نیک نیت کو دیکھکر اُسکو دنیوی بادشاہونکی طرح کوئی جاگیر بخش دیتا ہے بلکہ عذاب ثواب کا اصول حقیقت مین صداقت کو پیدا کرتا ہے اُس بڑی صفت صداقت یعنی خدا سے قرب حاصل کرتا ہے اور صداقت سے دور رہونیکی صورت مین اس حقیقی صداقت سے دور ہوتا ہے اور جب یہ کسب ہی نہ جس صورت مین کسی شخص نے قتل امن کو ثواب کا کام سمجھنے کا خلاف واقع اعتقاد رکھا ہے اُسوقت مین اس واقعی غلطی کیوجہ سے اُسمین صداقت پیدا ہی نہین ہوئی اس لئے اسوقت اصلی صداقت سے قرب حاصل ہونا ... جہان ہو یا وہ جہان انسان ہو کر عقل کی وساطت کے بغیر کمال حاصل کرنیکی امید رکھنا اسی روح کو انسانی روح سمجھنے کی بجائے حیوانی روح سمجھنا ہے۔

من اللهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط اور وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ کی آواز نے اسکی کامل توحید وتنزیہ اور انسانی عقل کی کوتاہی کا اظہار کیا ہے۔

پس جذبۂ فطرت کے ان تمام اختلافات اور معبود کی نسبت اِن متضاد خیالات مین سے جو اعتقاد درست اور واقع کے مطابق ہوگا مذکورہ بالا قانون عام کو دیکھکر یقیناً کہنا پڑتا ہے کہ مذہب کا حقیقی فایدہ اس اعتقاد پر مرتب ہوگا اور اس کے علاوہ دیگر تمام قسم کے عقاید چونکہ غلط ہین اِس لئے حسب فرق عدہ وہ ضرور مضر ہون گے یا کم از کم اُن سے کچھ فائدہ نہوگا مثلاً اگر معبود واقعی تمام کمالات سے متصف اور تمام عیوب سے بری اور تمام احتیاجون سے پاک ہے تو جس نے اُسے درخت سمجھا ہے اس پر وہی اثر ہوگا جو غذا کی تلاش مین زہر کھانے والے پر ہوتا ہے۔ دودھ پینے کیلئے پیالہ کٹورا گلاس وغیرہ مختلف رسائل مین لیکن انمین دودھ ڈالکر پینے کی بجائے اگر کوئی خالی برتنون کو کوٹ کر پھانک جائے تو اس فعل سے دودھ کا فائدہ ایک طرف اُلٹا معدہ تباہ ہوجائیگا اِسی طرح آگ پانی وغیرہ مختلف طاقتون کو جو نادیدہ ہستی کے اظہار قدرت کا نشان ہین دیوتا اور خدا مان کر پرستش کرنے سے خدا کی معرفت ہرگز حاصل نہ ہوگی بلکہ جہالت کی تاریکی اور بڑھ جائیگی۔ طبیب صحت کی تدبیر اور مرض کی دوا بتانے والا ہے لیکن اگر کوئی بیمار طبیب کی بتائی ہوئی دوا استعمال کرنے کی بجاے طبیب ہی کو مجسم صحت سمجھکر اُسکی آستان بوسی پر اکتفا کرے تو مرض ہرگز دور نہ ہوگا اسی طرح جو لوگ کسی برگزیدہ بندے کو خدا کا اوتار سمجھکر عبادت کرین وہ گمراہی سے نجات نہ پائین گے۔ ہوا کے بغیر انسان زندہ نہین رہ سکتا لیکن اگر کوئی شخص ہوا کی اس خاصیت کا معترف ہو مگر سمجھتا ہو کہ بجائے پاکیزہ ہوا کے بدبودار اور متعفن ہوا کی ضرورت ہے اور اسی کی تلاش مین سرگرم رہے وہ صحت بخش ہوا کے فائدون سے محروم اور مختلف امراض مین مبتلا رہیگا اسی طرح جو لوگ معرفت خدا کو باعث نجات سمجھتے ہین مگر شرک ولدیت اور دیگر عیوب اور جسمانی خواص سے اسکو متصف مانتے ہین اور اسی طرح کے خدا کا اعتقاد رکھتے ہین وہ سچے خدا کی معرفت سے بیگانہ اور نور دل کیسے

ناآشنا ہونگے۔ کاربن (ایک عنصر کا نام ہے) ایک چیز ہے مگر جب اسمین روشنی کی صفت ہوتی ہے تو ہیرا بنجاتا ہے اور یہ صفت نہ ہو تو وہی کاربن محض ایک کوئلا ہوتی ہے پس جو شخص ہیرے کو تلاش کرتا ہو مگر روشنی کی صفت سے ناآشنا ہو وہ لیبرٹری مین ہیرا بنا تا ہوا کوئلے سے ہاتھ کالے کریگا۔ اسی طرح اگر خدا ایک واحد ہستی ہے جو تمام صفات کمال رکھتی ہے تو اسکو تلاش کرنیوالا جبتک کسی صفت مثلاً خالقیت یا قدامت وغیرہ مین لاشریک اور یگانہ ہونا اسکی ذات سے منفک سمجھے تو وہ کامل خدا کا ایسا ہی عارف ہوگا جیسا روشنی کے بغیر ہیرے کو تلاش کرنیوالا۔

غرض جس طرح عقل کا حقیقی مدعا یعنی سچا علم اور اس کا فائدہ تبھی حاصل ہوتا ہے جب تلاش مین کسی قسم کی کوتاہی اور تدبیر مین کسی طرح کی غلطی نہ ہو اسی طرح مذہب کا اعلیٰ مقصد یعنی وصال ربانی اور عرفان الٰہی بھی جبھی پیدا ہوگا کہ اسکی نسبت کوئی غلط فہمی اور کوتہ اندیشی واقع نہ ہونے پائے اور جس طرح سے نیچر عقل کو اسکی غلطی پر ضرور سزا دیتی ہے خواہ غلطی کرنیوالا کیسا ہی نیک نیت اور طالب صادق ہو اسی طرح عقل جیسا دوسرا جذبہ فطری یعنی مذہب بھی غلطی کرنے سے مستوجب سزا ہوگا اور اس لئے عقل اور مذہب دونو مین بے سوچے سمجھے دوسرون کی کورانہ تقلید سے قدم اٹھانا باعث ہلاکت اور پوری تحقیق و تدقیق اور کامل سعی و کوشش سے واقعیت کو تلاش کرنا فرض اتم اور امر لازم مانا گیا ہے پس جو لوگ مذہب کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہین مگر کہتے ہین کہ مذہب ہر شکل و صورت مین اور مدعائے مذہب یعنی معبود کی پرستش ہر طرق او کیفیت سے باعث نجات ہے اور اس خیال کو اپنے زعم مین فلسفیانہ مذہب اور سلامتی کا رستہ سمجھتے ہین اور اس کے خلاف کسی ایک روش کو مدار نجات سمجھنے والا اُن کے نزدیک تنگ خیال او متعصب ٹھیرتا ہے ان کا یہ خیال اُن کے نزدیک چاہے کیسا ہی شریف اور اعلیٰ ہو مگر نیچر کا مطالعہ اور قوانین قدرت کے تمام مناظر اس خیال کی بڑے بڑے زور سے تکذیب کرتے ہین۔ اگر کاڈلور آیل کا کام مٹی کے تیل سے اور شیر مادر کا فایدہ سنکھیا سے حاصل ہو سکتا ہو تو بیشک نادیدہ خدا کا وصال پتھر کی پوجا سے میسر آئیگا۔ اور اگر یہ کہنے والا کہ لوگ مختلف کثافتون مین مبتلا رہتے ہین او صفائی کا خیال نہین رکھتے اس لئے طاعون

کا شکار ہوتے ہیں یا مسکرات کو استعمال کرتے ہیں اِسلئے اعصابی اور دماغی طاقتوں سے محروم رہتے ہیں، تنگ خیال اور متعصب ہے تو بیشک مختلف ناقص مذہبوں کو باعث ہلاکت کہنے والا اور ایک کامل خدا کے اعتقاد پر اصرار کرنے والا بھی اسی خطاب کا مستحق ہوگا۔ بس نہیں معلوم جو لوگ لعل و کنکر کو برابر سمجھتے ہیں وہ اپنے خیال کو فلسفیانہ اور سائنٹفک کہہ سکتے ہیں یا وہ لوگ جو سکہتے ہیں ۔

هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (انعام پارہ ۷ ع ۵)	کیا اندھا اور بینا برابر ہیں کیا تم فکر نہیں کرتے ؟
لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ (مائدہ پارہ ۷ ع ۱۲)	ناپاک اور پاک برابر نہیں خواہ تم کو ناپاک کی کثرت سے دھوکا ہو ۔
وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۳)	اندھا اور بینا برابر نہیں اور نہ روشنی اور تاریکی برابر ہے اور نہ دھوپ اور چھاؤں برابر ہے اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہیں ۔
هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (زمر پارہ ۲۳ ع ۱)	کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے۔ بیشک نصیحت عقلمند ہی حاصل کر سکتے ہیں ۔

تمام امور کو یکساں سمجھنے کی وجہ۔

آفتاب کی روشن شعاعیں اور اس کا چمکتا ہوا چہرہ آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے اور لوگ اسکی گرمی اور نور کے لطف میں محو ہو کر اُسکی حقیقت کو دریافت کرنے سے غافل ہو جاتے ہیں اور بہت کم روشن دماغ ہوتے ہیں جو آفتاب کی ماہیت کو تلاش کرنے کی تکلیف گوارا کرتے ہیں یہی کیفیت مذہب کی ہے کہ اُسکے چہرہ پر جو اخلاق کا گلگونہ نظر آتا ہے اکثر دیکھنے والے اسی کے نظارہ میں غرق ہو جاتے ہیں اور چونکہ اخلاق کا اثر اور فائدہ نمایاں اور محسوس ہے اور اسی لیئے مذہب

کی نہایت ابتدائی اور بدنما شکلون مین بہی اُس وقت کے لوگ اخلاق کے بہت کچھ حامی ہی ہین
لہذا اکثر غور کرنیوالے دہوکا کھا جاتے ہین اور سمجھتے ہین کہ مذہب مین جو کچھ فائدہ ہے وہ یہی حسن
اخلاق کی اشاعت ہی پس انہین سے جو لوگ مذہب کی دوسری تعلیم یعنی خدا پر ایمان لانے سے
چڑتے ہین وہ کوشش کرنے لگتے ہین کہ کسی طرح اخلاق کی اشاعت مذہب کے بغیر ممکن ثابت کرین
اور جو لوگ خدا کے اعتقاد کو ایسا خوفناک و نہین سمجھتے مگر اُسکی ضرورت اور سچے عرفان کے لطف سے
بھی چندان آشنا نہین ہوتے وہ محض اخلاق کو اپنا منتہائے نظر ٹھیرا کر چونکہ اخلاق کا جلوہ
کم و بیش ہر مذہب مین دیکھتے ہین اسلیئے یہ دعوے کرنے لگتے ہین کہ ہر ایک مذہب اپنی واحد
مقصود کو پورا کر رہا ہے اور اس لیئے سب کی پیروی باعث نجات ہی مگر حقیقت مین یہ دونو فریق غلطی
پر ہین۔ نہ اخلاق کی اشاعت مذہب کے بغیر ممکن ہے اور نہ مذہب عین اخلاق اور نہ مذہب کا
فایدہ محض حسن معاشرت ۔

مذہب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے

انسان کی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے فائدہ سے اسی صورت مین دست بردار
ہوتا ہے جب اس سے بہتر کسی اور فائدہ کی توقع ہو یا کسی بڑی نقصان کا اندیشہ ہو۔ طالبعلم
جو اپنے مطالعہ مین رات کی میٹھی نیند کے فائدے سے دستکش ہے تو محض اسلیئے کہ اس فائدے
کو چھوڑکر علم کے بے بہا مفاد سے بہرہ اندوز ہوگا اور کاشتکار جو گرمیون کی دہوپ مین ہل
چلانے مین مصروف ہے اور ٹھنڈی ہوا اور سایہ کے فائدے سے محترز رہنے تو محض اسی لیئے
کہ ہوا کہانے سے سال بھر تک بہوکا مرنا پڑیگا اور اگر یہ خیال نہو تو صرف دوسرون کے نقصان
کا خیال کبھی فائدہ حاصل کرنے سے روک نہین سکتا۔ انسان تمام دنیا کی جڑی بوٹی اور چرند
کو اپنی غذا بناتا ہے اور تمام جاندار اور بے جان چیزون کو اپنے صرف مین لاتا ہے حالانکہ یہ تمام فایدے
دوسری مخلوق کو سخت نقصان پہنچا کر حاصل ہوتے ہین مگر چونکہ اپنا کوئی اور بڑا فائدہ ہاتھ سے جاتا یا کوئی
بڑا نقصان اپنے اوپر عائد ہوتا نہین نظر آتا اس لیئے اورون کے نقصان کی پروا نہین کرتا
اور نہ صرف یہ کہ انسان غیر انسان مخلوق کے نقصان کی پروا نہ کرتا ہو بلکہ اپنے ہی نوع کی بھی پروا نہین

کرتا اور جتنی چیزوں کی عام بنی نوع کو ضرورت ہو اُن کو مہنگے داموں خرید کر اپنے صرف مین لاتا ہے اور جو لوگ اس قدر قیمت نہین دے سکتے اور اِس سے لیئے تکلیف اُٹھاتے ہین اُن کی رعایت نہین کرتا اور جب یہ صورت دُنیا کے ہر ایک کام مین دیکھی جاتی ہے تو اگر ایک لحظہ کے لیئے مذہب کو مٹانے کی کوشش بار ور مان لیجائے اور خدا کا وجود اور اُسکے جزا و سزا کی طاقتون کو معدوم فرض کر لیا جائے اُس وقت جو لوگ دوسرون کا مال چھیننے اور جان و آبرو لینے مین اپنا فائدہ تصوّر کرتے ہون اور نیز دنیوی حکومت کے دائرہ اثر سے باہر یا خود برسر حکومت ہونے کے سبب پورے طاقتور ہون یا مخفی ریشہ دوانیون سے کامیاب ہو سکتے ہون وہ ابنی انسانی مگر بعض فطرت کے ہاتھون کیا کچھ طوفان برپا نہ کرینگے اور دُنیا پر کیا بلا نہ لائینگے اور اُس وقت کونسی طاقت ہوگی جو ان لوگون کو حسن اخلاق پر مجبور کرے گی اور دُنیا مین امن و امان قایم رکھیگی؟

مہذب ممالک کے اخلاق

کہا جاتا ہے کہ آجکل مہذب ممالک میں اکثر لوگ مذہب کو چھوڑ چکے ہین اور باوجود اس کے وہ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہین اور معاشرت کو ترک مذہب سے کوئی نقصان نہین پہنچا مگر اول تو دیگر کمزور اقوام کے ساتھ انکا برتاؤ بہت کچھ انکی اخلاقی حسن و خوبی پر روشنی ڈالتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ نیک برتاؤ محض اُنہی کے ساتھ ہے جو برابر کے طاقتور اور کلہ بہ کلہ جواب دینے والے ہین مگر اس گفتگو کو طول دینے کے بغیر دوسری پتہ کی بات یہ ہے کہ مذہب کا ہزارہا سال کا طولانی اثر چند صدیون مین بھی زایل نہین ہو سکتا چہ جائیکہ چند نسلون کی مادی تعلیم اس کو بالکل فنا کر دے یہ تعلیم کہ برائی کا اثر روح کو تاریک کرنیوالا اور اب اور آیندہ ہزارہا جسمانی اور روحانی نقصان پہنچانے والا ہے اور کوئی ایسا قانون یا قانون کا بنانے والا ہے جو عالم کے ذرہ ذرہ پر حکومت کرتا ہے اور اسکی نظر کبھی اور کسی وقت خطا نہین کرتی غرض یہ خیال مذہب کی برکت سے اب تک تمام دُنیا کی فضا مین پھیلا ہوا ہے اور اِسی کی کشش ہے جو ابتک عقلا اور جہلا کے دلون کو پورے طور پر حسی فائدے کی طرف متوجہ نہین ہونے دیتی اور یہی کشش ہے جو ڈاکٹر مِلی کے قول پر روم الکبریٰ مین کئی نسلون تک خدا سے غافل ہونے پر بھی ملکی خدمت کی شکل مین حکمران ہی

پس مذہب کے بغیر اخلاقی ترقی کی نظیر اس وقت پیش ہو سکے گی جب یہ مادّی تعلیم اور خدا کا انکار بھی مذہب کے عمر کے برابر طول کھینچے اور تمام زن و مرد بر مذہب کیطرح قابض ہو اور پھر اُس وقت کے لوگ اخلاق میں نمونہ بن سکین ۔ اور حقیقت مین اگر خدانخواستہ کبھی ایسا زمانہ آئے کہ تمام عالم خدا سے منکر ہو تو وہ وقت نہایت منحوس ہوگا اور یہ انسانی مخلوق اگر اس وقت بھی انسان ہی رہے اور فرشتہ نہ بن جائے تو نہ ملکی حکومت و قانون کی پیش جائیگی اور نہ کھوکھلی اخلاقی تعلیم کے بنائے کچھ بنیگا اور جو لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہونگے وہ وہ قیامت برپا کرین گے کہ عالم تہ و بالا ہو جائیگا مگر یقین ہے کہ بفضل خدا ایسا دن نہین آئیگا اور جبتک مذہب، انسانی فطرت مین داخل ہے ان مٹھی بھر چند دوا و یلا کرنے والون کی کوشش مذہب کو نابود کرنے مین کامیاب نہ ہوگی کیونکہ فطرت کو بدلنا انسانی طاقت سے باہر ہے ۔

(حاشیہ: ...ل کی تدبیر اور ...س کا نقص)

ایسی کوشش کرنیوالے اب بھی اگرچہ چاہتے ہین مگر مذہب سے بے نیاز نہین ہو سکتے رومہ والون نے ملک کو دیوتا مانا تو اب ڈاکٹر مِل اخلاق کو بحال رکھنے کیلئے انسانی زندگی کو معبود بنانا چاہتے ہین اور کہتے ہین[†]

کہ " بجائے نادیدہ طاقت کے اِس زمینی زندگی کو خدا مانکر ہم اعلےٰ اخلاقی خیالات کی اشاعت کر سکتے ہین " یعنی تم خدا کے لئے بلکہ اپنی انسانی زندگی کیلئے ہم ناجائز فائدون سے دستبردار ہو سکتے ہین تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ

" یہ چھوٹا سا حصہ اور یہ تھوڑی سی بے حقیقت عمر اگر دنیا کے پرلے تک دراز نہ مانی جائے تو ایسے چھوٹے سے پیمانہ پر اعلےٰ خیالات کی بنیاد رکھنی ناممکن ہے اور ایسی چھوٹی عمر کا یقین کر لینے کے بعد تو وہی یونانی فلاسفر ایپی کیورس کا عقیدہ اشاعت پا سکتا ہے کہ کھا لو اور پی لو کل تو مرنا ہی ہے "

اِس کے جواب مین وہ فرماتے ہین کہ

" افراد انسانی کی زندگی اگرچہ حقیر ہے مگر نوع انسان کی زندگی خاصی طویل اور بے انتہا ہے

[†] انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲ مئی ۱۹۰۱ع

اور جب آمن سے خاص خاص ملکون کی زندگی تدابن سکتی ہے جیسا کہ روسہ والون نے اسا کر دکھایا
تو عام نوع انسان کی زندگی سے یہ اثر کیون نہ پیدا ہو سکیگا"

چنانچہ ایسا اثر پیدا ہونیکی تدبیر بتاتے ہوئے لکھتے ہین کہ

"یہ اعلیٰ اخلاق اپنے عروج کیلئے کسی معاوضہ کی امید پر منحصر نہ ہوگا بلکہ اسکا ایسا معاوضہ ہوگا
جو دیکھا جا سکے اور جو تکلیف کے وقت تسلی اور کمزوری کے وقت سہارے کا کام دے
اور وہ معاوضہ اگلے جہان کی مشتبہ زندگی نہین بلکہ اسی زندگی مین ان لوگوں کی خوشنودی
ہے جنکی ہم عزت کرتے ہیں اور خیالی طور پر ان تمام مُردہ اور زندہ لوگوں کی پسندیدگی ہے جنکی
تعریف و تعظیم کے ہم معترف ہین کیونکہ یہ خیال کہ ہمارے مردہ آبا و اجداد ہمارے اطوار کو پسند
کرتے ہون گے ایسا ہی طاقتور ہے جیسا یہ خیال کہ زندہ لوگ پسند کرتے ہین اور یہ تصور کہ
سقراط، هاورڈ، واشنگٹن، انٹانی نس یا مسیح ہمارے ساتھ ہمدردی رکھتے ہونگے
یا یہ کہ ہم بھی اسی نیت سے کام کرتے ہین جس نیت سے وہ کرتے تھے بہت سے نیک دلوں کے
لئے اعلیٰ خیالات کیواسطے قوی محرک ہوا ہے"

ڈاکٹر موصوف اِس تدبیر سے نیک اخلاق پیدا کرنیکے لیئے خدا کو چھوڑ کر کوئی محسوس محرک پیدا
کرنا چاہتے ہین مگر جہان آکر ٹھیرے ہین دیکھا گیا تو کیہ اسی غیر محسوس طاقت پر ہے یعنی خدا نہ سہی
اپنے آبا و اجداد اور بزرگون کے ارواح کو حاضر ناظر مان کر انکی خوشنودی کا فائدہ مدنظر رکھنا پڑا
اگر انکی زوردار تقریر کے ساتھ جسمین بزرگون کو شفیع بنایا گیا ہے وہ فلسفیانہ خیال بھی لکھ دیا جاتا
کہ روح کوئی چیز نہین اور مرنے کے بعد جسمانی اجزا اپنے اپنے عناصر مین مل جاتے ہین اور غبار
بن کر اڑ جاتے ہین تو پھر دیکھتے کہ یہ مُردہ اور زندہ لوگون کی خوشنودی کیونکر ہم سے ہمارے
مفاد کو چھڑوا سکتی کیونکہ جب وہ مر کر کچھ رہے ہی نہین تو اب خوشنودی مٹی اور ہوا کی کیا تسکین
دیگی! غرض ناممکن ہے کہ کوئی طاقت جو خوش ہونیوالی اور جزا و سزا دینے والی ماننے کے بغیر انسان
نیک اطوار پر مجبور ہو سکے۔ پس فطرت انسانی مین داخل ہونے کے سبب اگر مذہب کی اصلاح

و ترقی انسانی فرض ہے تو مدار اخلاق ہونیکے باعث اُسکی تلقین و اشاعت اخلاقی فرض ہے ۔

مذہب بجز اخلاق نہین

ان لوگون نے مذہب کی ضرورت کو محسوس نہین کیا اور اس لیئے مذہب کو چھوڑکر اخلاق پیدا کرنا چاہتے ہین مگر معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کی ماہیت سے نا آشنا نہین ہین اور جانتے ہین کہ مذہب خدا پر ایمان لانیکا نام ہے لیکن جو لوگ تمام مذاہب کو باعث نجات اس لیئے ملنتے ہین کہ سب مین اخلاقی تعلیم موجود ہے وہ لوگ مذہب کی ضرورت کو تسلیم کرنے کے باوجود مذہب کی حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہین اور نہین دیکھتے کہ اسکی اصلی خواہش خدا کا اعتقاد اور اسکی ذات و صفات کی معرفت ہی اسلیئے کہ شروع سے لیکر آج تک مذہب کی تمام شکلون مین اور مذہبی ترقی کے تمام مدارج مین ایک بالاتر ہستی کا یقین کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کو اعلیٰ مقصد اور منتہائے نظر مانا جاتا ہے اور جب مذہب کا یہ مطلب ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ اور چیز ہے اور رحم و انصاف شرافت و شجاعت وغیرہ جداگانہ اوصاف ہین اسی جس طرح شجاعت اور دلیری کی مشق کرنے سے صنعت و حرفت یا نجوم کی مہارت سی نجاری و معماری کا علم حاصل نہین ہوسکتا سچائی اور ہمدردی کا وصف پیدا کرنے سے علم و حکمت کا وقوف پیدا نہین ہوتا اسی طرح انسان نیک برتاؤ اور حسن معاشرت مین لاکھ امتیاز پیدا کرے معرفت و شہود سی بہرہ یاب نہ ہوسکیگا پس جو لوگ محض اخلاق سے خدا تک پہنچنا چاہتے ہین وہ زمین پر چلنے سے آسمان پر چڑھنے کی امید رکھتے ہین ۔ غرض اگر دنیا مین علت و معلول کا قانون ناقابل تنسیخ ہے اور اگر ہر ایک مدعا کیلیئے اس کے مناسب حال اسباب ضرور ہوا کرتے ہین تو یا تو خدا کا عرفان حاصل کرنیکے لیئے مذہب کی اُس حد تک پہنچنا ضرور ہوگا جسمین خدا کی سچی معرفت کی تلقین ہو اور خدا کو انہی اوصاف و خواص سے ماننا ہوگا جو واقعیت رکھتے ہون اور اگر نہین یعنے اگر خدا کی حقیقی معرفت پیدا کرنے کی ضرورت نہ ہو تو پھر یہ کہنا چاہیئے کہ مذہب کی اصلی کشش انسان کے اندر ایک غیر ضروری عنصر ہے اور اس طرح نتیجہ وہی ہوگا جو مذہب سے انکار کرنیوالے مانتے ہین فرق صرف اس قدر رہیگا کہ وہ لوگ مذہب کے علانیہ دشمن ہین

اور یہ بظاہر اسکی ضرورت کا دعوی کرتے ہیں اور درپردہ بیخکنی چاہتے ہیں اور انکی جانب سے جو حمایت ہوتی ہے وہ درحقیقت ایک اور جذبۂ فطرت یعنی اخلاق کی ہوتی ہے۔

پابندی اخلاق مذہبی ترقی کا ذریعہ ہے۔

اسمین شک نہین کہ خدا کی معرفت پیدا ہونیکے بعد خواہ وہ کسی درجہ کی ہو اسکو ساتھ مناسبت اور تعلق پیدا کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور اس کے واسطے ایک طریق وہ غور و فکر کی شکلین ہین جن کو عبادت کہا جاتا ہے اور دوسرا طریق یہ ہے کہ جس قسم کے اوصاف اور خواص خدا کے معلوم ہوتے ہین اسی قسم کے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کیجائے مثلاً خدا رحم انصاف انتقام وغیرہ قوانین سے دنیا کو قایم رکھتا ہے اس لئے انسان بھی اپنی طاقت کے موافق ان اوصاف کو حاصل کرے اور مخلوق خدا کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جو اپنے ذہن مین خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اِس لیئے اخلاق بہت بڑی حد تک مناسبت اور تعلق مین مدد دینے والے ہین اور نہ صرف دنیوی حیثیت سے بلکہ مذہبی حیثیت سے بھی نہایت ضروری اور مفید ہین اور اس لیئے مذہب اعتقاد کے بعد اخلاق کی بھی ویسی ہی تاکید کرتا ہے جیسی غور و فکر یعنی عبادت کی۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ اخلاق اور عبادت سے جو مناسبت اور تعلق خدا کی ذات سے پیدا ہوگا وہ قدر و کیفیت مین اسی درجہ پر ہوگا جس درجہ تک خدا کی معرفت حاصل ہوچکی ہے مثلاً اگر کوئی شخص خدا کو مجسم اور مکان اور زمانہ مین محصور سمجھتا ہے اور پھر عبادت اور اخلاق سے اس کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے تو اس کا تعلق ایک مجسم چیز سے ہوگا اور اسی کی معرفت کا نقش دل پر گہرا ہوتا جائیگا اور یہ نہ ہوسکیگا کہ مجسم سمجھ کر عبادت کرتا ہو اور اس عبادت سے ہی اس کا جسم پاک ہوتا دل مین بیٹھ جائے۔ پس اخلاق کو تعلق اور مناسبت کیلئے ضروری اور مفید تسلیم کرنے کے بعد بھی مذہب کا مدار معرفت ہی پر رہتا ہے اور کسیطرح ثابت نہیں ہوتا کہ ناقص معرفت کے وقت اخلاق حسنہ حاصل کرنے سے انسان عارف کامل بن سکیگا اور محض ... سے سچے خدا تک پہنچ سکے گا۔

اور ... بھی شک نہین نہ مذہب کی ... شکلین ہین ... محض ...

کی نسبت خدا کی واقعی معرفت تک پہنچنے کی قابلیت زیادہ ہے اور اس لحاظ سے ناقص مذاہب
مین سے بعض کو بعض سے اچھا کہ سکتے ہین مثلاً اگر درخت یا پتھر کو خدا سمجھا جاتا ہے تو چونکہ
پتھر اور خدا مین بہت بڑا تفاوت ہے ایک محسوس ہے تو دوسرا غیر محسوس ایک مادی ہے اور
دوسرا غیر مادی ایک محدود ہے اور دوسرا غیر محدود اسلیئے یہ خیال خدا کی معرفت سے بہت دور
بلکہ اس سے متناقض ہے اور اگر خدا کو درخت اور پتھر سے بالاتر سمجھا جاتا ہے مگر اعتقاد کیا جاتا ہے
کہ انسان کو متوجہ کرنے کیلیئے اس نے درخت مین ظہور اور حلول کیا ہے تو یہ خیال پہلے خیال کی
نسبت معرفت سے کم بُعد رکھتا ہے مگر اس وجہ سے کہ وہ شخص خدا کو جسم مین آنے اور محتاج مبنز
کے لائق سمجھتا ہے سچے عرفان سے بیگانہ ہے اور اگر خدا کو جسم مین در آنے سے بھی پاک سمجھا
جاتا ہے مگر ولدیت وغیرہ بعض جسمانی صفات سے متصف مانا جاتا ہے یا اسکی صفات کمال
مین سے کسی صفت سے عاری مانا جاتا ہے تو بعینہ خدا کے حلول کرنیکی نسبت یہ خیال شریف اور
برتر ہوگا مگر ایک گونہ ناقص سمجھنے کے باعث سچی معرفت سے ابھی بھی ناآشنائی ہے اور جس طرح
بچہ پیدا ہونے کے بعد بالغ ہونے تک اپنی نشو ونما کے مدارج مین رفتہ رفتہ جوانی سے قریب ہوتا
جاتا ہے اور بلوغ کی استعداد مین ترقی کرتا جاتا ہے لیکن اگر بالغ ہونے کے وقت سے ایک دن پیشتر
بھی مرجائے تو خواہ اُسے ایک شیر خوار کی نسبت بہت زیادہ لذتین اور فائدے حاصل ہوگئے
ہون گے مگر بلوغ اور جوانی کی نعمت سے ضرور محروم جائیگا اسی طرح معرفت کامل کی استعداد خواہ
کیسی قوی پیدا ہوچکی ہو لیکن اُس تک پہنچنے سے پہلے جس درجہ پر انسان ٹھہر جائیگا اگرچہ اپنے
سے پست تر خیالات کی نسبت فائدے مین رہیگا مگر اس بالاتر نعمت سے ضرور ناآشنا رہیگا۔
اور جس طرح قریب البلوغ لڑکا کبھی بے اعتدالی سے ایسا مرتکب ہوسکتا ہے کہ شیر خوار بچے جیسی راحت
اور لذّت کو بھی کھو دے اسیطرح خدا کی نسبت کوئی سے اعلیٰ خیالات رکھنے والا ممکن ہے کہ شرک
اور نقص کے اعتقاد کو اعلیٰ خیالات سے ملا کر معرفت سے ایسا دور جا پڑے کہ مجمل طور پر بالاتر
ہستی کو ماننے والا اُس سے بہتر ہو ۔

غرض دُنیا کا نظام قدرت اور نیچر کے تمام کاروبار بالاتفاق اور بلا استثنا شہادت دیتے ہین کہ مذہب کا سچا فائدہ اِسی صورت مین حاصل ہوگا جبکہ مذہب سچا ہو اور جھوٹے مذہب سے سچے فائدے کی امید رکھنا سراب سے دریا کو پانا اور شیر قالین سے شیر نیستان کا کام لینا ہے یعنی ہیچ۔

مذہب کی تدریجی ترقی

سوئم۔ عقل کا ترقی اور دیگر جذبات فطرت کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کا تخم انسان کی فطرت مین موجود ہے مگر ہر ایک کی ترقی اور اُس کا کمال عموماً تربیت اور دوسرونکی رہنمائی پر منحصر ہے اور جب انسان کو ایک حالت مین رہتے ہوئے کچھ عرصہ گذرتا ہے اور جدت پسندی کی برکت سے اور ایک حالت مستمرہ سے ملول ہو جانیکے باعث کہ یہ بھی انسان کی فطرت مین ودیعت ہے اُسین اپنی حالت کو بدلکر اُس سے بہتر حالت مین جانیکی استعداد پیدا ہوتی ہے تو اُس وقت اپنی حالت پر متجسسانہ نگاہ ڈالتے رہنے سے اور گاہ کسی اور قوم کی بہتر حالت پر مطلع ہونیسے ان مین سے کسیکو کوئی نیا خیال سوجھتا ہے اور اکثر مہتم بالشان اور باریک نکات کو دریافت کرنے کیلئے دیکھا گیا ہے کہ کبھی تمام قوم نے دفعتہً ترقی نہین کی بلکہ عموماً اپنے زمانہ مین کسی ایک یا چند اشخاص کو اختراع و ایجاد کی عزت حاصل ہوتی ہے اور پھر اُس ایک یا چند افراد کی کوشش سے اور نیز اپنی موجودہ حالت کی ملالت سے ملک اور قوم اس جانب توجہ کرتی ہے اور اگرچہ عموماً ایسے لوگ بھی اسوقت موجود ہوتے ہین جو نئے نکات کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہین اور اس سے اختلاف ظاہر کرتے ہین لیکن اگر نیا خیال واقعی ترجیح اور برتری رکھتا ہو تو ایجاد کی کوشش بارور ہو جاتی ہے اور بتدریج پرانے اوہام نئے خیال کیلئے جگہ خالی کر دیتے ہین۔ زمین کے مسطح ہونیکے بعد حرکت کرنیکا، اشیاء کے میلان طبعی کی بعد کشش ثقل کا، عام وسایل نقل و حرکت کے بعد بخار کی طاقت سے کام لینے کا، نامہ و پیام کیلئے اور دیگر تدابیر علاج کیلئے عام ذرایع کے بعد برقی طاقت کو استعمال کرنے کا اور اس کے بعد بے تار ٹیلیگرافی کا خیال اسی طرح پیدا ہوا ہے کہ ایک مُدت دراز تک ایک خیال پر قایم رہنے اور اس سے کام لینے کے بعد انسان مین قابلیت

ہوئی کہ اور طرف توجہ کرے اور پھر اُس وقت کسی بندۂ خدا کو نیا خیال سوجھا اور رفتہ رفتہ اُس کا رواج ہوا۔ ڈاکٹر ایچ آرمل انرجی یعنی طاقت کے ذکر مین لکھتے ہین کہ :۔

"طاقت دُنیا مین مادہ کے علاوہ ایک اور حقیقی وجود ہے جو ہمارے حواس پر ایسا سراہ راست اثر نہین کرتا جیسے مادہ کرتا ہے اور پچاس سال گزرے کہ اس ہی کا کسیکو علم نہ تھا اور استدلال کا ایک لمبا سلسلہ ضروری ہا جس کے بعد اس کے موجدوں کو اس کے وجود اور اس کی حقیقت کا یقین آیا" +

اور زمین کے گول ہونیکا خیال تو خیر بہت پُرانا ہے مگر ان دوسرے خیالون کی ایجاد کا وقت زمانہ کو یاد ہے اور وہ بتاتا ہے کہ اُس وقت تمام دُنیا مین سے ایک ہی مرد ایسا نکلا ہے جس نے خلاف معمول ایک انوکھی بات معمولی واقعات مین سے نکال لی سیب کا درخت پر سے گرنا کس نے نہیں دیکھا اور دیگچی پر سرپوش کی حرکت سے یا اور طرح بر بخار کی طاقت کو کون نہ جانتا تھا مگر نیوٹن اور جیمس واٹ ہی وہ خوش قسمت تھے جن کو ان معمولی واقعات نے کشش ثقل اور سٹیم انجن جیسے گرانمایہ اور مہتم بالشان نتائج تک پہنچایا۔ انسان کو بیرحمی سے پکڑنا اور اینٹ پتھر کیطرح اُن سے سلوک کرنا کس کی آنکھون سے پوشیدہ تھا مگر کسی نے ترس نہ کھایا اور جو ترس کہاتے تھے اُن کا کہنا زمانہ نے نہ سُنا اور گربنول شارپ ہی وہ با اقبال نکلا جسکی باریک نظر نے اِس اخلاقی نقص کو دور کرنے کی تدبیر نکالی اور انسان او غلامی مین وہ کام کر گیا جسکو آج زمانہ فخر سے یاد کرتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ قاعدہ ہی اِن تمام قسم کی ترقیون مین دیکھا جاتا ہے کہ جہالت کی تاریکی مین جب کسی ترقی کا شرارہ چمکتا ہے تو اگرچہ فی ذاتہ وہ شرارہ پاک اور بے عیب ہوتا ہے مگر اکثر اوقات گردوپیش کی تاریکی اُس تو مین کئی طرح کی آمیزش کر دیتی ہے اور وہ خیال باوجود پاک اور اعلیٰ ہونے کے دوسرے خیالون مین ملکر ناپاک اور پست ہو جاتا ہے۔ بجائے مسطح ہونیکے زمین کے گول ہونیکا خیال ایک واقعی اور سچا خیال تھا مگر اس کے ساتھ دوسرے مسلمات مل گئے اور گول ہونے اس کو چھپا لیا [illegible] وسط مین ساکن علم

+ کتاب سر ہیلم آف نیچر باب دوم صفحہ ۱۶ ۲۲ ۱۹۳۲ء

کیا گیا اور عالم کا مرکز ٹھیرا کر تمام موجودات کو اُسکے گرد حرکت کرنیوالا اور اس طرح اس چھوٹے سے کرّہ کو تمام ستارون اور سیارون کی پیدائش کا مقصد سمجھ لیا گیا۔ غرض دوسری خیالات کی آمیزش سے زمین کی نسبت جو یقین قایم ہوا وہ راستی سے بہت دور ہو گیا علیٰ ہذا جب سیارون کو آفتاب کے گرد چکر لگاتے ہوئے مانا گیا تو اس خیال کے ساتھ جسکی واقعیت آجتک مسلّم ہے یہ آمیزش ہو گئی کہ ہر ایک سیارہ مین ایک روح مانی گئی جو اِس سے آفتاب کے گرد طواف کرواتی ہے کیونکہ اس سے پہلے جو آسمانون کی جنت تھین مانی ہوئی تھین انمین بھی روح اور حرکت ارادی کا وجود مانا جاتا تھا پس اسی تاریک خیال کے بعد جب یہ روشن خیال کیپلر نے پیدا کیا تو وہین آسمانون کی بجائے سیّارون مین فرض کر لی گئین اور ہیئت مجموعی سیّارون کے بارہ مین واقعی علم حاصل نہ ہوا۔

غرض اس غور و فکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان جذبات فطری مین ترقی درجہ بدرجہ ہوتی ہے اور تربیت پر منحصر ہے اور ہر ایک ترقی کو پانیوالے ابتدا مین چند افراد ہوتے ہین اور ترقی کے درمیانی درجون مین ایجاد کرنیوالون کی تعلیم گردوپیش کے تاریک خیالون سے مل کر ملدّر ہو جاتی ہے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد کوئی اور روشن خیال پیدا ہوتا ہے جو اپنی حیثیت کے موافق تاریکی کے کسی حصہ کو دور کر کے کسی اور موجد کیلئے جگہ خالی کر جاتا ہے یہی صورت مذہب مین دیکھی جاتی ہے کہ اُس کا تخم فطرت مین موجود ہے اور انسان اپنی جبلی کشش کے سبب سے اسکی تلاش شروع کرتا ہے مگر نقص بشریت اور کوتاہی نظر کے باعث غلطیون مین مبتلا ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے ناپاک خیالات اور افعال کو اُس پاک کشش کے ساتھ ملا لیتا ہے مگر کچھ مدت یہ حالت قائم رہنے کے بعد حسب قاعدہ ملالت اور ناپسندیدگی کا میلان پیدا ہوتا ہے اور کسی نور کو قبول کرنے کی استعداد حاصل ہوتی ہے اس وقت کوئی خدا کا بندہ پیدا ہوتا ہے جو اس زمانہ اور حالات کے موافق مذہب کے متعلق کوئی روشن خیال پیش کرتا ہے اور اگرچہ ابتدا مین اُس کے جدت اور انوکھے پن سے اختلاف پیدا ہوتا ہے مگر آخر وہ استعداد جو قوم مین

پیدا ہو چکی ہوتی ہے غالب آتی ہے اور اس خیال کو تسلیم کرنیوالے پیدا ہونے لگتے ہین
اور کچھ عرصہ اُس روشنی کا فروغ رہنے کے بعد پھر گرد و پیش کے تاریک خیالات غلبہ پاکر
اسکی خوبی کو ڈھک لیتے ہین اور نیک و بد خیالات مل کر بہیئت مجموعی واقعیت سے دور رہجاتے
ہین اور پھر اسی قسم کا کچھ عرصہ گذرنے کے بعد کوئی اور شخص پہلے شخص کی تعلیم کے ساتھ دیگر تاریکیون
کے متعلق اپنے چند اور روشن تجربے لیکر پیدا ہوتا ہے اور حسب دستور پھر باقیماندہ تاریکیون کے
سبب سے کوئی اور شکل پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مثلاً زمانہ
جہالت و وحشت مین جب فطری کشش نے مجبور کیا اور یہ پاک خیال پیدا ہوا کہ کوئی ہستی
ہم سے برتر اور ہماری مالک اور پرستش کے لایق ہے تو چونکہ اِن لوگون کی نظر صرف محسوسات
ظاہریہ تک محدود تھی اس لیئے کسی نے کسی خوب صورت پتھر کو کسی نے کسی عجیب درخت کو
اور کسی نے کسی سفید جانور کو محسوسات مین سب سے برتر سمجھکر اسکی پرستش شروع کی اور یہ وہ پہلا
اختلاف ہوگا جو اس کے ماقبل کے متحدہ خیال کے بعد پیدا ہوا اور پھر اس حالت مین رہنے
کے بعد جب ترقی کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو کوئی شخص اُٹھا جس نے درخت پتھر وغیرہ
کو بیقدر اور ناقابل عبادت بتایا اور اُن کے خیال کو ان محسوسات سے بالاتر لیجانا چاہا مگر چونکہ
انکی نظر وسیع نہ تھی اِس لیئے جو طاقتین اِن چیزون سے دوسرے درجہ پر تھین صرف انھی
کیطرف متوجہ ہوسکے جس سے وہ اس کوشش مین تو کامیاب ہوگیا کہ یہ درخت پتھر ہی سب سے
بالاتر نہین ہین بلکہ اِن کے اوپر بارش اور ہوا آفتاب اور ماہتاب وغیرہ کی طاقتین ہین
جو محسوسات پر حکمران ہین اور واقع مین یہان تک جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ بالکل سچا اور درست
ہے اور اس لیئے اس مسئلہ کو صرف اسی درجہ تک ماننے والے اور اینٹ پتھر کو معبودیت سے
اِس بناء پر برطرف کرنیوالے کہ اِن سے بالاتر اور بھی کوئی ہستی ہے اس بارہ خاص مین برسر
حق ہین مگر پھر اس خیال مین دیگر تاریک خیالات کی آمیزش کا موقعہ آیا اور ہر چیز کو بے سمجھے
بوجھے خدا مان لینے کی جو عادت تھی اُس نے درخت پتھر کو چھوڑ کر آفتاب و ماہتاب وغیرہ

دیوتاؤن کو سجدہ کروایا اور درخت پتھر کی ناقابل عبادت ہونیکا پاک خیال ہوا اور آگ کی خدائی کے ساتھ ملکر حقانیت سے دور جا پڑا۔ اس کے بعد آگے بڑھنے کی استعداد پیدا ہونے پر اسی طرح کے روشن خیالون کی تعلیم سے ترقی کرتے کرتے اس درجہ پر آئے کہ کسی نے سب سے بالاتر اور حواس سے پرے کسی ہستی کا نشان بتایا اور اس عالم کی محسوس اور نامحسوس تمام اشیا کا تغیر اور انقلاب دکھا کر اس معبود کا پتہ دیا جو ہمیشہ یکسان رہتا ہے اور اس خیال کو تسلیم کرنے کے بعد انسان کی دنیا پرست نظر نے ایک اور شکل مین اپنی تاریکی کو ظاہر کیا کہ کبھی اپنے صبری تعلقات اور رشتے مان کر اور کبھی اس خیال سے کہ جب وہ ہماری گرفت سے باہر ہے تو ہماری دستگیری اور مدد کے لیئے کسی نہ کسی شکل مین ظہور کرتا ہوگا اس کے لئے اولاد اور اوتار تسلیم کیئے اس طرح باوجود نادیدہ خدا کو ماننے کے اپنی تمام توجہ دیدنی اشیاء مین صرف کرنے لگے اور کبھی دنیوی اشیا کو باعظمت اور برتر ماننے کی جو عادت راسخ ہو چکی تھی اس کے سبب یک لخت سب چیزون کو اس کا مخلوق اور محکوم ماننے پر رضامند نہ ہوئے اور اگرچہ اپنے تئین اس سے بے نیاز نہ مان سکے مگر یہان کی بعض چیزون کو جو سب سے بڑی نظر آئین مثلاً مادہ یا روح اور اُن کے خواص کو اسکی خالقیت سے مستغنی اور اسکی طرح قدامت اور عظمت سے بہرہ ور سمجھنے کا نقص اُس پاک تعلیم مین ملا کر ایسی تاریکی پیدا کی جس سے شاہد ازل کا چہرہ اپنے واقعی حسن کے ساتھ انکی کوتاہ نظرون مین جلوہ گر نہ ہو سکا۔

غرض عقل اور مذہب کے یکسان داخل فطرت ہونے اور ایک دوسرے کے مشابہ ہونے سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ ابتدا مین سب بنی آدم محض فطری حالت مین ہون گے اور مذہب کی نسبت یکسان کیفیت رکھتے ہون گے جیسے کہ اس وقت عقل کی نسبت ابتدائی اور یکسان حالت مین تھے مگر مدعائے مذہب یعنی خدا کی تلاش مین مصروف ہو کر جو کشش اُن کو قدرت کی جانب سے دی گئی تھی اسمین اپنی خواہشون کو ملا کر اُسکے متعلق مختلف رستے اختیار کئے ہونگے جیسے مُدعائے عقل یعنی فلاسفی یا واقعیت کی تلاش مین واقعیت کو بہت سے غیر واقع خیالات سے

لغت انبیاء

ملاکر مختلف روشین اختیار کر رہے ہین پھر مذہبی تجربہ کار وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے ہونگے جو مناسب حال کوئی خاص تعلیم دیتے ہونگے اور لوگون کے مختلف عقائد کا فیصلہ کرتے ہونگے جیسے عقلی تجربہ کار اپنے اپنے وقت مین نئے فلسفیانہ نکات کی تعلیم دیکر اختلافات عقلی کا فیصلہ کرتے رہے ہین۔ پس جن لوگون مین طلب صادق اور شوق حقانیت موجود ہوتا ہوگا وہ ان ہادیون کے فیصلہ پر کاربند ہوکر اپنے مدعا مین کامیاب ہوتے ہونگے جیسے طالبان واقعیت اور شایقین فلسفہ عقلا کی رہنمائی سے علم و ہنر کا لطف اٹھاتے ہین اِس طرح ایک طرف عقلی فرقے اور سکول ہوتے گئے اور دوسری جانب مذہبی گروہ اور شاخین نکلتی آئین ایک اپنے رہنماؤن کو موجد کہتے ہین اور دوسرے اپنے ہادیون کو پیغمبر۔ ایک طرف ڈیوی[1]، جینر[2]، ایڈیسن[3]، واٹسن[4]، مارکونی[5] اور ہرٹز[6] اور رانجن[7] ایسے رہنما بلکہ عقلی فضا مین قابل تعظیم و تسلیم قرار پائے تو دوسری طرف کرشن اور زردشت بدھا اور کنفیوشس۔ موسیٰ اور مسیح مذہبی دنیا مین لائق عقیدت اور مدار ایمان ٹھیرے

کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ فَھَدَی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِہٖ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۶)

(پہلے) لوگ ایک فرقہ تھے پھر خدا نے انبیاء خوشخبری دینے والے اور اللہ سے ڈرانے والے بھیجے اور اُن کے ساتھ احکام ربانی نازل فرمائے تاکہ لوگون کے مابین اُنکے اختلافون کا فیصلہ کرین اور اختلاف اُنہی لوگون نے کیا جنکو وہ (حکم ربانی) دیا گیا تھا اور اختلاف ایسے وقت کیا جبکہ اُن کے پاس روشن دلیلین آچکی تھین اور اختلاف اپنی خواہشون کے سبب کیا پس خدا نے اپنے حکم سے اس اختلاف کے بارہ میں ان لوگون کو ہدایت کی جو ایمان لائے اور خدا جسے چاہتا ہے سیدھے رستہ کیطرف ہدایت کرتا ہے

[1] معدن کا چراغ بنانیوالا۔ [2] علاج کیلئے ٹیکا لگانیکا موجد۔ [3] فونوگراف کا موجد۔ [4] تار برقی کا موجد۔ [5] برقی لہرون کو تابع کرکے بے تار پیام رسانی کا خیال پیدا کرنیوالا۔ [6] ایکس ریز فوٹوگرافی کا موجد جس سے زندہ انسان کی ہڈیون کا عکس لیا جاسکتا ہے۔

باب سوئم

وحی

کیا وحی انسان کا اپنا فعل ہے؟ - مسٹر پارکر کا خیال - روحانی حواس - کشف کی حیرت ناکیاں - یقین حاصل ہونیکی عقلی اور قلبی صورتین - خدا کو ماننے کے دو طریق - جذبۂ فطرت اور استدلال کی آمیزش - استدلالی یقین انسان کی اپنی ترقی ہے - عقل مذہب کو پیدا نہین کر سکتی - مذہب کے بن خادم ہین تجربہ مین قوی عامل ہوتا ہے اور ضعیف معمول - وحی مین خدا عامل ہوتا ہے اور انسان معمول - نبی اگرچہ بشر ہین مگر تمام انسان نبی نہین ہو سکتے - استعداد مین تفاوت درجات کا ہے یا نوع کا؟ تفاوت حالات - انبیا کی ضرورت - الہامی کتابون کی ضرورت - نسخ شرائع - احکام شرع کے فائدے حقیقت مین تجربے سے معلوم ہو سکتے ہین - تعلیم کے علاوہ نبی کا اُمت مین کچھ عرصہ تک رہنا بھی ضرور ہے - سلسلہ ارشاد و ہدایت کی ضرورت - وحی اور الفاظ -

کیا وحی انسان کا اپنا فعل ہے؟

جس طرح سے عقلی موجدون پر فلسفہ کے نئے نکات کا ظاہر ہونا خلاف عقل نہین اسی طرح مذہبی مرسلون پر معرفت کے تازہ دقایق کا انکشاف قدرت کے عام قانون کے مخالف نہین مگر اب سوال یہ ہے کہ آیا جس طرح سے عقلی موجد غور و فکر اور استدلال و استقرا سے کسی نکتہ کو دریافت کرتے ہین اور انکی اپنی طبیعت کا میلان اور محض ذاتی کوشش اُن کو کسی ایجاد تک پہنچا دیتی ہے اسی طرح انبیا بھی اپنی ذاتی قابلیت اور فطری استعداد سے اس نعمت کو پا لیتے ہین یا اُن کے انکشاف مین جس کو وحی و الہام کہتے ہین کسی بالائی طاقت کا بھی دخل ہوتا ہے - پس جو لوگ فلسفیانہ نظر سے مذہبی خوبیون کا اعتراف کرتے ہین وہ عموماً پہلے خیال کے حامی ہین چنانچہ مسٹر ٹی پارکر اس مضمون کو نہایت قابلیت سے لکھتے ہین اور "مذہب کا فطری نظارہ با سپر چوئلزم" کا عنوان قایم کر کے فرماتے ہین کہ :-

مسٹر پادکر کا خیال

اِس عقیدہ کی یہ تعلیم ہے کہ جس طرح جسمانی خواہشون کیلئے فطرت نے اُن کے سامان مہیا کئے ہیں اسی طرح روحانی خواہشون کیواسطے بہی مہیا کئے گئے ہین اور یہ کہ جیسی روشنی اور آنکھ آواز اور کان - خوراک اور ذائقہ - راستی اور ذہن - حُسن اور تخیل مین باہم تعلق ہے اسی طرح خدا اور روح مین بہی تعلق ہے اور یہ کہ جیسے طبعی میلان کی پیروی اور جسمانی قوانین کی اطاعت کرنے پر جسم کی خواہشون کیلئے نیچر کیطرف سے سامان مہیا پاتے ہین اور صحت اور قوت حاصل کرتے ہین اور جیسے قلبی قوانین کی پابندی کرنے پر قلبی ضرورتون کا سامان مہیا پاتے ہین اور دانائی یا قابلیت کو جو قلبی صحت ہے حاصل کرتے ہین اسیطرح اگر ہم ایک اور طبعی میلان کی پیروی کرین اور خاصۂ اخلاقی و مذہبی کو ملحوظ رکہین تو انکی ضرورتون کیلئے بہی سامان مہیا پائینگے اور سب سے بہتر اخلاقی صحت یعنی اخلاقی اور مذہبی راستی اور روحانی امن شعور اور راحت حاصل کرینگے - اِس عقیدہ کی یہ تعلیم ہے کہ خدا اور روح مین جو قرب ہے دُنیا اور جسم کا قرب اِس سے زیادہ نہین کیونکہ ہم خدا ہی مین زندہ ہین اُسی مین چلتے پہرتے ہین اور اسی مین ہمکو وجود حاصل ہوتا ہے اور جیسے مادہ پر قبضہ پانے کیلئے اور جسمانی ضروریات مہیا کرنے کیلئے ہم جسمانی حواس رکہتے ہین جن سے فطری طور پر تمام مادی اشیاء کو جو ضروری ہون حاصل کرتے ہین اسی طرح خدا تک پہنچنے کیلئے اور روحانی ضروریات مہیا کرنے کیلئے ہم روحانی حواس رکہتے ہین جن سے تمام روحانی اشیاء کو جو ضروری ہون حاصل کرتے ہین - جب ہم جسمانی حالات کا لحاظ رکہتے ہین تو فطرت کو اپنے پہلو مین پاتے ہین اور جب روحانی قوانین کا لحاظ رکہتے ہین تو خدا کو اپنے پہلو مین پاتے ہین اور جو لوگ ان حالات کو مدنظر رکہین وہ ان سب کو صداقت بخشتا ہے - ہم عقل ضمیر اور جذبہ مذہبی کی وساطت سے اسکی بارگاہ مین دخل پا سکتے ہین جیسے آنکھ کان اور ہاتھ کی وساطت سے براہ راست نیچر تک پہنچ سکتے ہین پس انہی راستون مین سے اور ایک کشش ثقل جیسے نفیس مادہ سبب اور عام قانون کے ذریعہ سے خدا انسان پر وحی کرتا ہے اور اس پر راستی کا الہام کرتا ہے

اور کیون نہ ہو کیا راستی خدا کا ویسا ہی خاصہ نہین جیسے حرکت مادّہ کا خاصہ ہے ؟ اس لیئے
اگر خدا ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہمیشہ کیلئے فاعل ہے تو وحی کوئی معجزہ نہین بلکہ ذی شعور روح پر خدا کے
اثر کرنیکا ایک باترتیب قاعدہ ہے جیسے کشش ثقل بے شعور مادہ پر اثر کرنے کا قاعدہ ہے
پس وحی کو گاہ گاہ خدا کا تنزل نہین سمجھنا چاہئے بلکہ انسان کا دائمی عروج - اور فرائض کا علم
حاصل کرنیکے لیئے انسان کو اسکی اپنی ذات سے پرے پرانی دستاویزون (الہامی کتابون)
کیطرف نہین بھیجا جاتا کیونکہ اعتقاد اور عمل کا واحد قاعدہ یعنی کلمہ اللہ انسان سے بہت ہی
قریب اور خود اس کے دل مین موجود ہے اور اسی کلمہ کے ساتھ وہ تمام دستاویزون کی
خواہ کوئی بھی ہون پڑتال کر سکتا ہے - خدا کے حضور مطلق کیطرح وحی ان چند مصنفین
پر محدود نہین جن کو یہودی عیسائی یا مسلمان مانتے ہین بلکہ اسکی وسعت اسی قدر ہے
جس قدر نسل انسانی وسیع ہے - خدا تمام فضا مین ہے اسی طرح تمام روحون مین ہے
اور جس طرح وہ بے شعور اور مجبور مادہ پر اثر کرتا اور اسکو مجبور رکھتا ہے اسی طرح آزاد اور
ذی شعور انسان پر وحی کرتا ہے اور اسکا مددگار ہوتا ہے "

روحانی حواس

جس صفت کو مسٹر پارکر مذہبی خاصہ اور روحانی حواس کہتے ہین اور جس کے فوائد
کا لحاظ رکھنے سے ان کے نزدیک کشف و الہام پیدا ہوتا ہے اسکو پروفیسر جیمس ایل ایل
ڈی انسانی وجود کا نہ صرف مذہبی بلکہ ایک عام حاسہ مانتے اور اپنے لیکچر مین جو انہون نے
"نادیدہ ہستی کے تحقق" کا عنوان قایم کرکے دیا ہے مختلف واقعات اور تجربون کے
بنا پر اسکو ثابت کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ †

" ہماری مثالون کے تمام سلسلہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانی شعور کے اندر دیگر حواس کے علاوہ اور
ان سے زیادہ پرزور اور عام ایک اور حاسہ ایسا موجود ہے جو (بغیر چشم و گوش کی وساطت کے) کسی چیز
کے تحقق اور وجود خارجی کا حکم دیتا ہے اور وہ ایسا تصور ہے جسکی بنا پر انسان کہہ اٹھتا ہے
کہ " وہ دیکھو وہ چیز موجود ہے " اور جسکی نسبت موجودہ سائکالوجی (علم النفس) کا فیصلہ

† کتاب دی ورائٹیز آف دی ریلیجس ایکسپیرینس لکچر ۲ صفحہ ۵۸ سنہ ۱۹۰۲ء

ہے کہ ہر قسم کی واقعیت کا یقین اسی حاسہ سے پیدا ہوتا ہے"

لیکن خواہ مذہبی خاصہ جداگانہ موجود ہو یا پروفیسر جیمس کا یہی حاسہ تحقیق ہو مذہبی کشف پیدا کرنے کیلئے اس خاصہ کا ظہور جس وضاحت سے پروفیسر مذکور نے بیان کیا موجودہ طرز بیان میں وہ انہی کا حصہ ہے اور میرے نزدیک اِس مضمون سے بہت کچھ تعلق رکھتا ہے کیونکہ میری تحریر میں اب تک مذہب کا ذکر اسی حیثیت سے ہوا ہے کہ وہ اکثر حالات میں جذبہ عقلی سے مشابہت رکھتا ہے اور جو خصوصیتیں مذہب کو ممتاز کرتی ہیں اور جس طرز سے مذہبی تجربہ یعنی کشف و الہام کا ظہور ہوتا ہے اسکا ابھی ذکر نہیں ہوا پس مسٹر پیارکو کے خیالات پر رائے قائم کرنے سے پہلے ان کے لکچر کا کچھ حصہ نقل کرنا ضرور ہے تا کشف کی صورت سے کسیقدر شناسائی حاصل ہو جائے اور فیصلہ کرنے میں تمام پہلوؤں کا لحاظ رکھنا آسان ہو اور اس مضمون کی عظمت کے لحاظ سے اس اقتباس کی طوالت میں خیال کرتا ہوں کہ قابل معافی ہوگی۔ پروفیسر مذکور مذکورہ بالا نتیجہ کو چند اور نظایر سے ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ †

کشف کی چند مثالیں

"اب ہم یقینی طور پر اِس دعوے کو پیش کرتے ہیں کہ خالص تجربہ ہائے مذہبی کے عالم میں ایسے بہت سے اشخاص ہیں (اگرچہ ہم بتا نہیں سکتے کہ ان کی تعداد کس قدر ہوگی) جو اپنے معتقد علیہ اور اپنے ایمانیات کو نہ صرف اسی قدر سمجھے ہوئے ہیں جس قدر ان کا ذہن تصور کر سکے بلکہ حسیہ ہستی کے طور پر براہ راست آشنا ہوتے ہیں اور چونکہ یہ کیفیت مشاہدہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اسلئے ایسے ایماندار کے اعتقاد میں بھی قبض و بسط کی موجیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور کلیات کے طور پر اس قاعدہ کو بیان کرنے کی نسبت مثالوں سے واضح کرنا زیادہ مفید ہوگا اِس لیئے میں چند حوالجات پیش کرتا ہوں اور سب سے پہلے ایسی نظیر کا ذکر کرتا ہوں جس میں ایسے کشف کے زوال کا ذکر ہے اور یہ میرے ایک دوست کی مذہبی زندگی کا نقشہ ہے وہ ایک سائنٹفک مذہب یعنی اہل علم ہے اور اُسکا تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسا کشف ذہنی تخیل کی نسبت احساس سے زیادہ مشابہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ :-

† کتاب دی ورائٹیز آف دی ریلیجئس ایکسپیریئنس لکچر نمبر ۳ صفحہ ۶۴ سنہ ۱۹۰۲ء

"بیس اور تیس سال کے اندر مین رفتہ رفتہ لا اَدریہ اور لامذہب ہوگیا لیکن پھر بھی مین یہہ کہہ سکتا
کہ میں کبھی اس ناقابل تحدید تقنت کو بالکل کھو دیا ہو جس کو ہربرٹ سپنسر "مظاہر کے
پیچھے چھپی ہوئی مکمل ہستی" کے نام سے نامزد کرتا ہے بلکہ سپنسر تو اسکو تعقل مین نہ آنیوالی ہستی
کہتا ہے مگر میرے لئے وہ ایسی بالکل ناقابل فہمید ہی نہ تھی کیونکہ اگرچہ مینے خدا کی طفلانہ عبادت
چہوڑ دی ہوئی تھی اور کبھی دستور کے موافق نماز کی زمین ارتہس کرتا تھا مگر موجودہ تجربہ یا مکاشفہ
ثابت کرتا ہے کہ میرا اس کے ساتھ ویسا ہی عملی تعلق تھا جیسا عبادت میں ہوا کرتا ہے - جب کبھی
مجھے کوئی تکلیف ہوئی اور خصوصًا جب کبھی امور خانہ داری یا کاروبار منصبی مین کوئی جھگڑا پیش
آتا یا فکر لاحق ہوا - میں اب سمجھتا ہون کہ ان دنون ایسی حالت کے اندر میں مدد کیواسطے اسی کیطرف
جہکتا تھا جسکو "وہ" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہون - غرض ایسی تکالیف کے وقت مین وہ میرے
پہلو مین ہوتا تھا یا مین اُس کے پہلو مین کچھہ ہی سمجھو مگر تعلق ضرور ہوتا تھا جو مجھے تسلی دیتا تھا
اور ایسی بے پایان پائداری بخشتا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ حاضر ہے اور حمایت کر رہا
ہے اور حقیقت مین زندہ انصاف صداقت اور قوت کا نہ غائب ہونیوالا سرچشمہ تھا جسکی طرف
مین اپنی کمزوری کی حالت میں علانیہ جھکتا تھا اور وہ ہمیشہ مجھہ کو اس حال سے نجات بخشتا تھا
مجھے اب معلوم ہوا کہ میرا اُس کے ساتھہ تمامان اور مشخص تعلق تھا کیونکہ گذشتہ سالوں سے مجھے
اُس رابطہ و پیام کی قوت نے چھوڑ دیا ہے اور مین جانتا ہون کہ مجھے ایک کامل و بے پایان نقصان
پہنچا ہے - اُن دنوں جب کبھی مین اسکی طرف جھکا اُس کو پانے میں ناکام نہین رہا لیکن پھر چند
سال ایسے آئے کہ کبھی تو مین اسے پالیتا تھا اور کبھی بالکل نہین پا سکتا تھا مجھے بہت سے ایسے
موقعے یاد ہین کہ تمام رات اِس رنج مین نیند نہین آئی اور مین تاریکی مین کروٹین بدلتا رہا ہون
کہ ایسے اُس اعلٰے اور برتر شناسا کا دامن پکڑ سکون جو پہلے ہر وقت ساتھہ رہتا تھا اور حمایت
کرتا تھا مگر اب اسکی برتی رَو کہین کھوئی گئی ہے اور بجائے اِسکے میرے سامنے ایک ہو کا
میدان ہے جسمین کچھہ نہین ملتا اور اب قریبًا پچاس سال کی عمر مین اس کنفی طاقت سے مجھے

بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اور مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ایک بہت بڑی مدد سے محروم ہو گیا ہوں بلکہ میری زندگی موت سی بدل گئی ہے، اور اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور اب مجھے معلوم ہوا کہ میرے وہ گذشتہ تجربے اور خوش اعتقاد لوگوں کی نماز یکساں تھی اگرچہ میں نے اسکو کبھی نماز نہیں کہا اور (اب معلوم ہوا کہ) جس کو وہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں وہ میرے لئے سپنسر کی "ناقابل فہم ہستی" نہ تھی بلکہ میرا اپنا محسن و مشخص خدا تھا جس پر میں حاجت کیلئے پورا توکل کرتا تھا اور جس کو میں اب کھوں کھو رہا ہے"

مذہبی تاریخ میں اس سے زیادہ کثیر الوقوع واقعہ کوئی نہ ہوگا کہ ایمانداروں کا ایمان اور اعتقاد قبض وبسط یا قوت و ضعف میں ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور غالباً ہر مذہبی آدمی کو کوئی خاص وقت ایسا ضرور یاد ہو گا جبکہ صداقت کا بے واسطہ مشاہدہ اور زندہ خدا کی ہستی کا براہ راست تخیل اگر اس کے اعتقاد کے ضعف اور سستی کو فنا کر دیتا ہو جیمس رسل لاول کا تجربہ اسی قسم کا ہے وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"مجھے گذشتہ جمعہ کی شام کو ایک الہام ہوا۔ میں مقام میری میں تھا اور اپنے احباب کے ساتھ حاضرات ارواح کے بارہ میں گفتگو کر رہا تھا جسکی نسبت میں تو کہا کہ بہت کم شناسا ہوں مسٹر پٹنام روحانی حالات پر بحث کرنے لگے اور انہی کے گفتگو میں میں نے دیکھا کہ گویا تمام عالم میرے سامنے ایک دھندلی سی چیز کی طرح گہراؤ سے نکل کر آ کھڑا ہوا ہے اور اس سے پہلے میں نے کبھی ایسی صفائی کے ساتھ خدا کی ہستی کو اپنے اندر اور اپنے ارد گرد محسوس نہیں کیا تھا۔ تمام کمرہ میرے نزدیک خدا سے گھرا ہوا تھا اور شام ہوا ایک ایسی چیز کے وجود کے ساتھ لہرا رہی تھی جسکو میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے اور میں اس وقت ایسی صفائی اور اطمینان سے بول رہا تھا جیسے پیغمبر بولتے ہیں۔ میں نہیں بتا سکتا کہ وہ الہام کیا تھا میں نے اس وقت تک اسکا تجربہ نہیں کیا تھا لیکن میں کسی دن اس کو مکمل کر لوں گا اور اس وقت تم سنو گے اور اسکی عظمت کا اعتراف کرو گے"

ایک اور طویل اور زیادہ مکمل تجربہ ایک پادری کا ہے جو میں سٹاربک کے قلمی مسودہ سے نقل کرتا ہوں

وہ کہتے ہیں ۔"

"مجھے وہ رات بھی یاد رہے گی اور قلہ کوہ کی وہ جگہ بھی یاد رہیگی جہاں میری روح کھل کر ایک غیر محدود ہستی کیطرف گئی ہی اور جہاں اُسوقت ظاہری اور باطنی دونوں جہان ایک جا جمع ہو گئے تھے۔ وہ ایک عمیق ہستی کا دوسری عمیق ہستی کیطرف جانا تھا یعنی ایک عمیق ہستی میرے اندر سے ظاہر ہوئی ہی اور ایک دوسری عمیق ہستی تک پہنچ گئی ہی جو بے نہایت تھی اور ستاروں سے بھی پرے تک پھیلی ہوئی تھی۔ بس تنہا اُس ایک کے ساتھ کھڑا تھا جس نے مجھے بنایا ہے اور دنیا کی خوبی، محبت اور غم وغیرہ تمام حالتون کو پیدا کیا ہے۔ مینے اُسے تلاش نہین کیا تھا مگر پھر بھی میری روح کا اُس کے ساتھ کامل اتحاد محسوس ہوتا تھا اور دیگر گرد و نواح کی اشیا کا معمولی احساس اُسوقت میری آنکھون سے پوشیدہ ہو گیا تھا۔ اس لحظ کیلئے سب چیزیں سوا ایک ناقابل بیان مسرت اور جوش کے نابود ہو گئی تھیں۔ اِس نظارہ کو مفصل بیان کرنا ناممکن ہے اسکی مثال صرف یہ ہو سکتی ہے کہ گویا ایسے کی ایک روش چوکی بج رہی ہے جسمین تمام مختلف سُر ملنے کے بعد ایک ہم آہنگی اور ایک آواز پیدا ہو رہی ہے اور جسمین سے والا اور کچھ محسوس نہیں کرتا سوا اس کے کہ اسکی روح اوپر کو اچھل رہی ہے اور اپنے جوش مین پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہے رات کے سکون مین ایک ایسی سے بھی زیادہ سنجیدہ خاموشی کے اثر سے تھرتھری سی پیدا ہوتی تھی اور تاریکی مین ایک ایسا وجود پیدا تھا جس کو مین معلوم کرتا تھا مگر دیکھ نہ سکتا تھا اور مجھے اپنے وجود کی نسبت شک ہو تو ہو لیکن اُس کے وجود کی نسبت کوئی شک نہیں تھا اور فی الحقیقت اس وقت میری اپنی ہستی اُسکی ہستی سے کم تھی۔ خدا کی نسبت نہایت اعلیٰ ایمان اور اسکا نہایت ہی سچا تصور میرے دل مین اُسوقت پیدا ہوا ہی۔ مین اس وقت گویا کوہ طور پر کھڑا تھا اور اس سرمدی ہستی کو اپنے اِرد گرد دیکھ رہا تھا اور وہی جوش اُس وقت جیسا پھر کبھی پیدا نہین ہوا۔ مین اُس وقت بالکل خدا کے سامنے کھڑا تھا اور اُس کی روح نے مجھ نئی زندگی بخشی ہوئی تھی۔ مین مانتا ہون کہ اُس وقت میرے خیال یا اعتقاد مین کوئی نیا تغیر پیدا نہین ہوا تھا سوا اس کے کہ وہ پہلا اعتقاد جو ایک

جیسا اسکا عقیدہ تھا اُس وقت شگفتہ ہو کر پھول بنگیا تھا۔ اس وقت میرا پہلا عقیدہ تباہ نہیں ہوگیا
تھا بلکہ نہایت نرمی سے اور نہایت عجیب طور پر اُسکی تہ کھل گئی تھی اُسوقت سے کوئی بحث جو خدا
کی ہستی کے خلاف ہو میرے عقیدے کو متزلزل نہیں کر سکی اور ایک بار خدا کی حضوری محسوس کرنے
کے بعد میں نے آجتک اُسے گم نہیں کیا بلکہ اسکی ہستی کی ایسی شہادت میرے دل میں اسی وقت سے
مستحکم ہوئی ہے اور مطالعہ اور غور و تأمل سے معلوم ہوا ہے کہ ایسا ہی اعلیٰ تجربہ اور لوگوں کو
بھی ہوا ہے جنہوں نے خدا کو پالیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ بیجا طور پر اسے معرفت کہہ سکتے ہیں.
مَیں اسقدر فلسفہ نہیں پڑھا ہوں جو اس تجربہ پر وارد ہونے والے اعتراضوں کو دفع کر سکے اور نہ لکھنے
میں اُس کو واضح کر سکا ہوں بلکہ میرے الفاظ نے اُس کے اصلی رنگ پر کسی قدر پردہ ڈال دیا ہے
مگر جیسا کچھ بھی وہ ہے میں نے اسکو اپنی طاقت کے موافق بیان کر دیا ہے۔"

اور ایک اور اس سے زیادہ واضح تجربہ ہے جو ایک سوٹزلینڈ کے باشندے کو پیش آیا ہے
اور میں اُسے فرانسیسی زبان سے ترجمہ کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے۔

"میں بالکل تندرست تھا ہم لوگوں کے سفر کا چھٹا دن تھا اور سب انتظام عمدہ تھا۔ ہم ایک دن پہلے
مقام سکسٹ سے ٹرینیٹ کو جانے کیلئے روانہ ہوئے تھے۔ میں نہ تھکا ہوا تھا اور نہ بھوکا پیاسا تھا
اور میرا قلب بالکل سکون میں تھا اور مقام فارلز پر ہمکو گھر کی خیر و عافیت بھی معلوم ہوگئی تھی اور مجھے
کوئی فکر و اندیشہ نہ تھا اور ہمارا راہبر بھی واقف کار تھا اور جس راستہ پر ہمکو جانا تھا اسکی نسبت بھی
کسی غلطی کا گمان دل میں نہ تھا۔ غرض میری حالت بالکل اطمینان اور تسکین کی تھی ایسی حالت میں
ناگہاں مجھے ایک شے کی حضوری ہوئی جو میرے اوپر چھا گئی۔ مختصر یہ کہ میں نے جانا کہ میں خدا کے
حضور میں ہوں اور معلوم ہوا کہ اسکی نیکی اور اسکی طاقت میرے باطن میں در آئی اور اس جوش کا
دھکا ایسا سخت تھا کہ میں نے رفیقوں کو کہا کہ تم چلو اور میرا انتظار نہ کرو اور میں کھڑا نہ رہ سکا اور ایک
پتھر پر بیٹھ گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ اس نے مجھے اس
زندگی میں اپنی معرفت دی اور مجھ جیسے ناچیز اور گنہگار پر عنایت کی اور میں نے نہایت خضوع و خشوع سے

دعا کی کہ میری زندگی اُس کے کاموں کیلئے مخصوص ہو۔ مجھے کسی طرف سے جواب ملا وہ یہ تھا کہ مجھے آہستہ آہستہ اسکی فرمانبرداری کے کام کرنے چاہئیں۔ اور اپنے تمام کاروبار کا فیصلہ اسی پر چھوڑنا چاہئیے۔ پھر آہستہ آہستہ اس حالت وجد نے میرے دل کو چھوڑنا شروع کیا یعنی جیسے معلوم کیا کہ خدا نے جو تعلق میرے ساتھ کیا تھا وہ ختم ہو گیا ہے لیکن اب بھی اندرونی شورش کا اسقدر اثر تھا کہ میں چلنے کے قابل تو ہو گیا مگر آہستہ آہستہ اور چونکہ میں زار زار روتا تھا میری آنکھیں سُرخ تھیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے رفقا میری اس حالت کو دیکھیں . . . وجد کی حالت چار یا پانچ منٹ رہی ہوگی مگر مجھے اُس کا عرصہ طویل معلوم ہوتا تھا۔ میرے رفیقوں نے مقام ملاقات پر میرا دس منٹ انتظار کیا لیکن میں ان سے کوئی بیس یا تیس منٹ میں مل سکا۔ وہ نقش میرے دل پر ایسا گہرا تھا کہ میں پہاڑ پر چڑھتا ہوا خیال کرتا تھا کہ کیا حضرت موسیٰ نے طور سینا پر اس سے زیادہ خدائی جلوہ دیکھا ہوگا؟ اسی بات اور سُن لو کہ میرے اس وجد میں خدا کی نہ کوئی شکل تھی نہ رنگ تھا نہ بو نہ مزہ اور نہ اُس کا جلوہ کسی خاص سمت کو تھا بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے وجود کو اُس رُوح الارواح نے بدل دیا ہے اور جس قدر میں کوشش کرتا ہوں کہ لفظوں میں اس حالت کا نقشہ کھینچوں اسی قدر مجھے یہ کوشش ناممکن ثابت ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ جو میں کہہ سکتا ہوں یہ ہے کہ خدا حاضر تھا گو وہ کہائی نہ دیتا تھا اور نہ کسی اور حاسہ کے تحت میں آسکتا تھا تاہم میری روح نے اُسے پہچانا۔"

(دونظیروں کو چھوڑ کر) یہ تو گاہ گاہ خدا کی حضوری کی مثالیں نہیں مگر خدا کی حضوری کا خیال داخل عادت ہوتا اس تجربے میں نظر آتا ہے جو میں پروفیسر سٹاربک کے قلمی مسودہ سے نقل کرتا ہوں اور غالباً ہزاروں بے تصنّع عیسائی اس قسم کے تجربے بیان کر سکتے ہیں۔ یہ ایک پچاس سالہ شخص کا تجربہ ہے وہ کہتا ہے کہ"

خدا میرے لیئے تمام خیالات تمام اشیا اور تمام اشخاص سے زیادہ ثابت اور متحقق ہے۔ میں اسکی حضوری کو صحیح طور پر محسوس کرتا ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ میں بالکل اسکے قوانین کے

مطابق زندگی بسر کر رہا ہوں جو میرے جسم اور میرے دل میں لکھے ہوئے ہیں۔ میں اس کو دہوپ میں اور بارش میں ہر جگہ محسوس کرتا ہوں اور میں اسی اس کیفیت کو صرف یوں بیان کر سکتا ہوں کہ وہ خوف اور ایک لذیذ اطمینان کا مجموعہ ہے۔ میں اس سے دعا اور حمد میں اس طور پر یاد کرتا ہوں گویا اپنے کسی رفیق سے گفتگو کر رہا ہوں اور ہماری گفتگو بہت ہی مسرت بخش ہوتی ہے وہ مجھے ہر بار جواب دیتا ہے اور بعض وقت تو جواب الفاظ میں اور ایسا صاف ہوتا ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے جسمانی کان اسے سنتے ہیں مگر عموماً وہ جواب ایک مضبوط قلبی نقش ہوتا ہے اور اکثر بائبل کی کوئی آیت ہوتی ہے جس سے اسکا کوئی نیا نظارہ اور اُس کے رحم اور اسکی حمایت کا منظر میسر ہوتا ہے اور طالبعلمی کے حالات اور خانگی کاروبار اور مالی مشکلات کی بابت اسکی مدد اور حمایت کی سینکڑوں مثالیں پیش کر سکتا ہوں جن میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میرا ہے اور میں اُسکا ہوں وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑتا اور اسکی وجہ سے میرے اندر ایک پائدار مسرت موجود رہتی ہے۔ اُس کے بغیر زندگی ایک لق و دق میدان اور بے پایاں و بے نشان صحرا سے مشابہ ہے"

چند مثالیں اور مختلف العمر ذکور واناث کی ذکر کرتا ہوں۔ یہ سب پروفیسر سٹاربک کے قلمی نسخہ سے لی ہیں اور ایسی مثالیں بیشمار مہیا ہو سکتی ہیں۔ یہ تجربہ ایک ستائیس سالہ شخص کا ہے وہ کہتا ہے کہ۔

"خدا میرے لیئے بالکل متحقق ہستی ہے میں اس سے باتیں کرتا ہوں اور اکثر جواب پاتا ہوں اور جب کبھی خدا سے ہدایت کی درخواست کرتا ہوں تو ایسے حالات میرے دل میں پیدا ہوتے ہیں جو دفعتہً آتے ہیں اور تمام اُن خیالات سے جدا اور ممتاز ہوتے ہیں جو میرے دل میں اور ذرائع سے موجود ہوں۔ ایک سال کا عرصہ گذرا ہے کہ مجھے چند ہفتہ تک ایک بڑی تشویش رہی تھی۔ جب پہلے پہلے وہ تشویش پیدا ہوئی ہے تو میں ششدر رہگیا تھا مگر تھوڑی ہی دیر میں یعنی دو تین گھنٹہ میں میں نے صریح طور پر بائبل کا ایک فقرہ سنا کہ ' میری عظمت تیرے لیئے کافی ہے' اور پھر جب کبھی اُس تشویش کا خیال آیا میں نے وہی فقرہ سنا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی خدا کے وجود کی نسبت شک کیا ہو یا اُس کا یقین میرے دل سے نکل گیا ہو۔ اور اکثر خدا نے نمایاں طور پر میرے کاروبار میں دخل دیا ہے اور میں محسوس کرتا

ہوں کہ اُس نے ہمیشہ مجھے مختصر تفاصیل سے آگاہ کیا ہے اور دو بار میں یہ اتفاق ہوا ہے کہ اُس نے مجھے ایسی تدبیر کی ہدایت کی ہے جو میرے خیال اور میری تجویز کے بالکل خلاف تھی"۔

ایک اور[1] سترہ سالہ شخص کا تجربہ ہے جو اگرچہ ایک بچے کا ہے مگر سائیکالوجی (علم النفس) کے رو سے کچھ کم نصیحت خیز نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"میں بعض اوقات گرجا میں جاتا ہوں وہاں بیٹھتا ہوں اور فریضہ ادا کرتا ہوں مگر باہر آنے سے بیشتر میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا خدا میرے ساتھ ہے میری دائیں جانب ہے اور میرے ساتھ زبور پڑھتا ہے اور بھجن گاتا ہے اور پھر میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں اُس کے پاس بیٹھ سکتا ہوں اپنے ہاتھوں سے اس کی کولی بھر سکتا ہوں اور اُسے بوسہ دے سکتا ہوں اور جب میں قربان گاہ کے پاس مناجات کرتا ہوں تو اُسکو پانے کی کوشش کرتا ہوں اور اکثر اسکی حضوری محسوس کرتا ہوں"۔

مختلف مقامات سے چند اور مثالیں لکھتا ہوں۔ ایک کہتا ہے"۔

"خدا مجھے ایسا محیط ہے جیسا کوئی جسمانی کُرہ۔ وہ میرے لئے میرے اپنے سانس سے زیادہ قریب ہے۔ میں حقیقی طور پر اُسمیں رہتا ہوں اسی میں حرکت کرتا ہوں اور اسی میں میرا تمام وجود ہے"۔

ایک اور کہتا ہے

"بسا اوقات مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں خدا کے حضور میں کھڑا ہوں اور اس سے باتیں کرتا ہوں اور میری مناجات کے جواب مجھے ملتے ہیں اور بعض اوقات وہ جواب بالکل براہ راست ہوتے ہیں اور الہامی اثر سے اسکی حضوری اور اسکی قدرت کو ظاہر کرتے ہیں۔ کچھ وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا مجھ سے بہت دور معلوم ہوتا ہے مگر یہ ہمیشہ میرا اپنا ہی قصور ہوتا ہے"۔

ایک اور کہتا ہے۔

"میں ایک حضوری کا احساس رکھتا ہوں جو قوی ہوتی ہے اور ساتھ ہی اطمینان بخش ہوتی ہے اور وہ میرے اوپر منڈلاتی رہتی ہے اور کبھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بازوؤں سے مجھے تھامے ہوئے ہے

[1] اس قسم کے تجربے اور کشف ہر ملک اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں اور یہ خیالات خدا ہر زمانہ میں اپنی ابدی اسعدار

"یہ ہے اُس وجودِ مطلق کا خیال جو انسان کے دل پر نقش ہوتا ہے اور یہ ہے وہ اعتقاد حواس سے پیدا ہوتا ہے۔ بے شکل ہستی پیش نظر ہوتی ہے اور ایسے تمام ان طور پر جیسے خلل دماغ کے قبل میں خیالی تصویریں۔ اور ہمارے اوضاع و اطوار پر اُن کا ایسا بجنسہ اثر ہوتا ہے جیسا کہ عاشق کے دل پر اُس کے محبوب کے خیال سے یعنی عاشق کے اندر خصوصیت کے ساتھ ایسا احساس ہوتا ہی کہ خواہ وہ کسی حیر

[illegible] صفحہ ۱۹

کے موافق اس مذہب کا مزا چکھے رہی ہیں۔ یہ قومی اقبال و ادبار کا اثر ہے کہ جو عالی ہمت ہیں وہ آج تک دیگر ہر طرح کی خوبیوں کے ساتھ اس قسم کے تجربوں کو بھی نقل و تحریر سے زندہ رکھنے کی کوشش میں سرگرم ہیں اور دوسری طرف جو قومیں غفلت و جہالت کا شکار ہو چکی ہیں وہ جیسے اپنے دنیوی ہنروروں کی قدر نہیں کرتیں اسی طرح ان باطنی اہل کمال کے انکشافوں کو قائم رکھنے کی بھی آرزو نہیں رکھتیں ان کے پاس اگر کچھ سرمایہ ہے تو وہ چند خفتگان لحد کی سرگذشتیں ہیں جو گذشتہ قدردانوں کی برکت سے فرسودہ اوراق میں کہیں کہیں نظر آجاتی ہیں چنانچہ میں خواجہ عطار رح کی کتاب سے دو چار اسی قسم کے حوالے نقل کرتا ہوں۔

خواجہ بایزید بسطامی سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہ رتبہ کیونکر حاصل ہوا انہوں نے فرمایا کہ "لڑکپن میں ایک دفعہ رات کو میں شہر سے باہر نکل گیا۔ چاندنی رات تھی اور جہان سکون میں تھا۔ مجھے ایک حضوری ہوئی کہ اٹھارہ ہزار عالم اس کے سامنے ایک ذرہ معلوم ہوتے تھے۔ میرے دل سے ایک شور اُٹھا اور عجیب حالت طاری ہوئی۔ میں نے عرض کی یا الٰہی ایسی بڑی بارگاہ اور ایسی خالی ایسا کارخانہ اور اس طرح پوشیدہ۔ آواز آئی کہ بارگاہ اس لئے خالی نہیں کہ کوئی آتا نہیں بلکہ اس لئے خالی ہے کہ ہر ناشستہ رو یعنی ہر ناپاک اور نالایق کو اس بارگاہ میں دخل نہیں پھر ایک مدت بعد فرماتے ہیں "میں نے یقین کی آنکھوں سے خدا کو دیکھا اُس نے مجھے تمام موجودات سے مستغنی کر دیا اور اپنے نور کا جلوہ مجھ پر ظاہر کیا اور اپنے اسرار نمایاں فرمائے اور اپنی عظمت اور اپنی ذات مجھ کو دکھائی میں نے اُس وقت اپنی ذات اور اپنی صفات کا خیال کیا میرا نور خدا کے نور کے سامنے تاریکی تھا اور میری عظمت خدا کی عظمت کے سامنے حقارت تھی اُس طرف ہمہ تن صفائی تھی اور اس طرف سر تا پا کدورت پھر جو دیکھتا ہوں تو اسے میں اُس کے ذریعہ پاتا ہوں اور مجھ پر منکشف ہوا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اسی کی قدرت سے کر سکتا ہوں اُس کا نور میرے جسم میں چمکا اور حقیقت

کی طرف متوجہ ہو اُس کا اپنا مطلوب ہر وقت اُس کے سامنے رہتا ہے، اُس کے حافظہ سے کبھی غائب نہیں ہوتا اور ہمیشہ اس پر اپنا اثر کرتا رہتا ہے۔"

یقین حاصل ہونیکی اور قلبی صورتیں

"ایسی حضوری کے احساس سے جو خیال پیدا ہوتا ہے مجھے اسکی نسبت اور بھی کچھہ کہنا ہے ایسی حضوری جس کو حاصل ہو اُسکا اعتقاد ایسا ہی پختہ ہوتا ہے جیسا کسی ظاہری حواس کے تجربہ کا ہوا

یہ ظاہر ہوئی کہ عبادت جو میں کرتا تھا وہ بھی میری طرف سے نہ تھی بلکہ اسکی طرف سے تھی اور میں یہی سمجھتا رہا کہ میں عبادت کرتا ہوں۔ میںنے عرض کی خداوندا یہ کیا معاملہ ہے جواب ملا کہ سب کچھہ میں ہی ہوں کوئی اور نہیں بعنی کام کا ارتکاب تیری طرف سے ہے مگر اسکی طاقت اور توفیق میری جانب سے ہے۔ جبتک میں توفیق نہ دوں تجھہ سے عبادت یا اور کوئی کام نہیں ہو سکتا غرض اس وقت مجھے معلوم ہوتا تھا کہ نہ میری آنکھیں ہیں نہ میرے کان ہیں اور نہ میری ہستی ہے وجود سب اسی کا ہے اور اس وجود نے اوجود میرے موجود ہونے کے مجھے اپنی ہستی سے آگاہ کیا ہے پس میں خدا کو خدا سے دیکھتا تھا اور نہایت سکون اور اطمنان کا عالم تھا میرے کان سنتے نہیں تھے زبان بولتی نہیں تھی اور تمام کسبی علوم فراموش ہو گئے تھے۔ میںنے اس بے سامانی کی حالت میں بہت مدت بسر کی۔ پس خدا نے مجھہ پر عنایت کی اور مجھہ کو ازلی علم بخشا اور اپنے نور سے مجھے آنکھیں عنایت کیں۔ پس میں نے اسی کے نور سے اسکو دیکھا اور اُسکی وساطت سے تمام موجودات کو دیکھا اُدھر سے القا ہوا کہ کون بایزید تو کیسا ہے ہمہ اور باہمہ اور بے آلہ اور باآلہ ہے میںنے عرض کی خدایا میں اس شرف پر مغرور نہیں ہوتا اور اپنی ہستی کیلئے تجھہ سے مستغنی نہیں ہوں۔ میں نہ ہوں اور تو میرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ تو میرا نہ ہو اور میں ہوں اور میں تجھہ سے باتیں کروں اس سے بہتر ہے کہ تیرے بغیر اپنے نفس سے گفتگو کروں حکم ہوا کہ شریعت کا خیال رکھہ اور امر و نہی کی حد سے پاؤں باہر نہ نکال تا تیری کوشش مشکور ہو۔" اس کشفی حالت کے بہت سے مکالمہ کے بعد فرماتے ہیں کہ "اس کشفی ترقی میں میں وحدانیت کے درجہ پر پہنچا اور وہ پہلی دفعہ تھی کہ میںنے توحید کو دیکھا کئی سال تک میں اُس وادی میں دوڑتا رہا۔ پھر معلوم ہوا کہ میں پرندہ بن گیا ہوں جو اسکی صفات کے فضا میں اُڑتا ہوں اور میںنے دل میں خیال کیا کہ میں خدا تک پہنچ گیا مگر آگے اُلوہیت کا میدان نہایت وسیع تھا پس مجھے معلوم ہوا کہ گویا میں تیس ہزار سال وحدانیت کے

کرتا ہے اور یہ اعتقاد اُن نتائج سے یقیناً زیادہ ہوتا ہے جو منطقی استدلال سے پیدا
ہون - یہ ممکن ہے کہ بہت لوگوں میں ایسا احساس ہی نہ ہو لیکن جس کسی مین پیدا ہو اور
ہو بھی مستحکم طور پر تو وہ اپنے عقیدہ کو راسخ اور صدق جانیگا کہ گو بحث سے بعد دلیل اسکے
خلاف پیش کیجائے اور گو وہ خود اسکی تردید کے قابل بھی ہو مگر اس کے اعتقاد مین کبھی تزلزل

قصاص اور بیس ہزار سال الوہیت کی قصاص اور پھر بیس ہزار سال فردانیت کی قصاص آزمائے۔ اور مجھے
معلوم ہوا کہ مینے اس طرح کی چار ہزار وادیان طے کی ہیں مگر نگاہ کی تو اب تک مین درجہ ابتدا کے آغاز مین پایا
پھر مینے اس لیے بہاء قصاص اس قدر سفر کیا کہ مین سمجھا اس سے اوپر اور کوئی قرب کا درجہ نہ ہوگا مگر دیکھا تو اپنا
سر انبیاء کے پاؤن پر پایا اور معلوم ہوا کہ اولیاء کی انتہا انبیاء کی ابتدا ہے"۔

خواجہ ابوالحسین نوری فرماتے ہین" چالیس سال گذرے ہین کہ مجھ مین اور میرے دل مین جدائی ہو گئی ہے
اس عرصہ مین نہ مجھے کوئی آرزو پیدا ہوئی اور نہ کسی شہوت نے ستایا اور نہ کوئی خیال دل مین گذرا اور یہ سبب
ہے کہ مینے خدا کو پہچانا اور وہ اس طرح ہوا کہ مینے ایک چمک دیکھی جو محسوسات سے پرے غیب تک پھیلی ہوئی تھی اور
مین اُسے دیکھتا رہا یہان تک کہ مین خود اس نور مین گم ہو گیا"۔

ایک دفعہ شیخ جنید بغدادی خواجہ ابوالحسین نوری کے پاس آئے نوری نے فریاد کی کہ" یا سید الطائفہ مین
ایک سخت مصیبت مین مبتلا ہون اور طاقت سلب ہو چکی ہے اور وہ مصیبت یہ ہے کہ بیس سال ہوئے جب خدا
جلوہ کرتا ہے مین گم ہو جاتا ہون اور جب مین ظاہر ہوتا ہون وہ غائب ہو جاتا ہے غرض اسکی حضوری ہمیشہ
میری غیبت مین ہوتی ہے۔ مین ہر چند زاری کرتا ہون مگر اُدھر سے جواب ملتا ہے کہ یا تو رہیگا اور یا مین"
جنید نے کہا" اے نوری ایسا ہونا چاہیئے کہ تو تو نہ ہو اور جو کچھ ہو وہی ہو"

حضرت رابعہ عدویہ سے لوگون نے پوچھا کہ آپ جو اس قدر عبادت مین مصروف ہین کبھی آپنے خدا کو دیکھا
بھی ہے اُنھون نے فرمایا کہ" اگر مین اُسکو نہ دیکھتی تو کبھی عبادت نہ کرتی" چنانچہ ان کا قول ہے کہ" اے بنی آدم خدا
کیطرف نہ آنکھون کو راہ ہے اور نہ زبان کو کان اس بارہ مین کچھ سُن نہیں سکتے اور پاؤن حیرت کے مارے

نہ آئیگا فلسفہ میں جو بات معرفت الٰہی کے خلاف ہے اُس کو استدلال عقلی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس
استدلال عقلی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اعتقاد کی بنا واضح ثبوت پر ہونی چاہئیے اور ایسے ثبوت میں
چار باتوں کا لحاظ رکھنا ضرور ہے (۱) اصول کلیہ بصراحت بیان ہو سکیں (۲) حسی افعال
صحیح اور نمایاں ہوں (۳) ان واقعات سے جو خیال قائم کیا جاوے وہ مشخص و معین ہو۔
(۴) جو الفاظ منطقی اصول کے موافق واضح ہوں۔ مبہم اور ناقابل توضیح خیالات کا استدلال
عقلی میں کوئی دخل نہیں اور یہ فی الحقیقت ذہن انسانی کا ایک عظیم الشان تقاضا ہے اور ہمارا
تمام فلسفہ اور تمام علوم ظاہری اسیکا ثمرہ ہیں"

لیکن اگر ہم انسان کی قلبی حالت کو دیکھیں اور اسکی اس زندگی کا مطالعہ کریں جو علم و ہنر سے قطع نظر
کرکے وہ کہتا ہے اور جس کا اندرونی اور ذاتی طور پر وہ اتباع کرتا ہے تو ہمکو اعتراف کرنا پڑتا ہے
کہ اس حالت اور اس زندگی کا وہ حصہ جس کو استدلال عقلی عظیم الشان ظاہر کرتا ہے (یعنی
واضح اور مفصل دلائل کے سوا کسی امر پر یقین نہ کرنا) یہ ایک سرسری اور مصنوعی حصہ ہے ایسا

[illegible]

چاہئیں سکتے۔ نہ کام دل کا ہے کوشش کرو کہ دل بیدار حاصل ہو کہ جب دل بیدار ہوگا تو پھر اسکو کسی مددگار
کی ضرورت نہیں کیونکہ بیدار دل ہی وہ ہے جو خدا میں گم ہو جائے اور جو اسمیں گم ہو اسکو مددگار کی کیا ضرورت
موسم بہار میں ایک دفعہ حضرت رابعہ حجرہ میں در آئیں اور مدت تک باہر نہ نکلیں خادمہ نے عرض کی کہ باہر
آئیے اور خدا کی صنعت کو دیکھئے۔ انہوں نے فرمایا کہ تو اندر آ تاکہ صانع کو دیکھے۔ مجھے صانع کے دیدار نے ایسا محو
کیا ہے کہ صنعت کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

اہل تصوف کے حالات اس قسم کے کسی قدر یا کثرت سے مل سکتے ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ وہ لوگ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں یا تو خاص
شوق سے بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے اور یا کسی الہام میں انکی زبان کو شریک کرکے سوا کچھ اور علیحدہ ہی ہوتے ہیں جس کے واسطے
اس تقدیس کو ظاہر کرنا ضرور ہوتا ہے جیسا کہ خواجہ بایزید کے کشف میں دیکھا گیا ورنہ ان دو موقعوں کے سوا عام طور پر اہل التصوف
اپنے کشف کو پوشیدہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ غرور کی آمیزش نہ ہو چنانچہ شیخ ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ دیکھنا اگر معرفت کا
دعوی مت کرنا کیونکہ اگر یہ دعوی سچا ہی ہو تو اپنی تعریف ہوگی اور تصدیق اپنی تعریف نہیں چنانچہ شیخ ذوالنون کا مقولہ ہے کہ سب سے بڑا گناہ

[illegible]

ہو سکتا نہیں کہ زندگی کا یہ حصہ ایک خاص رعب و داب رکھتا ہے کیونکہ اسمیں ہمکو اس مادہ ہوتی ہے
اور یہ ہم سے مانگ کر اور کچھ سختی کرکے زبان بند کر دیا کرتا ہے لیکن اگر تمہارا وجدان اور قلبی میلان
اس کے نتائج کے خلاف ہو تو دل کو پھیر لیتے اور اسی بات پر یقین دلوانے میں یہ بالکل ناکام رہتا ہے
اگر تمہارے اندر وجدان ہے تو تمہاری فطرت میں اس کا مرکز استدلال عقلی کے مرکز سے زیادہ
عمیق ہے۔ تمہارا وجدانی علم، تمہاری قلبی تحریک، تمہارا اعتقاد اور تمہاری ضروریات یہ سب ملکر
ایسے مقامات بناتی ہیں جن سے تمہارا دل ایک نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے اور تمہارے اندر کوئی جاننے والا
ہے جو جان لیتا ہے کہ یہ نتیجہ ان سلسلوں سے زیادہ سچا ہے جو عقلی کج بحثی سے پیدا ہوتے ہیں خواہ
وہ کیسی ہی قوت سے مقابلہ کر رہے ہوں اور یہ استدلال عقلی کا درجہ میں کمتر ہونا خواہ وہ مذہب کی
تائید میں پیش کیا جائے یا اسکی تردید میں ہر جگہ نمایاں ہے وہ بڑے بڑے فقرے جن میں نظام کائنات
سے خدا کو ثابت کیا جاتا تھا اور جو ایک صدی پہلے قطعی اور یقینی سمجھے جاتے تھے آج وہ سب
ایسے حقیر ہو گئے ہیں کہ کتب خانوں میں انکی بجائے خاک بھر دی جائے تو مضائقہ نہیں
اس تغیر خیال کی صرف یہ وجہ ہے کہ موجودہ نسل نے ایسے خدا کو ماننا چھوڑ دیا ہے جس کو وہ دلائل
ثابت کرتی تھیں۔ آج ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا کیسا ہی ہو مگر وہ خدا نہیں ہے جس نے اس دنیا کو
اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے لیکن ہمارا یہ عقیدہ کیوں پیدا ہوا ہے اسکو تقریر میں ہم
بیان نہیں کر سکتے۔ نہ دوسروں کو تسلی دینے کے قابل اور نہ اپنی تسلی کے قابل۔ آج جو خیال پیدا
ہو رہا ہے کہ خالق اگر کوئی ہے تو وہ رحیم قدیر خدا نہیں بلکہ ایک جیا اور محدود ہستی ہے میں
اس کے خلاف بھی ایسی ہی بحث کر سکتا ہوں جیسی خدا کے ثبوت کے خلاف ہو سکتی ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ الہیات اور مذہب کے دائرہ میں عقلی دلائل جبھی تک مفید ہوتی ہیں جبکہ
خود ہماری وجدانی رغبت اس نتیجہ کو مانتی ہو۔ اس حالت میں بیشک ہماری ضمیر اور ہماری عقل ملکر
کام کرتی ہیں اور اس سے ایک دنیا پر حکومت کرنیوالے عقائد جیسے بدھ یا رومن کیتھولک مذہب
پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس موقف ہمارا میلان طبعی اعتقاد کا اصلی عنصر ہوتا ہے اور عقلی استدلال صرف

اسکو ترجمہ کیجئے کہ کلیہ قاعدہ بنانیکا کام دیتا ہے۔ یہیں سے دلیل اور فوری لمس ہماری فطرت میں مدلس ہوتا ہے اور تصوف عقلی سطح پر تیرنے والا شبلہ ضمیر رہتا ہے اور ذہن سرد۔ اگر کسی شخص کو خدا کی ہستی کا ایسا ہی یقین ہے جیسا منے گذشتہ حوالجات میں بیان کیا ہے تو تمہارے اشد اعلیٰ دلائل اس کے اعتقاد کو بدلنے کی جو کوشش کریں گے محض بیہودہ ہوگی۔

ہیں یہ ہمیں کہتا کہ خلاف عقل اور بے ثبوت باتوں کو مذہب میں جو فوقت دی جائے اور عقل سے بالکل آنکھ بند کر لینی چاہئے بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ واقع میں دنیا کی یوہی ہے۔

خدا کا ہوتا درہی۔

فاضل پروفیسر نے جہان تک میں خیال کرتا ہوں بجا فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ مذہب کی بنیاد وجدان پر ہے اور مذہبی جذبہ کسی فطرت میں موجود ہونے کے بعد دو رستے میں آتے ہیں ایک تو وہ تجربہ اور کشف کا رستہ ہے جسکی چند مثالیں انہوں نے لکھی ہیں اور جو بقول انکے مذہبی دنیا میں بیشمار موجود ہیں اور دوسرا رستہ استدلال عقلی کا ہے جو بعض لوگوں نے وجدان کی رہنمائی کے بعد اختیار کیا ہے یعنی انکی رغبت مذہب کی تلاش اور مدعائے مذہب کی جستجو میں مبدا وجدان اور جذبہ فطری سے ہوئی ہے مگر اس پر یقین اور اعتقاد کرنے کیلئے ویسا تجربہ اور کشف حاصل نہیں ہوا اور بجائے اس کے عقلی غور و فکر اور قیاس و استدلال سے کام لینا پڑا ہے۔ اسکی عمدہ مثال موجودہ فلسفہ ہائے مذہبی میں مشہور جرمن فلاسفر امینوئل کانٹ کے مسلک میں ملتی ہے جس کے عقیدہ کو ڈاکٹر موصوف یون بیان کرتے ہیں[1]:-

خدا فطرت انسان کی امینہ

"امینوئل کانٹ خدا کی نسبت نفس ہستی کے ساتھ پیدا کرنیکی نسبت، روح اور روح کی آزادی اور حیات بعد الموت غرض ایسے عقائد کی نسبت عجیب مذہب رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حقیقت میں علم کا معمول نہیں ہو سکتی (یعنی انکا علم نہیں ہو سکتا) کیونکہ ہمارے تصورات چاہتے ہیں کہ کوئی محسوس جنس ہو جس پر وہ عمل کریں اور چونکہ لفظ خدا، روح اور سرمدیت، کے مقابل میں کوئی محسوس معنی موجود نہیں اسلئے استدلالی طور پر تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان الفاظ کو کوئی مطلب نہیں رکھتے مگر یہ عجیب بات ہے کہ عملی طور پر ہم ان کے معین معنی مراد لیتے ہیں۔ ہم اس طرح زیر کار و بار کرتے ہیں گویا کوئی خدا رکھتے ہیں۔

[1] ورائٹیز آف دی ریلجس اکسپیرینس لکچر ۳ صفحہ ۵۳ سنہ ۱۹۰۲ء

ایسے طور پر غور و فکر کرتے ہیں گویا ہم آزاد ہیں انتظام فطرت کو ایسے طور پر سمجھتے ہیں تو وہ خاص سسٹم ہی کے سے بہہ بنایا گیا ہے تدبر کرتے ہیں گویا ہم غیر فانی ہیں اور پھر ہم پاتے ہیں کہ یہ الفاظ ہماری اخلاقی زندگی میں ایک واقعی اصلاف پیدا کرتے ہیں۔ پس ہمارا اعتقاد کہ یہ نامحسوس اشیا موجود ہیں اس بنا پر ویسا ہی اعتقاد ہے جیسا اس صورت میں ہوتا جبکہ ہم اس کو حقیقت میں تصور کر سکتے پس ہماری ذہن کا یہ ایک عجب نظارہ ہے کہ ہم ایسی چیزوں کے ہمارے حقیقی وجود کے قائل ہیں جن کا تصور ہم کسی طرح بھی نہیں کر سکتے ۔

اگرچہ کانت نے اسی اعتقاد کو محض جذبہ فطرت پر بنایا ہے۔ اور وہ کسی دلائل پر اسکی بنیاد نہ بلکہ انکو ناکافی مانتا ہے مگر چونکہ جذبہ فطرت کو ہماری فطرت ٹھہرا کر اس سے نتیجہ نکالا گیا ہے اس لیئے ان کا مسلک بھی استدلال عقلی میں ہی داخل ہوگا اور معرفت کے ان تجربوں سے جداگانہ ہوگا جنمین خدا کی براہ راست حضوری اعتقاد کو مستحکم کر دیتی ہے پس غالبا میں غلطی نہیں کرتا ہوں جبکہ کہتا ہوں کہ فطری کشش کے بعد دو مسلک ہو جاتے ہین ایک مین جذبہ فطری کی شہادت پر جیسا کہ کانت کا خیال ہے یا کسی اور عقلی شہادت پر خدا کو ثابت کیا جاتا ہے اور ایک دوسرا مسلک ہے جسمین اپنے عینی مشاہدے اور اپنے کشف و الہام کو مدار ایمان ٹھیرایا جاتا ہے اور خدا کو اس لیئے مانا جاتا ہے کہ اسکو دیکھا ہے پس جو جدائی کشش کے بعد جو عقلی طریقے خدا کو ثابت کرنے اور اس پر ایمان لانے کے ہر زمانے میں مختلف عقلائے ایجاد کیئے ہین اگر انکی اس کوشش کو بھی وحی و الہام کے نام سے ملقب کیا جائے تو ایسی وحی کی نسبت مسٹر پارکس کا خیال بیشک درست ہوگا کہ اس مین کسی بالائی طاقت کو دخل نہین اور صرف وہی جذبہ فطرت اور عاقلانہ غور و تامل کی طاقت ہے جس نے ان عقلا کے ذہن میں خدا کو ثابت کرنے کی دلائل پیدا کین اور جذبہ فطرت اور عقل و ہوش کا نشان سب انسانون مین پایا جاتا ہے اس لئے عقل و خرد کی وحی کو اگر وحی کہا جائے تو بقول ان کے یہ ایسی ہی وسیع ہے جیسی وسعت نسل انسانی کو حاصل ہے۔ مگر واقع یہ ہے کہ محض عقلی استدلال نہ وحی کے لقب سے ملقب ہے اور نہ کبھی مذہب کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے۔ بلکہ جذبہ	سالالی بعض انسانکی ناسرحی ہے

فطرت سے مذہب کی تلاش پیدا ہونے کے بعد اُس کا وجود اور اُسکی اشاعت اُنہی لوگون کے توسل سے ہوئی ہے جو براہ راست خدا سے تعلق رکھنے کا اور اُس کے جلوے دیکھنے کا دعوے کرتے ہین اور پھر جب مذہب کے مخالف اسکا انکار کرتے ہین تو اُن کی دہن بندی کیواسطے مذہب کیجانب سے اپنے اپنے حال اور زمانے کے مناسب عقلی دلایل پیدا کی جاتی ہین -

پروفیسر جیمس ایک اور لکچر مین فرماتے ہین †

"معروف کے مضمون سے ہمین اس سوال تک پہنچایا ہے که آیا وجود باری تعالیٰ کا احساس کیا ایسا احساس ہے جس کو ظاہر مین نظری صحیح مان سکے۔ اس سوال کو پہلے تصوف کے آگے پیش کیا تو اگرچہ تصوف نے بڑے زور سے اس کے ثبوت کا دعویٰ کیا مگر اس کے تجربے ایسے مخفی اور نیز باہم اگر مختلف ہین کہ اس کا فیصلہ عام طور پر قابل تسلیم نہین ہوتا البتہ فلسفہ دعوے کرتا ہے که جو فیصلہ اسکی بارگاہ سے صادر ہو وہ عام اہل الرائے کے نزدیک قابل تسلیم ہوتا ہے اس لئے یہی سوال فلسفہ کے آگے پیش کیا جاتا ہے . (آگے فلسفہ کے رو سے جو فیصلہ انھون نے کیا ہے اسکو بیان کرتے ہین) میرا اعتقاد ہے که مذہب کا اصلی سرچشمہ ضمیر و وجدان ہے اور فلسفیانہ اور عالمانہ دلائل جو اسکی تائید مین پیش کی جاتی ہیں وہ دوسرے درجہ پر ہیں اور ضمیر کے فیصلہ کو ان سے وہی نسبت ہے جو کسی مضمون کو اس کے دوسری زبان کے ترجمہ سے ہوتی ہے مگر صرف اتنا کہنے سے غلط فہمی واقع ہوتی ہے اِس لئے مین بیان کرتا ہون که میرا مطلب کیا ہے"

عقل مذہب کو نہین گھڑ سکتی

جب مین عالمانہ دلایل کو دوسرے درجہ پر کہتا ہون تو اِس سے میرا یہ مطلب ہے که اگر کوئی دنیا ایسی ہو جسمین مذہبی احساس پیدا ہی نہ ہوا ہو تو مین یقین نہین کرتا کہ ایسی دنیا مین محض عقل کی رہنمائی سے مذہب پیدا ہو جائے اور نیز یقین نہین کرتا که ایسی دنیا جسمین ایکطرف تکالیف اور تکالیف کے ساتھ اُن سے نجات پانے کی تلاش اور دوسری طرف عارفانہ الہام نہ ہوتے تو ایسی دنیا مین صرف خشک عقلی غور و فکر ایسا مذہبی فلسفہ پیدا کر سکتا جیسا کہ آج ہمارے پاس موجود ہے اُس

† ورائٹیز آف ریلیجس ایکسپیرینس لکچر ۱۸ صفحہ ۴۳۳ سنہ ۱۹۰۲ء

بنا پر صرف مظاہر قدرت کی عالمانہ چھان بین ہوئی اور یہی دنیوی علوم مرتب ہوئے جو آجکل موجود ہین یا سائنس اور علوم کے ساتھ کسیقدر روحانی مناظر کی تلاش کیجاتی جیسا کہ اب بعد مین اسکی طرف میلان ہوا ہے لیکن وہ بلند پروازیان جو خود ساختہ اور خیالی دلائل مذہبی کی صورت مین کیجاتی ہین اسکی طرف اس دنیا کے لوگون کا میلان ہرگز نہ ہوتا کیونکہ ان کو خدا کے ساتھ راہ و رسم پیدا کرنیکی کوئی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ پس دلائل عقلی میرے نزدیک عقائد ثانوی اور بیرونی عمارتین ہین جن کو عقل نے ضمیر کی ہدایت اور وجدان کا اشارہ پاکر بنا لیا ہے" اور لکچر کے آخر مین لکھتے ہین

" مذہب جو کچھ اظہار کرتا ہے وہ حقیقت مین ذاتی تجربہ کی چیز ہے۔ وہ خدا کو واقع مین حاضر و ناظر جانتا ہے اور بندہ اور خدا مین تعلقات داد و ستد کو واقعی سمجھتا ہے۔ بس اگر اس عقیدے مین اپنے بل پر کھڑا ہونے کی طاقت نہ ہو اور استدلال عقلی سے مدد لینے کی ضرورت ہو تو استدلال اسے اسکا پورا سہارا دینے سے قاصر ہوگا جسکی اسے ضرورت ہے۔ استدلال مشکوک واقعات کی تقسیم تعریف اور توضیح کرسکتا ہے لیکن انکو پیدا نہین کرسکتا اور نہ ان کو مشخص و معین کرسکتا ہے اور مذہب مین یہان تک زور دیا جاتا ہے کہ گویا خدا وہ سامنے موجود ہے پس اسے صرف وجدان ہی ثابت کرسکتا ہے۔ فلسفہ اس فضا مین دوسرے درجہ کی قوت ہے اور عقیدے کی صداقت کو ثابت نہین کرسکتا پس تاسف آمیز متانت کے ساتھ ہمکو یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ تجارب مذہبی کی صداقت کو محض ذہنی عمل (عقل) سے ثابت کرنا بالکل خلاف امید ہے"۔

خادمِ مذہب

غرض معلوم ہوا کہ مذہب کے تین خادم ہین۔ جذبۂ فطرت، تجربہ یعنی کشف اور استدلال۔ ان مین سے جذبۂ فطرت اصل الاصول ہے اور جیسا کہ ذکر ہوا کم و بیش تمام انسانون مین موجود ہے اور اسکی نسبت یہ سوال بے محل ہے کہ آیا اس مین کسی بالائی طاقت کو دخل ہے یا خود بخود موجود ہے کیونکہ انسان اور فطرت انسانی کا جو خالق مانا جائیگا اسی طرف فطرت اور خواص فطرت بھی منسوب ہونگے اور استدلال چونکہ عقل کی ایجاد ہے اسلئے جہان عقل کا وجود ہوگا وہان اس کا وجود بھی ممکن ہے پس براہ راست بالائی طاقت کا دخل صرف انہی حالات کی نسبت دیکھنا باقی رہا جن مین

سحر میں قوی عامل اور ضعیف معمول

بیواسطہ خدا کی حضوری ہوتی ہے سو اسکی نسبت غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ تجربہ کیلئے نیچر میں کیا قانون مقرر ہے کیونکہ جو قاعدہ عام طور پر تجربہ کیواسطے مقرر ہوگا ضرور ہے کہ آتھیات کے تجربے پر بھی وہی نافذ ہوسکیگا۔

موجودات عالم میں سب سے کم درجہ جمادات کا ہے اوس کے اوپر حسب ترتیب نباتات حیوانات اور انسان کا درجہ ہے اور ان سب کا ایک دوسرے پر اثر ہوتا ہے اور علیٰ ہذا طاقتون مین قوت کیمیائی، قوت نمو، قوت حیوۃ، قوت فعل، اور قوت ارواح ایک دوسرے سے افضل و برتر ہین اور ایک دوسرے پر موثر۔ جمادات کو نباتات اپنے نسون اور مسامون سے جذب کرتی ہین وہ ان کے بدن مین پہنچکر ان کو نشو و نما بخشتی ہین اور کبھی بعض جمادات اپنے اثر سے اُن کے نشو و نما کو زائل کردیتی ہین حیوان جمادات اور نباتات دونو سے خوراک حاصل کرتا اور اس سے بڑھتا ہوا ہے مگر کبھی وہی چیز اپنے اثر سے اسکی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ انسان ان سب کو اپنی ضرورتون مین صرف کرتا ہے اور کبھی فائدہ اُٹھاتا ہے کبھی نقصان۔ اسی طرح کیمیائی طاقتین جب اپنی اصلی حالت مین ہون کسی غیر چیز کے در آنے پر اگر وہ ٹھوس ہو مثلاً لوہا زمین مین دفن کردیا جائے تو تحلیل کردیتی ہین اور اپنی موجودہ شکل مین لے آتی ہین اور اگر متخلخل ہو مثلاً روئی زمین مین دبا دی جاوے تو اسکے اجزا کو خاک بنا کر پیوستہ کردیتی ہین اور اپنی ترکیب کے قانون کو ظاہر کرتی ہین۔ لیکن قوت نمو اپنے اثر سے کیمیائی ترکیب سے فائدہ اُٹھاتی ہے اور تحلیل کو باطل کرتی ہے یعنی درخت کی جڑین جو زمین مین دفن ہوتی ہین بجائے تحلیل ہوکر مٹی ہو جانیکے زمین کے ذرون کو جذب کرکے اپنے جسم کو بڑھاتی ہین۔ قوت حیوۃ ان دونو سے فائدہ لیتی ہے اور کبھی کسی چیز کو تحلیل کرکے کام مین لاتی ہے اور کبھی ترکیب سے اپنا مطلب نکالتی ہے۔ قوت فعل جو ان سب پر فائق ہے سب سے خدمت لیتی ہے وہ ان سب کے کیمیائی خواص سے ترکیب و تحلیل کا کام لیتی ہے اور غذا و دوا کا استعمال کرکے جسمانی اجزا کو پیوستہ کرتی اور غیر مفید مواد کو تحلیل کرتی رہتی ہے نباتات کی قوت نمو سے فائدہ اُٹھا کر غذا اور دوا کے سامان فراہم کرتی ہے اور حیوان کی قوت حیوۃ سے مستفید ہوکر اُسکو انسانی

ضرور توں کیلئے مطیع و منقاد و بناتی ہے اور اس طرح سب قسم کے اجسام اور ہر طرح کی طاقتیں ایک
دوسرے پر اثر کرتی دکھائی دیتی ہیں ۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو ایک فریق اثر کرنیوالا ہے اور
دوسرا اثر قبول کرنیوالا ایک فاعل ہے اور دوسرا منفعل ۔ جمادات سب سے نیچے ہیں اسلئے سب کا
اثر قبول کرتے ہیں اور جو اثر ان کا نباتات وغیرہ پر دیکھا جاتا ہے اسمین فاعل درحقیقت اور پر ہوا کے
ہوتے ہیں یعنی نباتات اپنی جڑون کی کشش سے کہاد کو اور پتوں اور میون کی کشش سے نم اور ہوا
کو جذب کرتی ہیں انکی فاعلیت سے جو اجزا جسم مین در آتے ہین ان پر نباتات کی قوت محللہ اپنی فاعلیت
کا اثر ظاہر کرتی ہے اور تحلیل کرکے جزو بدن بنالیتی ہے یا اگر نبات کسی ایسی زمین یا ہوا میں پیدا ہوئی
ہے جس کو لوگ نشو و نما کیلئے مضر کہا کرتے ہین تو وہان بہی فاعلیت اس زمین یا ہوا کی طرف
منسوب ہونے کی بجائے حقیقت مین نبات ہی کو حاصل ہے یعنی اسکی قوت کشش یا تو نامناسب غذا
کو کشش ہی نہین کرتی اس لیئے اسکی جسمانی ترقی یا بالفاظ دیگر اسکی نباتیت زائل ہو جاتی ہے اور
یا اسکو کشش کرنیکے بعد جب قوت محللہ ان ذرات کو جزو بدن بناتی ہے تو چونکہ وہ ذرات نباتی غذا
کے منافی ہوتے ہین ان سے جو جسم بنتا ہے وہ نبات نہین رہتا ۔ غرض ہر حال مین جمادات کا اثر
نباتات پر نباتات کی اپنی کشش اور فاعلیت پر موقوف ہے ۔ اور اسی طرح جمادات اور نباتات
دونو کا اثر حیوان پر اس کے اپنے منہ سے نگلنے یا تنفس و مسام سے کشش کرنے پر یعنی اسکی اپنی
فاعلیت پر منحصر ہے اور علیٰ ہذا القیاس انسان جو کچھ مفاد ان اشیاء سے اٹھاتا ہے اسمین بہی
وہی فاعل ہے اور دیگر تمام اشیاء منفعل ۔ اسکی طبعی کشش خوراک کو جزو بدن بناتی ہے اور ارادی
حرکت نباتات اور حیوانات سے کام لیتی ہے اگر وہ درخت کو اگانا اگے ہوئے کو توڑنا یا ٹوٹے
ہوئی کو اٹھانا نہ چاہے تو قوت نمو کا کوئی اثر اس تک نہ پہنچیگا اور اگر جانور کو اپنے ساتھ ملانا اور
مطیع کرنا نہ چاہے تو قوت حیات اس پر کوئی عمل نہ کریگی ۔ غرض ہر ایک عمل میں اعلیٰ اور قوی فاعل
ہوتا ہے اور ادنیٰ اور ضعیف منفعل ۔ اب اس عمل سے اور عمل کا اثر ظاہر ہونے سے جو حقیقت اور
شناسائی فریقین کو ایکدوسرے سے ہوتی ہے اگر اس کا نام تجربہ رکہیں (اور درحقیقت تجربہ اسیکو کہتے ہین)

تو بیشک انسان کو حیوان کا تجربہ ہے اور حیوان کو انسان کا مگر اس تجربہ مین حیوان کی اپنی کوشش کو چندان دخل نہین - بیشک کتے مین یہ خاصیت ہی کہ وہ انسان سی مانوس ہو کر اس پر اپنی جان فدا کرے اور اسکی عادات و خصایل سے آگاہ ہو کر اس کے اشارہ پر چلے لیکن جبتک انسان کتے کو مانوس کرنا چاہے کتا انسان کا تجربہ ہرگز حاصل نہین کر سکتا اور اسی طرح اگر نباتات مین شعور فرض کر لیا جائے اور جو حالت اسکی تخلبندی یا کھانے کے وقت ہوتی ہے اس کے احساس کا نام تجربہ رکھا جائے تو جو تجربہ نبات کو حیوان یا انسان کی نسبت ہے وہ اوسکو ہرگز حاصل نہ ہو اگر انسان اور حیوان خود اسکی طرف توجہ نہ کرین علی ہذا لکڑی کو آگ کا اور لوہے کو مقناطیس کا تجربہ ہرگز نہ ہو اگر آگ اور مقناطیس اُن کو یہ تجربہ کروانا نہ چاہین مین شاید اس مضمون کو جس طرح میرے دل مین ہے ابتک ادا نہین کر سکا اور اس لیئے شاید کوئی یون کہہ سکے کہ خوراک انسان اور حیوان مین جاتی ہے تو اسکو تحلیل کر کے جزو بدن بنانے والی طاقتین انسان و حیوان مین ہوتی ہین - مگر اس کے بعد خوراک کے اجزا کا اثر بہی کہانیوالے پر ہوتا ہے جس سے وہ کبہی توانا ہو جاتا ہے اور کبہی مختلف امراض کا شکار بنتا ہے اور اس اثر مین فاعل خوراک ہے اور اسکے علاوہ شیر جو انسان کو پہاڑتا ہے اور یون اُسکا تجربہ حاصل کرتا ہے اسمین انسان کے اپنے فعل کو کچھ بہی دخل نہین اور خود شیر فاعل ہے اور انسان منفعل ہے - مگر نہین ، یہان شیر کو انسان کا جس قدر تجربہ ہے وہ یہی ہے کہ اس شکل کی چیز گوشت دار ہوتی ہے جو میری غذا ہے اور کہانے کے بعد اُس ذائقہ سے آشنا ہوتا ہے جو انسان کے گوشت مین ہو گا مگر انسان کی شکل اور گوشت کا ذائقہ عام جسمانی صفات ہین جن کا اسے تجربہ ہوا ورنہ انسان بحیثیت انسان ہونے کے جو صفات رکھتا ہے انکا تجربہ شیر کو اسی وقت ہوتا ہے جبکہ بہادر انسان شجاعت کے زور سے اور سر کس کا ایکسٹر عقلی تدبیرون سے اسکو زیر کر لیتا ہے اور اس وقت اس تجربہ مین فاعلیت ظاہر ہے کہ انسان کی جانب سے ہی اور اسی طرح اگر خوراک کے ذرات مین شعور ہو اور ان کے اثر کا نام تجربہ

رکھا جاوے تو خوراک کو جو تجربہ کھانیوالے کا اپنا اثر کرنیکے وقت ہوتا ہے وہ اسکی عام جسمانی صفت کا ہونا ہے ورنہ خاص حیواتی یا انسانی صفات کا تجربہ خوراک کو اسی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ ارادی حرکتون سے اسکی طرف جھپٹتا ہے عقلی تدابیر سے اسکو مہیا کرنے کا اہتمام کرتا ہے اور طبعی کشش سے اُسکو جذب کرتا اور جزو بدن بناتا ہے اور ان صورتون مین وہ خود فاعل ہوتا ہے اور خوراک منفعل -

غرض تجربہ کا عام قانون یہ ثابت ہوا کہ اعلیٰ کی فاعلیت کے بغیر ادنیٰ کو اوس کا تجربہ نہین ہو سکتا بیشک انسان کو بہت بڑا تجربہ ہے وہ اپنی عقل سے زمین کی تہ تک پہنچ گیا ہے اور آسمان کی چوٹی تک اور جو حالات اجسام سفلی اور اجرام علوی کے اُس پر منکشف ہوئے ہین اُن کے گھمنڈ مین وہ اپنی عقل کو غیر محدود اور ہر چیز کو اپنی گرفت کے اندر سمجھنے لگا ہے مگر وہ آفتاب کو ماپ رہا ہو یا زمین کو تول رہا ہو اسکی اپنی کوشش سے جس قدر تجربہ حاصل ہوا ہے وہ محض کم درجہ کی مخلوقات کا ہے۔ اس نے چاند کے پہاڑون کو دیکھ لیا تو اور آفتاب کے داغون کو جانچ لیا تو محض روشنی اور روشنی کے مختلف رنگون کو دیکھا ہے جو ایک کیفیت ہی اور اُن کے ماپ تول اور عناصر کی نسبت قیاس دوڑائے ہین جو جمادی جسم اور اُن کے خواص ہین۔ اپنے سے کسی بالاتر ہستی کا تجربہ ایک طرف وہ خود اپنا اور اپنے برابر والون کا تجربہ بھی نہین کر سکا۔ انسان کی نسبت اُس کے معلومات کیا ہین؟ محض جسمانی ساخت جسمانی عناصر اور جسمانی خواص غرض وہی باتین جو کم و بیش اس سے کم رتبہ یعنی حیوان اور نباتات مین بھی پائی جاتی ہین مگر جس چیز کے سبب سی انسان انسان بنا ہے اور جو اسے دیگر موجودات سے برتری دیتی ہے اس کا انکشاف نہ آجتک ہوا ہے اور نہ غالباً آگے کبھی ہو -

پس جب یہ کیفیت ہی اور ادنیٰ نے اعلیٰ کو بلکہ برابر والے کو بلکہ خود اپنے تئین بھی نہین دیکھ سکتا تو کس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اُس بالاتر سے بالاتر ہستی کا جلوہ اور اسکی ذات و صفات کے متعلق انکشاف انسان خود اپنی کوشش سے حاصل کر سکتا ہے اور جب یہ صورت ہی تو وحی

جو ایک اعلیٰ درجہ کا تجربہ ہے اور جسمین نہ صرف جلوہ ربانی پر اکتفا ہوتا ہے بلکہ انسان پر ایسے تجربون سے خدا کی معرفت حاصل کرنے اور خلق اللہ کو ایسے عرفان تک پہنچانے کے وسایل بھی جن کو عبادت کہا جاتا ہے منکشف ہو جاتے ہین اسکی نسبت کیونکر دعوے ہو سکتا ہے کہ ایسا بڑا انکشاف خود انسان کا ایک دائمی عروج ہے" اور اسکی اپنی کوشش سے حاصل ہوتا ہے اور خدا کی فاعلیت کا اسمین کوئی دخل نہین -

مسٹر پارکس ہمکو "وحی کوئی معجزہ نہین" کہہ کر ڈراتے ہین ورنہ بیشک معجزہ کا لفظ آجکل کسی چیز سے نفرت دلوانے اور خوفزدہ کر دینے کیلیئے کافی ہے لیکن اگر معجزہ کے معنی خلاف قانون قدرت کے ہین تو ادنی کا محض اپنی کوشش سے اعلےٰ تک پہنچ جانا بیشک معجزہ ہے اور اس جرم کے مرتکب مسٹر پارکس ہین کہ وحی کو خلاف قانون تجربہ مان کر آجکل کے فلاسفرون سے معجزہ منوانا چاہتے ہین مگر جو لوگ خدا کی فاعلانہ حرکت سے ایسے جلوون کا نظر آنا مانتے ہین وہ بالکل لا اف نیچر یعنے فطرۃ اللہ المستمرہ کے موافق اعتقاد رکھتے ہین او معجزہ ماننے کے گنہ گار نہین ہین - سرکس کا گھوڑا خواہ کیسا ہی اصیل ہو اگر مالک تعلیم نہ دے گھوڑا اپنے آپ اسکے اشارون کو نہ سمجھیگا اور ہاتھ اٹھانے پر سدیم ہو کر نہ لیٹ جائیگا اسی طرح انسان خواہ کیسا ہی نجیب شریف ہو جبتک خود خدا اپنی حضوری نہ دے محض اپنی کوشش سے اسکی معرفت کا عین الیقین حاصل نہ کریگا اور اس کے نور سے روح کو منور نہ کر سکیگا - یہ ضرور ہے کہ مٹی اور ہوا سے نبات انہی اجزا کو جذب کرتی ہے جن مین نبات بننے کی قابلیت ہے - نبات مین سے حیوان انہی پتون اور پھلون کو کھاتا ہے جو اس کو گوارا ہین نبات و حیوانات وغیرہ مین سے انسان انہی کو استعمال کرتا ہے جو کام کے لایق ہین اسی طرح خدا انہی سندرون پر تجلی کرتا ہے جنکی فطرت اس بار گرانمایہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ انسان کی اپنی قابلیت کو بھی اس منصب مین دخل ہے اور اس لیئے انبیاء کو حسب فطرت دیگر بنی نوع سے فایق اور افضل مانا جاتا ہے مگر نبات کی کشش کو خوراک جذب کرنے مین حیوانات

کی خواہش کو نبات کے نکلنے مین انسان کے ارادہ کو مخلوقات سے کام لینے میں جس قدر دخل ہے بس اسی قدر دخل خدا کو وحی بھیجنے مین سمجھا جا سکتا ہے یعنی اسکی طرف سے فعل اور انسان کیطرف سے انفعال۔ پس اگر نبات حیوان اور انسان کی فاعلیت معجزہ اور خلاف قانون نہین ہے تو خدا کی فاعلیت بھی معجزہ نہ ہوگی۔

مسٹر پادکر یہود و نصارے اور اہل اسلام کو الزام دیتے ہین کہ وہ چند مصنفین پر وحی کو محدود سمجھتے ہین اور خدا کے حاضر و ناظر اور سرمدی فاعل ہونیکا واسطہ دیکر تمام انسانون کو وحی کا شرف دلوانا چاہتے ہین مگر نہین معلوم یہود و نصاری پر یہ الزام کہان تک درست ہے البتہ اسلام کے بارہ مین کہا جا سکتا ہے کہ وہ بہتان کے مرتکب ہوئے ہین۔ اسلام ہر قوم مین رسول بھیجنے کا مدعی ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (فاطر پ۲۲ ع ۳) اور خدا کی رحمت کو انسان ایک طرف تمام اشیا پر وسیع مانتا ہے رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۹) مگر اس بارہ مین وہی عمل کا قانون پیش نظر رکھنا ہوگا۔ انسان جو جانور خریدتا ہے چاہتا ہے کہ اس کے اشارون پر کام کرے اور اس غرض کیلئے سب پر حتی الوسع جان کھپاتا ہے مگر تمام عمر کے عمل مین چند یا ایک آدھ جانور ہی ایسا نکلتا ہے جو اسکی آرزو کو پورے طور پر برلاتا ہو۔ کتنے سب یکسان ہین مگر شکار کی مہارت اور آقا پر جان قربان کرنے کی صفت سب مین موجود نہیں اور جن مین موجود ہے ان مین سے بھی وہ بہت ہی نادر ہین جنکی خدمت اور وفاداری کے گیت گائے جائین اسی طرح باریک ذرات والے جمادات اور سبز پتون والے درخت سب ہین مگر ان مین وہ بہت کم ہین جو نباتات کو تر و تازہ اور جانورون کو فربہ کرنے کی خاصیت رکھتے ہین۔ غرض ان سب حالات مین کام لینے والون کیطرف سے بخل نہین ہوتا مگر کام آنیوالے کی استعداد کے سبب اثر مین ہزارون کوس کا فرق نظر آتا ہے یہی کیفیت اس فعل کی ہے جو خدا کی طرف سے روحانی صفائی کے لیئے کیا جاتا ہے۔ مبدأ فیاض کیجانب سے بخل نہین مگر بایں وہ قابلیت چند انسانون مین پایا جاتا ہے اور وہی اس برکت سے بھی مستفید

ی اگرچہ بہت ہین ر تمام انسان بھی نین ہو سکتے۔

ہوتے ہین۔ آفتاب کی روشنی (جو سات رنگون سے مرکب مانی جاتی ہے) جب کسی شفاف
چیز پر پڑتی ہے تو اپنا پورا جلوہ دکھاتی ہے لیکن رنگ دار شیشہ اپنی ہمرنگ شعاعون کے سوا
روشنی کے باقی تمام رنگون کو جذب کر لیتا ہے اور اس بلئے روشنی شیشے کے ہمرنگ ہوجاتی ہے
سیاہ چونکہ (حسب تحقیق جدید) تمام رنگون سے محروم ہے اس سلئے وہ روشنی کو بالکل جذب کر لیتا
ہے اور روشن دان کو سیاہ کر دینے سے کمرہ تاریک ہوجاتا ہے مگر اس طرح تاریکی پھیلنے
یا مختلف رنگون کی روشنی پیدا ہونے سے آفتاب پر کوئی الزام عاید نہین ہوتا اور اُس کے فیض
عام سے کسیکو انکار نہین اسی طرح وحی ربانی اپنے کامل اوصاف سے اُسی با اقبال پر نازل ہوتی
ہے جس کا قلب رذایل کے تمام الوان سے پاک اور نور معرفت کو اخذ کرنیکے قابل ہو اور
چونکہ ایسے نفوس قدسیہ کم ہین اسلئے منصب نبوت بھی اسی نسبت سے عطا ہوتا ہے۔

استعداد میں درجات کا ہے

مسٹر پارکر اس اختلاف حالات سے انکار نہین کرتے مگر اسے تسلیم کرنے مین اپنے
انداز کو بھی نہین بدلتے چنانچہ فرماتے ہین ‡

چونکہ خدا نے فطرۃً کسی نسل اور کسی انسان کو عقل ضمیر محبت اور روح سے محروم نہین کیا اسی طرح کسی
کو وحی سے بھی محروم نہیں رکھا۔ یہی ہماری تمام ہستی کیلئے روشنی ہے اور تمام انسانی قابلیتوں
کیلئے بنیاد ہے اور یہی واحد ذریعہ ہے جس سے ہم اُس نادیدہ ہستی کا علم، تمام محسوس علوم
کی منطقی سند طبعی اور روحانی دنیا کا رستہ پاتے ہیں جیسا انسان مادہ کے بغیر نہیں رہ سکتا
ویسا ہی خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا پس لطف کی طرح وحی بھی اسی نوع میں سب جگہ یکسان ہوگی۔ البتہ
درجات کے لحاظ سے ایک قوم کی نسبت دوسری قوم میں اور ایک انسان کی نسبت دوسرے انسان
میں متفاوت ہوگی۔ کیونکہ وحی کا درجہ دو چیزوں پر منحصر ہوگا ایک تو فطری قابلیت اور خاص خاص
ذہنی اخلاقی اور مذہبی جذبات پر جو ہر شخص کو خدا کی طرف سے دیئے گئے ہین اور دوسرے اس
طریق استعمال پر جو انسان ان عطیون کی نسبت اختیار کرے۔ مختصر یہ کہ درجات کا فرق
انسانی فطرت کی استعداد اور اطاعت کی مقدار پر موقوف ہے اور چونکہ انسان اپنے فطری عطیون

‡ اے ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجن جلد دوم باب ہفتم صفحہ ۱۶۲ اشاعت ۱۸

میں اور اس سے بہت زیادہ ان عطیوں کے استعمال میں باہم گر مختلف ہیں اس لئے ان میں نہایت حقیر درجہ کے گنہگار سے لیکر اعلیٰ درجہ کے پارسا تک وحی کے درجات بہی مختلف ہوں گے"

یہان "خدا کے بغیر نہ رہ سکنے" سے تمام انسانوں کے لیئے وحی کو عام ماننا تو ایسا ہی ہے جیسے آفتاب کے فیض عام سے شیشہ کو منور سمجہنا البتہ وحی کے درجات کا مختلف ہونا وہ بجا فرماتے ہین کہ انسان کی اپنی استعداد اور اس کے استعمال پر منحصر ہے لیکن یہ بات کہ وحی ہوتی سب کو ہے اور صرف درجات کا تفاوت ہے اسمین بہت کچہہ کلام ہے۔ حقیر درجہ کے گنہگار پر جس وحی کا آنا وہ تسلیم کرتے ہین اگر اس سے مراد وہ تجلی ربانی ہے جس سے انسانی روح اسکی ذات وصفات کا تجربہ حاصل کر کے صاف اور منور ہو جاتی ہے اور نہ صرف نور اور صفائی حاصل کرتی ہے بلکہ اپنی روشنی سے دیگر جوئندگان راہ کو مشعل لے کر منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے تو گنہگار پر ایسی وحی اور ایسی تجلی کا ہونا بالکل خلاف قانون اور خلاف واقع ہے اور خود مسٹر پارکر تسلیم کرتے ہین کہ "موقوف کو دانائی کی بدکار کو نیکی کی اور رند کو مذہب کی وحی نہیں ہو سکتی" پس اس بنا پر صرف درجات کا فرق نہیں ثابت ہوتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پر وحی ہوتی ہے اور دوسرا اس سے بالکل محروم رہتا ہے۔ اور اگر ان کا مقصد اُس جذبہ فطرت سے ہو جو انسان کو بالائی ہستی کیطرف کہینچتا ہے اور جس کو جذبہ مذہبی کہتے ہین یا جو جذبہ نیکی کی رغبت پیدا کرتا ہے اور جذبہ اخلاقی کے نام سے موسوم ہے تو بیشک یہ دونو جذبے کافر و مومن اور فاسق اور پارسا سب مین موجود ہین۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ط (دہر پارہ ۲۹ ع ۱)

ہمنے اس کو رستہ دکہا دیا ہے اب چاہے شکر احسان کرے یا ناشکری

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ط (بلد پارہ ۳۰)

کیا ہمنے اسکو دو آنکہین زبان اور دو لب نہین دئے اور کیا اُسکو دو نو رستے نہین بتائے

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ط (شمس پارہ ۳۰)

(خدا نے) بتائی اسکو اسکی بدکاری اور نکوکاری

تفاوت حالات

یہ دونوں جذبے یعنی مذہبی اور اخلاقی چونکہ خدا کی طرف سے ہین اس لیئے مجازاً ان کو وحی کہا جائے تو مضائقہ نہین مگر حقیقت مین یہ وحی نہین ہین البتہ ان کے وجود سے وحی کا رستہ صاف ہوتا ہے اور انسان مین ترقی کی خواہش پیدا ہو کر وہ اپنی طرف سے ایسی کوشش بجا لاتا ہے جس سے تو بہ مادی کو اخذ کرنے کی قابلیت ہو اور پھر کوشش کا تفاوت نتائج مین اختلاف پیدا کرتا ہے مثلاً اگر شیشۂ دل مادی کدورتون اور جسمانی ناجائز خواہشون سے بالکل صاف ہو گیا ہے تو آفتاب وحدت کی روشنی براہ راست اس پر جلوہ کرتی ہے اور وہ اس آئینہ کی طرح منور ہو جاتا ہے جو آفتاب کے سامنے رکھا ہو اور یہی لوگ ہین جن کو رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے اور اگر پاکیزگی کے اُس درجہ تک نہین پہنچا اور نور سے کیف کو بے واسطہ اخذ کرنے کے قابل نہین ہوتا تو منور ہونے کیلئے کسی اور قلب مصفا کی وساطت تلاش کرتا ہے جیسے آفتاب کے سامنے رکھے ہوئے آئینہ کی شعاع بازگشت دوسری چیزون کو انکی حیثیت کے موافق روشن کر دیتی ہے وہ شخص قلب صافی کے جلوہ سے حسب طاقت نور حاصل کرتا ہے اور ایسے لوگ پیغمبر کی اُمت اور اُس کے پیرو مشہور ہوتے ہین لیکن اگر کوئی شخص جسمانی خواہشون اور دُنیوی آلائشون سے مغلوب ہو کر مذہبی جذبہ کو ضایع کر دیتا ہے تو وہ اس سیاہ تختہ جیسا ہے جو آفتاب کی تمام شعاعون کو رایگان چھوڑتا ہے اور مطلق روشن نہین ہوتا۔ ایسے لوگ بلاواسطہ منور ہو سکتے ہین اور نہ کسی درمیانی واسطہ یعنی نبی کی ہدایت سے مستفید ہوتے ہین اور باوجودیکہ دنیا مین انبیا کی آواز کا ہر طرف غلغلہ ہے مگر وہ لوگ سوائے تاریکی اور گمراہی کے کچھ نہین پاتے۔ اور اسی لیئے ارشاد ہے کہ انبیا کی ہدایت انہی لوگون کو مفید ہے جو جذبۂ مذہبی کے سبب بے دیکھے خدا کی طرف متوجہ ہین ورنہ جس طرح بہت لوگ اس سے راہ راست پاتے ہین اسی طرح اکثر اشخاص گمراہ بھی ہوتے ہین اور وہ وہی ہین جنہون نے اپنے ازلی عہد کو توڑ دیا ہے یعنی جذبہ مذہبی ضایع کر دیا ہے

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (بقرہ ع ۱)	یہ مکمل کتاب ہے۔ اِس مین کوئی شبہ نہین۔ ہدایت ہے پرہیزگارون کیلئے جو ایمان لاتے ہین غیب پر

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ
(بقرہ پارہ ع ۳)

وہ اس سے اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے اور گمراہ اہی کو کرتا ہے جو فاسق ہیں اور جو خدا کے پیمان کو (از ل میں) مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہین -

انبیا کی ضرورت

غرض مذہبی جذبہ جو سب مین موجود ہے وہ اور چیز ہے اور صرف انسان کو استعداد پیدا کرنیکا کام دیتا ہے اور وہ جلوہ ربانی جس کو وحی کہتے ہین اور چیز ہے جو بالاتر ہستی کی اپنی توجہ اور فاعلیت سے حاصل ہوتا ہے - مسٹر پارکر کی نظر صرف جذبۂ مذہبی تک محدود ہے اور اسی کو وحی سمجھتے ہین - اسی لیئے اسکو تمام انسانون کے لیئے عام مانتے ہین اور وہ اور ان کے دیگر ہمخیال جو انبیا کی ضرورت کو تسلیم نہین کرتے اور کہتے ہین کہ انسان محض خدا کو ماننے سے نجات پا سکتا ہے اور کلمۃ اللہ خود اس کے اندر موجود ہے وہ اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہین کہ مذہب جیسا کہ ذکر ہو چکا تجربہ کی چیز ہے اور تجربہ بھی ایسی ہستی کا جو از روئے فطرت انسانی ہستی سے بالاتر ہے پس اسکی معرفت اور اسکی ذات و صفات کے تجربہ کیلئے خود اس ذات کی توجہ درکار ہے - یہ لوگ مذہب اور عقل اور نیز مذہب اور اخلاق مین تمیز نہین کرتے اور اس لیئے اپنی عقل کے گھمنڈ مین سمجھتے ہین کہ جس طرح وہ جسمانیات کی تحقیق کر سکتی ہے اسی طرح الٰہیات مین بھی اس سے کام نکل سکتا ہے - اور مذہب کا ثمرہ محض اخلاق کو سمجھہ کر کہنے لگتے ہین کہ اخلاق حسنہ کو حاصل کرنے پر مذہب سکھانیوالون کی ضرورت نہین رہتی حالانکہ دونو اصول غلط ہین عقل محض جسمانیات پر حاکم ہے اور اپنی ہم پلہ یعنے روح اور اپنے سے برتر یعنے خدا کی نسبت وہ کوئی تجربہ نہین کر سکتی - اور اخلاق مذہب کا واحد ثمرہ بلکہ مہتم بالشان ثمرہ بھی نہین - اخلاقی جذبہ بیشک نجیب و شریف کشش ہے مگر مذہب کا یہ نہایت پیش پا افتادہ نتیجہ ہے مذہبی جذبہ خدا کی تلاش کرواتا ہے پس اُسکا حقیقی ثمرہ خدا کی معرفت ہے البتہ خدا کی معرفت حاصل ہونے پر اور یہ معلوم کرنے پر کہ تمام موجودات اُسی کی مخلوق ہے

خدا کی محبت پیدا ہو کر قانون محبت سے اپنے محبوب کے ساتھ محبوب کی تمام چیزوں سے الفت پیدا ہو جاتی ہے اور مقتضائے الفت سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہی اسلئے اخلاق ہیں۔ لیکن چونکہ اخلاق کا فائدہ محسوس اور نمایان ہے اور انسان کو دوسرون سے نیک برتاؤ کرنے پر اپنی ذات کیلئے بھی بہت راحت و آرام ملتا ہے اس لیئے انسانی عقل اگر کامل ہو تو اخلاق کا تجربہ کر سکتی ہے اور عقلاء زمانہ مذہب سے یکسو ہو کر بھی اسکی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں پس اگر نجات اسی کا نام ہے کہ انسان اس دنیوی زیست میں لوگون سے نیک سلوک رکھے اور اس کے عوض میں ان کیطرف سے عمدہ برتاؤ کا لطف اٹھائے تو پھر بھی اگرچہ مذہب سے بے پروا ہو کر تمام لوگ اخلاق پر قایم نہین رہ سکتے مگر شاید بعض دانا اور دور اندیش محض عقل کی رہنمائی سے نجات پا سکین گے اور اس صورت مین ان کے لیئے نہ صرف مذہب سکھانیوالون یعنے پیغمبرون کی بلکہ مدعائے مذہب یعنی خدا کو ماننے کی بھی ضرورت نہین لیکن اگر نجات محض دنیوی راحت و آرام کا نام نہین بلکہ اس تجلی ربانی اور معرفت الٰہی کو کہتے ہین جو اس دنیا مین اور اس سے پرے ابدالآباد تک انسانی روح کو منور اور بشاش رکھتی ہے اور کشف و شہود کے وہ تجربے کرواتی ہے جو جسمانی آنکھ اور جسمانی دماغ کی دسترس سے باہر ہین اور جسکی تشنگی ابتدائے آفرینش سے اب تک انسانی فطرت کے کسی نامعلوم گوشہ مین شعلہ زن ہو کر اس سے ہزارون کنوئین جھنکوا رہی ہے تو ایسی نجات کا حاصل کرنا یقیناً عقل کی گرفت سے باہر ہے اور محض جسمانی بلند پروازیون سے اس تک پہنچنا ویسا ہی موہوم ہے جیسے نور آفتاب کی حرکت کے بغیر تہ خانہ کے روشندان کا منور ہو جانا یا انسانی کوشش کے بغیر جنگلی گھوڑے کا باجے کی آواز پر ناچنا یہ اپنے وقت کے فلاسفر اور فیلسوف مادیات کو شوق سے دیکھین بھالین اور نہ صرف زمین بلکہ مریخ و مشتری کے چپہ چپہ سے واقف ہو جائیں لیکن اپنی حد سے قدم نہ بڑہا ئین کشش ثقل سے تحت الثرے مین جا پہنچین مگر جسمانی غبارون سے اس بالا ہستی کیطرف نہ اڑین اس تک پہنچنا ہے تو جسمانی آلائشون سے ایسے پاک ہون کہ نور وحدت بواسطہ ان پر چمکے یعنی

خود بغیر سمجھائیں اور یہ نہیں ہو سکتا تو خود پسندی چھوڑ کر اپنے صفحہ دل کو کسی اور قلب صافی کے مقابل رکھیں اور بالواسطہ آفتاب وحدت کے نور سے منور ہوں یعنی کسی نبی کی اُمت بن کر اسکی وساطت سے معرفت حاصل کریں۔ کیا کہا ہے

نگنجد نور خورشید ازل در ظرف ہر ذرہ ۔ بآب دیدۂ مردان نگر تا عکس آن بینی

تو خفاشی ز نور مہ قیاس نور خور مکن ۔ ترا سود این بود۔ گر نور خور بسی زیان بینی

الہامی کتابوں کی ضرورت

یہ لوگ اپنے مطلب کے وقت اور دوسروں کو ساکت کرنیکے لئیے قانون قدرت اور لاآفی تجربہ کو ایک مہلک حربہ اور بیخطا حملہ سمجھا کرتے ہیں مگر افسوس ہے کہ مذہب کے بارہ میں خود قانون قدرت کا حفظ کیا ہوا سبق بالکل بھول جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جس چیز کا تجربہ وہ خود نہیں کر سکتے اسکا علم تجربہ کاروں کی شاگردی کے بغیر کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ مسٹر پارکر پُرانی دستاویزوں (الہامی کتابوں) کو تقویم پارینہ سمجھتے ہیں اور خود "کلمۃ الحق" سے واقف ہونیکا دعوے کرتے ہیں۔ حالانکہ ان جسمانی تجربوں میں بھی وہ پُرانی دستاویزوں سے مستغنی نہیں ہیں جو سائنس کے تجربے نئی تحقیق کے موافق سالہا سال سے ہوتے آئے ہیں اور جنکی دستاویزیں دفتر کے دفتر تیار ہو چکی ہیں اگر اُن سب کو دریا برد کر دیا جاوے اور آجکل کا ایک طالب علم یہ دعوی کرے کہ "کلمۃ العلم" خود اُسکے دل میں موجود ہے اس لیئے اِن دستاویزوں کی ضرورت نہیں وہ اپنی واحد کوشش سے اُن تمام قوانین کو کیونکر دریافت کر لیگا جو نیوٹن کے وقت سے آجتک بتدریج معلوم ہوتے آئے ہیں اور وہ صنعتیں کیونکر ایجاد کر سکیگا جن سے ان بزرگوں کی برکت سے ہم آج بہرہ ور ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نیوٹن کو سائنس کا امام نہ مانے اور اسکی اس تھیوری پر اعتقاد نہ رکھے کہ روشنی چند رنگوں سے مرکب ہے وہ سہ گوشہ بلور کو روشندان کے سامنے رکھکر نیوٹن کیطرح آفتاب کی شعاعوں کا تجربہ کرنا ضروری نہ سمجھیگا اور روشنی کے متعلق وہ علم حاصل نہ کر سکیگا جسکی ترکیب اس فلاسفر نے ہمکو بتائی ہے۔

اہل چین نے جب پہلی دفعہ دخانی جہاز کو دیکھا جو یورپ سے آکر اُن کے کسی بندر پر لنگر انداز

ہوا تھا تو چونکہ وہ اپنی پُرانی صنعت و حرفت پر نہایت مغرور تھے اس نئی اور مفید ایجاد کو دیکھ کر متوجہ نہ ہوئے اور وہی بات کہی جو مسٹر پادکر کہتے ہین کہ "ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے" دوسروں کے تجربون سے فایدہ لینے کی یہ ایسی غلطی اُن سے سرزد ہوئی جس کے وبال مین آج تک تمام ملک چین مبتلا ہے اور اُس کو اب ملک ترقی کی اس راہ پر چلنا نصیب نہین ہوا جس کو دوسرے لوگ بڑی حد تک طے کر چکے ہین۔

پس اگرچہ مادی علم کی استعداد ہمارے اندر موجود ہے مگر اس سے کام اسی طرح لے سکتے ہین کہ جو لوگ پہلے اس کوشش مین سرگرم رہے ہین اُنکی عالمانہ قابلیت کو تسلیم کرین اور جو ندایر علم تک پہنچنے کی اُنہون نے ایجاد کی ہین اُن کو عمل مین لائین اور یون مدارج ترقی پر فایز ہون اور دوسری اگر ہم اُن کو بالکل نظر انداز کر دین اور خود اپنے دل سے ہر بات کو اپنی رائے سے دریافت کرنا شروع کرین تو اگرچہ بہت ہی کم مگر کسی قدر علم سے آشنا ہو جائین گے لیکن وہ علم جو ہمکو حاصل ہوگا تو اس لیئے کہ یہ تجربے ہم مادیات پر کر رہے ہین اور مادیات ہم سے کمتر اور خود ہماری فاعلیت کے زیر اثر ہین اور جو چیز خود ہم پر فاعلانہ اثر کرنیوالی ہے اسکی نسبت ہماری جو کچھ کوشش ہو سکتی ہے وہ محض استعداد پیدا کرنے کی اور اُن لوگون کے بتائے ہوئے وسائل عمل مین لانے کی ہے جو ہم سے پہلے اس میدان مین قدم رکھ چکے ہین ورنہ اُن لوگون کی تمام باتون کو بھول کر اور خود اپنی قوت پر بھروسہ کر کے ہم اس کوشش مین اتنا بھی کامیاب نہین ہو سکتے جس قدر مادیات کے تجربے مین ہونا ممکن ہے۔ اور اگر مسٹر پادکر کے کہنے پر نوع انسانی کو محض اپنے دل کے کلمۃ الحق پر چھوڑ دیا جاوے تو پھر وہین سے چلنا ہوگا جہان سے ابتدائی تلاش کرنے والے چلے تھے یعنی کبھی چوہے کو خدا مانینگے اور کبھی مینڈک کو یا آجکل کی ایجاد دیکھ کر کبھی مشین کو سجدہ کرینگے اور کبھی بیٹری کو۔

اور یہی وجہ ہے کہ مذہب مین نہ صرف عوام الناس کو بلکہ خود صاحب مذہب یعنی پیغمبر کو بھی گذشتہ پیغمبرون پر ایمان لانا اور جس امر مین خود اُسکو وحی ہو اُنکی شریعت پر عمل کرنا فرض ٹھیرایا گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام پارہ ۷ ع ۱۰)	(یہ پیغمبر) وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی ہے پس تو اُن کی ہدایت کی پیروی کر۔

سیح شرائع

اور اس طرح پیغمبر قدیم شریعتوں سے اور اُن الہاموں سے جو خود اُسکو ہوئے ہین الہا دستور العمل تیار کرتا ہے جس پر عمل کرنے سے معرفت آلہی کے عقدے حل ہو سکین اور ہر شخص حسب حیثیت نور ہدایت سے منور ہو۔

یہ بھی نادر کہنے کے قابل ہے کہ بجز اس امر کے کہ معرفت مین بالا تر ہستی کا تجربہ ہے اور جسمانی علوم مین اپنے سے کمتر چیزون کا اور طرح پر جسمانی علوم اور معرفت کی تحصیل مین بہت کچھ مشابہت ہے۔ ایک طالب علم عرصہ تک کسی علم کے مقررہ اصول کے موافق عمل کرنیسے اکثر اس قابل ہو جاتا ہے کہ گذشتہ تجربہ کرنیوالون کی بعض کوتاہیون سے واقف ہو جائے اور خود مصلح اور مجدد بن کر اُس علم کو اصلاح و ترمیم سے ترقی دے مگر بعض اوقات جب کوئی علم یا علم کی کوئی شاخ یا مسئلہ پورے طور پر حل ہو چکا ہو تو اُس مین آیندہ آنے والے طلبا کو اصلاح و ترمیم کی گنجائش نہین رہتی اور اس صورت مین اُن کا کام محض یہی رہ جاتا ہے کہ گذشتہ اُستادون کے اصول کو سیکھین اور اُن کے موافق عمل کرنیسے فائدہ اُٹھائین مثلاً علم ہندسہ یعنی تحریر اقلیدس ایک ایسا فن ہے جو بظاہر اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے اب اس کے اصول و قواعد مین غلطی نکالنا بجز کذب کے سوا کوئی معنی نہین رکھتا اِس لئے اسمین جو کچھ ہو سکتا ہے یا ہو رہا ہے وہ اسی قدر ہے کہ اُن قاعدون کو حکمی اور یقینی مان کر اپنی اپنی استعداد کے موافق ان سے نتائج نکالتے ہین یا آجکل کے عالمون نے اِس فن مین پرکٹیکل جیومیٹری کے نام سے جو ترقی کی ہے اُسمین اور کچھ نہین کر سکے سوا اِس کے کہ جن عقلی دلایل سے اقلیدس اپنے دعوون کو ثابت کرتا ہے اُنکی جگہ پیمائش کے آلات استعمال کرنے لگے ہین اور دو خطون یا مثلثون وغیرہ کو برابر یا مختلف ثابت کرنے کیلئے قواعد کلیہ کو کام مین لانے کے بجائے زیادہ تر آلات سے پیمائش کر کے دکھا دیتے ہین مگر اس تبدیلی سے اُصول علم مین کوئی ترقی نہین ہوئی بلکہ کہنا چاہئے کہ عقلی غور و تامل کی جو

مثل پہلی صورت میں ہوئی نہی آلات کے استعمال سے وہ فائدہ معدوم ہوگیا۔ یا اگر علمی تتمہ کو ایک فایدہ کہا جائے تو یوں کہنا پڑیگا کہ ایک فائدہ کو چھوڑکر اسی جیسا ایک اور فائدہ پیدا کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ علم اگر نامکمل ہے تو آیندہ آنیوالے اسمیں بہتر انقلاب پیدا کرسکتے ہیں اور مکمل ہے تو آیندہ یا تو کوئی جدید فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یا ہوتا ہے تو پہلے فائدہ کی مانند۔ یہی کیفیت یہاں ہے کہ معرفت اور حصول معرفت کے قواعد و ضوابط (شریعت) خدا کی طرف سے قلوب مصفا پر القا ہوتے ہیں مگر جب تک سب قاعدے یا ان میں سے بعض انبیا کی قلت استعداد کے سبب ناقص شکل میں القا ہوتے رہتے ہیں آیندہ آنیوالے انبیاء پر انکی غلطیاں واضح ہوتی رہتی ہیں اور اس صورت میں پہلی وحی کی بجائے دوسری وحی بہتر ہوتی ہے مگر جب تمام قاعدے یا ان میں سے بعض اپنی حقیقی صورت میں منکشف ہوتے ہیں تو آیندہ بہتر انقلاب کی گنجائش نہیں رہتی اور اُس وقت یا تو جدید انکشاف ہوتا ہی نہیں یا حسب ضرورت کچھ القا ہوتا بھی ہے تو اسکا فائدہ پہلے انکشاف کی مانند ہوتا ہے۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (بقرہ پارہ ۱ ع ۱۳)	ہم کسی نشان کو منسوخ یا فراموش اسی صورت میں کرتے ہیں کہ اس سے بہتر یا اسی جیسا اور نشان پیدا کر دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے

احکام شریعت کی حقیقت میں تجربہ معلوم ہوسکتی ہے

تجربہ کا عام قاعدہ ہے کہ اس میں استدلال عقلی کو بہت ہی کم دخل ہوتا ہے یعنی کسی چیز یا کسی فعل سے جو اثر مرتب ہوتا ہے اُسکی نسبت بتایا نہیں جاسکتا کہ کیوں ایسا ہوا۔ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت سے خاص خاص حالات میں کبھی پھیلاؤ، کبھی حرکت، کبھی برق ظاہر ہوتی ہے۔ کونین سے بخار اُتر جاتا ہے۔ کلورافارم سے حس باطل ہو جاتی ہے سنکھیا سے انسان مرجاتا ہے اور خاص طریقوں سے اسکا استعمال بہت سی امراض کو دور کرتا ہے مقناطیسی سوئی کے دونو کناروں میں سے ایک معین سرا ہمیشہ شمال کیجانب رہتا ہے اور دوسرا ہمیشہ جنوب کیطرف اسیطرح کے لاکھوں اثر پیدا ہوتے ہیں جنکی کوئی عقلی وجہ بتائی نہیں جاتی اور ایسا

کیون ہوا ؟ اسکا جواب نہین ہو سکتا مگر اثر کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ ایسا ہوتا ضرور ہے۔
اسی طرح جو تجربے حاملان شریعت مس کرتے ہین انکی نسبت ہر جگہ کیون اور کس لیئے کا سوال بھی
بے معنی ہے وہ لوگ تجربے سے دیکھتے ہین کہ وہ مختلف قسم کے اعمال جن کو عبادت اور کار ثواب
کہا جاتا ہے انکو مقررہ شرطون کے ساتھ پورے طور پر بجا لانے سے روح کو جلا اور نور حاصل ہوتا ہی
اور معرفت ربانی کے وہ کرشمے نظر آتے ہین جن کو دل محسوس کرتا ہی مگر زبان ادا کرنے سے قاصر
ہے اور اس کے خلاف کرنے سے اور ان اعمال کے ارتکاب سے جن کو گناہ کہتے ہیں روح مین ظلمت اور
کثافت پیدا ہو کر لذائذ روحانی سے بیگانگی ہو جاتی ہے غرض عبادت اور گناہ کے ان اثرون کو
جسمانی عقل اگرچہ حل نہ کر سکے مگر تجربہ کرنیوالے بس پر یقین کرنے مین ایسے ہی مجبور ہین جیسے سائینسدان
اور ڈاکٹر خواص قدرت اور دواؤن پر یقین کرتے ہین ۔

لیکن جس طرح تجربہ کے ان ابتدائی اصول اور ان کے اثرون کو مانکر دوسرے درجہ پر جو اثر
پیدا ہوتے ہین انکی نسبت استدلال کا سلسلہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً بھاگنے کے بعد دفعتہً ٹھہر جانے پر
جو پسینہ آجاتا ہے اسکی وجہ بیان ہو سکتی ہے کہ چونکہ بھاگنے سی حرکت پیدا ہوئی ہے اور حرکت کے
دفعتہً بند ہو جانے سے وہی طاقت حرارت مین تبدیل ہو گئی ہے اور حرارت سی جسمانی رطوبتون مین سیلان
اور مسام مین پھیلاؤ پیدا ہو گیا ہے اس لئے بھاگنے والیکو پسینہ آگیا ہے۔ اسی طرح عبادت کی
ان مختلف صورتوں کی نسبت جو وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام تلقین کرتے رہی ہین کچھ نہ کچھ توجیہ
بیان ہو سکتی ہے مثلاً جو پیغمبر کسی ایسی قوم کیطرف مبعوث ہوا ہے جو ہر وقت معصیت اور گناہ کی مرتکب
رہتی ہو یا کسی اور وجہ سے روحانیت سی بالکل بیگانہ اور اپنی حالت پر مغرور ہو ایسا نبی ان لوگون
کو معرفت تک پہنچانے کیلئے ہدایت کرے کہ اپنے اہل و عیال اور مال دولت کو چھوڑ کر جنگلون اور
پہاڑون مین بسر کرین اور کسی وقت دہیان اور گیان کے سوا دنیا کیطرف متوجہ نہ ہون اور اس
طرح سخت مرض کیلئے سب سے زیادہ تلخ دوا تجویز کرے اور اس کے خلاف جس قوم مین انکی فطری
استعداد یا گذشتہ انبیا کی تعلیم کا اثر باقی ہونے کے سبب حق کے خلاف حد سی زیادہ تکبر اور

اصرار نہ ہو اُس قوم کا پیغمبر بجائے ہر وقت سخت عبادت میں مصروف رکھنے کے ہفتہ میں ایک دفعہ خدا کا خیال کرنے اور عبادت بجا لانے کو معرفت کیلئے کافی قرار دے اور ان دونوں کے خلاف کوئی ایسا نبی جو ہر قوم اور ہر زمانے کی تعلیم کیواسطے مبعوث ہوا ہو اور عالم و جاہل متقی و سعید سب کے لئے دستور العمل قایم کرنے کے واسطے آیا ہو وہ ایک طرف کئی کئی دن غفلت میں گذارنے کو ممنوع قرار دے تو دوسری طرف ہر وقت خدا کی طرف دھیان لگانا بھی فرض نہ ٹھہرائے اور اس طرح دن میں چند بار عبادت بجا لانا ذریعہ حصول معرفت گردانے۔ غرض کہا جاسکتا ہے کہ ایسے یا اسی قسم کے اور اسباب کی بنا پر جو خدا سے قریب یا دور کرتے ہیں انبیا اپنے اپنے وقت پر وحی والہام سے یا بالفاظ دیگر اس بالا تر ہستی کے تجربہ سے عبادت کی مختلف صورتیں اور مختلف اوقات قرار دیتے ہوں گے۔ مگر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ جس شخص نے انبیاء کے احکام کو بجا لا کر ان کے اثر کا ذاتی تجربہ نہیں کیا اسکی طرف سے عبادت کی ان گوناگون شکلوں میں سے کسی کو کسی پر فائق سمجھنا اور ترجیح دینے کے لئے یا عام طور پر احکام کی علت بیان کرنے کے لئے مذکورہ بالا توجیہ یا اور دلائل کو پیش کرنا محض تخمین اور ظن ہے اور حقیقی اختلاف کا مدار خود عمل کرنے اور اُسکے اثر کو دیکھنے پر ہے†

† ملکہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات کسی مذہبی حکم کی کوئی علت تلاش کرے اور اُس پر یقین کرلے سو اس حکم میں وہ کشش نہیں رہتی جو محض مذہبی حکم ماننے کی صورت میں نظر آتی ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں وہ فائدہ قریبا باطل ہوگیا ہوگا جو مذہب کا اصلی مدعا تھا۔ مثلاً برہمنوں کے مذہب میں صبح کو نہانا اور خاص اوقات پر صندل اور گھی وغیرہ جلا کر ہون کرنا نہایت تاکیدی فرض ہے۔ اور پرانے خیال کے ہندو اس فرض کو بہاعث عقیدت کے بغیر اسکی وجہ کا سوال کرنے کے بجا لاتے ہیں مگر حال میں جو مذہب کی ہر ایک مخفی سے مخفی حکم کا عقلی سلسلے میں ڈھونڈنا اور اسکی لِم کو دریافت کرنا ایک عام بیدعتین ہوگیا ہے تو اس مذہب کے روشن خیال پیرو کہنے لگ گئے ہیں کہ غسل اور ہون بدن اور مکان کی صفائی کے واسطے فرض ہوا ہے اور ہمیں شک نہیں کہ غسل سے صفائی کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور شاید ہون سے بھی ایسا ہوتا ہو لیکن اگر ان دو نو فعلوں سے صرف یہی غرض ہو تو

اور پھر عمل کرنے اور اثر کو دیکھنے مین یہ بھی بڑی دقت ہے کہ انسانی طبائع کے اختلاف سے
ایک ہی عمل کا نتیجہ مختلف اشخاص مین مختلف شکلون مین ظاہر ہوتا ہے۔ وہی نماز ایک شخص کے
لئے ایک دن مین عرفان کا دروازہ کھول دیتی ہے اور دوسرے شخص کو سالہا سال مین ایک
جلوہ نظر نہین آتا یا کچھ معلوم ہوتا ہے تو اُسکے ساتھ کوئی آلودگی بھی موجود ہوتی ہے اور بعض اوقات

...کے علاوہ بھی کا اب
...کچھ عرصہ تک موجود
...رہنا بھی ضرور ہے۔

اسکی ضرورت اسی قدر مدد عالی ہے جس قدر کپڑے دھونے اور مکان مین سفیدی کرنے اور جھاڑ دینے
کی ہے۔ اور اگرچہ ایسے روشن خیال پرانے اثر کے سبب ابھی تک ان دو نو فعلون کا صفائی کے دیگر لوازمات
کی نسبت زیادہ اہتمام کرتے ہیں لیکن اگر غسل اور وضو سے محض یہی مطلب ہو اور نتائج ہو کر دلوں میں
راسخ بھی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اِن اعمال کی وہ عظمت شان نہ رہیگی جو حکم خدا ماننے کی صورت مین لوگون
کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور جس طرح جھاڑو دینا خدا تک پہنچنے کا ذریعہ نہین مانا جاتا یہ فعل بھی اس سطح پر
آجائینگے۔ اگرچہ ہم نہین کہہ سکتے کہ انکا حقیقی فایدہ کیا ہے مگر اس قدر تو ظاہر ہے کہ مذہب اور مذہبی
احکام محض دل سے تعلق رکھتے ہین اس لئے نہانا اور جھاڑو دینا یکسان قرار پاکر جو خیال خدا کا اور جو دھیان
اسکی ذات کی طرف اب اِن افعال کو بجالانے کے وقت ہوتا ہے وہ اس صورت مین کافور ہو جائیگا جبکہ اسکو محض
ظاہری صفائی کی نسبت کیا جائیگا اور جو نور خدا کے دھیان سے روح کو حاصل ہوتا ہے وہ اس وقت میسر
نہ آئیگا۔ اسی طرح اسلام مین حج بعد اسکے چار بڑے فرضون مین سے ایک ہے اور مسلمان ہر سال دنیا کے ہر گوشہ
سے نہایت شوق کے ساتھ یہ سعادت حاصل کرنیکے لئے جاتے ہین (اللھم ارزقنا ہ) مگر جو روشن خیالی آجکل
تمام دنیا مین پھیلی ہوئی ہے اسکی مسلمانون مین بھی کمی نہین چنانچہ ایسے لوگ خیال کرتے ہین کہ تمام عالم
کے مسلمانون کو سال مین ایک مرتبہ کسی مرکز پر جمع کرکے تبادلہ خیالات کرنے کیلئے یہ فرض قرار پایا ہے اور بیشک
یہ فائدہ بھی حج سے متصور ہے لیکن محض یہی فایدہ قرار دینے سے حج کی اسی ہی عظمت رہ جاتی ہے جو چھوٹے
پیمانہ پر سالانہ کانفرنسون اور کانگرسون کی ہے اور جیسا کہ آجکل خیال دوڑایا جاتا ہے اگر کبھی واقع مین
تمام دنیا کے مسلمانون کی ایک کانفرنس قرار پائے تو وہ بنی بنائی حج کی قایم مقام بلکہ نعم البدیل ہوگی اور
اگرچہ کانفرنسون والے ان جلسون کو مقدس اور معظم ثابت کرنے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کرنے

اِس آلودگی کو عین معرفت سمجھ لینے سے اور اپنے تئین خدا رسیدہ جاننے سے ایسی معکوس ترقی ہوتی ہے کہ وہی خدا کا بندہ کسی وقت بالکل شیطان کا بندہ بن جاتا ہے اِس لئے علاوہ اُس دستور العمل کے جس کو شریعت کہتی ہین اور علاوہ اُن دلائل کے جو اسکی ترجیح اور فوقیت کے لئے پیش کیجا ئین کسی ایسے شخص کا موجود ہونا بھی ضرور ہے جو ذاتی طور پر ان کیفیتون سے واقف ہو اور ہر حالت کو اور اُسکی صفائی یا آلودگی کو پہچان سکے اِس وجہ سے نبی کا شریعت کی تعلیم دینے کے علاوہ کچھ مدت تک اُن لوگون مین موجود رہنا بھی ضرور ہے تا ان اعمال کی بجا آوری سے جو حالات پیش آئین اور جو نقص یا خوبیان مختلف طبیعتون مین پیدا ہون وہ انکی نسبت اپنے تجربے سے ہدایات دیتا رہے۔ اِسی طرح پر اس دستور العمل کے علم سے اور اس پر عمل کرنیسے اور اپنے رہنما کی صحبت کا فیض لینے سے اس کے متبعین کا ایک ایسا گروہ تیار ہو جاتا ہے جن کے دل صاف ہو کر تجلیات ربانی سے معمور ہون اور پھر آئندہ کیلئے وہ لوگ نبی کے قائم مقام ہو کر دوسرون کو اپنے تجربون سے فیضیاب کرتے رہین۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶

مگر ظاہر ہے کہ ان مین شامل ہو کر خدا کی طرف وہ عاجزانہ توجہ نہین ہوتی جو اعمال مذہبی مین ہوا کرتی ہے وہان قدم رکھا جاتا ہے تو سو ادب سے اور اُٹھایا جاتا ہے تو ہزار احتیاط سے اور دل مین خیال ہوتا ہے کہ اِن کامون مین قدم ہوتی بجائے آنکھوں سے اور جسم کی بجائے جان سے کام لیا جائے تو بھی کم ہے اور یہان قومی جلسون مین جو بات ہوتی ہے۔ تعلقہ سے اور جو کام ہوتا ہے۔ طنطنہ سے۔ پس اگر حج کو اُسکے اپنے درجہ سے گرا کر محض یا ن مسلم لیگ یا عام اسلامی انجمن قرار دیا جائے تو اس خیال کو دل مین جما کر اسکو بجا لانے کے وقت خدا کی عظمت و حرمت کا وہ نقش نہ ہوگا جو محض حکم ربانی ماننے کی صورت مین نقول سمجھے سادہ لوح مسلمانوں کے دل پر ہوتا ہے۔ پس اگرچہ مذہبی احکام کی وجہ تلاش کرنا بعض اوقات اپنے اطمینان کیلئے اور اکثر اوقات دوسرون کو ترغیب دینے کیلئے بڑی حد تک مفید ہے اور اس لئے ان بزرگوارون کی ایسی کوشش قابل شکریہ ہے مگر اسمین اتنی ترمیم ضرور ہونی چاہئے کہ جو وجہ تلاش کیجائے تو مذہبی حکم کو محض اسی پر منحصر نہ سمجھا جائے بلکہ یون ظاہر کیا جائے کہ منجملہ اُن فائدون کے جو خدا کے اس حکم مین روحانی صفائی اور حصول معرفت کے متعلق ہین ایک فائدہ یا بعض اوقات ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے"۔

مدارج قیادت و ہدایت ضرورت

لیکن چونکہ نبی کا دل دنیوی آلودگیوں سے بالکل صاف اور تجلیات الٰہی سے کامل طور پر بہرہ یاب ہوتا ہے اس لیے جو کام وہ تنہا کرسکتا ہے اُس کو اس کے متبعین باہم تقسیم کرکے پورا کرسکتے ہین چنانچہ اُن مین سے بعض احکام شریعت کی تفصیل اور تشریح اور انکی تعلیم مین مصروف رہتے ہین اور علماے دین کا لقب پاتے ہین اور بعض کشف و مراقبہ مین منہمک ہوکر اپنی صحبت سے طالبان حق کے عرفانی عقدون کو حل کرتے رہتے ہین اور اہل تصوف کے نام سے مشہور ہوتے ہین اور انکی وساطت سے علم عمل اور صحبت کا ایک سلسلہ قایم ہوجاتا ہے اور آفتاب وحدت کا نور کبھی آئینہ قلب کی وساطت سے دیکھنے کی عملی صورت پیدا ہوتی ہے اس لیئے مذہب مین جس طرح ان روحانی تجربون کو جن کو عبادت کہتے ہین نور معرفت حاصل کرنیکا وسیلہ مانا جاتا ہے۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ (بقرہ پارہ ۱ ع ۵)

اور صبر اور نماز سے مدد لو- اور یہ بہت ناگوار ہوتی ہے مگر خدا سے ڈرنیوالون کو ناگوار نہین۔

اسی طرح ان تجربہ کرنیوالے رہنماؤن کو بھی واسطہ گردان کر اُن کا دامن پکڑنیکا حکم دیا جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (مائدہ پارہ ۶ ع ۶)

اے ایمان والو پرہیزگاری اختیار کرو اور خدا کی طرف آنیکے لئے وسیلہ پکڑو اور اس کے رستہ مین کوشش سے کام لو تاکہ تم فلاح پاؤ

اور ان کی ہدایتون کو جن کو سٹرپاٹرک پرانی دستاویزین کہتے ہین تسلیم کرنے کے بغیر کمال معرفت سے ناامید قرار دیا جاتا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِنْ شَيْءٍ (انعام پارہ ۷ ع ۱۱)

انہون نے جیسا چاہئے خدا کو نہین پہچانا جو کہتے ہین کہ خدا نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل نہین کی۔

مگر آہ انسان اکثر حالات مین خود پسندی اور تکبر سے ایسا مغلوب ہوجاتا ہے کہ وہ کسی کو اپنے سے بہتر سمجھنا گوارا نہین کرتا جن مین یہ مرض نہایت شدت سے موجود ہے وہ اپنی شان کے آگے خدا کی خدائی کو بھی پسند نہین کرتے اور بمجبوری خدا کا اقرار کرتے ہین وہ چونکہ اسکی طرف سے

فیضان نور کے اہل نہیں ہوتے نہیں برداشت کرتے کہ کوئی اور اس نعمت سے متمتع ہو اور یوں وجود
انبیاء سے منکر ہو جاتے ہیں اور اگر کسی وجہ سے ایسے لوگوں کا لوہا مان لیتے ہیں تب بھی اپنی
عقل و تدبیر پر ایسے فریفتہ ہوتے ہیں کہ جہلا کے لئے اُنکی ضرورت ہو تو ہو مگر اپنے جیسے فلاسفروں
کو ان سے بے نیاز مانتے ہیں اور جو اپنے تئیں ان سے بے نیاز نہیں مان سکتے وہ ایک
اور صورت سے اپنی خود پسندی کا اظہار کرتے ہیں کہ نبی کے اقوال کو واجب العمل گردانتے ہیں
مگر اُس کے وجود کا فیض تسلیم نہیں کرتے اور انوار صحبت کو بے اصل ٹھیرا کر مغز معرفت سے ناآشنا
رہجاتے ہیں اور جو اس وادی میں بھی قدم رکھتے ہیں اور قلوب مصفّا سے انعکاس حاصل کرنے
کے بغیر چارہ نہیں دیکھتے وہ بھی بالطبع اپنی عظمت پر گرویدہ اور قلادہ اطاعت کو اُتارنے
کے مشتاق رہتے ہیں اِسلئے چند ابتدائی جلووں بلکہ چند ابتدائی اصولوں سے واقف ہو کر
جن میں اُنکی اپنی نفسانی آلائشوں کا بھی بہت کچھ دخل ہوتا ہے اپنے تئیں بحر معرفت کا
شناور سمجھ کر عین دریا میں خشک لب رہ جاتے ہیں اور سب سے زیادہ حسرت و ناکامی کا شکار
بنتے ہیں۔ غرض نہایت افسوس سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جو گوہر شب چراغ روز میثاق سے
انسان کی جیب تمنّا میں رکھا گیا تھا اسکی سچی روشنی سے بہت کم حوصلہ مندوں نے فائدہ
لیا ہے اور بہت ہی کم سلیم المزاج ہیں جنہوں نے اوروں کے فضل و کمال کو اپنے لئے ثابت کرنیکا
بے استحقاق دعوی نہ کیا ہو۔ سچ ہے۔

وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ (ص پارہ ۲۳ ع ۲)

اور بیشک بہت سے ہم لوا ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں مگر جو ایماندار اور نکوکار ہیں وہ ایسے نہ ہوں گے لیکن وہ بہت ہی کم ہیں

وحی و رسالت

غرض گذشتہ تحریر میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ وحی ایک مالاتر ہستی کا
تجربہ ہے جسمیں فاعلیت اور حرکت کا آغاز اس ہستی کی جانب سے ہے اور انفعال و قبول
اثر انسان کیطرف سے اور اس تجربے سے اُسکو وہ قاعدے معلوم ہوتے ہیں جن پر عمل کرنے سے

اور لوگ معرفت الٰہی حاصل کر سکین اور اسمین تعلق چونکہ محض روح انسانی اور خدا کا ہے
اس لیے انسانی جسم اور جسمانی حواس کو اس انکشاف مین دخل نہین ہوتا یعنی کوئی زبان
سے بولنے والا اور دوسرا جسمانی کانون سے سُننے والا نہین ہوتا مگر اس وجہ سے کہ جسم
اور جسمانی حواس کا اس مین کوئی دخل نہین ہوتا مسٹر پارکر کا یہ نتیجہ پھر بھی غلط ہے کہ وحی
مین الفاظ نہین ہوتے - وہ وجہ یہ بیان کرتے ہین کہ "الفاظی وحی مفرد خیالات کو جیسے
خدا، انصاف، محبت، مذہب وغیرہ مین ظاہر نہین کرسکتی اور الفاظ سے ان خیالات کو
ادا کرنا ویسا ہی ہے جیسے کسی لفظ سے ایک بہرے آدمی کو آواز کا خیال دلوانا" لیکن اگرچہ اِس
مین شک نہین کہ خدا کی ذات وصفات اور اسکی صفات کا ظہور انسانی عقل سے بالاتر ہے اس لیے
معرفت الٰہی کے متعلق جو وحی خدا کی طرف سے انسان کے قلب پر ہوتی ہے اسکی حقیقت اور
کیفیت کو وہ لوگ ہرگز نہین سمجھ سکتے جو اس سعادت سے بے بہرہ ہون مگر جب عقلی دائرہ مین
محدود ہو کر اس مسئلہ کے متعلق غور کیا جائیگا تو لامحالہ انسانی فطرت اور اُس کے خواص کو پیش
نظر رکھ کر فیصلہ کرنا ہوگا اور جب تک چاشنی معرفت حاصل نہ ہو اسی تحقیق پر اکتفا کرنا ہوگا اور
جب انسانی فطرت کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جبتک روح کو جسم سے تعلق ہے انسانی
فطرت کا یہ ایک عجیب تقاضا ہے کہ جو خیالات دل مین گذرتے ہین خواہ وہ بیرونی دلائل اور تجربون
کی بنا پر ہون یا وہبی طور پر دفعۃً پیدا ہون انسان کے دماغ مین انکا ظہور بعینہ اسی صورت پر
ہوتا ہے جس طرح ان کو بیان کرنے کے وقت زبان پر یعنی وہ معانی الفاظ کا لباس پہنے ہوئے
ظاہر ہوتے ہین اور انسان اپنے دل سے اسی طرح باتین کیا کرتا ہے گویا کسی غیر سے ہم کلام ہے
اور اگر کوئی شخص ایسی سوسائٹی مین پرورش پائے جسمین مختلف زبانون کے لوگ موجود ہون اور
اور اس وجہ سے اسکو اپنے رفقا کی تمام زبانون مین گفتگو کرنے کی قدرت حاصل ہو تو اس وقت یہ معلوم
کرنے کیلئے کہ اس شخص کی مادری زبان کونسی ہے یہی ایک ذریعہ ہے کہ اپنے دل سے باتین کرنیکے وقت
جس زبان کو وہ استعمال کرتا ہو یا تنہائی مین خدا سے مناجات کرنے کے وقت جو الفاظ اس کی زبان

پر آتے ہوں اُنہی کو اُسکی مادری زبان قرار دیا جائے۔ مسٹر آر ویائٹ لکھتے ہیں کہ "میں
یہ خیال کرو کہ میں الفاظ کو محض خیالات کی گاڑی یا صرف آواز سمجھتا ہوں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔
بلکہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ دماغی نظم و نسق میں الفاظ اس سے بھی زیادہ مہتم بالشان خدمت ادا کرتے
ہیں جب ایک طالب علم کو جس کا نام نہ لیا جائیگا (اس سے غالباً انکی اپنی ذات مراد ہے) کالج کے
پرنسپل نے پوچھا کہ برخوردار تم کس بولی میں خیال کیا کرتے ہو تو لڑکے کو یہ سوال ایک معما معلوم ہوا اور وہ
حیران رہ گیا۔ کیونکہ اس وقت تک وہ بولی کو محض اس چھوٹے سے عضو یعنی زبان سے متعلق سمجھتا تھا اور
میں یقین کرتا ہوں کہ اس کو اسی وقت معلوم ہوا کہ بولی اور خیال میں بھی تعلق ہوا کرتا ہے۔ بیشک
ہم سب چھوٹے بچے سے لیکر بوڑھے آدمی تک کسی نہ کسی بولی میں خیال کیا کرتے ہیں اور میں حقیقت
خیال کرنا کم و بیش بے خبری میں اپنے آپ سے گفتگو کرنا ہے۔ اس سوال کا فیصلہ کرنے کے بغیر کہ شیرخوار
بچے اور کم درجہ کے حیوانات خیال کرتے ہیں یا نہیں اور یہ کہ ہماری دلی گفتگو خیالات کی پیرو ہے
یا اُس کے ساتھ ساتھ چلنے والی موجودہ مدعا کے لئے ہم سمجھتے ہیں کہ بولی خیال کیلئے قریباً دائمی
ہمرکاب اور اسکی زندگی اور روح ہے اور وہی ایک ذریعہ ہے جس سے خیال شکل پکڑتا ہے اور پختہ اور
مشخص ہوتا ہے۔ الفاظ زبان سے بولے جائیں یا نہ بولے جائیں وہ خیال کی حد بندی کرتے ہیں اور
الفاظ کے بغیر سوائے اس کے بے سنگٹ کہتے ہیں کہ غیر معین آرزوئیں و دھندلے تصورات اور ابتدائی
امیدیں دماغ کے سامنے آتی ہیں اور اس طرح گم ہو جاتی ہیں جیسے صبح کے وقت شبنم اور پیچھے
کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔"

پس خدا اور محبت وغیرہ اگرچہ سادہ اور مفرد خیالات ہیں لیکن انسان اپنی فطرت کے رو سے
مجبور ہے اور یہ خیالات اُس کے ذہن میں الفاظ کے بغیر آ ہی نہیں سکتے اور غالباً یہ بھی ایک
سبب ہے جس سے خدا کا خیال مختلف اوقات میں مختلف الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہوگا کیونکہ الفاظ اور
زبان بھی انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی ہے پس جس وقت یا جس قوم میں ہر قسم کا مدعا
ظاہر کرنے کیلئے الفاظ نہ ہوں گے اُس وقت کے لوگ بھی چونکہ الفاظ کے بغیر اس ہستی کا خیال

؎ دیباچہ سونشی ڈکشنری صہ ۳ سنہ ۱۹۰۱ء

نہ کر سکتے تھے اس لئے کبھی کسی بڑے عجیب درخت یتھر یا جانور کے نام سے اور کبھی کسی قابل تعظیم انسان کے نام سے اور کبھی سب سے زیادہ قابل عظمت رشتہ یعنی باپ کے لفظ سی یہ تصور ذہن مین قایم ہوا ہوگا اور بعد مین غلط فہمی سے اس نام کا درخت یا انسان معبود گردانا گیا یا خدا کے ساتھہ باپ کہکر پکارنیوالیکو بھی بیٹا بناکر خدائی منصب مین شریک سمجھا گیا ہوگا۔ غرض انسانی فطرت کو دیکھتے ہوئے کسی طرح ممکن نہین کہ قلب پر وحی کا نزول ہو اور اس کے ساتھہ الفاظ نہ ہون مگر بعد مین وحی کی اشاعت کرنیوالون کیطرف سی یہ کوتاہی اکثر ہوئی ہے کہ الفاظ وحی کو محفوظ نہین رکھا گیا بعض اوقات اون کو بالکل بھلا دیا گیا ہے اور کبھی اپنی غلط یادداشت سی اسمین کمی بیشی کر دیگئی ہے یا کبھی ترجمہ در ترجمہ ہوتے ہوتے اصلی الفاظ گم ہو جانے پر مضمون کچھ کا کچھ ہو گیا ہے اور یہ سعادت بہت کم خوش نصیبون کو حاصل ہے کہ الفاظ وحی کو من و عن بے کم و کاست یقینی طور پر محفوظ رکھین ۔

باب چہارم

ملائکہ ۔ معراج ۔ معجزہ

ملائکہ ۔ روحانی مناظر ۔ روحانی مناظر کا قاعدہ ۔ قوائے قدرت کے محل کا قاعدہ ۔ واقعات عالم کا عام قاعدہ ۔ نتیجہ ۔ ارواح مجردہ کی نسبت مسٹر مائرس کی رائے سیوفگٹے کا استدلال ۔ حیات اور شیطانی وحی ۔ معراج کے متعلق تمہید ۔ دل را بدل رہیست ۔ قلبی رابطہ سے کسی واقعہ کا علم ہونے پر روح اپنے مئیں وہاں موجود سمجھتی ہے ۔ روح کیلئے فاصلہ کوئی چیز نہیں ۔ معراج کی ایک توجیہ ۔ معراج کے متعلق ابھی کچھہ اور بھی پتہ چلنا ہے ۔ روح کا اثر جسم پر ۔ روحانی اثر سے جسم مین تغیر پیدا کرنا ۔ روحانی اثر سے مردہ جیسا بھیس کیا جا سکتا ہے ۔ روحانی اثر سے جسم مین ارادی حرکت پیدا کرنا ۔ روحانی اثر سے جسم کا بلا ارادہ حرکت کرنا ۔ اس طاقت کا انکار اور اُسکی وجہ ۔ میز کی حرکتین ۔ انسان کی حرکت اور آگ کا تجربہ ۔ سر ولیم کروکس کے تجربے ۔ ڈاکٹر سبلٹ کے تجربے مسٹر موہن کے متعلق ۔ روحانی عمل کیلئے تاریکی مناسب ہے ۔ روحانی اثر سے جسم کی حرکت ناقابل انکار ہے ۔ روحانی اثر سے حرکت پیدا ہونیکی وجہ معلوم نہین ہو سکتی ۔ ارادہ سے حرکت پیدا ہونیکی علت بھی نامعلوم ہے ۔ جسم کا جسم کو حرکت دینا بھی ایک راز ہے ۔ روحانی اثر اس زمانہ مین کمتر نظر آتے ہین ۔ معجزہ ۔ یقین کیلئے کسی واقعہ کا ثبوت ضرور ہے نہ کہ سبب کا دریافت ہونا ۔ روحانی طاقتین مہاتما بدھ کی زبان سے ۔ معراج جسمانی روحانی عمل کیلئے قاعدون کی تعلیم ضروری نہین ۔

ملائکہ

اکثر الہامی مذاہب وحی کیلئے اور دنیا کے دیگر کاروبار کےلیئے علاوہ اُن طاقتون کے جن کو عقل اور حواس دریافت کر سکتے ہین اور مخفی طاقتین بھی مانتے ہین جو خدا مین اور محسوسات مین بطور واسطہ کے کام کرتی ہین اور فرشتہ یا ملائک یا دیوتا کے نام سے نامزد ہین وہ سمجھتے ہین کہ شلاً بارش کیلئے اور تقسیم ارزاق کیلئے خدا کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے ۔ موت کیلئے علیحدہ فرشتہ

متعین ہے انبیا کو پیغام الٰہی پہنچانے کیلئے ایک اور فرشتہ مامور ہے اور اسی طرح عذاب ثواب اور دیگر کاروبار کیلئے جداگانہ فرشتے ملنے جاتے ہین لیکن چونکہ یہ طاقتین احساس کی گرفت سے باہر ہین اسلئے اہل عقل کو انکی نسبت شک ہونا لازمی امر ہے چنانچہ اکثر عقلا ان کے وجود سے بالکل منکر ہین اور ایسے اعتقاد کو جاہلانہ ضعیف الاعتقادی سمجھکر انسان کے دامن عقل پر اسکو ایک بدنما داغ جانتے ہین اور بعض جو مذہب کے پابند ہین اپنی عاقلانہ نفرت کے سبب سے اسکو ماننے کیلئے تیار نہین ہین اس سلئے اپنی اپنی استطاعت کے موافق اُن اقوال مذہب کی جنمین فرشتون کا ذکر ہے تاویل کرتے ہین اور اُن اقوال سے محسوس مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہین۔ غرض فی زمانہ علمی دُنیا کا یہ عام میلان ہو رہا ہے کہ فرشتون کے معنی اور ہون تو ہون مگر کوئی علیحدہ نامحسوس مخلوق ہرگز موجود نہین ہے چنانچہ مسٹر پارکر نے جو مسئلہ وحی و نبوت کو حل کرنیکی کوشش کی ہے اسمین ایسی مخلوق کی ضرورت نہ رہنے پر فخر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "خدا اور بندہ کے مابین کوئی واسطہ اور فرشتہ حائل نہین ہے کیونکہ بندہ بذات خود عرض کر سکتا ہے اور خدا بذات خود سُن سکتا ہے جو شخص ذریعہ مختار التجا کرنیکی ضرورت نہین رکھتا اُسکو نوع انسان کی وکالت کرنیکے لئے کسی اور وکیل کی ضرورت نہین" اس وقت جو دلیل مسٹر پارکر نے پیش کی ہے وہ میرے خیال مین دعوی پر چسپان نہین کیونکہ وحی جیسا کہ مینے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے انسان کی محض اپنی کوشش کا نتیجہ نہین ہے جس کو التجا اور عرض کرنے سے تشبیہ دیجاوے بلکہ وہ خدا کی طرف سے فاعلانہ توجہ ہے اور انسان اپنی استعداد کے موافق اُسکا معمول اور متاثر ہوتا ہے پس اسوقت دیکھنا یہ ہے کہ کوئی بالاثر لطیف اور قوی ہستی کمتر کثیف اور ضعیف ہستی پر فاعلانہ اثر کیون کر کرتی ہے۔ اس طرح پر غور کرنے سے جو قانون قدرت دریافت ہوگا عقلی دائرہ مین محدود ہو کر وہی قانون خدا کے اس فاعلی اثر یعنی وحی کے لئے بھی ماننا پڑیگا۔

روحانی مناظر

وہ روحانی منظر جو قدیم الایام سے لیکر آجتک بھوت، پریت، ہمزاد، روح، خیال واہمہ وغیرہ نامون سے مشہور چلے آتے ہین اُنکی اصلیت چاہے کچھ ہو مگر ان کا لوگون کو ہر ملک اور ہر زمانہ مین گاہ گاہ نظر آنا اور لوگون کا اپنی اپنی سمجھ کے موافق انکی وجہ قرار دینا اس کثرت سے

مروی ہے کہ ایسے واقعات ہو نہیں سکتا اور محض اس بنا پر کسی زمانہ میں ایسے مناظر کو قطعاً بے اصل اور خیالی مان لیا گیا ہے اُن واقعات کی نسبت غور کرنیوالے انکی وجہ دریافت کرنے اور اُن سے کوئی مفید سبق لینے سے باز نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ علاوہ اُن ملکون کے جہان ایسے مناظر کو جنات فرض کرکے حاضرات وغیرہ عملون سے اپنے خیال کے مطابق اُن سے علاج معالجہ کا کام لیا جاتا ہے۔ مہذب ممالک مین عاملانِ مسمرزم۔ تھیوسافیکل سوسائٹی اور سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ وغیرہ بہت سے گروہ پیدا ہوتے رہے ہین جنہون نے اِن واقعات پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی ہے اور اگرچہ یہ کام تکمیل کو نہین پہنچا اور نیز اگرچہ ابھی تک اِن فرقون میں باہم بہت کچھ اختلاف ہے مگر تلاش و تحقیق سے یہ نتیجہ یقینی پیدا ہوا ہے کہ ایسے واقعات غلط افواہ اور جھوٹ نہین ہین اور دوسرے یہ کہ انسان کے اندر بہت سی مخفی طاقتین ہین جو خاص خاص حالات مین عجیب اثر پیدا کرتی ہین مسٹر لیڈ بیٹر لارڈ لٹن کی کتاب اے سٹرینج سٹوری سے نقل کرتے ہین کہ[1]

اس کتاب کو دیکھنے والے جو شخص ہوں یا ہیں اِن مین سے نسبتہً بہت زیادہ ایسے ہونگے جنہون نے کم از کم تمام عمر میں ایک دفعہ ضرور کوئی ایسا واقعہ دیکھا ہوگا جس نے انکی عقل کو متحیر کر دیا ہو اور جو سرور اس قسم کے خیالات تک لیگیا ہو جن کو سوپرسٹیشن یا ضعف الاعتقادی کہتے ہین۔ ممکن ہے کہ کوئی خواب ہی ہو جس مین کوئی اطلاع یا پیشین گوئی ہو اور جو تصرف مختلف سے ہی مت شمار ہو سکے بلکہ اسکو تصرف جنات یا روحانیات میں شامل ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ لوگ خواہ کیسے ہی تعلیمیافتہ ہون کیسے ہی مہذب ملک اور روحانیات سے انکار کرنیوالے زمانہ میں ہون انکی معتبر تعداد نے ایسے مناظر ضرور دیکھے ہون گے یا بالکل قابل اعتماد شہادت سے سُنے ہونگے جن کو تمسخر مین اُڑا سکے ہون کے اور نہ عقل اور فلاسفی سے اس کو حل کر سکتے ہون گے اور ایسے مناظر کا شمار اس تعداد سے بہت زیادہ ہے جنکی روایتین بیان کیجاتی ہین اور ہنسی مین اُڑائی جاتی ہین کیونکہ جو لوگ انکو دیکھتے ہین ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو انکی طرف توجہ کرتے اور دیکھنے والے

[1] کتاب آور سائڈ ٹیف وتھم باب ۲ صفحہ ۱۶۴ سنہ ۱۹۱۲ء

بھی خواہ وہ کیسے ہی قابل یقین ذریعہ سے سنیں اس پر یقین کرنے سے بدیں وجہ گریز کرتے ہیں
کہ وہ عوام الناس میں سبکی مزاج قرار پائینگے کیونکہ عام خیال ایسے مناظر کے برخلاف ظلم کی حد تک پہنچا
ہوا ہے لیکن جو شخص میرے اس اصرار کو اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھ کر پڑھیگا وہ غور کریگا اور اپنے حافظہ کو ڈھونڈیگا
ٹٹولیگا اُس کے کسی نہ کسی گوشہ میں ایک خواب یا یادداشت ضرور پائیگا جو اُسکے نزدیک نادر اور بیہودہ
ہوگی اور جو میرے بیان کو درست ثابت کریگی"

(آگے مسٹر لیڈبیٹر کہتے ہیں کہ) ہمارے زمانے میں تھیوسافیکل سوسائٹی اور سوسائٹی فار سائکیکل
ریسرچ کی بدولت ان مضامین کو لارڈ لٹن کے وقت کی نسبت زیادہ قرین عقل سمجھا جاتا ہے
اور ہم انکی نسبت زیادہ عمدگی اور توضیح کے ساتھ بیان کرنیکے قابل ہیں مگر جو کچھ لارڈ لٹن نے لکھا ہے
وہ اس کے زمانے میں جس قدر صحیح تھا اُسی قدر اب بھی ہے"

مسز کرو ایسے واقعات کی بڑی تعداد جمع کرنیکے بعد اپنی کتاب کے آخر میں نتیجہ نکالتی ہوئی لکھتی ہیں †
میرا بھی خیال ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ روح ہیں اور اُن کو یہ خیال کرنے کی عادت ہو جائے کہ جسم
سے علیحدہ بھی انکا کوئی تشخص ہے تو نہ صرف آئندہ زندگی کو سمجھنے کی بہتر قابلیت پیدا کرلیں گے بلکہ انکو
یہ سمجھ لینا بھی کچھ مشکل نہ معلوم ہوگا کہ جس طرح وہ ایک طرف دنیا سے تعلق رکھتے ہیں بالکل اسی طرح
کا تعلق انکو دوسری طرف روحانی عالم سے ہے اور اس لئے وہ عجیب قابلیتیں جو بعض ارواح کیطرف سے
بعض موقعوں پر اور خاص حالات میں وہ ظاہر ہوتی دیکھتے ہیں بالکل قرین قیاس ہے کہ وہ بھی انہیں
ان خواص کی ہوں جو روح میں ودیعت ہیں اور جو عارضی طور پر جسمانی تعلق کے سبب پوشیدہ ہوگئے ہیں"

روحانی مناظر کا قاعدہ

غرض روحانی طاقتوں کا تجربہ اس کثرت سے ہوا ہے کہ ان کے وجود ہی انکار کرنا بقول مسٹر ہڈسن ‡ انکار

---

† کتاب نائٹ سائڈ آف نیچر باب ۱۸ صفحہ ۴۹۹ سنہ ۱۸۶۰ء

‡ مسٹر ہڈسن لکھتے ہیں میں اپنے یا اوروں کے تحریروں میں ایسے واقعات کا بیش از بیش ثابت کرنیکی کوشش میں اپنا وقت ضائع نہ کروں گا اس کام کا وقت گذر چکا۔ مہذب دنیا کو یہ واقعات ایسے معلوم ہیں کہ ثبوت کی ضرورت نہیں۔ آج جو شخص روحانی مناظر کا انکار کرے وہ منکر نہیں محض جاہل ہے اور ایسے شخص کے خیال کو روشن کرنے کی کوشش بارور ہونے کی کوئی امید نہیں۔ (لا آف سائیکک فینامنا باب ۱۴ صفحہ ۲۰۶ سنہ ۱۸۹۲ء)

نہین جہالت ہی اور اتفاقی واقعات کو دیکھتے دیکھتے کچھ قاعدے اور شروط بھی دریافت ہوگئے
ہین جن سے مسمریزم کرنیوالے اکثر اوقات اپنے ارادہ سے ان تماشون کو دکھلا دیتے ہین بلکہ ان سے
سلب امراض وغیرہ کا بہت بڑا کام بھی لینے کے قابل ہوگئے ہین اور منجملہ اُن قاعدون کے
جو روحانی طاقتون کو ظاہر کرنیکے لئے دریافت ہوئے ہین ایک سب سے بڑا اور ضروری قاعدہ یہ ہے
کہ ایسا عمل کرنیوالے پرانے حاضرات والون کیطرح کسی کسی شخص کو اپنا معمول ٹھیراکر اسکو اپنے روحانی اثر
سے بیہوش کرتے ہین اور پھر اسکی وساطت سے دور دور کی خبرین اور مخفی راز دریافت کرتے ہین دور دراز
کی چیزین منگوا لیتے ہین اور کئی طرح کے شعبدے دکھاتے ہین† ۔ یا دوسرے پر عمل نہین کرتے اور براہ راست
اپنی طاقت کا کرشمہ دکھاتے ہین تو بھی اُسوقت وہ پورے طور پر ہوش وحواس مین نہین ہوتے بلکہ
ضرور ہے کہ ایکطرح کی بیخودی جسکو ھپناٹزم کہتے ہین ان پر طاری ہو* وجہ یہ کہ جسم اور جسمانی تعلقات
کثیف ہین اور راز چونکہ مخفی ہین اِس لئے اس کثافت کے ساتھ وہ دریافت نہین ہوسکتے اِس لیئے
یا تو خود عامل کو بیخود ہوکر جسمانی کثافت سے قطع تعلق کرنا اور کسیقدر لطیف ہونا ضرور ہوتا ہے اور یا براہ
راست اثر ڈالنے کی بجائے ایک واسطہ سے کام لینا پڑتا ہے اور وہ واسطہ بھی عموماً بچون یا عورتون
کو ٹھیراتے ہین اس لیئے کہ انکی روحین جوان مردون کی نسبت کسی قدر لطیف ہونے کے سبب اور
پھر بیہوش ہوکر اور بھی رازون کی پوشیدگی سے قریب تر ہوتی ہین اور اس طرح عامل کی روح جو
جو ہوش وحواس مین ہونیکے سبب کثافت رکھتی ہے اور دوسری چیزون مین جو مخفی ہونے کے سبب
کثیف روح کے تصرف مین نہین آسکتین ایک واسطہ جو عامل کی نسبت لطیف تر ہے حائل کرنا پڑتا ہے
غرض یہ کہ کثیف سے لطیف کیطرف جانا ہو تو لطافت کا ایک درجہ درمیان مین لانا ضرور ہے اور
کثیف دفعۃً لطیف تک نہین پہنچ سکتا۔

---

† تفصیل کیلیئے ملاحظہ ہو کتاب لا آف سائیکک فینامنا مصنفہ مسٹر ھڈسن اور کتاب آدر سائڈ آف ڈتھ
مصنفہ ریورنڈ لیڈبیٹر جس اکثر تجربے مصنف کے چشم دید ہین ۔

* تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب لا آف سائیکک فینامنا اور بالخصوص مسمریزم اور کتاب ھیومن پرسنلٹی
مصنفہ مسٹر ایف ڈبلیو ایچ مائرس ۔

قوائے قدرت کے عمل کا قاعدہ

یہ تو وہ قاعدہ ہے جو انسانی روح کے اثر کے واسطے مقرر ہے اب قدرت کے دوسرے کاموں کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حرارت روشنی کشش ثقل وغیرہ لطیف طاقتیں جو آفتاب سے یا دیگر سیاروں سے ایک دوسرے تک پہنچتی ہیں ان کا اثر بھی بغیر لطیف واسطے کے مانا نہیں جاتا بلکہ ایتھر جو فضا میں پھیلا ہوا ہے اُسکی حرکت کا ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے نیوٹن کہتا ہے کہ ان طاقتوں کا بوساطت خلا سمجھ میں نہیں آتا اس پر ڈاکٹر سٹیلیسر اعتراض کرتے ہیں کہ ایتھر خود متخلخل ہے۔ پس اسکی ایک جزو سے دوسری جز تک جو فاصلہ ہے اُسمین روشنی وغیرہ کی حرکت کیونکر ہوگی ؟ ان کے اعتراض کا رُخ مسئلہ پر خلاف روشنی ڈالنے کی بجائے اِس طرف ہو کہ ایتھر کے اجزا کے مابین کوئی اور اس سے بھی لطیف واسطہ ہونا چاہیے جس سے آفتاب کا اثر پہنچ سکے۔

دائرہ عالم کا عام قاعدہ

اس کے بعد عام پیدائش کے قاعدوں کو دیکھا جائے تو یہ بڑے بڑے کُرّے جو فضا میں دوڑتے پھرتے ہیں اور کروں کے اندر یہ بڑے بڑے پہاڑ اور دریا اور درخت اور حیوانات غرض جسقدر جسمانی اشیا نظر آتی ہیں قدرت نے اُن کو پیدا کرنا چاہا ہے تو پہلے نہایت لطیف اور نامحسوس ذرّوں سے کام شروع کیا ہے† اور پھر اُن کو باہم مرکب کرنے سے اور گیس اور سیال اور کئی کئی طرح کے مراتب طے کرنے سے لطافت بتدریج کم ہوتی گئی ہے اور کثافت بڑھتے بڑھتے یہ چاند سورج اور زمین جیسے اجسام پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کے بعد فرداً فرداً ہر ایک نوع کو دیکھا جائے تو بڑے بڑے درختوں کا کام چھوٹے چھوٹے تخموں سے اور دیوہیکل حیوانات کا کام ایک قطرہ منی سے شروع ہوتا ہے اور اس کے علاوہ یہ موسلا دھار بارشین، ہلاک کرنیوالے اولے اور تباہ کرنیوالی برفین سب لطیف بخار سے پیدا

---

* کتاب فرسٹ پرنسپلز مصنفہ ہربرٹ سپنسر باب ۳ صفحہ ۵۹ سنہ ۱۸۸۰ء

† یہ ذرے اس قدر چھوٹے ہیں کہ مادہ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ جو محسوس ہو سکے اسمین ابتدائی ذرے پانچ کروڑ سے زیادہ تخمینہ کئے گئے ہیں (کتاب ریلیجن آف نیچر پارٹ دوم صفحہ ۲۹ سنہ ۱۸۹۲ء) اور چونکہ بعض مذاہب میں مادہ کو خدا کی پیدائش نہیں مانا جاتا اور اس کتاب میں اس وقت تک اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے اس لیئے درست یہان ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے کسی کو اختلاف نہو کیونکہ وہ ذرات مخلوق ہوں یا قدیم ہمین کلام نہیں کہ دیگر مرکبات کے بنانے میں کام انہی سے شروع ہوا ہے۔

ہوتی ہیں اور ایک لطیف واسطہ یعنی حرارت آفتاب اُن میں عمل کر رہا ہے۔ غرض کثیف اور لطیف کا باہمی تعلق دیکھا جائے تو ہر جگہ یہی نظر آتا ہے کہ لطیف اور کثیف میں لطافت اور کثافت کے بین بین کوئی اور واسطہ ضرور ہوتا ہے اور کثیف کی پیدائش کو دیکھا جائے تب بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس کثیف کی نسبت لطیف تر درجہ سے شروع ہو کر بتدریج مطلوبہ کثافت بہم پہنچائی جاتی ہے۔

اب اگر خدا کوئی ہستی ہے اور اگر وہ ایک طرف عالم کو پیدا کر رہا ہے اور دوسری طرف بعض انسانوں کو اپنی معرفت کے تجربے کروا رہا ہے تو اُس کو موجود مان کر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ایک زمین جیسے کرہ کی نسبت جس قدر لطافت ایک ذرہ میں ہے اس ذرہ کی نسبت ذات خداوندی کی لطافت بدرجہا زیادہ ہوگی اور اسی طرح ایک گنہگار انسان کی نسبت جس قدر لطافت ایک پاک و مقدس انسان کی روح میں ہے اس روح کی نسبت ذات خداوندی کی لطافت اس ذات کیطرح بے انتہا ہوگی اور اگرچہ بعض مذاہب میں روح انسان ذات خداوندی کا مظہر اتم ہے بلکہ روح کو عین خدا مانا جاتا ہے لیکن فرق مراتب سے کسیکو انکار نہ ہوگا اور انسان اپنے انسانی تقیید میں رہکر کتنا ہی پاکباز اور بے تعلق ہو جائے نفس اور غذا وغیرہ جسمانی ضروریات سے ہرگز بے نیاز نہیں ہوتا۔ یہ مانا کہ جسمانی خواہشوں کو پاکباز انسان محبت اور شوق سے پورا نہیں کرتا بلکہ محض فرض انسانی سمجھ کر بجا لاتا ہے مگر ان کو چھوڑ کر جامہ انسانی کو برقرار نہیں رکھ سکتا اس لیئے اس حالت میں اسکی روح وہ لطافت ہرگز نہیں رکھتی جو ذات خداوندی کا خاصہ ہے البتہ تمام عمر میں ایک یا چند مرتبہ کسی بڑے سے بڑے پاکباز پر ایسی حالت طاری ہو سکتی ہے کہ اسوقت کیلئے وہ جسم اور جسمانی خواہشوں سے بالکل پاک ہو پس ایک طرف ذرہ لطیف اور خدا اور دوسری طرف روح لطیف اور خدا کی لطافت کا تفاوت خیال کرنے کے بعد اور نیز دنیا میں لطیف اور کثیف کے اثر اور پیدائش کی کیفیت دیکھنے کے بعد کیا یہ نتیجہ صحیح ہوگا کہ یہ لطیف سے کثیف کیطرف آنیکی ترتیب اور قاعدہ اسی جگہ سے شروع ہوا ہے جہاں سے ہمکو نظر آیا ہے اور اس سے پہلے تمام کام بے ترتیب اور بے قاعدہ ہو رہا ہے اور لطیف خدا سے کثیف مادہ دفعۃً متاثر ہو گیا ہے اور ایسا خیال فلسفیانہ اور قابل فخر ہوگا یا یہ

خیال کہ خدا نے پیدایش کا جو کام شروع کیا ہے وہ اس کثیف ذرہ سے نہیں شروع ہوا بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ لطیف ہستی سے شروع ہوا ہوگا نہ اسلئے کہ ذرہ سے شروع کرنے پر وہ قادر نہیں بلکہ اس لیئے کہ جس طرح زمین جیسا کرہ براہ راست ذرہ سے پیدا ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا اسی طرح اپنی کثافت کے سبب براہ راست خدا کا معمول بننے کے لائق نہیں ہے اور اسی طرح دوسری جانب وحی کے متعلق جو نتیجہ قایم کیا گیا ہے کہ لامحدود و لطیف ہستی محدود اور جسمانی کثیف تعلقات مین قید رہنے والے انسان پر بیواسطہ نور القا کرتا ہے کیا اس خیال کے لوگ اپنے تئین فیلسوف کہ سکتے ہین یا وہ لوگ جو انسان کے پرے لطیف ارواح نوریہ مانتے ہین اور اس طرح سے لطیف و بے کیف نور کے بتدریج کثیف تک پہنچنے کے قائل ہین نہ اسلئے کہ خدا کی قدرت مین نقص ہے بلکہ اس لیئے کہ روح انسان جسم مین مقید ہونیکے سبب براہ راست نور اخذ کرنے کے قابل نہین اور اسی لئے وہ لوگ جبرئیل کو بھی براہ راست خدا سے نور حاصل کرنیوالا نہیں مانتے بلکہ اس سے اوپر لطافت کے اور درجات مان کر اور جبرئیل کو کثیف کی ایک حد تک محدود سمجھکر اسکی زبان سے نکلواتے ہین کہ۔

اگر یک سر موئے برتر پرم ۔ فروغ تجلّے بسوزد پرم

البتہ روح انسانی خاص اسحالت مین جبکہ وہ ایک لحظہ کیلئے جسم اور جسمانی خیالات سے برتری حاصل کرے اور بالکل بے لوث ہوجائے اس وقت اسکی قابلیت کے موافق خدا کی طرف سے فیضان نور مین تامل نہین ہوتا اور چونکہ اس وقت وہ باوجود مجسم ہونیکے جسمانی خیال سے بالکل قطع تعلق کرتی ہے اسلئے اسکی اسوقت کی صفائی ملائکہ نوریہ کی صفائی سے اپنی اس خلاف معمول کوشش کے سبب زیادہ ہوتی ہے اور اس اعلیٰ صفائی کے سبب ان سے زیادہ نور ربانی حاصل کرنے کے قابل ہوتی ہے اور براہ راست وحی کی سعادت حاصل کرتی ہے۔

پس اُن تجربہ کرنیوالے انسانون کا یہ اظہار بالکل مطابق فطرت معلوم ہوتا ہے کہ انبیا علیہم السلام کے باہمی اختلاف مراتب اور ہر ایک ہی نبی کے مختلف روحانی انقلابون کے سبب وحی کی مختلف شکلین ہوتی ہین کبھی فرشتہ متشکل نظر آتا ہے کبھی کسی قسم کی آواز مین وحی کا القا ہوتا ہے اور کبھی نور بے کیف

بےواسطہ جلوہ گر ہوتا ہے مگر اسوقت بھی اگر نبی مین کسیقدر جسمانیت کا احساس موجود ہے تو آگ یا بجلی وغیرہ کی شکل مین جلوہ نظر آتا ہے اور چونکہ اس وقت فرشتہ کا واسطہ درمیان مین نہین ہوتا اُس طرف سے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ (مین خدا ہون) کا دعوےٰ ہوتا ہے اور چونکہ نبی کا جسمانی تعلق ہمہ وجوہ محو نہین ہوا نور بےکیف کی بجائے اُس سے کثیف تر کیفیت یعنی آگ کا تصور ہوتا ہے مگر جس حالت مین احساس جسم بالکُل فنا ہو جاتا ہے اُس وقت براہ راست وہ نور نظر آتا ہے جس کو آنکھ نہین دیکھتی کان نہین سُنتے مگر قلب صافی اُسکا لطف اُٹھاتا ہے اور بیان نہین کر سکتا اور اس حالت کو اصطلاح مین معراج کہتے ہین ۔

ارواح مجردہ کی نسبت مسٹر مائرس کی رائے

پس اگرچہ ملائکہ جسم سے پاک اور نور محض مانے جاتے ہیں اور انسان کا سائنٹیفک تجربہ اسوقت تک کسی روح مجرد کا اثر دیکھ نہین سکا۔ مگر اس عقیدہ سے انکار نہین ہو سکتا اِس لیئے کہ نظام عالم مین کثافت و لطافت کی ترتیب اور قاعدہ اِس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے اور نیز جن لوگون نے مظاہر روحانی کا مطالعہ کیا ہے اور عالمانہ تعصب کو چھوڑ کر اسبارہ مین تامل کرنے کے عادی ہین وہ ارواح مجردہ کے اثر کو ثابت شدہ نہین تو ممکن ماننے پر ضرور مجبور ہوئے ہین چنانچہ مسٹر فریڈرک ڈبلیو ایچ مائرس جو مشہور سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ کے ممبر ہیں اپنی کتاب ہیومن پرسنلٹی (دیباچہ صفحہ ۱۶) مین ایسے دنیوی واقعات کو حل کرتے ہوئے جو انسان کو بغیر حواس کے معلوم ہو جاتے ہین لکھتے ہین ۔

"ٹیلی پیتھی اور ٹیلس تھیسیا یعنی خیالات بعیدہ اور مناظر بعیدہ کا وہ احساس جو معلومہ آلات حواس کے بغیر ہوتا ہے ایسی انسانی قابلیتوں کو بانویں حل کیا جا سکتا ہے کہ ہماری ایسی ذہنی طاقتیں بحساب وسعت رکھتی ہین باہم پر ہمسے زیادہ آزاد اور کم پابند ارواح کا اثر ہوتا ہے ۔ یہ دوسرا اصول جو ارواح مجردہ کی وساطت سے تمام غیر معمولی مظاہر کی تشریح کرتا ہے ہماری نظر اس مسئلہ کو حل کر دیتا ہے اور اِس اصول کو مسٹر اے آر ولس اور دوسرے لوگون نے یہاں تک وسعت دی ہے کہ اپنی روحانی طاقتون کے اصول کی حکومت کے ثبوت اور گرانبار رکھتے ہین کوئی ضرورت نہیں چھوڑی مگر مین یقین رکھتا ہون کہ

آگے چلکر یہ بات صاف ظاہر ہو جائیگی کہ وہ روحانی طاقتین جن کو مین ثابت کرتا ہون اگر انسان کے
اندر اُن کے موجود ہونے سے انکار کیا جائے تو اس صورت مین ہمکو اسی اصول کو جسکا کہ یہ ہے
یعنی بیرونی ارواح کا دائمی دخل اور دائمی رہنمائی ضرور ماننا پڑیگا لیکن جو خیال مینے قائم کیا ہے یعنی
انسان کے اندر ایک عظیم الشان روح کا موجود ہونا اسکو جب ان مظاہر پر منطبق کیا جائے جو بادی النظر
مین سٹرولیس کے اصول (ارواح مجردہ) کا خیال دلواتے ہین اور جن مظاہر کو مین بیرونی ارواح کو دخل
دینے کے بغیر انسان کی اندرونی روح کی طاقت سے حل کرتا ہون تو ثابت ہوگا کہ میرا اصول حد سے متجاوز
اور غیر ضروری نہین ہے بلکہ حد بندی کرنیوالا اور معقول اصول ہے مگر حقیقت مین مین یہ نہین کہتا
کہ جو خیال مین قایم کرتا ہون وہ تمام واقعات پر منطبق ہو سکتا ہے اور ارواح مجردہ کے اصول کو بالکل
خارج کر دیتا ہے بلکہ اس کے خلاف یہ دونو اصول ایک دوسرے کو قوت دیتے ہین کیونکہ مقامات بعیدہ سے
رابطہ پیدا کرنیکی طاقتین بڑی حد تک موجود ہین خواہ ہم اُن کو اپنی ہی روح سے منسوب کرین اور ہم ایسے
وقت مین روحانی طور پر ایک دوسرے پر جو باہم فاصلہ پر ہون اثر کر سکتے ہین۔ پس اگر ہمارے جسم مین آئی
ہوئی روحین ایک وقت مین اس گوشت پوست کی وساطت سے آزاد ہو کر کام کر سکتی ہین تو یہ عقیدہ اور
بھی مضبوط ہوگا کہ اور روحین بغیر جسم کے موجود ہین اور اسی طرح بغیر جسم کے ہم پر اثر کر سکتی ہین"۔ آگے
چل کر دیباچہ کے خاتمہ پر لکھتے ہین (صفحہ ۲۴) "ہم جانتے ہین کہ زندہ انسان کی روح اپنے اعضا پر
حکومت کرتی ہے اور آگے چل کر ایسی دلائل بھی ملینگی جن سے نتیجہ نکلے کہ جسم سے آزاد روحین بھی ایک
قسم کے تعلق کے ساتھ زندہ انسانون کے اعضا پر حکومت کر سکتی ہین یعنی وہ براہ راست مادہ کے ایک
حصہ پر جسکو ہم زندہ کہتے ہین یعنی دماغ پر انسان کی حالت بیخودی مین اثر کر سکتی ہین پس میری رائے
مین یہ خیال خلاف قیاس نہین ہے کہ اسی طرح روحانی کارکن بوساطت ایک قسم کی طاقت کے جو وہ زندہ
انسان سے اخذ کرتے ہون غیر زندہ مادہ پر بھی کسی قسم کا اثر پیدا کرین۔ اور مین یقین کرتا ہون کہ
سر ولیم کروکس اور مرحوم ڈاکٹر سپیٹر اور اور لوگون نے ایسے اثرون کو بطور ایک واقعہ کے
قابل اعتماد طور پر دیکھا اور بیان کیا ہے بالخصوص ڈی ڈی ہوم اور ڈبلیو سٹینٹن

موسیٰ کے حالات میں - اور اگر ہم انکو اور دیگر ہمچو قسم واقعات کو غیر منتج کہوں تو یہ محض اسلیٔ ہوگا کہ یہ واقعات اور بہت سی نا قابل اعتماد حکایات میں یعنی اس قسم کی تحقیقات کی ایک لمبی ہسٹری میں جسمیں اکثر دہوکا اور فریب ثابت ہوا ہے دب گئے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ اندرین زمانہ اس قسم کی شہادت جو خصوصی وقعت رکہتی ہو مصنفہ مجموعوں کی نسبت منفرق تحریروں میں عمدہ طور سے موجود ہے"

مسٹر مائرس اپنے معلومات کی بنا پر ارواح مجردہ کا امکان تسلیم کرتے ہیں مگر فرینچ فلاسفر مسیو لوئی فگئیے† ایک لطیف استدلال سے ایسی ارواح کا وجود ثابت کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ - ہماری ارد گرد کی زندہ مخلوق میں نباتات سے لیکر انسان تک دائماً اوپر کو جانیوالا سلسلہ ہے جو بتدریج کمال حاصل کرتا جاتا ہے - کائی اور دیگر بحری روئیدگیوں کو جو نظام نباتی کی ابتدائی حالت ہے نقطۂ روانگی ٹھیرا کر ہم نباتی دنیا کے تمام کمال حاصل کرنیوالے سلسلہ میں سے گذر جاتے ہیں اور ابتدائی حیوانات یعنی گھونگے اور دیگر نباتات نما حیوانات تک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں سے اعلیٰ درجہ حیوانات کے بے انتہا درجوں کو طے کرتے ہوئے انسانی قالب میں آتے ہیں - اس سیڑھی کا ہر ایک پایہ غالباً غیر محسوس ہے اور ان تغیرات اور درجات کی ترتیب ایسی عمدہ ہے کہ اس سے درمیانی ہستیوں کے ایک غیر محدود سلسلہ کو گھیرا ہوا ہے جس کا ایک کنارہ کائی ہے اور دوسرا کنارہ ہماری نوع انسانی - اور باوجود اس کے ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ آیندہ ہم میں اور خدا میں درمیانی ہستی کا کوئی واسطہ حائل نہ ہو اور اس تدریجی ترقی کے سلسلہ میں انسان اور خدا کے مابین ایک بڑا غار خالی چھوڑ رکھا ہو ! ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ تمام مخلوقات چھوٹی سے چھوٹی نبات سے لیکر نوع انسانی تک ایسی اور بیشمار درجات کی ترتیب ہو مگر انسان اور خدا کے درمیان صرف ایک ناپیدا کنار جنگل ہو ! بے شبہ یہ ناممکن ہے اور اگر کبھی مذہب نے یا فلسفہ نے ایسی غلطی کی حمایت کی ہے تو اسکی وجہ صرف مظاہر قدرت کی ناواقفی ہے ہمیں شک کرنا ناممکن ہے کہ جس طرح نبات اور حیوان کے مابین اور حیوان اور انسان کے مابین دیکھا جاتا ہے اسی طرح انسان اور خدا کے مابین ضرور درمیانی مخلوقات کی بڑی تعداد ہے جسکی وساطت سے انسان اس خدا تک پہنچتا ہے جو اس پر اپنی غیر محدود طاقت اور جلال سے حکومت کر رہا ہے"

† کتاب دی ڈے آفٹر ڈیتھ باب ششم صفحہ ۹۸ سے ۱۰۱

غرض یہ تو ہمکو یقین ہے کہ ایسی درمیانی مخلوقات (یعنی جو انسان سے آگے لطافت کی تدریجی مراتب طے کرتی ہوئی خدا تک پہنچتی ہے) موجود ہے گو یہ ضرور ہے کہ وہ ہمکو نظر نہیں آتی لیکن اگر ہم ہر ایک ایسی چیز کے وجود سے انکار کریں جس کو ہم دیکھ نہ سکیں تو نہایت آسانی سے ہماری تکذیب ہو سکتی ہے۔ فرض کرو کہ کوئی علم ماد مان کا عالم کسی تالاب سے ایک قطرہ پانی کا لے اور ایک جاہل کو دکھا کر کہے کہ یہ قطرہ جسمیں تم کچھ نہیں دیکھتے ہو چھوٹے چھوٹے حیوانات اور نباتات سے بھرا ہوا ہے جو بعینہ محسوس حیوانات اور نباتات کیطرح زندہ رہتے ہیں پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں تو وہ جاہل فوراً اسے جھیڑ دیگا اور کہنے والیکو دیوانہ سمجھیگا۔ لیکن اگر اسکی آنکھوں پر خوردبین رکھدیجائے اور وہ قطرے کی تشخیص کرے تو اسکو اقرار کرنا پڑیگا کہ کہنے والا سچ کہتا تھا کیونکہ اب اسی قطرہ میں جس کو وہ صاف سمجھتا تھا اسکی آنکھ سائنس کی مدد پاکر چھوٹے پیمانہ پر تمام دنیا کو موجود پائیگی۔ غرض جہاں ہم کچھ نہیں دیکھتے وہاں زندہ مخلوق کی بڑی تعداد موجود ہوتی ہے اور یہ محض سائنس ہی کے امکان میں ہے کہ اس بارہ میں عوام الناس کی آنکھوں کو روشن کرے۔"

ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اسی حکیم کی حیثیت اختیار کریں۔ بیشک انسان اور خدا کے درمیان طبقہ جہلا کو دراندھے فلسفہ کو کچھ نہیں سوجھتا لیکن اگر ہم جسمانی آنکھوں کی بجائے روحانی آنکھ سے کام لیں یعنی عقل قیاس مساوات اور تعلیم کو استعمال کریں تو پراسرار مخلوق روشنی میں آجائیگی۔"

سوئنگی کا مذہب ہے کہ ایک ہی قسم کی روحیں اپنی ہستی کو نباتات کے ابتدائی درجوں سے شروع کرتی ہیں اور مختلف جونوں میں ہوتی ہوئی نباتات اور حیوانات کے تمام مراتب طے کرکے انسانی قالب میں آتی ہیں اور یہاں سے گذر کر اس سے زیادہ لطیف شکلوں میں ظہور کرتی ہوئی انتہائی نقطہ کمال تک پہنچتی ہیں اور اسی لیئے ہمقام پر نباتی اور حیوانی ترتیب کا ذکر انہی الفاظ میں کرتے ہیں جو اس خیال کیلئے موزوں ہیں لیکن خواہ انکا مذہب درست ہو اور ارواح تناسخ کے طور پر بتدریج کمال حاصل کرتی ہوں یا ہمقام پر ڈارون کے خیال کو پیش نظر کہا جائے جسکے مطابق انکا یہ خیال کہ سکتا ہے کہ وہ ہم ہی ہیں جو مختلف حیوانات کی شکل اختیار کرتے ہوئے انسانی صورت تک پہنچے ہیں اور یا ان تمام موجودات کو مختلف

ارواح اور مختلف نسلیں مانا جائے غرض ہر صورت ان تمام اختلافوں سے یکسو ہو کر یہان تک امر واقع ہے کہ نہ صرف نباتات بلکہ خاک ایک ذرہ سے لیکر انسان تک جس قدر معدنیات نباتات اور حیوانات کی قسمیں موجود ہین ان سب مین ایک ترتیب پائی جاتی ہے اور اس سلسلہ کا ہر ایک درجہ اپنے پہلے درجہ کی نسبت کسی نہ کسی نقص سے پاک اور کسی نہ کسی کمال سے متصف ہوتا ہے حتی کہ سب کے بعد انسان ہستی کے سٹیج پر آتا ہے اور ان سب سے کامل تر اور اشرف ہونیکا دعوی کرتا ہے لیکن اس کا دعوی خواہ کیسا ہی بجا اور درست ہو مگر ہر طرح سے کامل اس مخلوق کو بھی نہین کہہ سکتے بلکہ ابھی تک بہت سے نقص بہت سی کثافتین اور بہت سی احتیاجین موجود ہین۔ اب اس دنیا کو ایک ہر طرح سے لطیف اور ہر طرح سے کامل خدا کی مخلوق ماننا یہ عقیدہ بیشک نہایت ناانصافی پر مبنی ہوگا کہ اس قادر مطلق نے جو لطافت وکمال کیطرف جانیوالا سلسلہ شروع کیا تہا وہ محض انسان پر آکر ختم ہو گیا ہے حالانکہ انسان سے اوپر بہت سے انتہا مراتب لطافت خیال مین آسکتے ہین مگر واقع مین ایسی کوئی ہستی پیدا نہین کیگئی جو انسان سے لطیف تر ہو گویا بقول مسیو فلگیئے کے ایک بلندی کیطرف جانیوالی سڑک بنائی گئی ہے جس کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ برتری کے انتہائی نقطہ تک پہنچیگی مگر تہوڑی دور چلکر ایک ایسی عمیق اور تاریک خندق آجاتی ہے جو بلندی کا نام ونشان نہین چہوڑتی۔ پس جب ایک سلسلہ کو کمال کیطرف لیجا کر نامکمل حالت مین چہوڑ دینا قدرت کاملہ سے بالکل بعید معلوم ہوتا ہے تو لامحالہ عقل سلیم دوسرا نتیجہ وہی نکال سکتی ہے جس کو حاملان مذہب اپنے روحانی مشاہدون کی بنا پر امر واقع کہتے ہین یعنی یہ کہ انسان سے اوپر مخلوق کے بیشمار درجات ہین جو انسان کے سے نقص اور کثافتین نہین رکھتے اور اپنی اپنی حیثیت کے موافق گوناگون لطافتون اور کمالون سے متصف ہین۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (مدثر پارہ ۲۹ ع ۱) خدا کے لشکر کو اسکے سوا کوئی نہین جانتا۔

جنات اور شیطان

مگر آہ! دنیا والون کا عام دستور ہے کہ جس قسم کے عقائد وخیالات کو رواج عام اور فیشن کا خلعت مل جاتا ہے اُن کے خلاف کوئی نتیجہ خواہ کیسا ہی قرین قیاس ہو اسکو وحشیانہ بیرحمی کے ساتہہ پامال کر دینے پر فخر کیا جاتا ہے چنانچہ مادیت کی ترقی نے محسوسات سے بالاتر خیالات کو نہایت معیوب

سمجھ لیا ہے اور اس خیال کے رواج نے اہل علم کے دلوں پر ایسا حجاب پیدا کر دیا ہے کہ وہ تجربہ سے
اوپر کی باتوں کو پیش کرتے ہوئے جھجکتے ہیں ورنہ گذشتہ استدلال کی رو سے عقل نے جن لطیف
مخلوق کے نشان دریافت کئے ہیں اگرچہ وہ اس کے تمام درجات اور مراتب بتا نہیں سکتی کیونکہ اس
عالم کی تفاصیل کیلئے انسانی دماغ میں کوئی تمثیل موجود نہیں مگر دماغی رصدگاہ کی اسی خوردبین یعنے
عقل سے اس منظر کی کچھ اور کیفیت بھی نظر آتی ہے۔ یہاں انسان میں منجملہ اور کثافتوں کے شرارت
بھی ہے پس اس سے اوپر جو مخلوق ہوگی وہ اگر محض نیک ہو اور شرارت سے بالکل پاک تو یہ امر
ترتیب کے خلاف ہوگا اور ضرور ہے کہ جسطرح پر وہ مخلوق اور لطافتوں میں درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوگی
اسیطرح شرارت سے پاک ہونے میں بھی تدریجی ترقی ہو اور اس لیئے ضرور ہے کہ انسان سے اوپر کچھ درجات
ایسے موجود ہوں جن میں کسی نہ کسی حد تک شرارت کا وجود پایا جائے اور پھر وہ درجات شروع ہوں جو نیکی
میں ترقی کرتے جائیں اور پھر وہ نور معرفت جو ذات باری کی طرف سے القا ہوتا ہے ان درجات
تک اپنی حقیقی صفائی اور پاکیزگی میں جلوہ گر ہوتا ہوگا جو شرارت سے بالکل معرا ہیں مگر ان سے نیچے کے درجات
اپنی شرارت اور بدی کے سبب اپنی اپنی کیفیت کے موافق اس صفائی اور پاکیزگی سے محروم رہتے
ہونگے۔ اب اگر انسان نے کسی طرح کی روحانی طاقتیں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ ایسی لطیف
مخلوقات سے فیضیاب ہونیکے قابل ہوجاتا ہوگا اور پھر اگر ہوا و ہوس کو چھوڑنے میں کامل طور پر
کامیاب نہیں ہوا بلکہ نجاست اور گناہ کی آمیزش باقی ہے تو اس کے دل کو محض اپنے درجات سے
مناسبت ہوگی جو کسیقدر شرارت رکھتے ہیں اور وہ انہی کی مدد روشنی کو حاصل کرتا ہوگا لیکن اگر
آئینہ قلب بالکل صاف ہوگیا ہے تو محض نیک ارواح کی وساطت سے نور معرفت حاصل کرنیکے
قابل ہوتا ہوگا۔ اور اگرچہ گناہ کی آمیزش کے اور پارسائی کے مراتب بھی کثرت سے باہم گر مختلف ہوسکتے
ہیں ایک گاہ گاہ گناہ کے چھوڑنے پر قادر ہوتا ہے اور اکثر مبتلا رہتا ہے اور دوسرا اکثر گناہ سے
مصئون رہتا ہے اور کبھی مبتلا ہوتا ہے اور اسی طرح پارسائوں میں سے بعض خدا کا خیال اکثر قائم
رکھتے ہیں اور کبھی اپنی جائز خواہشوں میں مصروف ہوکر غافل بھی ہوجاتے ہیں اور بعض غفلت میں

زیادہ رہتے ہین اور کبھی توجہ کو قایم کر سکتے ہین مگر بالعجاب ایسے انسانون کا پہلا گروہ ہے جن کے کشف و الہام سے غلط مذاہب رواج پاتے ہون گے اور موخر الذکر فریق حسب استعداد سچی معرفت سے دنیا کو روشن کرتا ہوگا اور پھر اس دوسرے گروہ مین سے بعض اخیار کو کسی وقت صفائی کا وہ درجہ میسر آتا ہوگا کہ انکی روح نیک ارواح مجردہ سے بھی زیادہ لطیف ہو جائے اور براہ راست ذات باری سے فیضیاب ہو۔ غرض دنیا مین کثیف اور لطیف کے باہمی تعلق کو دیکھتے ہوئے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور اسکے خلاف بقول مسٹر پامر کہ تمام انسان اور بقول منکرین ملائکہ تمام انبیاء تمام اوقات مین براہ راست خدا سے نور حاصل کرین نیچر کی شہادت ہرگز اسکی تائید نہین کرتی اور جو کچھ نیچر کہتی ہے وہی مذہب والے اپنے روحانی تجربون کی بنا پر پیش کرتے ہین کہ کچھ لطیف مخلوقات شرارت سے متصف ہین جن کو جنات یا شیاطین کہتے ہین اور کچھ محض نیک ہین اور ملایکہ کے نام سے موسوم ہین اور نیز یہ کہ شیاطین کیطرف سے گنہگارون پر وحی ہوتی ہے اور ملائکہ کیطرف سے پارساؤن پر اور بعض اعلیٰ درجہ کے پارسا کسی وقت براہ راست خدا سے نور اخذ کرتے ہین۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَآئِھِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ ؕ (انعام پارہ ۸ ع ۱)

بیشک شیطان وحی کرتے ہین اپنے دوستون کیطرف تاوہ تم سے (حق کے بارہ میں) نزاع کرین اور اگر تم اُن کی اطاعت کروگے تو تم مشرک ہوگے۔

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ؕ (نحل پارہ ۱۴ ع ۱)

خدا اُتارتا ہے فرشتون کو اپنے حکم کی وحی کے ساتھ اپنے بندون مین سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ خدا کیطرف سے تبلیغ کرین کہ لائق عبادت میرے سوا کوئی نہین پس تم مجھی سے ڈرنا۔

وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ؕ . . . وَمَا تَنَزَّلَتْ

اور یہ قرآن دنیا کے پروردگار کا ہے اسکو امانتدار روح نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو لوگون کو خدا کے عذاب سے ڈراوے . . . اور اس کو شیطانون نے

بِهِ الشَّيَاطِينُ ۝ وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ۝ ۔ ۔ ۔ ۔
هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ۝

(شعراء پارہ ۱۹ ع ۱۱)

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ۝

(والنجم پارہ ۲۷ ع ۱)

نہین اُتارا نہ اُن کو یہ سزاوار ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہین ۔ وہ خدا کا حکم سُننے سی معزول ہین ۔ ۔ ۔ ۔ مین تمکو بتاؤن کہ شیاطین کس پر اُترتے ہین وہ افترا کرنیوالون اور گنہ گارون پہ اُترتے ہین وہ (خدا کے سچے حکمون کیطرف) کان لگاتے ہین مگر اکثر جہوٹے ہوتے ہین ۔

نہین ہے رسول کا فرماں مگر وحی جو خدا کیطرف سے بہیجی گئی رسول کو یہ باتیں سکھائین سخت طاقت والے اور مضبوط علم والے فرشتہ نے پس وہ ٹھہرا جبکہ وہ بلند کنارہ پر تھا ۔ پہر رسول خدا سے قریب ہوا اور اسکی طرف جُھکا پس دو کمانوں کے برابر ہوگیا یا اس سے بھی زیادہ قریب پس خدا نے اپنے بندہ کو جو وحی کرنی تہی کی ۔ اُسکے دل نے جو دیکھا اسمین دروغ نہین کیا تم اس بارہ مین جو اُسنے دیکھا شک کرتے ہو اور پھر رسول نے فرشتہ کو دوبارہ سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا ۔ +

+ اس آیت کا ترجمہ ضحاک کی روایت کے مطابق کیا گیا ہی (ملاحظہ ہو تفسیر خازن) اور جو وحی و الہام کے مدارج اس آیت مین بیان کئے گئے ہین اگرچہ سمجھنے والون نے انکو مختلف طرزون سے سمجہا ہے مگر جیسا کہ تفسیر عرائس البیان اور تفسیر ابن عربی سے مستفاد ہوتا ہے اس مقام پر وحی کے دو مراتب کا مذکور ہے یعنی ایک درجہ وہ ہے جبکہ نبی فرشتہ کی وساطت سی نور معرفت اخذ کرتا ہے اور یہ حالت اکثر رہتی ہے اور دوسرا درجہ وہ ہے جبکہ وہ بعض منتخب اوقات مین فرشتہ سی زیادہ لطیف و پاکیزہ ہو جاتا ہے اور اس وقت جہان تک وہ ترقی کرسکتا ہے فرشتہ وہان تک پہنچنے سے قاصر ہوتا ہے مگر چونکہ ایسی اعلی لطافت انسانی قالب مین رہکر ہمیشہ قائم نہین رہ سکتی اس لیے جب نبی اس حالت سی واپس آتا ہے تو پھر لطافت کے اس درجہ سے اُترکر جو فرشتہ کا انتہائی مقام ہے فرشتہ کی وساطت سی وحی کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے چنانچہ اس آیت مین یہی بیان کیا گیا ہے کہ رسول نے فرشتہ کی وساطت سی علوم ربانی حاصل کئے جس کے بعد ایک اعلی کنارہ پہ

معراج کے متعلق تمہید

جلوۂ معرفت، وحی، رویت ملائکہ یا معراج غرض روحانی ترقی کے تمام مدارج کا پورے طور پر سمجھنا ان لوگون کیلئے جو اس لذت سے نا آشنا ہین اول تو یہی لیئے ناممکن ہے کہ یہ باتین اُن کے نقطۂ خیال سے بہت بعید ہین - ایک جاہل محض کو اُن لطفون سے آشنا کرنا محال ہے جو ایک سائنس دان کو کوئی قانون قدرت دریافت کرنے اور مفید ایجاد تک پہنچنے مین یا ایک ریاضی کے طالب علم کو کوئی مشکل سوال حل کرنے مین حاصل ہوتے ہین اور دوسرے جب خیال کیا جاتا ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کرنے کے تمام مدارج تجربہ پر منحصر ہیں اور نیز ان مین فاعلانہ اثر اس بالاتر ہستی کی جانب سے ہوتا ہے اور انسان کیطرف سے جو کوشش ہوسکتی ہے وہ محض آئینۂ قلب کو حتی الوسع صاف کرکے انفعالی قابلیت پیدا کرنی ہے تو اُس وقت ناآشنا کیلئے اسکی حقیقت تک پہنچنا اور کوچۂ معرفت سے بیگانہ ہونے کی صورت مین محض قوت عقل سے اسکی کُنہ کو پانا اور بھی محال ہوجاتا ہے جب دو قسم کی گیس یعنی آکسیجن اور ھیڈروجن کی ترکیب سے پانی کا پیدا ہونا یا پانی کے تحلیل سے وہ دونوں گیسون کا پیدا ہوجانا ہم کسی طرح نہین سمجھا سکتے بجز اس کے کہ اسکا تجربہ کرکے دکھا دیا جائے تو ملائکہ کو دیکھنے یا خدا سے ہمکلام ہونیکا تجربہ محض جرح وقدح سے کیونکر منکشف ہوسکتا ہے پس اسکی حقیقت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہین جن کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہو اور دوسرے لوگ جو کچھ کرسکتے ہین اسی قدر ہے کہ کسی طرح کی تمثیل وتشبیہ سے اُسکا مبہم سا خاکہ پیش نظر کرلین - وہ مبتدی طالب علم جو رات اور دن کے تغیر سے نتیجہ نکالنے کے ناقابل ہے اور جس کو فوکلٹ یا پینڈولم سے زمین کی حرکت کو سمجھنا دشوار ہے ابتدائی مدرسہ مین اس کو بھی یقین دلوانے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶

پہنچ کر فرشتہ کی وساطت ختم ہوگئی اور وہ وہین ٹھہر گیا مگر رسول خدا سے قریب ہوا گیا اور اسکی طرف جھکتا گیا حتیٰ کہ جس طرح دو کمانون کو ملانے سے دائرہ پیدا ہوجاتا ہے اور دائرہ مین قوسی خطون کی ابتدا اور انتہا مین نقطۂ تمیز نہیں رہتی اسی طرح رسول کو بھی اس وقت خدا سے کامل وصال تھا بلکہ اس تشبیہ سے بھی کچھ زیادہ اور اس وقت جو راز منکشف ہونے تھے ہوئے اور دل نے جو لطف اٹھانا تھا اٹھایا مگر پھر رسول نے اس حالت کے بعد مقام سدرۃ المنتہیٰ لیعنے فرشتہ کے انتہائی درجۂ ترقی پر اُسکو دوبارہ موجود پایا -

کی کوشش کیجاتی ہے اور اس وقت اسے صرف مثال سی سمجھا یا جاتا ہے کہ گیند کو چراغ کے گرد حرکت دینے سے جس طرح روشنی اور تاریکی بدلتی رہتی ہے اسی طرح آفتاب کے گرد زمین کی حرکت سے دن رات پیدا ہوتے ہین۔ یہی حالت ہملوگون کی نکات معرفت کے متعلق ہے اور یہان بہی گیند اور چراغ جیسی تشبیہون سے ہی کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ معرفت کے تمام مدارج کی نسبت حتی الوسع اسی استدلال تمثیلی سے کام لیا گیا ہے۔ البتہ معراج کیسا تھ علاوہ اس تجلی بیواسطہ کے جو اور واقعات اہل تجربہ نے بیان کئے ہیں اور جنکی نسبت اکثر غلط فہمی واقع ہوتی ہے انکی نسبت کسیقدر تشریح کی ضرورت ہے، اور چونکہ ان واقعات کے بارہ مین غلط فہمی اکثر اوقات سخت اعتراضون کی شکل مین بڑے شدومد سے ظاہر کی جاتی ہے اس لئے مین بہی اگر کلام کو طول دون تو مضمون کی عظمت کے سبب قابل درگذر ہوگا۔ مگر مین پہر باعلان کہتا ہون کہ کچھ کہا جائیگا اس سے یہ مدعا ہرگز نہین کہ معراج بعینہ اسی طرح واقعہ ہوتا ہے کیونکہ سننے والون کی ناتجربہ کاری کے سبب سے خود دیکھنے والے اسے بتفصیل بیان نہین کر سکتے چہ جائیکہ ایک بیگانہ اسکی حقیقت کو سمجھنے یا سمجھانے کا دعوی کرے بلکہ غرض صرف اس قدر ہے کہ تشبیہ سے قریب الفہم کیا جائے۔

شاہد ارتسام

منجملہ ان روحانی† طاقتون کے جو دریافت ہوئی ہین بعض اہل فن کی جانب سے غیب بینی کے ثبوت کا بہی دعوے کیا جاتا ہے اور اکثر ایسے واقعات بھی پیش کئے جاتے ہین جن میں کسی شخص کو بیش از وقت کسی حادثہ کا علم ہو گیا یا کسی شخص نے ہپناٹائزڈ یعنی حاضرات میں بیخود ہونے پر کوئی نامعلوم امر ظاہر کیا اور تحقیق پر یہ صحیح ثابت ہوا۔ مگر یہ مسئلہ پورے طور پر پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا بلکہ بعض واقعات سے اس کے خلاف بہی استدلال کیا گیا ہے البتہ

---

† یہ تمام مضمون مسٹر ہڈسن کی کتاب دی لا آف سائیکک فینامنا کے مختلف مقامات سے لیا گیا ہے اور عموماً وہی باتین درج کی ہین جن کو مسٹر مائرس اور مسٹر ہڈسن جیسے نقادون نے بہی تسلیم کیا ہے ملاحظہ ہو کتاب ہیومین پرسنلٹی اور مسٹر ہڈسن کی سائیکیکل ریسرچ۔

دل را بدل رہیست کا پرانا مشہور مقولہ بڑی حد تک صحیح ثابت ہوا ہے چنانچہ ابتدا مین عاملان مسمریزم اپنے معمول کو دوسرون کے دلی خیالات معلوم کرنے اور اپنے خیالات دوسرون پر ظاہر کرنے کی مشق بطور ایک لازمی سبق کے کروایا کرتے تھے اور اس قسم کے تجربون پر بہت سی کتابین لکھی گئی ہین اور لنڈن کی سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ یعنی اہل علم کی اُس انجمن ✝ نے جس کا مقصد مظاہر روحانی کی تحقیقات تھی بہت سے تجربون کے بعد جوان کی پروسیڈنگ کی سولہ جلدون مین اور موقت ✝ نیبوع رسالہ مین اور فینٹزمز آف دی لیونگ نام ایک کتاب مین شائع کئے گئے ہین یہ فیصلہ کیا ہے کہ ”انسان مین بغیر جسمانی وسائل کے اپنے دلی خیالات دوسرون پر ظاہر کرنے کی طاقت موجود ہے“۔

اس طاقت کا ادنیٰ ظہور جو عام طور پر دیکھا جاتا ہے وہ واقعات ہین جن مین کسی شخص پر کوئی حادثہ گذرنے پر اسکے والدین یا کسی نہایت عزیز کے دل کو غائبانہ صدمہ اور رنج محسوس ہوتا ہے اور اکثر بعد مین معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدمہ واقع مین اس حادثہ کا اثر تھا اور اس سے بڑھ کر اس طاقت کی مشق جو عام طور پر کیجا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ چند آدمی ایک حلقہ باندہ کر اور ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑکر بیٹھ جائین اور انہین سے ایک شخص جو نسبتہً زیادہ اثر پذیر طبیعت رکھتا ہو اسکی آنکھین باندھ دیجائین اور تاش کا ایک پتہ نکال کر سامنے رکھ لین اور سب حاضرین اس پتہ کو دیکھنا اور اپنا خیال جمانا شروع کرین اور اس عرصہ مین کسی اور پتہ کو ہرگز نہ دیکھین۔ تھوڑے عرصہ مین اُس شخص کے ذہن مین جسکی آنکھین بند ہین اس پتہ کی شکل پیدا ہوگی جو ابتدا مین دھندلی سی نظر آئیگی اور ممکن ہے کہ شروع مین معلوم نہ بھی ہو مگر رفتہ رفتہ واضح ہوتی جائیگی اور وہ شخص بغیر دیکھنے کے محض دوسرون کے

✝ یہ انجمن ۱۸۸۲ء کے شروع مین قایم ہوئی اور قریباً سولہ سال تک تحقیقات جاری رہی۔ ان لوگون کا مدعا محض سائنٹیفک اور عالمانہ تحقیقات کرنا تھا جسمین تعصب سے بے وجہ انکار کرنے کو یا خوش اعتقادی کے ذریعہ سے ثابت کرنے کو دخل نہ تھا اور اس کے پریسیڈنٹ اپنے وقت کے نہایت مقتدر اور ممتاز اہل علم ہوتے رہے ہین مثلاً پروفیسر بالفور سٹوارٹ ایف آر۔ ایس، مرائٹ آنرمبل اے جے بالفور ایم۔ پی، پروفیسر ولیم جیمس، سر ولیم کروکس، پروفیسر ایچ سجوِک وغیرہ۔

دل کا مطالعہ کرنیسے پتہ کا رنگ اور عدد بتانے کے قابل ہو جائیگا۔ مسٹر ہڈسن لکھتے ہین کہ مینے یہ تجربہ کئی دفعہ کیا اور اُن شرطون کے موافق جن کا اُنہون نے مفصل ذکر کیا ہے اس تجربہ مین کبھی ناکامی نہین ہوئی۔

اس طاقت کا اِس سے زیادہ ظہور خاص خاص حالات مین ہوتا ہے جسکی چند مثالین مسٹر ہڈسن لنڈن سوسائیٹی کے کتاب سے نقل کرتے ہین چنانچہ مسٹر موسز کا واقعہ ہے وہ لکھتے ہین۔

"ایکشام کو مینے اپنے تئین اپنے ایک دوست زیڈ نامی کے سامنے ظاہر کرنیکا ارادہ کیا جو چند میل کے فاصلہ پر رہتا تہا چنانچہ یہ خیال قایم کرکے میں آدھی رات سے کچھ پیشتر سو گیا اور اس وقت مجھے اپنے دوست کے خاص کمرہ اور اس کے گرد و نواح کا علم تہا صبح کو اُٹھا اور مجھے کچھ معلوم نہ تہا کئی دن کے بعد مسٹر زیڈ کو ملنا ہوا تو پوچھا کہ شنبہ کی شب کو تمنے کچھ دیکھا اونہوں نے کہا کہ ہان بہت کچھ دیکھا مین اس وقت اپنے دوست ایم کے ساتھ انگیٹھی کے پاس بیٹھا سگرٹ پی رہا تھا ساڑھے بارہ کے قریب وہ دوست اُٹھ کر گیا مینے دروازہ تک اسکی متابعت کی اور واپس آیا تاکہ مین بیٹھ کر اپنا پائپ ختم کرون۔ کیا دیکھتا ہون کہ اسکی کرسی پر تم بیٹھے ہو۔ مینے تمکو دیکھا اور پہر اخبار اُٹھایا تاکہ یقین ہو کہ میں بیدار ہون۔ اخبار رکھ کر پہر دیکھا تو ابہی تم موجود تہے اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے بغیر بات چیت کے تم گم ہو گئے +

+ اس قسم کے دو واقعے مسٹر مائرس نے یقینی شہادت سے لکھے ہین (کتاب ھیومین پرسنلٹی ضمیمہ باب ہفتم صفحہ ۳۱۶) اور ایسے ہی دو واقعے ایک اپنے دوست گاڈفری کے مسٹر پڈمور نے اپنی کتاب سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ مین (باب ششم صفحہ ۲۴۹ سنہ ۱۹۰۷ء مین) نقل کئے ہین اور ایسے واقعات بتانے والی مبدل جو مسز پائپر کا واقعہ خاص طور پر لکھا ہے جس نے قریباً ستر و سال تک نہایت احتیاط اور بیش بینی کے موقعون پر اجنبی اشخاص کے حالات بتائے اور اس کے امتحان کرنیوالون مین پروفیسر لاج، مسٹر مائرس، ڈاکٹر والٹر لیف، پروفیسر ولیم جیمس جیسے ممتاز فاضل شامل ہین جنہون نے بعد از امتحان یقین کیا ہے کہ اس کے کرتب بالکل دہوکے سے پاک تہے اور ایسے اشخاص کا حال بیان کرتی رہی ہے جن کا معمولی وسائل سے اسکو مطلق علم حاصل نہین ہو سکتا اور مسٹر پڈمور سوسائیٹی مذکور کے ممتاز ممبر سوسائیٹی کے دیگر ممبرون سے کسیقدر زیادہ محتاط ہین چنانچہ سوسائیٹی کی تحقیقات کا جو نتیجہ خود اُن کے نزدیک نکلا ہے اسی کے متعلق انہون نے کتاب مذکور لکھی ہے اسکے ابتدا مین لکھتے ہین کہ میرے بعض رفیقون کے نزدیک اس تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ خیال ظاہری حواس کے بغیر اور ایتھر کی لہرون کی وساطت کے بغیر دوسرے

اِس قسم کے کئی واقعات کے علاوہ مسٹر ہڈسن اپنا ایک چشم دید واقعہ لکھتے ہیں کہ

شہر نیو یارک میں یہ جنٹ آفس کے ایک آگر امسٹر کو ایک معمول کے سامنے جو عرب ہی پیش کیا گیا

وہ معمول اِن سے بالکل نا آشنا تھی اور ہم نے امتحان کی غرض سے آگر امسٹر کے حالات اور شہر اس کا نام

بھی اُسکو نہ بتایا اور اس سے حالات بتانے کی درخواست کی۔ تھوڑی دیر میں جب معمول پر حالت وجد

طاری ہوئی تو اُس نے آگرامیسر کو کہا کہ میں ایک عالیشان عمارت کو دیکھتی ہوں جس میں بہت سے

کے خیال پیدا کر سکتا ہے اور انسان کی روح جسم میں قید ہونے کی حالت میں زمانہ فضا اور دیگر جسمانی موانع

قدرت کی مدد سے آزاد ہو سکتی ہے اور جسم کی موت کے بعد دوسروں کو اپنی ہستی سے واقف کر سکتی ہے

مگر میرے نزدیک شہادت ایسی ناکتفی اور مشتبہ ہے کہ اس سے ایسا ٹھیک نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ یہ میں مانتا ہوں

کہ رابطۂ قلبی ثابت کرنے کے لیے جس میں جسمانی حواس کو دخل نہ ہو کافی دلائل موجود ہیں۔ لیکن اِس طاقت کو

خرق العادت درجہ دینے کیلئے ابھی سامان مہیا نہیں (باب اول صفحہ) غرض مسٹر موصوف اگرچہ تمام نتائج

میں دوسرے رفیقوں سے اتفاق نہیں کرتے مگر تاہم بہت سی روحانی طاقتوں کو مانتے ہیں اور بالخصوص دلی

خیالات دوسروں پر ظاہر ہونے کا اور پاش کے علاوہ اور کئی طرح سے اس قسم کے تجربوں کا مفصل ذکر کرنے کے بعد اور

رابطۂ قلبی کو بڑی حد تک تسلیم کرتے ہیں۔ خیالی حبیب اور تصویرین مرنیوالے دوستوں کی لوگوں کو نظر آتی ہیں انکے

بہت سے واقعات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ مردہ روحوں کا آنا ان واقعات سے ثابت نہیں ہوتا البتہ اُن واقعات

سے ثابت ہوتا ہے کہ رابطۂ قلبی کے سبب سے مرنیوالے کا خیال مجسم ہو کر نظر آ جاتا ہے (باب نہم صفحہ ۲۹۳) اور اسی باب کے

آخر میں لکھتے ہیں کہ مسٹر گرنی اور مسٹر کننگ کے واقعات کو حواس کی وساطت کے بغیر ایک دل کی دوسرے دل کیساتھ

نامہ و پیام کرنیکی طاقت کا قوی ثبوت مانا جا سکتا ہے۔ آگے چلکر جہاں بعض انسانوں کے اپنی تئیں بھول جانے اور کچھ

اور سمجھ لینے کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں وہاں لکھتے ہیں کہ حالت وجد ہسٹیریا (ایک اعصابی تغیر جسکی تشریح طلب سے

نہیں ہو سکی) اور بعض اور حالات میں جبکہ شعور ثانوی پیدا ہوتا ہے تو بہت سی خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ارادی

اور غیر ارادی حرکت دینے والے اعصاب پر اور رگوں پر اور اعضا تنفس پر اور عموماً حواس اعضا پر پورا تسلط ہو جاتا ہے۔

مختلف احساسی قابلیتیں وسیع ہو جاتی ہیں۔ خیالات مجسم ہو کر نظر آنے لگتی ہیں اور دوسروں کے دلی خیال سمجھنے کی بڑی

قابلیت پیدا ہو جاتی ہے (باب دوازدہم صفحہ ۲۰۹) غیب بینی کی شہادت لکھ کر کہتے ہیں کہ مسٹر اکسن نے بہت سی تجربے کئے ہیں جن سے

کم از کم علم حاصل کرنیکی خلاف معمول قابلیت ثابت ہوتی ہے اور اسی مضمون کی قابل ذکر شہادت مسٹر پائیر کے حاصل کی واقعات

کمرے ہیں - ان میں سے ایک میں ہم کو دیکھتی ہوں - تمہارے سامنے ایک بڑی میز ہے اور اس پر بہت سے کاغذ ہیں - میں دیکھتی ہوں کہ بہت سے مشینوں کے نقشے تمہارے آگے پھیلے ہوئے ہیں اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو ایجاد و عمرہ کی رجسٹری کرنے سے تعلق ہے - یہانتک بالکل اظہار واقعی تھا جسکو تسلیم کیا گیا - کیونکہ تسلیم کرنے سے معمول کی روحانی قوت کو ترقی ہوتی ہے - پھر اوس نے کہا کہ مگر تمہارا صرف یہی پیشہ نہیں ہے تمکو گھر پر ایک کتب خانہ میں دیکھتی ہوں اور تمہارے گرد کتابیں اور قلمی مسودے رکھے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئی کتاب لکھتے ہو - پھر اس نے کتابوں کی الماریوں اور کمرہ کے سامان کو صحیح طور پر شمار کر کے بتایا - پھر کہا کہ مجھے وہ رستہ بھی معلوم ہوتا ہے جس سے تم اپنی کتاب کے موجودہ صفحہ تک پہنچے ہو اس سب میں بہت سا کوڑا کرکٹ ہے جسکو تم نے صاف کر دیا ہے اور بہتیرا ایک درستی ہے اور تم پورے اعتماد سے اپنے مطلب کیطرف جا رہے ہو - اگز امینر نے سوال کیا کہ کیا وہ رستہ واقعی سیدھا ہے جس پر میں جا رہا ہوں اس نے جواب دیا کہ یہ میں نہیں جانتی کیونکہ میں اس مضمون سے ناآشنا ہوں جس پر تم کتاب لکھ رہے ہو - البتہ تمہاری سرعت کی روانی سے گمان ہوتا ہے کہ غالباً صحیح راستہ ہوگا "

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت معمول اپنے تئین اُن مکانوں میں حاضر سمجھتا ہے جن کے واقعات وہ بیان کرتا ہے اور مسٹر ہڈسن † نے بھی چند واقعات لکھے ہیں جن میں معمول پوچھنے والوں کے گھروں پر جو بہت فاصلے پر واقع تھے گیا اور وہاں کے تمام حالات حتیٰ کہ گھروں کے سامان کی تفصیل اور اُن کا موقع اور باشندگان کی کیفیت بیان کی جسکا حاضرین کو علم نہ تھا اور جو بعد میں درست ثابت ہوئی اور مسٹر ہڈسن اگرچہ ان واقعات سے انکار نہیں کر سکتے مگر وہ تیار نہیں ہیں کہ بلاواسطہ علم حاصل کرنے کو تسلیم کریں اور اگرچہ تمام واقعات میں کوئی ذریعہ علم ثابت کرنے کو مشکل مانتے ہیں مگر کہتے ہیں ‡ کہ رابطہ قلبی ہی ایک ذریعہ ہے جس سے ظاہری حواس کے بغیر علم ہو سکتا ہے اور چونکہ فراموشی محض جسم کا خاصہ ہے اور روح کا علم کبھی محو نہیں ہوتا اس لیئے ممکن ہے کہ حاضرین سردست اُن واقعات کو نہ جانتے ہوں

رابطہ سے کسی واقعہ کا حاصل ہو سکنے کی صحیح میں مثال موجود ہے -

† باب سیزدہم صفحہ ۲۲۷ سے ۲۳۲ تک کتاب سٹڈیز
‡ باب سیزدہم صفحہ ۲۵۰ سے ۲۵۴ تک کتاب مذکور

لیکن پہلے کبھی وہ علم حاصل ہو چکا ہو اور معمول نے اُن کی قلبی تحریر کو پڑھ لیا ہو۔ اور مسٹر ہڈسن ایسے واقعات کو جنمیں کوئی ظاہری واسطہ علم موجود نہ ہو ایک مثال سے حل کرتے ہیں کہ ؎

"کوئی شخص پردیس میں ڈوب کر مرجائے تو رابطہ قلبی کی وجہ سے ضرور ہے کہ اسکی ماں کی روح کو صدمہ ہوگا اب اگر ماں کی روح میں صفائی نہیں تو یہ روحانی علم شعور کے درجہ پر نہ آئیگا اور صرف ایک پریشانی کے اسکو اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہ ہوگی۔ پھر اگر کسی اور عزیز کو مرنیوالے کی ماں سے دلی محبت ہو تو اس تعلق کے سبب سے اُس کے قلب پر بھی اثر ہوگا مگر عام طور پر اسکو بھی اطلاع نہ ہوگی کہ روح نے کیا ماجرا دیکھا اور ممکن ہے کہ اسی رابطہ محبت کے سلسلہ سے اور چند اشخاص بھی اس واقعہ سے متاثر ہوں اور پھر کسی موقعہ پر ان میں سے کوئی کسی ایسے شخص سے ملے جس کو ہپناٹزم یعنے حالت وجد کی مشق ہے اور وہ اس حالت میں اس شخص کے دلی نقش کو پڑھ کر بیان کرنے لگے کہ مجھے ایک اس حلیہ کا انسان دریا میں ڈوبتا نظر آتا ہے اور بعد میں یہ واقعہ صحیح ثابت ہو جائے تو دیکھنے والے اسکو غیب بینی کی طاقت کہیں گے کیونکہ حاضرین میں سے کسی کو اس واقعہ کا محسوس علم نہ تھا مگر حقیقت میں یہ علم ایک ذریعہ اور واسطہ سے حاصل ہوا ہے جو اگرچہ حواس سے بالاتر ہے لیکن قانون قدرت کے خلاف نہیں "

روح کیلئے فاصلہ حیثیت نہیں

اور روحانی طور سے کسی مقام پر جا کر کوئی واقعہ دیکھنے کی نسبت مسٹر ہڈسن روحانی علاج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ †

"مذکورہ بالا وسیع المقاصد کے اندر ایک خاص ممتاز واقعہ یہ ہے کہ مریض کا جب علاج کیا گیا ہے وہ معالج سے ایک ہزار میل کے فاصلہ پر تھا اور اور بھی چند امراض کا علاج کامیابی کے ساتھ کیا گیا ہے جن میں مریض و معالج کا ایک سے تین سو میل تک کا فاصلہ تھا۔ پس جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے حقیقت یہ ہے کہ روح کیلئے فاصلہ کوئی چیز نہیں۔ دلی حالات معلوم کرنے کے تجربے اسکو پورے طور پر ثابت کرتے ہیں اور انتقال خیالی کے ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جن میں معلوم کرنیوالا قطبین کے فاصلہ پر تھا۔ بڑے فاصلہ پر دلی خیالات معلوم کرنے میں جو دقت واقع ہوتی ہے وہ محض ہماری عادت کی وجہ سے ہے

؎ لا آف سائیکک فنیامنا باب شانزدہم صفحہ ۲۳۵ ۱۸۹۳ء
† کتاب مذکور باب چہاردہم صفحہ ۱۹۴

یعنی ہم جو گر ہو رہے ہیں کہ فاصلہ کو ایک رکاوٹ سمجھیں۔ پس خیال کا میاں رابطہ پیدا کرنے کو ضرور ہی روک دیتا ہے۔ ہمکو یہ تصور رکھنا بہت ہی مشکل معلوم ہوتا ہے کہ فاصلہ محض جسمانی آلہ استعمال ہے اور روحانی طور پر خیالات کے انتقال میں یہ کسی طرح مانع نہیں ہے۔"

اور مسٹر مائرس لکھتے ہیں †

"فضا کے بارہ میں جو شہادت پیش کی جائیگی وہ ہمکو جس قدر کہ ایسے معاملات میں امید ہو سکتی ہے اس سے زیادہ صفائی کے ساتھ بیان کرنے کے قابل بنا دیگی۔ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ روحانی زندگی جسمانی زندگی کی طرح فضا کے تصور میں مقید نہیں ہے۔ لیکن یہ آزادی کیونکر حاصل ہوتی ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ارواح کو اس حالت میں کسی قسم کا پھیلاؤ حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم زمین پر رکھ مادی دنیا کے دو قانونوں کے پابند ہیں۔ ایک تو جسم اسی جگہ کام کرتا ہے جہاں وہ موجود ہو دوسرے ایک وقت میں ایک حصۂ فضا کے اندر ایک ہی جسم رہ سکتا ہے اور عام حالات کو دیکھتے ہوئے یہ دو تو قاعدے بدیہی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے لئے اس وزن دار مادے سے پرے چلے جاؤ اور تھوڑی دیر کے لئے زندگی اور اسکو حرکت میں لاؤ معلوم ہوگا کہ اس حد بندی کا قائم رہنا مشکل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کلچرار اور شاعر ہیں کام کر سکتا ہے جہاں وہ موجود ہے لیکن وہ موجود کہاں ہے۔ اس نے قاعدے کے پرے کی کایا پلٹ کر اس کو ایک روحانی طاقت بنا دیا ہے۔ نہیں، بلکہ اسکی مادی دوسروں کے دل پر قوت کے ایک سرچشمہ کی مانند کام کرتی ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جہاں لکھنے کی میز ہے وہاں اس وقت کوئی اور جسم نہیں آ سکتا۔ مگر اسمر کا کیا حال ہے؟ غرض جہاں تک ہم روحانی عمل کو دیکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو لو باتیں ممکن ہیں۔ رابطۂ قلبی غیر جسمانی روح کی مرتا تیر حاضری کو بعید وسعت دیتا ہے۔ روحانیات کا جسمانیات میں سے عبور کر جانا ثابت کرتا ہے کہ یہ وزن دار کرہ روحانی اثر کو روکنے اور اسمیں مخل ہو سکنے کے نا قابل ہے۔ ہماری شہادت کیسی ہی عجیب اور نئی ہو فضا کے بارہ میں سر دست اس سے زیادہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ فضا کی حدود کے زائل ہونے پر روحانی تصور بے انتہا وسیع ہو جاتا ہے۔"

† ہیومن پرسنلٹی باب اول صفحہ ۲۲

غرض مذکورہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روح اپنی معلومات دوسری روح پر خواہ وہ کتنے ہی فاصلہ پر ہو ظاہر کر سکتی ہے اور اس وقت معلوم کرنیوالی روح کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ان واقعات کو خود دیکھ رہی ہے اور نیز جیسا کہ سٹر مائرس بیان کرتے ہین (اقتباس بحث ملائکہ) ارواح مجردہ بھی ممکن ہے کہ ایسا اثر ظاہر کرین کیونکہ ایسا اثر اسی وقت ظاہر ہوتا دیکھا گیا ہے† جبکہ خواب بیہوشی، وجد وغیرہ کے سبب سے عامل و معمول یک گونہ بیخودی کیحالت مین ہون اور جسم سے ایک طرح کا انقطاع حاصل ہو گیا ہو پس ارواح مجردہ اگر موجود ہین تو جسمانیات سے بالکل پاک ہونے کی وجہ سے وہ بطریق اولیٰ اور نہایت قوت کیساتھ ایسا اثر پیدا کر سکتی ہین۔

معراج کی ایک توجیہ

اب ہم معراج کی کیفیت کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب معراج (صلوات اللہ علیہ) سالہا دنیا اور علائق دنیا سے الگ گوشہ عزلت مین بسر کرتے رہے ہین اور ہمیشہ کئی کئی دن تک پہاڑ کی غارون مین رہکر قدرت کی نیرنگیون کو دیکھتے رہے ہین اور اس طرح روح مین صفائی اور پختگی پیدا ہونے پر وہ جلوۂ معرفت نظر آیا ہے جسکو وحی کہتے ہین اور معلوم ہوا ہے کہ دل بیخبری مین جس چیز کو تلاش کر رہا تھا وہ یہی نور ہے۔ اب وہ اس نور کے نظارہ مین منہمک ہین بات کرتے ہین تو اسی کی متعلق اور غور کرتے ہین تو اسی کی نسبت۔ اور اب موافق اور مخالف آوازون کا پیدا ہونا ایک ظاہری سبب ہو گیا ہے جو توجہ اور انہماک کو اور بھی بڑھا رہا ہے۔ اور اس طرح ایک خیال مین رہتے رہتے ایک وقت وہ محویت اور بیخودی بھی پیدا ہو جاتی ہے جسکو اہل علم روحانی انکشاف کی شرط ٹھہراتے ہین اور اس وقت نہ صرف مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس بلکہ زمین و آسمان کا ہر ایک گوشہ اُن کے سامنے ایک آئینہ ہو جاتا ہے مگر چونکہ یہ خواب نہین ہے بلکہ ایک پاکیزہ خیال مین محو ہو جانیکا اثر ہے اس لیئے بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ جو کچھ دیکھا بیداری مین دیکھا اور چونکہ اس حال مین جسمانی تعلقات سے کامل یکسوئی حاصل ہو اسلیئے اس حال کو ظاہر کرنے کیلئے لفظ رویا سے موزون تر اور کوئی لفظ نہین۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ط (اسراء پارہ ۱۵ ع ۶)	جو رویا ہمنے تم کو دکھایا ہے وہ لوگون کیلئے ایک آزمایش ہے

† کلاکت سائیکک ریناٹنا باب سیزدہم صفحہ ۱۸۳ سنہ ۱۸۹۳ء

غرض وہ پاکیزہ روح عوالم بالا کی سیر کرتی ہے اور ملایکہ نوریہ اور ارواح انبیا سے ملاقی ہوتی ہوئی وہ اسرار و عجائبات ملاحظہ کرتی ہے جو جسمانی آنکھ اور جسمانی تعقل سے بالاتر ہین۔ پس اگر روحانی انکشاف کی حقیقت محض اسی قدر ہے جو اس وقت تک اہل علم کے تجربے مین آچکی ہے یعنی یہ کہ انسان روحانی قوت سے محض وہی معلومات حاصل کر سکتا ہے جو کسی دوسری روح کو پہلے معلوم ہون اور ان دو نور و حون کے مابین کوئی تعلق ہو تو اس خیال کو یقینی قانون مانکر بھی معراج کا انکشاف قابل تعجب نہین کیونکہ جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے ایک خاکی جسم مین قید رہنے والی روح اور غیر محدود قدوس و مظہرات خداوندی مین لطافت و کثافت کا تفاوت ہونے کی سبب تعلق وحی پیدا ہونے کے لئے ملائکہ کی وساطت ضروری ہے اور اس طرح سلسلۂ وحی کے شروع ہونے پر صاحب معراج کا روح الامین سے قلبی تعلق پیدا ہونا ظاہر ہے اور معراج کی کیفیت مین ہم دیکھتے ہین کہ ان تمام انکشافات مین جبرئیل امین کا رسول خدا کیساتھ رہنا بیان ہوا ہے اور انکی مفارقت اسی وقت بیان کی گئی ہے جبکہ تصورات باری کی محویت حد غائت کو پہنچ کر وہ نور بے کیف بے واسطہ جلوہ گر ہوا ہے پس عوالم بالا اور ارواح انبیا کا نظارہ جو رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بے وساطت حواس ظاہری حاصل ہوا ہے اگر اس کے لئے کسی اور جاننے والی روح کا تعلق ضروری ہو تو اس وقت وہ سرچشمہ روح الامین کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

تعلق ابھی کچھ پتہ چلتا ہے

مگر انسان کیا اور انسانی تجربہ کیا؟ جسکی بنا پر معرفت کے انکشاف کو کسی قانون مین محدود کیا جائے وہ یقیناً جسمانی تعقل سے باہر اور انسانی تجربہ سے بالاتر ہے اور اس کے حقیقی قوانین اگر معلوم ہو سکتے ہین تو وہ انہی قلوب مصفّا کو جو اس میدان کے شہسوار ہین۔ مگر تاہم جسمانی تعقل سے دیکھتے ہوئے بھی ابھی سراغ اور آگے چلتا ہے۔

روح کا اثر جسم پر

حواس کے بغیر حالات دریافت کر لینے ایک روحانی فعل ہے مگر روح کا جسم اور جسمانیات پر اثر کرنا بھی کئی طرح سے ثابت ہوا ہے اور اس کے متعلق قاعدہ یہ دریافت ہوا ہے[1] کہ اپنے خیال کا یا غیر کے خیال کا اثر روح پر ہوتا ہے اور روح کا اثر جسم تک پہنچتا ہے اور یہ اثر تین طرح پر ظاہر ہوتا

[1] لائف سائنٹک میگزین ماہ بازدہم صفحہ ۱۵ سنہ ۱۸۹۲ء

معلوم ہوا ہے۔ (۱) روحانی اثر سے جسم میں کچھ تغیر پیدا ہوتا ہے (۲) روحانی اثر سے دوسرے شخص کے جسم کو ارادی حرکت دی جاتی ہے اور (۳) روحانی اثر سے اجسام بے ارادہ متحرک ہو سکتے ہیں۔

روحانی اثر سے جسم میں تغیر پیدا کرنا

روحانی اثر سے جسم میں تغیر پیدا کرنیکے لئے روحانی طاقت سے معمول میں حالت وجد پیدا کی جاتی ہے اور اس حالت میں امراض کا علاج کیا جاتا ہے اور کئی طرح کے عارضے دور یا پیدا کئے جاتے ہیں اور اس وقت عامل کا اثر معمول پر اس قدر ہوتا ہے کہ اگر اُسے کہا جائے کہ تجھ کو تپ ہے تو فوراً جسم گرم ہوجاتا ہے نبض تیز ہوجاتی ہے اور تھرمامیٹر لگایا جائے تو تپ کا پتہ دیتا ہے اور پھر کہا جائے کہ بخار نہیں ہے تو معمول فوراً اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ اور امریکا میں جو مائنڈ کیور یعنے علاج قلبی کے نام سے ایک نیا طریق معالجہ دریافت ہوا ہے پروفیسر ولیم جیمس اُسکے متعلق نہایت تفصیل سے ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں † کہ بہت سے امراض جو جسمانی علاج سے دور نہیں ہوسکے اس علاج سے رفع ہوگئے ہیں۔ اس علاج کے حامی یقین رکھتے ہیں کہ تمام جسمانی عوارض انسان کے قلبی تغیر سے پیدا ہوتے ہیں اور خواہ یہ خیال غلط ہو مگر اس یقین کی بدولت علاج کرنے والا اپنے دل میں خیال جماتا ہے کہ مرض موجود نہیں ہے اور بعض اوقات خود مریض کو ایسا یقین کرادیا جاتا ہے اور اس طرح معالج اور مریض کے روحانی اثر سے مرض زائل ہوجاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ بزرگوں کے تبرکات سے علاج اعتقادی کے نام سے جسم و جسمانیات کو معدوم فرض کرکے کرسچین سائنس کے نام سے۔ ارواح مجردہ کا اثر یا مکر سپرٹزم کے نام سے اور توجہ کے وقت ایک خاص مادے کا معالج کے جسم سے نکلنا فرض کرکے مسمرزم کے نام سے جس قدر علاج کے طریق ایجاد ہوئے ہیں ‡ اور کام میں لائے جاتے ہیں ان سب میں امر مشترک وہی روحانی اثر ہے جو کسی شے یا کسی عقیدہ یا متکلم کے ذریعہ سے جسم تک پہنچایا جاتا ہے۔ بلکہ خود جسمانی علاج میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس دوا یا جس طبیب پر مریض کو اعتقاد ہوتا ہے اس کے استعمال یا معالجہ سے بہ نسبت اور دواؤں یا طبیبوں کے جلدی صحت ہوتی ہے اور ایسے وقت میں خاک کی چٹکی بھی

† ورائٹیز آف ریلیجس ایکسپیریئنس باب ہلتھی مائنڈیڈنیس

‡ لا آف سائیکک فینامنا باب یازدہم صفحہ ۱۵۰

اکسیر کا علم رکھتی ہے چنانچہ مسٹر ھڈسن ایک واقعہ لکھتے ہین † کہ ایک شخص کی زبان پر فالج گرا وہ ڈاکٹر کے پاس گیا جس نے اس مرض کیلئے ایک اپنا نو ایجاد آلہ استعمال کرنیکا ارادہ کیا مگر اس آلہ کو استعمال کرنیسے پہلے مریض کی حرارت دریافت کرنیکے لئے اُس کے مُنہ مین تھرما میٹر رکھا۔ مریض سمجھا کہ نو ایجاد آلہ یہی ہے چنانچہ چند منٹ مین وہ چلا اُٹھا کہ میری زبان بالکل درست ہوگئی"۔ علاوہ دیکھا گیا ہے کہ نیز اور یقینی دوائین مثلاً مسہلات بہی مخالف یقین پیدا ہونے پر بالکل اثر نہین کرتین یا کم کرتی ہین غرض جسمانی علاج مین بھی روحانی اثر کا بہت کچھ دخل ہے۔ علی ہذا اسی اثر سے عوارض پیدا کرنے کی مثالین بہی کثرت سے پائی گئی ہین مثلاً مسٹر ھڈسن لکھتے ہین * کہ ایم ابہ بارو نے ایک نوجوان ملاح کو بیخود کیا اور اس حال مین اُسکو خیال دلوایا کہ آج شام کو چار بجے تم میرے دفتر مین آؤ گے۔ کرسی پر بیٹھو گے اور اپنے بازو چھاتی پر صلیبی شکل مین رکھ لوگے اور اس وقت تمھاری نکسیر پھوٹے گی چنانچہ معین وقت پر یہی واقعہ ہوا اور اس کے بائین نتھنے سے کئی قطرے خون کے نکلے اور ایک اور موقع پر اسی ڈاکٹر نے ایک مریض کے دونو بازؤن پر کسی آلہ کے کُند سرے سے اُسکا نام لکھا اور پھر بیخود کرکے کہا کہ آج شام کو چار بجے تم سو جاؤ گے اور جو خط مینے تمھارے بازؤن پر کہنچے ہین اُن سے خون نکلیگا اور تمھارا نام خونی حرفون مین لکھا جائیگا۔ چار بجے دیکھا گیا تو وہ بیخود سوتا تھا اور اس کے ایک بازو پر چمکیلے سرخ حروف تہے اور اکثر جگہ خون کے قطرے نمایان تہے اور یہ حروف بعد مین تین مہینہ تک قایم رہے گو رفتہ رفتہ ماند پڑتے گئے۔ مگر ڈاکٹر برنھم کا یہ قول بالکل بجا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے واقعات گاہ گاہ پیش آتے ہین اور خاص روحانی طاقت اور خیالی قوت ہی جو ایسا اثر کرسکتی ہے

اور مرض ایک طرف خیال کے اثر سے جو روح پر ہوتا ہے اور روح کے عمل سے جو وہ جسم پر کرتی ہے انسان کو ایسا بے حس کیا جاسکتا ہے کہ وہ مردہ معلوم ہوتا ہے اور اگر اس اثر کو زائل نہ کیا جائے تو آخر مر جاتا ہے مسٹر ھڈسن اس مضمون پر ایک باب کا عنوان قائم کرکے اور کالمیت رہتی کی

نیز اثر سے مردہ بے حس کیا جاسکتا ہے۔

† لا آف سائیکک فینامنا باب یازدہم صفحہ ۱۴۸ ۱۸۹۳ء

* کتاب ہذا - باب یازدہم صفحہ ۱۵۳ -

بہت سی مثالین دیکر لکھتے ہین †

کٹلیپسی یعنی احتفاظ زیست کی چار صورتین ہین جن مین مختلف اسباب اس مظہر کی شرط یعنی خیالی اثر کو پیدا کرتے ہین (۱) بیخود کرکے مرنیکا خیال دلوانے سے (۲) متعدی احتفاظ زیست (۳) خود پیدا کردہ (۴) وہ احتفاظ زیست جو مرض یا اعصابی تکان سے پیدا ہوتی ہے اور ان سب مین پہلی تین صورتون مین تخیل ہی احتفاظ زیست پیدا کرنیکا قوی سبب ہے اور یہ تخیل پہلی صورت مین اُس عامل کیطرف سے آتا ہے جو تجربہ کرنے کیلئے عمداً یہ حالت پیدا کرتا ہے اور دوسری صورت مین دیگر کاملین اشخاص کو دیکھکر انسان کا اپنا تخیل یہ اثر پیدا کرتا ہے اور ایسی حالتون مین ممکن ہے کہ احتفاظ زیست تمام آس پاس کے لوگون پر طاری ہوجائے جس طرح متعدی جنون اور حال کھیلنے کی حالت یا دیگر اعصابی تکلیفین ایک دوسرے کو دیکھکر پیدا ہوجایا کرتی ہین۔ کہا جاتا ہے کہ بچون مین یہ حالت پیدا ہونیکا سبب محض نقل کرنا یا نقل کا ارادہ کرنا ہے مگر یہ فاش غلطی ہے اور درحقیقت ان مین بھی اسکا سبب وہی تخیل کی قوت ہے بعض وہ ڈرتے ہین کہ مبادا یہ حالت انکی نہ ہوجاوے پس یہ خوف کا خیال قوی ہوکر اُن کو بیحس کردیتا ہے اور تیسری صورت مین اپنا خیال جمانے سے یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جیسا کہ ہندوستانی فقیرون کے تجربون مین بیان ہوچکا ہے۔ ان واقعات مین شرطیہ ہپناٹزم یعنی حالت بیخودی ہے جو محض سادہ طرز عمل سے خود بخود پیدا ہوجاتی ہے اور اُن لوگون کو اچھی طرح معلوم ہے جنہون نے اہل مشرق کے مشق کردہ حالت وجد کا غور سے مطالعہ کیا ہے"

روح کے جسم پر اثر کرنیکی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خود اپنے ارادہ سے حرکت کرتا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت مین اسکی حرکت اثر کرنیوالے کی قوت سے ہوتی ہے مسٹر ایف ڈبلیو ایچ مائرس اپنے تجربون مین جو اُنہون نے ڈاکٹر اے ٹی مائرس کی رفاقت مین کئے ہین لکھتے ہین ††

روحانی اثر سے جسم ارادی حرکت پیدا

ہمنے ۲۲ اپریل ۱۸۸۶ء کی شام کو ڈاکٹر گبرٹ کے ساتھ کھانا کھایا اور اُس شام کو ڈاکٹر موصوف نے

---

† کتاب لا آف سائیکک فنامنا باب ۲۱ صفحہ ۳۱۵ ۱۸۹۳ء

†† کتاب ہومان پرسنلٹی ضمیمہ باب پنجم صفحہ ۳۸۲

ایک دفعہ اور کوشش کی کہ میڈم بی کو انکے اپنے گھر پر جو ڈاکٹر کے گھر سے فاصلہ پر تھا بیخود کرین اور اپنے
روحانی مذہب سے انکو ملائین چنانچہ آٹھ بجکے پچپن منٹ پر ڈاکٹر موصوف اپنی مطالعہ کے کمرہ میں چلے گئے
اور مسٹر جنٹ اور لے تی مائرس وغیرہ مقام سولن کو گئے (جہان میڈم بی رہتی ہین) اور مکان
سے کچھ فاصلہ پر ٹھیر کر انتظار کرنا شروع کیا۔ نو بجکے بائیس منٹ پر ڈاکٹر مائرس نے میڈم بی
کو دیکھا کہ وہ باغ کے پھاٹک سے نکلین اور پھر واپس چلی گئین جن لوگون نے ان کو پاس سے دیکھا وہ کہتے
ہین کہ وہ بالکل بیخودی کے عالم مین تھین اور بھٹکتی ہوئی چلتی تہین اور کچھ بڑبڑاتی جاتی تہین۔ نو بجکر
پچیس منٹ پر وہ پھر نکلین اور اس وقت دور سے انکی آنکھین بند معلوم ہوتی تہین چنانچہ وہ چلین
اور جلدی سے پروفیسر جنٹ اور مسٹر مائرس کے پاس سے گذر گئین اور ان کو پہچانا نہین اور ڈاکٹر گبرٹ
کے گھر کا راستہ لیا۔ مگر وہ رستہ لیا جو معمولی اور سب سے قریب تھا (یہ بعد کو معلوم ہوا کہ انکی خادمہ نے
انکو دیکھا تھا کہ وہ آٹھ بجکے چیتالیس منٹ پر اپنے کمرہ مین گئیں اور وہان سے نو بجکے پندرہ منٹ
پر بیخودی کے عالم مین باہر نکلین اور اس عرصہ کے مابین انکو خادمہ نے نہین دیکھا۔ یہ انکا معمول تھا
کہ دن کا کام ختم کرکے شام کو اپنے کمرہ مین چلی جایا کرتی تھین) وہ لالٹین کے کھمبون سے اور گاڑیون وغیرہ
سے بچکر نکلتی تھین مگر سڑک کو (عرض مین) بار بار عبور کرتی تہین - اس حالت مین کوئی شخص انکے سامنے
مین ہوا اور نہ ان سے بات کی۔ آٹھ یا دس منٹ کے بعد انکی رفتار مین زیادہ تذبذب پیدا ہوا اور
ٹھیر گئیں۔ گویا گرنے لگی ہین۔ ڈاکٹر مائرس نے دیکھا تو اس وقت نو بجکر پینتیس منٹ تھے اور پھر نو بجکر
چالیس منٹ پر وہ پھر سنبھل گئین اور نو بجکے پینتالیس منٹ پر اس سڑک پر آگئین جو ڈاکٹر گبرٹ
کے گھر کے سامنے ہے یہان وہ ڈاکٹر کو لین مگر پہچانا نہین اور گھر کے اندر چلی گئین۔ جہان پہنچکر
جلدی جلدی حصہ بیرین کے کمرون مین پھرنا شروع کیا جب ڈاکٹر نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو پہچانا
اور قرار پکڑا "

ڈاکٹر گبرٹ نے بیان کیا کہ آٹھ پچیس منٹ سے نو بجکر بیس تک انہون نے میڈم کا پورا خیال رکھا
بیس سے پینتیس منٹ تک کم توجہ کی اور پینتیس منٹ پر خیال بالکل چھوڑ دیا اور بلیرڈ کھیلنا شروع کر دیا

لیکن چند منٹ میں پھر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ بلیرڈ کھیلنے کا وقت اور میڈیم کے بھٹکنے کا وقت ایک ہی تھا۔ مگر شاید وقت کا اتحاد اتفاقی ہو۔"

آگے مسٹر مائرس لکھتے ہیں کہ "اس قسم کے بیس تحریروں میں سے انیس میں کامیابی ہوئی اور اس قسم کے تجربے دن کے مختلف اوقات میں اور مختلف زمانوں میں کئے گئے ہیں تاکہ یہ گمان ہو کہ ایک وہم میں لگے ہوئے ہو سکتے ایسا نظر آیا۔"

اس واقعے میں روحانی طاقت ہی انسان کو حرکت دینے سے پہلو بچو کر لیا گیا ہے مگر ایک واقعہ مسٹر ھڈسن نے لکھا ہے جو خود ان کے ساتھ گذرا اور جس میں معمول کو بچو بھی نہیں کیا گیا وہ لکھتے ہیں کہ

"ایک دفعہ میں نے ایک نوجی جرنیل کو ایک میڈیم یعنے حاضرات کرنیوالی کے سامنے بٹھا کر سلیٹ کی تحریر کا تجربہ کیا اور قرار یہ پایا کہ جرنیل میڈیم سے چھپا کر چھ خط اپنے غائب دوستوں کے نام لکھے اور ان کا غذوں کو سلیٹ کر میز پر اپنے سامنے رکھ لے پھر دو سلیٹوں کو دھو کر ایک دوسری کے اوپر رکھ لیا جائے اور ان کے بیچ میں ایک پنسل رکھ دیں اور اس بنڈل کو میز پر رکھ کر جرنیل اور میڈیم اپنا ہاتھ اس پر رکھیں اور کاغذوں کو اور سلیٹ کو دیکھتے رہیں۔ تاکہ اس طرح میڈیم کو خود دیکھنے اور دھوکے سے لکھنے کا موقع نہ ملے چنانچہ دن کی روشنی میں یہ عمل کیا گیا۔ اور جرنیل اور مسٹر ھڈسن نے سلیٹوں کے اندر پنسل چلنے کی آواز سنی اور آخر میں تین خط کھینچنے کی آواز پیغام ختم ہونے کی علامت تھی۔ چنانچہ جرنیل خود سلیٹوں کو کھولکر دیکھتا رہا اور ہر رقعہ اپنے دوستوں کی طرف سے جواب موجود پائے۔"

ان واقعات کی تفصیل دیکر مسٹر ھڈسن اس امر کا ثبوت بھی نکالتے ہیں کہ اس وقت پیغام وغیرہ والی اور لکھنے والی کوئی خارجی اور بے جسم روح نہ تھی بلکہ خود میڈیم انکشاف قلبی سے جواب دیتی تھی اور روحانی طاقت سے پنسل کو حرکت دیتی تھی۔ مگر اس واقعہ میں جو امر موجودہ مضمون کے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ جب خط لکھ کر میز پر رکھ دئے گئے تھے تو مسٹر ھڈسن کمرہ کے باہر تھے۔ میڈیم نے ان کو بلایا اور کہا کہ ایک چٹھی ایسی روح کے نام ہے جو تمہاری بھی دوست تھی اور وہ چاہتی ہے کہ اسکے جواب دینے کے وقت تم کمرہ میں موجود ہو۔ کیا تم جی نامی کسی شخص کو جانتے ہو؟" مسٹر ھڈسن لکھتے ہیں کہ "مجھے اس وقت

اس نام کا کوئی دوست یاد نہ تہا اس لئے کہ اس شخص کا اصلی نام تہا اور میں اس کے صرف خاندانی نام سے واقف تہا۔ حالانکہ وہ حقیقت میں میرا دوست اور حرسل کا بہائی تہا۔ میڈیم نے ایک پنسل دی اور کہا اس سے ان حصہ کا غذوں میں سے جس کو چاہو مس کرو اور پہر کہول کر دیکہو وہ خط جی کے نام ہوگا۔ چنانچہ دیکہا تو مین بہت متحیر ہوا مگر ابہی تک گمان تہا کہ میرا خاص جی کے خط کو مس کرنا شاید اتفاقی ہو۔ میڈیم نے کہا کہ خطون کو پہر ملا دو اور پہر انگلی سے ایک چٹہی کو مس کرو وہ ایم کے نام ہوگی۔ چنانچہ تین دفعہ ایسا اتفاق ہوا اور ہر دفعہ میرا ہاتہ جو ظاہر میں میرے ارادہ سے حرکت کرتا تہا۔ میڈیم کے روحانی اثر سے خاص اسی خط کیطرف جاتا تہا جس کا انسان سامنا جاتا تہا۔ اور میں اس وقت پورے ہوش و حواس میں تہا اور کوئی دماغی یا جسمانی تغیر مجہے محسوس ہوا تہا۔"

روحانی اثر سے جسم کا بے ارادہ حرکت کرنا۔

جسم پر اثر کرنے کی تیسری صورت یہ ہے کہ خود بخود حرکت کرے اور ارادہ کو دخل نہ ہو چنانچہ اسکی ادنی مثال مسٹر ہڈسن کا مذکورہ بالا واقعہ ہے جسمین انہوں نے پنسلوں کو اپنے سامنے حرکت کرتے ہوئے سنا اور جواب لکہے ہوئے دیکہے اور ایک دلچسپ واقعہ مسٹر مائرس نے خود دیکہنے والی عورت کے قلم سے نقل کیا ہے اور اسکے متعلق اس گہر والوں کی تحریری شہادت شہت کی ہے چنانچہ وہ فرنسس ریڈل نام ایک عورت کا واقعہ لکہتے ہین۔ وہ بیان کرتی ہے کہ ‡

لیڈی والڈگریو کی خادمہ ہملن الگزنڈر نامی ٹائی فائڈ بخار میں مبتلا تہی اور میں اسکی تیمار دار تہی۔ ایک دن رات کے چار بجے (۴ اکتوبر ۱۸۸۰ء) میں اسکے پاس میز پر اسکی دوائی بنا رہی تہی کہ میں نے بلانے کی گہنٹی بجتی سنی۔ جو اسی ہفتہ مین دو دفعہ پہلے بہی رات کو گہنٹی سن چکی تہی۔ اور پہر میں نے دیکہا کہ کمرہ کا دروازہ کہلا اور ایک عورت اندر داخل ہوئی۔ جسکی نسبت مجہے خود بخود خیال ہوا کہ یہ مریضہ کی والدہ ہے۔ اس کے ہاتہ مین ایک پیتل کا شمعدان تہا۔ ایک شال کندہے پر پڑی تہی اور ایک فلالین کا چہوٹا کوٹ پہنے ہوئے تہی جسمین سامنے ایک سوراخ تہا۔ میں نے اسے خوشی کی نظر سے دیکہا کہ اچہا ہوا تم آگئیں اور اس نے ایسے انداز سے دیکہا گویا کہتی ہے کہ مجہے پہلے کیوں نہ خبر کی۔ میں نے مریضہ کو دوا پلائی اور پہر کر دیکہا تو کوئی نہ تہا۔ نظر آنے والی ایک پستہ قد سیاہ فام اور مضبوط عورت تہی۔ صبح چہ بجے ہملن الگزنڈر مر گئی

‡ ہسٹری موسنلٹی تقسیم بات ششم صفحہ ۲۸۲

"دو دن بعد اُسکے والد اور ہمشیرہ (جو کسی بستی میں رہنے تھے آئے) اور میں نہایت متعجب ہوئی جب میں نے دیکھا کہ انکی والدہ کی بعینہ وہی شکل ہے جو میری واہمہ نے دو دن پہلے دیکھی تھی۔ میں نے انکی ہمشیرہ کو اُس رات کا واقعہ اور آنیوالی کا سامان سنایا۔ اس نے تصدیق کی کہ واقع میں والدہ کا رات کا لباس یہی ہوتا ہے اور یہ کہ ہمارے گھر میں ایک اسی قسم کا شمعدان بھی ہے۔ مرنیوالی لڑکی اور اسکی والدہ کی شکل میں کوئی مشابہت نہ تھی"

مالکہ مکان مفصّل شہادت دیتی ہے کہ دیکھنے والی نے والدہ کے آنے سے پہلے یہ واقعہ بیان کیا تھا اور لکھتی ہے کہ "جو حلیہ اسنے بیان کیا تھا اس سے میں نے بھی دیکھتے ہی اُس عورت کو پہچان لیا اور نہ کہ مریضہ ڈل موتہم مزاج کی عورت نہیں اور اسکو اس کے سوا کوئی عجب واقعہ پیش نہیں آیا"

مسٹر مائرس اسکو یون حل کرتے ہین کہ "والدہ نے جو بیٹی کی سبب متفکر تھی خواب میں اُسکو دیکھا ہے مگر خواب یاد نہیں رہا۔ اُسکے خیال نے جسمانی صورت اختیار کی اور اتفاق سے ایک ایسا شخص بھی بیٹی کے کمرہ میں موجود تھا جس پر خیال اثر کر سکے چنانچہ اس نے اُسے دیکھا اور ممکن ہے کہ مریضہ نے بھی خواب میں یا بیداری میں اُسکو دیکھا ہو۔ مگر اُسکے جلدی مرجانے کے سبب سے معلوم نہ ہو سکا"

اس واقعہ مین موجودہ مضمون کے متعلق دروازہ کھلنے کا تجربہ ہے جو خیالی طاقت سے پیدا ہوا اور اسکے علاوہ میز کو ہلانا ۔ باجا بجانا ۔ دور کی چیزین لانا اور خود انسان کے جسم کو حرکت دینا اور بلند کرنا اِس قسم کے واقعات کثرت سے مروی ہین۔ مسٹر لیڈ بیٹر لکھتے ہین[†] ۔ میرے پاس کئی درخت خط سرطان وجدی کی درمیانی سرزمین سے لائے گئے اور باغ مین لگائے گئے اور دیر تک رہے ایک پودا بوتل مین مٹی اور پانی ڈالکر لگایا گیا جو رفتہ رفتہ بڑھا اور پھول لایا اور تین مہینہ بعد آب و ہوا کے اختلاف سے مرجھا گیا"

اس طاقت کا انکار اور اسکی وجہ

مگر ان مناظر کا ثبوت نامکمل ہوگا اگر ان سے انکار کرنیوالوں کی رائے اور ان کے استدلال کی قوت کو نہ دیکھا جائے۔ اور گو لرکے پیٹ مین رہکر زمین آسمان کے وجود سے انکار کرنیوالے تو بہت ملین گے مگر حسن اتفاق سے مسٹر پڈمور ایک ایسے شخص کی تحریر دیکھنے مین آئی جو مناظر روحانی

† کتاب آدر سائڈ آف ڈیتھ پادری لیڈ بیٹر

کو تلاش کرنیوالی سوسائٹی کے سرگرم ممبر ہیں اور بہت مدت تک تحقیقات کرنیکے بعد وہ اکثر نتائج میں اپنے رفیقوں سے اختلاف کرتے ہیں اور یہاں تک محتاط مزاج رکھتے ہیں کہ دھوکے کی وجہ نہیں پاتے مگر دھوکے کا یقین کر لیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ ††

"ہم مجبور ہیں کہ کہیں نہ کہیں معمول سے بالا تر طاقت کا اعتراف کریں۔ مگر یہ کہنا آسان ہے کہ حاضرات کرنیوالے میں دیو کا دیکھنے کی معمول سے زیادہ طاقت ہے بہ نسبت اس کے کہ معمول سے زیادہ روحانی طاقت کا اعتراف کریں"

پس ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اس قدر احتیاط کے وہ کہاں تک تسلیم کرتے ہیں اور کس جگہ کس بنا پر انکار کرتے ہیں اور اس ضمن میں تیسری قسم کے حرکت کے واقعات بھی انہی کے قلم سے بیان ہونگے پہلی قسم کا اثر یعنی روحانی طور پر جسم میں عوارض پیدا کرنیکی طاقت کو اور نیز دوسری قسم کے اثر یعنے دوسرے شخص کی جسمانی حرکت کو جو بظاہر اپنے ارادہ سے ہو اور اصل میں کسی عامل کی قوت کا اثر ہو وہ بڑی حد تک تسلیم کرتے ہیں مثلاً ہپناٹزم یعنی حاضراتی اثر کی نسبت لکھتے ہیں ‡

"حاضراتی بیہوشی کے اندر معمول اپنے اعصابی تنفسی اور وریدی نظام پر اور بالعموم تمام جسمانی قوتوں پر ایسا تصرف حاصل کر لیتا ہے جو حالت بیداری میں نہیں ہوتا۔ اور جسم کے کسی خاص حصہ کی یا تمام جسم کی ہر قسم کی حس یا درد کے احساس کو بالکل معدوم کر دینا ہپناٹزم کا عام خاصہ ہے اور اسی طرح خیال کے اثر سے خوفناک امراض کو روکا جا سکتا ہے اور صحت پیدا کی جا سکتی ہے اور بہت سی فرانسیسی محققوں کی شہادت سے معلوم ہوا ہے کہ اعلیٰ درجہ کے حاضراتی اثر میں اور نیز ہسٹیریا (ایک اعصابی بیماری جسکے اسباب معلوم نہیں ہو سکے) کے مریضوں میں قوت تخیل مصنوعی ورم مصنوعی داغ اور دیگر قسم کی گہری امراضی کیفیتیں پیدا کر سکتی ہے"

آگے چل کر حرکت کرنے کی نسبت لکھتے ہیں †

---

†† کتاب سٹڈیز ان سائکیکل ریسرچ باب چہارم صفحہ ۱۰۹ سنہ ۱۸۹۶ء

‡ کتاب ہذا باب ۱۲ صفحہ ۳۸۸ سنہ ۱۸۹۶ء

† کتاب ہذا باب ہذا صفحہ ۳۹۴

میز کی حرکتین

کونٹ ایم دی گاسپرن اور اُن کے دوست پروفیسر تھری نے ۱۸۵۳ء کی موسم گرما میں روحانی طاقت سے میز اور دیگر بھاری چیزوں کو حرکت دینے کے تجربے کئے۔ ان میں ایک صورت یہ تھی کہ چند آدمی جنمیں دس نو بھی شامل تھے میز کے گرد بیٹھ جاتے تھے اور میز پر ہاتھ رکھ کر روحانی توجہ سے اُسکو حرکت دیتے تھے۔ ان میں سے ایک موقعہ پر جو حرکت واقع ہوئی جو عام صحیح کر اعشاری سنائیس کلوگرام کی طاقت چاہتی تھی جسکو حاضرین پر تقسیم کرنے سے ہر ایک شخص کیطرف سے قریباً ڈیڑھ پونڈ طاقت خرچ ہوئی۔ مگر چونکہ ہاتھ کا اتصال تھا اس لئے یہ تجربے ناکافی سمجھ کر بغیر جسمانی اتصال کے حرکت دینی چاہی اور اسمین بھی کامیابی ہوئی۔ چنانچہ ایک مبر سا اُٹھکر کر کسی کا ہاتھ لگے تو معلوم ہو سکے سب لوگ اسکے گرد بیٹھ گئے اور دیکھا کہ روحانی طاقت سے میز چکر کھانے لگی اور وہ میز اس قدر وزنی تھی کہ اُنگلی یا ہاتھ یا چھاتی کے سہارے سے گول حرکت نہیں کر سکتی تھی اور پروفیسر تھری دیکھ رہے تھے کہ کوئی شخص پاؤن سے بھی اسکو حرکت نہ دے۔"

اس واقعہ میں مسٹر پڈ مور سب احتیاطون کو مانکر یہ نقص بتاتے ہین کہ پوری احتیاط نہین ہوئی اور ممکن ہے کہ کسی نے گھٹنہ سے اُسکو حرکت دی ہو۔" مگر معلوم نہین یہ احتمال کیونکر تسکین دے سکتا ہے گھٹنے سے جو حرکت پیدا کیجائے وہ ظاہر ہے کہ ہاتھ اور پاؤن کی حرکت سے زیادہ بے قاعدہ ہوگی - پس اگر کسی شخص نے گھٹنہ سے حرکت دی ہوتی تو بجائے چکر کھانے کے ایک آدہ جھٹکا محسوس ہوتا البتہ اگر چند آدمی اتفاق کر کے اپنے اپنے گھٹنون سے ایک ہی دفعہ خاص حرکت پیدا کرین تو ممکن ہے کہ کچھ چکر پیدا ہو جاتے مگر اس طرح سب کا ایک دفعہ کوئی خاص اشارہ دیکر حرکت پیدا کرنا ممکن نہین کہ دیکھنے والون کو اور بیہارن کو جو غور سے ان حرکات کا خیال رکھتے ہین معلوم نہ ہو سکے پس ایسا احتمال پیدا کرنا علاوہ گناہ ۔۔۔ گناہ معلوم ہوتا ہے اور اس منظر کو حل نہین کر سکتا۔

اور اسی قسم کے چند تجربے ڈاکٹر رابرٹ ھیئر پروفیسر آف کیمسٹری نے چند عاملون کے ساتھ کئے ہین جن سے ایک میں † ایک پانی کا بھرا ہوا پیالہ بورڈ پر اس طرح رکھ دیا گیا تھا کہ اگر ذرا سا بھی ہاتھ کا لگاؤ ہو تو پانی اچھل پڑے۔ اس پر بھی مسٹر پڈ مور وہی گھٹنہ یا پاؤن کی حرکت کا احتمال پیدا

† سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ باب سیوم صفحہ ۴ سنہ ۱۸۹۶ء

کرتے ہین حالانکہ پانی کیوجہ سے یہ اور بھی مشکل ہے اور ایک عذر یہ بھی پیدا کرتے ہین کہ چونکہ ڈاکٹر موصوف ان تجربون سے مذہبی ثبوت دینا چاہتے ہین اس لئے ان کے تجربے قابل اعتماد نہین ہین

آگے لنڈن کی ڈائلکٹکل سوسائٹی کی کمیٹی کا ۱۸۶۹ء کا تجربہ ہے+ یہ سوسائیٹی علوم عقلیہ کی ترقی کیلئے قائم تھی اور اس نے جیسا کہ انکی طرف سے بیان ہوا ہے چند معزز و بانت دار اشخاص کی کمیٹی روحانی مظاہر کی تحقیق کیلئے مقرر کی تھی اور یہ ایسے لوگ تھے جن کو دھوکا دیکر کوئی فائدہ حاصل کرنا مقصود نہ تھا چنانچہ اس کمیٹی نے رپورٹ کی ہے کہ انہون نے اکثر بغیر کسی اتصال کے میزون کو حرکت کرتے دیکھا۔ ایک دفعہ اس کمیٹی کے گیارہ ممبر ایک بھاری کھانے کی میز کے گرد بیٹھے تھے اور انہون نے چالیس منٹ تک میز کو مختلف حرکتین اور آوازین پیدا کرتے دیکھا انہون نے امتحان کیلئے کرسیون کی پشت میز کیطرف کر لی اور خود میز کیطرف منہ کرکے کرسیون پر گھٹنون کے بل بیٹھ گئے تا پاؤن کے اتصال کا گمان باقی نہ رہے اور ہر ایک کے ہاتھ میز کے اوپر قریباً چار انچ سطح سے بلند تھے اس صورت مین جبکہ کوئی اتصال پیدا نہ تھا میز نے ایک منٹ میں چار دفعہ حرکت کی ایک دفعہ پانچ انچ ایک طرف کو ہوئی پھر بارہ انچ پیچھے کو سرکی اور اسی طرح چار انچ اور چھ انچ ادھر اودھر حرکت کی۔ پھر سب نے اپنے ہاتھ کرسیون کے تکیہ پر رکھ لیئے اور میز سے ایک فٹ کے قریب دور ہو گئے اور میز نے پانچ دفعہ مختلف حرکتین چار سے چھ انچ تک کین۔ پھر کرسیون کو میز سے بارہ انچ دور رکھ کر اور اپنے ہاتھون کو کمر کے پیچھے پکڑ کر پہلے کیطرح گھٹنون کے بل بیٹھ گئے اور اس حال مین میز نے مختلف جوانب مین چار حرکتین کین۔ پھر میز کو الٹ پلٹ کر اور اسکو اجزا الگ کرکے دیکھا گیا لیکن کوئی ثبوت اس منظر کا نہ پایا گیا۔ اور یہ تجربہ گیس کی پوری روشنی مین ہوا۔

اس پر مسٹر پڈ موڈ تمام سوسائٹی پر الزام لگاتے ہین اور کہتے ہین++ کہ دیکھنے والون کے نام نہین بتلائے گئے اور بیشک یہ اعتراض وزندار ہے مگر آخر یہ کمیٹی وہ ہے جس کے سامنے

+ سٹڈیز ان سائیکل ریسرچ صفحہ ۴۹

++ کتاب مذکور باب چہارم صفحہ ۱۱۵ سطر ۱۸۹۷ء

انسان کی حرکت اور آگ کا تجربہ

ماسٹر آف لنڈسے (ارل آف کرافورڈ اینڈ آراس) اور لارڈ اڈیر جیسے معززین نے اپنی شہادتیں قلم بند کروائی ہیں۔ چنانچہ ماسٹر آف لنڈسے نے مشہور عامل مسٹر ڈی ڈی ہوم کے چشم دید واقعات کی شہادت دی ہے کہ انہوں نے اکثر ہوم کے قد کو ایک موقع پر گیارہ انچ اور ایک موقع پر سترہ انچ لمبا ہوتے دیکھا اور پیمانہ یوں کیا گیا تھا کہ ہوم کو دیوار کے برابر کھڑا کر کے دیوار پر نشان کر دیا گیا تھا جس کو بعد میں ناپ لیا۔ اور ان میں سے ایک موقع پر لارڈ آڈیر نے اپنا پاؤں ہوم کے پاؤں پر اور ایک ہاتھ انکی کمر پر رکھا ہوا تھا اور یہ منظر پوری روشنی میں دیکھا گیا۔ اور اسی طرح لارڈ لنڈسے نے ہوم کو جلتے انگارے ہاتھ میں اٹھانے اور کرتے میں رکھتے ہوئے دیکھا اور خود بھی آٹھ دفعہ ان کے اثر سے کوئلہ ہاتھ پر رکھا اور تکلیف نہ ہوئی حالانکہ مونہہ کے پاس لیجانے سے مونہہ جھلس جاتا تھا۔ ایک اور موقع پر نو آدمی تھے جن میں سے سات نے گرم کوئلے اٹھائے اور دو ان کے پاس تک نہ آسکے۔ ایک اور موقع پر ۱۸۶۸ء میں جبکہ ان کے ایک ابن عم کیپٹن وائن اور لارڈ آڈیر بھی موجود تھے اور ان دونوں نے جداگانہ اپنے اظہار قلمبند کروائے ہیں اور ان کے بیان کو تصدیق کیا ہے۔ لارڈ لنڈسے نے دیکھا کہ مسٹر ہوم پر وجد طاری ہوا اور وہ اس حال میں بلند ہوئے اور جو کمرہ انکے کمرہ کے متصل تھا اسکی کھڑکی میں سے نکل گئے اور پھر باہر سے کمرہ کی کھڑکی میں سے ہوا میں تیرتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور ان کھڑکیوں کا فاصلہ باہم قریباً سات فٹ چھ انچ تھا اور ان کے مابین کوئی پاؤں دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمنے ہوم کو اپنی کھڑکی کے باہر ہوا میں تیرتے ہوئے دیکھا جس حال میں وہ چند سکنڈ تک رہے اور جب ہماری کھڑکی میں داخل ہوتے ہیں تو پاؤں آگے تھے اور سر پیچھے اور جب آکر بیٹھ گئے تو لارڈ آڈیر دوسرے کمرہ میں گئے اور دیکھا کہ وہ کھڑکی صرف اٹھارہ انچ طول رکھتی ہے لارڈ آڈیر نے تعجب ظاہر کیا کہ اتنے سے سوراخ میں کیونکر جا سکے۔ مسٹر ہوم نے جو ابھی وجد میں تھے کہا کہ میں پھر دکھاتا ہوں چنانچہ وہ پیچھے کو جھکے اور گولی کی طرح کھڑکی سے باہر نکل گئے اور اس وقت پہلے سر باہر نکالا اور پھر اسی راہ سے واپس آکر بیٹھ گئے۔ اور یہ کھڑکی (باہر کی) زمین سے قریباً

ستر فٹ بلند تھی۔

ان واقعات کے متعلق مسٹر مَیڈ مور کے الفاظ جن کو تائید کہا جائے یا تردید حسبِ ذیل ہیں کہ

"جلتے ہوئے کوئلوں کو ہاتھ میں لینا یا اس عجائبات جو پیش آتے تھے اور جن کا ہم مسٹر ہوم کا دعویٰ رکھتے ہیں یعنی ہوا میں بلند ہونا جو ماسٹر آف لنڈسے اور لارڈ اڈیئر نے ایک روشن رات میں دیکھا ان واقعات کی نسبت یہ فرض کرنا مشکل ہے کہ دیکھنے میں سستی کی گئی ہے یا موقع سے ابتدائی میتھڈ ولوجی کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اور میں یہ خیال کرنے کے ناقابل ہوں کہ اُن حالات کے اندر جو ساتھ کئے گئے ہیں سادہ فریب ایسے اثر پیدا کر سکتا ہے لیکن چونکہ میں ان مناظر کو درست نہیں تسلیم کر سکتا اس لئے ان واقعات کی محض ایک تشریح خیال میں لا سکتا ہوں اور وہ بھی نہایت (یعنی حقیقت میں قابل تسلیم نہیں) اور وہ یہ ہے کہ عامل نے اپنی حالی طاقت سے دیکھنے والوں کے واہمہ کے اندر ایسا منظر پیدا کر دیا ہوگا"

مسٹر مَیڈ مور خود اس توجیہ کو پلازیبل یعنے اوپرے دل کی تسکین کہتے ہیں اور واقع میں ہے بھی سراسر تکلف۔ کیونکہ جیسا کہ مسٹر مَیڈ مور کہتے ہیں یہ مانا کہ خیالی تصویر ایک وقت میں بہت سے اشخاص کو نظر آسکتی ہے جس کو وہ کالیکٹو ہیلیوسی نیشن سے نامزد کرتے ہیں۔ لیکن اگر کھڑکی میں آنے والی تصویر خیالی تھی تو ہوم کا اصلی جسم جو کمرہ میں موجود تھا وہ بھی غائب ہو گیا تھا اور اسی طرح دوسری دفعہ جب وہ باہر گئے ہیں تو اس وقت بھی اصلی جسم وہاں نظر نہیں آیا اور اس صورت میں علاوہ خیالی جسم پیدا کرنے کے ایک اور جسمانی تصرف یہ کیا گیا کہ موجود اور محسوس جسم کو نامحسوس کر دیا گیا حالانکہ جسم کو حرکت دینے کی مثالیں تو کثرت سے ہیں مگر کچھ عرصے کیلئے موجود کو معدوم کرنے کی مثال کوئی مروی نہیں اور اگر ہوگی تو بہت کم۔ پس جسمانی تصرف کی ایک صورت کا انکار کرنے سے خود جسمانی تصرف کی دوسری صورت کو ماننا پڑتا ہے جو اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اور اسی طرح مسٹر مَیڈ مور کہتے ہیں کہ انہوں نے جلتے ہوئے کوئلوں کو مانع احتراق دوا لگا کر اٹھایا ہوگا مگر جو ماسٹر آف لنڈسے نے آٹھ دفعہ ان کے اثر سے

کوئلوں کو اٹھایا اور کچھ اثر نہ ہوا حالانکہ ایک دفعہ ماسٹر آف لنڈسے نے یہ خیال کر کے کہ دیکھوں واقع میں یہ کوئلے دھکتے ہیں اپنے داہنے ہاتھ کی بیچ کی انگلی کوئلہ کو لگائی تو سکن پنس کے برابر چھالا پڑ گیا اور ایک دفعہ ان کے علاوہ اور چھ شخصوں نے کوئلوں کو اٹھایا اور اثر نہ ہوا۔ غرض ان واقعات کی توجیہ جو مسٹر پاڈ مور کرتے ہیں نہ صرف پلازیبل بلکہ بالکل ناقابل تسکین ہے۔

ولیم کروکس کے تجربے۔

اور نیز یہ واقعات صرف اسی روایت سے مروی نہیں ہیں بلکہ سر ولیم کروکس ایک بڑے مشہور سائنسدان مسٹر ہوم کے بہت سے واقعات کی عینی شہادت دیتے ہیں اور مسٹر پاڈ مور کو اعتراف ہے کہ

مسٹر کروکس کا علم کیمسٹری اور فزکس کا ماہر ہونا انکو خاص طور پر اس قسم کی تحقیقات کے قابل بناتا ہے اور جو تحقیقات انہوں نے مسٹر ہوم کے متعلق کی ہے وہ ثابت ہوتا ہے کہ پوری احتیاط ہی کے ساتھ اور ایسے حالات میں کی گئی ہے جو دھوکے کو روکنے یا اوسکو ظاہر کر دینے کیلئے خاص طور پر موزوں ہیں۔ تجربے مسٹر کروکس کے اپنے مکان پر کئے گئے ہیں یا بعض دوستوں کے مکان میں اور تمام حاضرین سے وہ ذاتی طور سے واقف ہیں اور انمیں سے اکثر بالالتزام حاضر ہونیوالے ہیں اور کمرہ اکثر موقعوں پر پورا روشن رکھا گیا ہے تا عامل کی تمام حرکات ہر وقت زیر نظر رہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ خود مسٹر ہوم بھی برخلاف اور عاملوں کے تحقیقات کے لئے ہر طرح کا موقع دینے کو تیار رہتے تھے"

غرض ان حالات میں مسٹر کروکس نے بہت سے کرشمے دیکھے۔ وزنی چیزوں کو ایک خاص ترازو پر رکھ کر ان کا وزن ہلکا کیا گیا جن میں سے ایک دفعہ دھیمی روشنی میں تو پونڈ کی طاقت معلوم ہوئی مگر روشنی تیز کر دینے پر ثابت ہوا کہ صرف دو پونڈ تھی۔ اکارڈین (ایک باجا) بغیر کسی اتصال کے بجایا گیا اور کئی موقعوں پر بجتے بجتے ہوا میں معلق ہو گیا۔ ایکدفعہ دو فٹ لمبا اور ڈیڑھ انچ چوڑا لکڑی کا ٹکڑا میز سے دس انچ اوپر ہوا میں تیرتا رہا اور مسٹر ہوم میز سے تین فٹ کے فاصلے پر بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ اور دوں نے پکڑے ہوئے تھے اور پاؤں نظر آرہے تھے کہ ساکن ہیں۔ ۲ جولائی ۱۸۷۱ء کو جبکہ کمرہ تین الکحل جلنے والے لیمپوں سے پورا روشن تھا مسٹر ہوم خود بھی ہوا میں بلند

† سٹڈیز ان سائنٹفک اسپرچولزم باب سوئم صفحہ ۸۹ ۱۸۷۴ء

ہوسئے اور اکارڈین بھی اُن کے ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا مین معلّق بجتا رہا۔ اور نیز ۲۱-اپریل ۱۸۷۲ء کو مسٹر ہوم ہوا مین معلق بیٹھے رہے اور ہوا مین لیٹے رہے۔ مگر اس واقعہ کے متعلق ایک امر قابل غور ہے کہ اس وقت روشنی کم کردیگئی تھی جسکی نسبت آگے ذکر ہوگا۔

ڈاکٹر سپیر کے مسٹر موسنز کے

اسی طرح کے بہت سی تجربوں کا ذکر کر کے دوسرے زبردست عامل مسٹر ایس موسنز کے واقعات ڈاکٹر سپیلو کی شہادت سی لکھے گئے ہین †۔ چنانچہ اُنہون نے بہی اور نیز اُنکی بیوی نے مسٹر موسنز کے اثر سے آوازون کا آنا۔ باجون کا بجنا۔ آگ اور روشنی کا دیکھنا۔ بند کمرون مین باہر کی چیزون کا آنا۔ اور خود مسٹر موسنز کا بلند ہونا غرض ایسی واقعات کثرت سی بیان کئے ہین انہین سے مسٹر موسنز کا بلند ہونیکا واقعہ ڈاکٹر سپیر نے مختصر لکھا ہے کہ

"پہلے تو ایک بڑی گول میز کسی بڑی قوت سی کئی دفعہ ہلی۔ اور پہر مسٹر موسنز دو دفعہ ہوا مین لہرائے اور ایک کرسی میز کے اوپر رکھی گئی اور مین خود جو ایک بڑی بہاری کرسی پر بیٹھا ہوا تہا نمایان طور پر ہلایا گیا"

مگر معلق ہونے کے متعلق خود موسنز کا ایک مفصل نوٹ ہی جو مسٹر پڈمور نقل کرتے ہین کہ۔

ایک دن ۳۰ اگست ۱۸۷۲ء کو چہوٹا باجا زور سے نیچے کمرہ کے ایک کونے مین پہینک دیا گیا اور میری کرسی میز کے پاس سی گہوم کر قریب کے ایک گوشہ مین چلی گئی اور اُسکا رخ میز کی طرف سی گوشہ دالان کی طرف ہوگیا۔ اس حالت میں کرسی اوپر کو اٹھتی معلوم ہوئی اور یہ میرا خیال ہے کہ بارہ انچ کے قریب بلند ہوئی کیونکہ میرے پاؤن سکرٹنگ بورڈ (تختہ جو دیوار کے ساتھ بطور حاشیہ کے لگایا جاتا ہے) سے مس ہوسئے جو بارہ انچ بلند ہوگا۔ کرسی وہان چند لمحہ کیلئے ٹہری اور پہر مین خود آہستہ آہستہ اور آسانی سے بلند ہوتا معلوم ہوا۔ مجھے کوئی بے چینی اور اندیشہ پیدا نہین ہوا اور مین پوری ہوش مین تہا اور حاضرین کو اپنے واقعات بتا رہا تہا۔ حرکت بالالتزام تہی اور بہت دیر مین ختم ہوئی۔ مین بالکل دیوار کے قریب تہا جتنے کہ مینے پنسل نکالی اور اسی جہانی کے مقابل دیوار پر نشان کر دیا اور ... وہ نشان نا ... فرش سے قریباً چہ فٹ بلند تہا اور اسکے محل وقوع سے ظاہر ہے

† سٹڈیز ان ... باب سوم صفحہ ۱۲ سنہ ۱۸۹۷ء

کہ اس وقت میرا سر کمرہ کے گوشہ میں چھت سے متصل ہوگا۔ میں نہیں سمجھتا کہ میں اس وقت کس طرح وجد میں تھا۔ میں بالکل ہوشیار اور اس خطرہ سے پوری طور پر واقف تھا۔ میرے جسم پر کوئی دباؤ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں لعٹ (جیب پر لٹکانے کی مسند) پر بیٹھا ہوں اور چیزیں میرے سامنے نیچے کو چلی جاتی ہیں۔ تصور میں ... ہی سی وقت معلوم ہوتی تھی اور سینہ کسی قدر بھرا ہوا اور یہ کہ میں فضا سے کسی قدر ہلکا ہو گیا ہوں۔ پھر میں آہستہ نیچے کو لایا گیا اور کرسی پر بٹھایا گیا۔ مگر کرسی اس وقت اپنی پہلی جگہ پر (یعنے منبر کے پاس) تھی"

ان میں سے مسٹر موسنر کا بیان چونکہ زیادہ تر انکے اپنے قلم کا ہے اور ڈاکٹر سپیر حیوان کو دیکھنے والے ہیں انکے بہت معتقد ہیں اسلئے مسٹر ڈیموز کو انکی نسبت شبہ ہوتا چاہیے مگر تاہم انکو دھوکے کے اصول پر فیصلہ دینا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ "

"خفی لطافت ۔ سہواً دھوکا دینا۔ یا نیم بیہوشی ... بے اختیاری سے دھوکا دینے والے افعال کا سرزد ہونا۔ ان تینوں احتمالوں میں سے میں دوسرے اور تیسرے احتمال میں متذبذب ہوں اور زیادہ تر تیسرے احتمال کی طرف میلان رکھتا ہوں"

مسٹر ڈیموز ایک دشواری کو دور کرنے کیلئے ہمیشہ ایک اور دشواری کو اختیار کر لیا کرتے ہیں چنانچہ یہاں بھی "نیم بیخودی کی حالت میں دھوکا دینے والے افعال کا سرزد ہونا" معلوم نہیں ڈاکٹر سپیر کے بیان یا مسٹر موسنر کے بیان پر کیوں چسپان ہو سکتا ہے۔ مگر تاہم یہ شہادت ہے اور شہادت میں گواہی دینے والے کے اعتبار پر بھروسہ ہوتا ہے اور مسٹر ڈیموز کو بھروسہ نہیں اس لیئے اس بارہ میں ان پر گرفت نہیں ہو سکتی لیکن مسٹر ڈیموز کے دوسرے رفیق جو علم و فضل میں اور مطالب روحانی کی تلاش میں ان سے زیادہ مشہور ہیں اور جو مسٹر موسنر سے زیادہ تعارف بھی رکھتے ہیں اور جنہوں نے مسٹر موسنر کے قلمی مسودوں کو غائر نظر سے دیکھا اور ان کو ترتیب دیکر شایع کیا ہے یعنی مسٹر ڈبلیو ایچ مائرز انکی نسبت اور ... پوری ... اعتماد ظاہر کرتے ہیں (ملاحظہ ہو اقتباس ذکر ملائکہ) اور ایک اور موقع پر لکھتے ہیں کہ[2]

"جب میں نے مسٹر موسس کے انتقال کے بعد اُن کے قلمی مسودہ کو دیکھا اور پڑتال کی تو میرا اعتقاد اُن کی نسبت اور بھی قوی ہو گیا"

پھر لکھتے ہیں کہ "اون کے مسودہ کو بہت مدت تک مطالعہ کرنے پر کوئی چیز بھی نامعقول نہیں معلوم ہوئی۔ میں نے خود بھی اُن کو نہایت غور سے پڑتال کیا ہے اور اپنے بہت سے دوستوں کو بھی دکھایا ہے۔ کوئی بے ربطی۔ کوئی ناقص اور کوئی شک کی وجہ ہمکو معلوم نہیں ہوئی اور تمام واقعات کی تفصیل اور تاریخیں ایسی درستی سے درج ہیں کہ ان میں سے جو واقعات اور تاریخیں دیگر وسائل سے ہمکو ملیں ان میں اور مسٹر موسس کے اظہار میں کوئی تفاوت نہ تھا"

مسٹر ہوم اور اُن کو دیکھنے والے سر ولیم کروکس کی نسبت مسٹر پڈمور حسب ذیل لکھتے ہیں †

"نہ تو اس مختصر میں مسٹر کروکس کے سب تجربوں پر مفصل بحث کرنی ممکن ہے اور نہ مجھے ایسا کرنا مناسب ہے مسٹر کروکس جنہوں نے ریڈی اومیٹر اور سپکٹراسکوپ ‡ کی تحقیقات میں بھی ویسی ہی شہرت حاصل کی ہے جیسی مظاہر روحانی کی تلاش میں اور جن کو دونو قسم کے واقعات پر پورا یقین ہے ان کی نسبت یہ خیال کرنا نادانی ہے کہ انہوں نے مظاہر روحانی کی تحقیق میں نکتہ رسی کی عادت۔ تحلیل کی طاقت اور کامل تحقیق کا ملکہ غرض اپنی تمام عمر کے روبہ کو ترک کر دیا ہو۔ اور مسٹر کروکس کی مہربانی سے مجھ کو ان سے بذات خود اس معاملہ پر گفتگو کرنیکا موقع بھی ملا ہے اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس معمے کو کسی زمان اور آسان طریقے سے حل نہیں کرسکتا۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسٹر ہوم کے جلسوں میں اکثر موقعوں پر کسی طرح عجیب منظر سے پہلے کمرہ کی روشنی کو کم کر دیا گیا ہے مثلاً بلند ہونے اور کوئلوں کو ہاتھ میں لینے کے وقت۔ اور نیز کمرہ کے سامان وغیرہ کی حرکتیں ایسی منظروں سے مشابہ ہیں جو دوسرے عامل دھوکے سے پیدا کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ اور نیز چونکہ مسٹر کروکس اور دیگر حاضرین کو مسٹر ہوم کی دیانت پر پورا اعتماد ہے اس لیے ممکن ہے کہ کسی وقت احتیاط میں سستی کر دی گئی ہو

---

† سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ باب چہارم پنجم صفحہ یاد نہیں رہا۔

‡ ریڈی اومیٹر مسٹر کروکس کی ایجاد ہے جس سے حرکت دہندہ شعاعیں ثابت ہوتی ہیں اور سپکٹراسکوپ غالباً مسٹر کروکس کی ایجاد نہیں مگر اس کے ذریعہ سے اُنہوں نے تھیلیم دھات نام ایک دھات دریافت کی ہے (ملاحظہ ہو حالات ریڈی اومیٹر سپکٹراسکوپ۔ کتاب کروکس صفحہ گمنو)

اور اس سستی نے تحقیقات کو برباد کر دیا ہو لیکن یہ عمل جو میں کر رہا ہوں اس میں دماغی تسلی پانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا"
معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر پوڈمور نے پہلے سے عہد کر لیا ہے کہ کبھی واقعہ ہو اس سے انکار کرینگے اور جس طرح
ممکن ہو انکار کی کوئی نہ کوئی وجہ پیدا کرینگے مگر معقول پسندی بھی اپنا شیوہ ہے اس لیے عادت کے موافق
وجہ انکار پیدا کرتے ہیں اور نو عقل کے سبب اس کے ضعف سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے یہ
اعتراض بھی اسی قسم کے ہیں اور ان سے ایک ایسے شخص کے خلاف جس کو وہ خود بڑا محقق اور سچا معتبر
مانتے ہیں کوئی تسکین نہیں ہوتی۔ مسٹر کروکس احتیاط کا ذکر قریباً ہر واقعہ کے ساتھ کرتے ہیں اور ہوم کی
دیانت پر بھی یہی اعتماد ثابت ہوتا ہے کہ ان کو پیرے بٹھایا جاتا ہے۔ ہاتھ پکڑ لیے جاتے ہیں۔ پاؤں کو
دبکتے رہتے ہیں اور ایسے وقت پر دیکھتے ہیں تو اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ معہذا اس منظر کی ظاہری شکل کا دھوکا
دینے والوں کے طریقے سے مشابہ ہونا بھی توہم معلوم ہوتا ہے۔ دھوکا کہتے ہی اس کو ہیں جس کی ظاہری شکل
بالکل واقعیت کے مشابہ ہو۔ عدالتوں میں جعلی کاغذ اور جھوٹی شہادتیں ویسی ہی درستی سے پیش کی جاتی
ہیں جیسے اصلی تمسک اور سچی شہادتیں مگر اس بنا پر شہادت اور تمسک کو محکمہ عدالت سے موقوف نہیں
کیا جاتا۔ البتہ روشنی کم ہونے کا اعتراض قوی معلوم ہوتا ہے اور بے شک اس سے دھوکے کا گمان

روحانی عمل کیلیے تاریکی مناسب ہے

ہوتا ہے مگر ایک تو اس مسئلہ کو جس طرز سے مسٹر لیڈ بیٹر حل کرتے ہیں کہ †"روحانی خطا کا ایک عام
قاعدہ ہے کہ تاریکی میں اسکا اثر زیادہ ہوتا ہے" یہ توجیہ قرین قیاس ہے کیونکہ عاملوں کا روشنی کو کم کر دینا تو بغیر انکی مدد یا نہی
سمجھا جا سکتا ہے مگر مسٹر لیڈ بیٹر کی تائید ان عام مناظر سے بھی ہوتی ہے جبکہ لوگوں کو خیالی یا واقعی شکلیں اور
غیبی پیغام اور خبریں معلوم ہوتی ہیں جو بعد میں درست ثابت ہوتی ہیں اور جبکہ بعض عزیزوں کی شکلیں موت کے وقت یا بعد میں انکے
دوستوں کو نظر آتی ہیں اور ان کے حدوث کو مسٹر پوڈمور وغیرہ تمام مظاہر روحانی کی تلاش کرنیوالے مانتے
ہیں۔ غرض یہ ہے مختلف قسم کے منظر عموماً رات کو دکھائی دیتے ہیں اور کبھی بہت ہی قوی روحانی اثر ہوا ہے جو دن
کو پوری روشنی میں نظر آیا ہو بلکہ روحانی صورت پر اطلاع پانے کے اکثر واقعات خواب میں پیش آتے ہیں اور روحانی علاج
بھی اسی صورت میں زیادہ قوی ہوتا ہے کہ سونے سے پہلے خیال قائم کر لیا جائے اور معالج اور مریض کا سونے کا وقت
ایک ہو اور اسی لئے مسٹر لیڈ بیٹر کہتے ہیں کہ وہ سلیٹوں کے اندر پنسل رکھ کر جو پیغام حاصل کیے جاتے ہیں وہ

† آدر سائڈ آف دیتھ باب ہشتم

عموماً غلط نہین کرتے اس لیے کہ سلیٹون کے اندر ہر وقت تاریکی رہتی ہے اور اس لیے روحانی اثر بے وقت پہونچ سکتا ہے۔ اور دوسرے مسٹر کروکس اور ماسٹر اف لنڈسے کے اکثر تجربون مین روشنی تیز بھی رکھی گئی ہو اور اثر ظاہر ہوا ہے چنانچہ بلین بہنے اور کوٹلون کو پکڑنے کے دو موقعون مین سے ایک مین روشنی پوری رکھی گئی ہے۔

روحانی اثر سے جسم کی حرکت ناقابل انکار ہے

غرض روحانی اثر کی تیسری قسم یعنے اجسام کا بے ارادہ حرکت کرنا بھی اکثر روایتون سے ایسی قوت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے انکار کی گنجایش نہین اور ہم لوگون مین سے جن کو صوفیاے کرام کے حلقون مین حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے وہ اِس گئے گذرے زمانے مین بھی اپنی آنکھون سے دیکھتے ہین کہ ایک باخدا کی قلبی توجہ سے حاضرین کے دل کیسے بیتاب ہو جاتے ہین کہ وہ حلقہ توجہ مین نیم بسمل کی طرح تڑپتے نظر آتے ہین۔ اور نیز لطائف کی مشق سے کس طرح خاص خاص اعضا اور لطیفہ قلب مین تمام جسم بے ارادہ حرکت کرنے لگتا ہے اور نیز پاس انفاس یا یوگا بھیاس کرنے سے کیونکر انسان کی روح کسی خاص مقام پر مقید ہو کر تمام جسمانی اعضا اور حرکت کرنے والی شریانین اور اعضاے نفس سرد و بے حس و حرکت اور مردہ ہو جاتے ہین۔

روحانی اثر سے حرکت ہونے کی وجہ معلوم نہین ہو سکتی

مگر روحانی طاقت جسم پر کیونکر اثر کرتی ہے ؟ اس کا قانون دریافت نہین ہو سکا مسٹر ھیڈسن لکھتے ہین کہ ؎

”انسانی روح جسمانی حواس اور قوی پر کیونکر حکومت کرتی ہے ؟ فانی انسان کبھی نہین جان سکتا اور یقین ہے کہ اس سوال کو فزی اولوجی اور سرہپ اناٹومی یعنے علم قواے حیوانی اور علم التشریح دماغی حل نہین کر سکتا یہ ایک سائنٹفک یعنی علمی واقعہ ہے جس کو اس لیے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ قابل اثبات ہو۔ نہ اس لیے کہ انتہائی اسباب بیان ہو سکتے ہین“

ارادہ سے حرکت پیدا ہونے کی وجہ بھی نامعلوم ہے

اور روح کا جسم کو حرکت دینا ایک طرف ارادہ جو جسم کو حرکت دیتا ہے اسکی وجہ بھی معلوم نہین ہے مسٹر مائرس لکھتے ہین ‡

” مجھے یہ بھی معلوم نہین کہ میرا ارادہ میرے بازو کو کیونکر حرکت دیتا ہو۔ لیکن مین تجربہ سے جانتا ہون کہ عموماً میرا بازو

؎ لا آف سائنٹفک فنامنا باب ۲ صفحہ ۱۵ اشاعت ۱۸۹۳ء ‡ ھیومن پرسنلٹی باب ۹ صفحہ ۲۱۳

میرے ارادہ سے متحرک ہو جاتا ہے اور پھر اُن چیزوں کو حرکت ہوتی ہے جو بار و سے متصل ہوں۔ یعنی اُن چیزوں کو جو میرے اس حصۂ جسم سے متصل ہوں جس پر میری نظام جسمانی کی زندگی منحصر ہے اور کبھی میں اُن چیزوں کو بھی حرکت دے سکتا ہوں جن کو میرے جسم سے حقیقی اتصال نہیں ہوتا مثلاً حرارت کے ساتھ یا برقی طاقت کے ساتھ جو میری اُنگلیوں سے نکلتی ہے بعض مادّوں کو گھلا کر یا جلا کر حرکت دے سکتا ہوں۔ غرض اس طاقت کیلئے میں کوئی معین حد نہیں پاتا اور طاقت کی اُن تمام شکلوں کو نہیں جانتا جو مناسب تربیت سے میری اُنگلیوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔"

جسم کا جسم کو حرکت دینا بھی ایک راز ہے۔

اور یہ تو مخفی طاقتیں ہیں جن سے حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر پیدا ہوتی ہے مگر اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ اجسام کا اجسام کو حرکت دینا بھی کسی اصول سے حل نہیں ہو سکتا ڈاکٹر سمنسر لکھتے ہیں +

"ہم ہمیشہ سے دیکھتے ہیں کہ متحرک ساکن کو متحرک کر دیتا ہے اس لیے تعجب نہیں کرتے ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ متحرک کے دھکا دینے سے ساکن میں کیا بات پیدا ہوئی کہ پہلے تو ایک حالت میں تھا یا اب لحظہ بلحظہ جگہ بدلتا ہے۔ یہ کہو کہ حرکت دوسری چیز سے اس میں داخل ہو گئی۔ کیونکر؟ وہ کیا چیز ہے جو اس میں اب آ گئی جو پہلے موجود نہ تھی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حرکت سے سکون کیونکر پیدا ہوا۔ قانون تواتر کہتا ہے کہ کوئی رفتار کسی درجہ سے کسی درجہ تک کم نہیں ہوتی جب تک درمیانی درجات کو عبور نہ کرے پس جو متحرک ساکن ہوا وہ ساکن ہونے سے پہلے متحرک تھا اور اس میں رفتار تھی اور وہ رفتار چاہے کیسی ہی سست ہو سکون سے ہر حال میں مدرجہا زیادہ ہے پس اس سے تغیر درجات کو ختم کرنے کے دفعۃً سکون کیونکر پیدا ہو گیا۔ غرض ان تغیرات کو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ واقع ہوتے ہیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتے"۔

روحانی اثر اس زمانے میں کمتر نظر آتے ہیں۔

یہ ضرور ہے کہ جیسا کہ مسٹر ڈیٹپود جسمانی حرکات کی نسبت لکھتے ہیں جسمانی حرکات ہوں یا دیگر قلبی انکشافات تمام مظاہر روحانی اس زمانے میں پہلے زمانوں کی نسبت کمتر واقع ہوتے ہیں اور اس کیفیت کو سرسری نظر سے دیکھ کر بیشک ان طاقتوں کی نسبت کسی قدر شبہ پیدا ہوتا ہے

+ کتاب دوسٹ پرنسپلز باب سویم صفحہ ۵۶ سنہ ۱۸۸۷ء

گر واقعات کا کامل مطالعہ کرنے سے جو قاعدے روحانی عمل کے لیے دریافت ہوئی ہین اُن واقعات اور اُن قانون عدد
کو دیکھتے ہوئے یہ عقدہ حل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ روحانی طاقت کے ظہور کی ایک شرط اپنی توجہ کو جسم و جسمانیات
سے ہٹانا ہے اور اسی لیے جب اپنے ارادہ سے کوئی عمل کرنا مقصود ہوتا ہے تو کسی نہ کسی طریق سے حالت وجد
پیدا کی جاتی ہے۔ اور ایک دوسرا قاعدہ یہ دریافت ہوا ہے کہ روح پر انسانی خیال نہایت شدت سے اثر کرتا ہے
حتٰے کہ اگر مسمریزم کے معمول کو خیال دلوایا جائے کہ وہ مُردہ ہے تو دفعتہً تمام علامات زیست منقطع ہوجاتی ہین
اور اگر اُس کو بندر یا کُتّا ہونے کا یقین دلوایا جاے تو اُنہی کی سی حرکتین کرنے لگتا ہے اور اسی قاعدہ کا
اثر ہے کہ اگر معمول کے سامنے کوئی منکر اپنے خیالات اُس کی روحانی طاقت کے خلاف ظاہر کرے تو جیسے
وہ خیال کے اثر سے جسمانی قوتون کو کھو دیتا ہے اسی طرح سے روحانی قوتین بھی ایسے خیال سے معدوم ہوجاتی
ہین۔ اور اگر منکر مضبوط خیال کا آدمی ہو تو زبان سے انکار کرنا بھی ضرور نہین بلکہ معمول اپنی روحانی طاقت
سے اُس کے دلی خیال کو پڑھتا ہے اور اس خیال کے اثر سے اپنے تئین کھو بیٹھتا ہے پس اسوقت
بھی روحانی اثر ہے جو ایک مخالف تموج پیدا کر کے دیگر روحانی اثرون کو زائل کر رہا ہے۔ غرض یہ دونون
قاعدے کلیہ اور یقینی طور پر ثابت شدہ ہین† اور جیسے خاص خاص اشخاص پر صادق آتے ہین خاص خاص اقوام
اور زمانون پر بھی چسپان ہین۔ اس لیے جس زمانے مین اور جس قوم مین جسمانی علوم کا رواج اور ان پر یقین اِس درجہ
تک ہو کہ جسم کے سوا کسی چیز کا حتٰے کہ انسانی روح کا یقین بھی زائل ہوچکا ہو اس وقت پہلی شرط یعنی جسم و جسمانیات
سے بے توجہی اور روحانی غور و فکر کی عادت زائل ہوجاتی ہے اور ان طاقتون کی مشق نہ کرنے سے یا تو وہ
بالکل معدوم ہوجاتی ہین یا کم اثر کرتی ہین اور اسی طرح جس وقت انکار کا غلغلہ دل و زبان سے نکل کر تمام فضا مین
پھیلا ہوا ہو تو اس مخالف خیال کے اثر سے جس قدر طاقتین ہوتی بھی ہین عمل نہین کرتین اور اس لیے ظاہر ہے کہ
ایسے زمانے مین جیسا کہ اب بھی ان طاقتون کا ظاہر نہ ہونا تعجب نہین بلکہ اگر کہین اُن کا اثر پایا جاے تو
وہ محل حیرت ہے +

---

† مسٹر ھیڈسن نے ان دونون عنوانون پر دو باب لکھے ہیں اور قرائن اور واقعات سے ان کو ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو
باب دویم و ہفتم کتاب لا آف سائیکک فینامنا۔

معجزہ اور اس کے برخلاف گذشتہ زمانے مین جبکہ لوگون کے دلون پر مذہبی گرفت ابکی نسبت زیادہ تھی اسی گرفت کے مطابق اُن کو خدا کی طرف اور روحانیات کی جانب توجہ تھی اور اس قسم کے غور و تامّل اور مراقبہ و مجاہدہ سے بےارادہ اور خود بخود جسمانیات سے وہ بےتعلقی پیدا ہو جاتی تھی جو روحانی اثر کی ضروری شرط ہے اور نیز منکرانہ خیالات کا مخالف اثر بھی اس وقت کہین تو ایسی طاقتون کے خلاف بالکل موجود نہ ہوتا تھا اور کسی جگہ ہوتا بھی تھا تو محض عناد اور حسد سے ہوتا تھا۔ مگر جسمانی علوم کی مدد سے اور اصولی طور پر روح وغیرہ کے انکار سے مخالفت نے جو اعتقادا اور مذہب کا درجہ حاصل کیا ہے اُس کا اُن دنون مین نشان نہ تھا۔

اور اس طرح بزرگ روحانی اثر کی دونون شرطون کے پائے جانے سے وہ وہ عمل سرزد ہوتے تھے جو دنیا کے لیے باعث حیرت ٹھیرتے تھے اور اعجاز و کرامت کا لقب پاتے تھے اور پھر خلق اللہ کو جو توجہ ان عجائبات کی وجہ سے اِن بزرگوارون کیطرف ہوتی تھی اس سے کام لیکر وہ ان کو اپنی تعلیم و ہدایت کی طرف بلاتے تھے اور اس طرح پر عوام الناس کے لیے جو نور عقل سے تعلیم و ہدایت کی خوبیان نہ سمجھ سکتے ہون روحانی کرشمے معجزہ کے نام سے دعوی کے لیے دلیل کا کام دیتے تھے

مگر گذشتہ زمانے مین بھی جب کبھی انکار کا اثر بہت قوی ہوا ہے تو وہان روحانی اثر ظاہر کرنے سے انکار کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ منکرون کو کوئی نشان نہ دکھایا جائیگا۔ اور نیز جس جس قدر انکار کی عادت بڑھتی گئی روحانی آثار یا بالفاظ دیگر معجزون کا اظہار کم ہوتا گیا اور غالبًا اسی اصول کی طرف اشارہ ہے جہان ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَا أَن نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَن كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ (بنی اسرائیل یا ۱۵ ع ۶)	ہمکو نشان بھیجنے سے اس امر نے روک دیا ہے کہ پہلے لوگون نے انکی تکذیب کی

یہان معجزہ کے رک جانے کو خدا کی طرف منسوب کرنا قرآن کا عام محاورہ ہے چنانچہ وہ تمام مظاہر قدرت کو جو معینہ اسباب سے سرزد ہوتے ہین خدا کی طرف جو علّۃ العلل ہے منسوب کیا کرتا ہے مثلاً فرمایا ہے کہ ہم نے ہوا کو چلایا۔ ہمنے بارش برسائی اور ہمنے زمین سے نباتات اُگائین اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو قوانین معینہ مقرر کیے جن سے یہ منظر پیدا ہوئے اِسی طرح یہان بھی یہی مطلب ہے کہ ہمنے ایسا قاعدہ مقرر

کیا کہ تکذیب و انکار کی اشاعت سے قوای روحانی کا اثر باطل ہو جائے۔

غرض موجودہ زمانے میں روحانی طاقت کا کم یا زایل ہو جانا اُس تحقیقات کو غلط نہیں کر سکتا جو مختلف طریقوں سے ان امور کی نسبت کی گئی ہے۔ البتہ اسی تحقیقات سے بہت سے واقعات ایسے بھی دریافت ہوئے ہیں جن میں دھوکا دیا گیا ہے اور کوئی شعبدہ جسمانی وسائل سے دکھا کر روحانی طاقت کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور جو لوگ محض عالمانہ طور پر دلایل سے اس کا یقین حاصل کرنا چاہتے تھے اور خود کسی قسم کا ذاتی تجربہ نہیں رکھتے تھے ان واقعات سے متوحش ہو کر مطلق انکار کی جانب مائل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ مسٹر پڈمور بھی انہی لوگوں میں سے ہیں۔ مگر دھوکا آمیز واقعات کو مدنظر رکھ کر اور نیز سادہ منطقی طریق استدلال کو رہنما بنا کر جو نتیجہ منصفانہ طور پر نکالا جا سکتا ہے وہ مسٹر مائرس کا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ‡

"جو دلچسپی عوام الناس کو ان مظاہر سے ہے اُس نے جیسا کہ بخوبی معلوم ہے قریب قریب کو بہت ترقی دی ہے جسکو ثابت کرنا اور جس کے لیے پیش بندی کرنا سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ کا بہت بڑا مقصد ہے۔ اور بیشک روحانی طور پر جسم کو حرکت دینے کی جو نقل (دھوکا دینے والے) عام طور پر کرنے لگے ہیں اُس نے ان واقعات کی صداقت میں بھی شک پیدا کر دیا ہے جن میں نہایت احتیاط سے دھوکے کی پیش بندی کی گئی ہے یا دھوکا غیر اغلب سمجھا گیا ہے۔ اور اس لیے میں اگرچہ پورے طور پر یقین رکھتا ہوں کہ روحانی طاقت سے جسمانی حرکات پیدا ہو سکتی ہیں مگر مانتا ہوں کہ ان کی نسبت ناظرین کا یقین پیدا کرنا یا انکو اپنی عام اور مکمل تحریر کا ایک مکمل حصہ بنانا قبل از وقت ہے کیونکہ دھوکے کے اصول کے خلاف ان کو پورے طور پر ثابت کرنا ایک تو قواعد فسوں سازی اور دیگر فنون کی کامل واقفیت پر منحصر ہے جس کا میں دعوی نہیں کر سکتا اور دوسرے ان کو پورے طور پر سمجھنا مادہ اور ایتھر کے تعلقات پر موقوف ہے جن کی دھندلی سی جھلک نہایت تازہ علمی انکشافات میں نظر آتی ہے مثلاً وہ انکشافات جو

‡ ہیومن پرسنلٹی باب ہم صفحہ ۳۱۳۔

ابھی حال میں شعاعوں کی نسبت ہوئے ہیں اور جن کا پہلے گمان بھی نہ تھا"۔[۴]

یقین کے لیے کسی واقعہ کا ثبوت ضرور ہے نہ کہ سبب کا دریافت ہونا

بیشک یہاں مسٹر مائرس جس یقین کو فسل اردوف کہتے ہیں وہ یعنی ہر جو کسی چیز کی علت دریافت کیے بغیر ہی پیدا ہوا کرتا ہے اور شاید جیسا کہ ان کو امید ہے کبھی وقت آجائے اور ایتھر اور مادہ سے بڑھکر روح اور مادہ کا تعلق دریافت ہو جائے مگر ابھی تک روحانی حرکات کی علت دریافت نہیں ہو سکی ہیں تاحال ایسے امور کی نسبت یقین کا ایک وہی طریق ہے جس سے خود مسٹر مائرس کو یقین ہوا یعنے تجربہ اور تجربہ کے متعلق طویل اور منصفانہ غور و فکر۔ اور دیکھا جائے تو جو یقین کسی واقعہ کا سبب دریافت کرنے سے ہوتا ہے وہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے کیونکہ علت و معلول کا سلسلہ نہایت پیچیدہ۔ قوانین قدرت بے انتہا اور عقل انسانی ہمیشہ ترقی پذیر ہے۔ آج کسی چیز کا ایک سبب قرار دیا جاتا ہے اور اسی سے طبیعت کو تسکین دی جاتی ہے کل وہی واقعہ پیش آتا ہے مگر وہ سبب چسپان نہیں ہوتا۔ انسان کچھ دیر کے لیے متحیر ہو جاتا ہے پھر کسی اور سبب کا پتہ لگاتا ہے اور اُس پر یقین کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہمیشہ ایک ہی واقعہ کی نئی نئی صورتیں اور نئے نئے اسباب دریافت ہوتے رہتے ہیں اس حالت میں جو بات پکی اور یقینی ہے وہ اس امر واقعہ کا ظہور پذیر ہوتا ہے ورنہ اسباب جس طرح پہلے بدلتے رہے ہیں آیندہ بھی یقین نہیں ہو سکتا کہ کوئی اور سبب دریافت نہ ہوگا۔ انسان دور سے جنگل میں ایک روشنی دیکھتا ہے چونکہ جانتا ہے کہ انسان آگ جلا کر روشنی پیدا کیا کرتے ہیں اس لیے یقین کرتا ہے کہ یہ روشنی بھی کسی انسان کا فعل ہوگا مگر پھر معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی فعل نہ تھا بلکہ بجلی کی چمک تھی اس پر یقین کرتا ہے۔ پھر کبھی رات کو فاسفرس جل اُٹھنے سے ویسی ہی چمک نظر آجاتی ہے کبھی دن کو آئینہ یا کسی اور روشن چیز پر آفتاب کی شعاع پڑنے سے اسی طرح کا شعلہ دکھائی

---

۴ غالباً اِس سے اشارہ ان شعاعوں کی جانب ہے جن کو ایکس ریز کہتے ہیں اور جو حیوانی جسم اور اکثر چیزوں سے گذر جاتی ہیں یا ریڈیم میں بہت سی عجیب طاقتیں دریافت ہوئی ہیں۔ یا آفتاب کی وہ شعاعیں جو الٹرا وائلیٹ ریز کہلاتی ہیں اور جس میں سر ولیم کروکس نے ایک آلہ ریڈیو میٹر نام ایجاد کرکے حرکت پیدا کرنے کی طاقت ثابت کی ہو۔ ان تحریوں کی نسبت کوئی متفق علیہ وجہ کہ یہ حرکت کیوں کر پیدا ہوتی ہے دریافت نہیں ہوئی اگرچہ تھیوریز یعنے احتمالات بہت ہیں (ملاحظہ ہو کتاب فزکس صسمہ گینو حالات ریڈی آیٹر اور الٹرا ریڈی (س)۔

وستا ہے۔ علت و معلول کا سلسلہ بدلتا رہتا ہے حتی کہ آئندہ کسی اور روشنی کو دوسری دیکھنے پر کسی خاص سبب کا یقین نہیں ہوتا۔ مگر جو بات ہر طرح یقینی طور پر ثابت رہتی ہے وہ روشنی کا وجود ہے۔ اسی طرح روحانی اثروں کے لیے جبکہ کسی عامل نے نظر جما کر کسی کو بیہوش کر دیا ہے خیال ہوا کہ انسان کی آنکھوں سے کوئی مقناطیسی قوت نکلتی ہے۔ پھر کسی مسمرائزر نے انسان کے چہرہ اور چھاتی کے سامنے ہاتھوں کو اوپر سے نیچے کو لا کر اسے مدہوش کیا لوگ سمجھے کہ انگلیوں سے ایک رقیق مادہ نکلکر یہ حالت پیدا کرتا ہے۔ پھر ایسی صورتیں پیش آئیں جہاں دیکھنے اور ہاتھ سے پاس کرنے کے بغیر کوئی اثر پیدا ہوا اور اس کے سبب کی تلاش ہوئی کبھی الٹرا وائیو لیٹ ریز (کیمیائی اثر پیدا کرنے والی شعاع) یا آکس ریز (جسم انسانی سے نفوذ کرنے والی برقی شعاع) کیطرف خیال گیا کبھی ایتھر اور مادہ کا تعلق سمجھنے کی کوشش ہوئی۔ غرض اہل علم اپنی علمی طاقت سے اس طرح کے سبب دریافت کرتے رہے اور کرتے رہیں گے مگر یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا اور یہ دعوی نہ ہو سکے گا کہ جس قدر اسباب قدرت نے مہیا کیے تھے وہ معلوم ہو چکے۔ اور جو بات ہر جگہ ثابت اور یقینی ہے وہ یہی ہے کہ انسان میں کچھ مخفی طاقتیں ہیں جن کا اثر کبھی کبھی نظر آجاتا ہے۔ خواہ اسباب و علل کچھ ہی ہوں۔

روحانی طاقتیں مہاتما بدھ کی زبان سے

قدیم زمانے میں جب کہ انسان کی دماغی طاقتیں اس عروج پر نہ تھیں اور بیشتر روحانی طاقتوں پر مدار تھا اُس وقت میں بھی بعض فلسفیانہ خیال کے بزرگوار ان مظاہر کو دیکھ کر اپنی سمجھ کے موافق اُن کے اسباب معین کرتے تھے چنانچہ مہاتما بدھ ان طاقتوں کا یوں ذکر کرتے ہیں[1]

" انسان ایک جسم رکھتا ہے جو چار عناصر سے مرکب ہے اور جو اس کے والدین کے اختلاط کا ثمرہ ہے۔ چاول یا آش سے پرورش پاتا ہے اور کاٹا جا سکتا ہے اور پامال کیا جا سکتا ہے۔ اس چند روزہ جسم میں اسکی ذہانت غیر محدود ہے۔ سادھو اپنے تئیں اس طرح مقید پاکر اس سے کسقدر آزادی و نجات پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے خیال میں ایک اور جسم کا نقشہ جماتا ہے جو اس مادی جسم سے پیدا ہوا ہو اور جو اسی طرح

[1] کتاب یا پولر لائف آف بدھا یعنی بدھ کی سوانح عمری مصنفہ مسٹر آرنھر للی باب پنجم صفحہ ۸۲ ۱۸۹۳ء اقتباس ایک سنگھالی کتاب سے جس کا نام سمانا فالا ستا ہے۔

کی شکل اور اعضا اور نظام جسمانی رکھتا ہو۔ اس جسم کا مادی جسم سے وہی تعلق ہے جو تلوار کو میان سے یا سانپ کو اس ٹوکرے سے جس مین وہ بند ہے۔ سادھو اس طرح صاف اور کامل ہو کر اپنی فوق العادت طاقتون کا استعمال شروع کرتا ہے۔ وہ اپنے تئین مادی رکاوٹون۔ دیوارون اور احاطون مین سے نفوذ کر جانے کے قابل پاتا ہے اور اپنے سایہ سا جسم کو ایک ہی وقت مین بہت سی جگہون مین ظاہر کرنے کے قابل ہوتا ہے وہ پانی کی سطح پر چل سکتا ہے اور ڈوبتا نہیں۔ وہ بڑے پرون والے عقاب کی طرح ہوا مین اُڑ سکتا ہے اور وہ اس دُنیا کو چھوڑ سکتا ہے اور برہما یعنی خدا کے آسمانون مین جا سکتا ہے۔ اس وقت جس طرح پر ہاتھی دانت کا کام کرنے والا اپنے خیال کے مطابق ہاتھی کی سونڈ بنا لیتا ہے اسی طرح سادھو اپنے خیال کے رو سے ایک اور جاصہ حاصل کرتا ہے۔ وہ مادہ جہان کی آوازین سننے کی طاقت حاصل کرتا ہے۔ بعینہ جس طرح کہ وہ اس حالی دُنیا کی آوازین سُنتا ہے۔ بلکہ حقیقت مین اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ۔ اور نیز وہ اپنے من کی طاقت سے دوسرون کے بہت ہی پوشیدہ رازون کو معلوم کرنے اور اُن کی خصائل و عادات بتانے کے قابل ہوتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ فلان شخص کا قلب آزاد ہے۔ فلان اچھی نیت کا آدمی ہے۔ فلان کوئی آرزو ہی نہین رکھتا۔ جس طرح سچا ایسی کان کی بالیون کا عکس پانی مین دیکھ کر کہتا ہے کہ وہ بالیان میری ہین اسی طرح ایک صاف باطن سادھو صداقت کو پہچان لیتا ہے۔ اس وقت اُس کو دیدار خدا کی قابلیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ دیکھ لیتا ہے جو کچھ انسان زمین پر کر رہا ہے اور جو مرنے کے بعد یا دوبارہ پیدا ہونے پر کریگا۔ پھر وہ دُنیا کے رازون کو معلوم کرتا ہے اور یہ کہ لوگ مصیبت زدہ کیون ہین اور کسطرح وہ اس حال سے رہائی پا سکتے ہین۔"

غرض مہاتما بدھ اپنی طرز ادا سے واقعات بعینہ وہی لکھتے ہین جو ایک ریگستان کے اُمّی پیغمبر کو (صلی اللہ علیہ وسلم) شبِ معراج مین پیش آئے۔ پس خواہ وہ رُوح ہو جو ایسی حیرت انگیز طاقتین رکھتی ہے اور خواہ اس جسم کے اندر کوئی اور لطیف جسم ہو اور خواہ انسان محض اسی گوشت پوست کا نام ہو اور اس کے اندر مقناطیسی یا الکٹریسٹی جیسی طاقت مضمر ہو۔ اس کی تحقیق تحقیق کرنیوالون کو مبارک ہو۔ جو امر واقعہ ہے وہ اسی قدر ہے کہ اس ساڑھے تین ہاتھ کی مخلوق کو بڑی قدرت دی گئی ہے جس کے ادنے کرشمے عموماً ظاہر ہوتے رہتے ہین اور جب

وہ اس نورِ مطلق کی طرف دھیان لگاتا ہے اور وہ جسمانیت سے بے توجہی جس کو یہ دنیا والے بھی روحانی اثر کے لیے شرط ٹھیراتے ہیں اپنی سب سے بڑی اور کامل صورت میں پیدا ہوتی ہے تو اس کی اندرونی طاقتیں پوری قوت سے جلوہ دکھاتی ہیں اور انسان اپنی استعداد کے موافق کبھی کسی مخفی راز کو معلوم کر لیتا ہے اور کبھی کوئی جسمانی اثر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور جب صفائی اور نورِ باطن اس درجہ کو پہونچ جاتا ہے کہ دولت دیدار بے واسطہ میسر ہو تو ویسے موقع پر وہ طاقت مکمل ہو کر کسی طرح سے اپنا ظہور دکھاتی ہے وہ لاحد و فضا میں سیر کرتا ہے ارواح مجردہ اور گذشتہ انسانوں سے ملاقی ہوتا ہے۔ دوزخ اور بہشت کے حالات جو بس از مرگ پیش آنے والے ہیں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے کمال کے انتہائی نقطہ پر پہونچ کر جس کو معراج کہتے ہیں اُن رازوں سے واقف ہوتا ہے جن پر عمل کرنے سے پورمعرفت حاصل ہو اور انسان وصال ربانی کے لطف اُٹھائے۔

معراج جسمانی

غرض جو روحانی آثار وقتاً فوقتاً بعض انسانوں سے بے ارادہ صادر ہوئے ہیں یا جو خاص قاعدوں پر عمل کرنے سے انسان اپنے ارادہ سے ظاہر کرتا ہے اُن کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی معراج میں جس کو اکثر اہل اسلام مانتے ہیں کوئی اصولی غلطی نہیں اور فرق صرف اسی قدر ہے کہ مخفی رازوں کو دریافت کرنے اور جسم و جسمانیات پر عمل کرنے کی طاقت جو ادنے پیمانہ پر عام انسانوں میں پائی جاتی ہے وہ اعلیٰ اور اکمل پیمانہ پر کسی خاص سے خاص بندہ کے لیے تسلیم کی گئی ہے۔

روحانی عمل کے لیے قاعدوں کی تعلیم ضروری نہیں۔

بھاپ سے دیگچی کے سرپوش کی حرکت یا درخت سے پھل گرنے کا میلان ایک ادنے کرشمہ تھا اُس طاقت کا جو کروڑوں من وزنی اجسام کو کھینچتی ہوئی بعد میں ثابت ہوئی مگر جن اللہ کے بندوں کو نورِ عقل دیا گیا تھا انھوں نے چشم بصیرت سے گویا اُسی وقت اُس کے تمام کرشمے دیکھ لیے تھے اور اسی لیے وہ ایسے یقین سے اسکی تحقیق میں لگ گئے کہ اگرچہ دنیا ان پر ہنستی تھی مگر وہ جس چیز کو دیگچی اور سیب میں دیکھ چکے تھے ثابت کر کے رہے کہ صرف دیگچی اور سیب میں نہیں بلکہ نہایت بڑے پیمانہ پر تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور خیر یہ تو ایسے لوگ تھے خود جن کا دماغ اور نیز جن کا زمانہ علم و فضل کی لذت سے آشنا تھا اور اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ انکی تعلیم نے اور زمانہ کی ترقی نے ان کو اس تلاش کی طرف متوجہ کیا۔ مگر تو ابتدائی انسان بھی نیوٹن اور واٹ کا ہم پایہ معلوم ہوتا ہے جس نے کسی پتھر کو دوسرے پتھر پر رگڑتے ہوئے ایک ذرا سی

چمک پیدا ہوتی دیکھی ہوگی اور اس ذرا سی چیز کو دیکھکر اس تجربہ کے پیچھے پڑگیا ہوگا جو آج ہزارون برس سے انسان کو آگ جلانے کے فائدون سے متمتع کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ شخص نہ کوئی فلاسفر ہوگا اور نہ کسی قسم کی تعلیم اور تہذیب کا فخر کرسکتا ہوگا مگر اسکی توجہ محض اسکی فطری میلان سے پیدا ہوئی ہوگی جو انسان مین موجود ہے کہ ہر چیز جو چھوٹے پیمانہ پر ظہور پذیر ہوتی ہے اُسکا بڑے پیمانہ پر موجود ہونا بھی ممکن ہے۔ پس اسی طرح جن لوگون کو ان کے جاذبہ فطرت نے مذہبی غور و خوض اور روحانی مراقبہ و مشاہدہ کی طرف متوجہ کردیا وہ اگرچہ آجکل کی مسمرزم اور اُسکے قاعدون سے باضابطہ واقف نہ تھے مگر جو کرشمے اُن کی روح نے ادنےٰ پیمانہ پر دکھائے وہ اپنے فطری میلان سے اسکی مشق مین مصروف ہوئے اور روحانی صفائی سے جس قدر انکشاف بڑھتا گیا اسی قدر اُنکی فطری طاقت کا ظہور ہوتا گیا پس پادری فادرھل کا قول صحیح نہین معلوم ہوتا کہ * "معجزے مسمریزم اور دیگر روحانی طاقتون کے اصول پر حل نہین ہو سکتے اس لیے کہ یہ علوم اُس وقت مرتب اور مدون نہ تھے" کیونکہ جس طرح ایک کسان ورزش کے قاعدون اور جسمانی طاقت بڑھانے کے طریقون سے آشنا نہین ہوتا مگر جس کام مین وہ لگا رہتا ہے اُس سے بے اختیار اور خود بخود جسمانی طاقت مین ترقی ہوتی رہتی ہے جس سے وہ ایسے کام کرسکتا ہے جو کسی پہلوان سے بھی نہ ہوسکین۔ اسی طرح جو لوگ مذہبی کشش سے روحانی غور و خوض مین مصروف رہتے ہین اُنکی روحانی طاقت خود بخود ترقی کرتی رہتی ہے اور وہ ایسے اثر پیدا کرنے کے قابل ہوجاتے ہین جو مسمرزم وغیرہ کی مصنوعی تعلیم سے بالاتر ہوتے ہین۔ بلکہ بسا اوقات کسی اثر کے ظاہر ہونے پر وہ خود متحیر ہوجاتے ہین اور چونکہ اُنکے ارادہ اور علم کا اُسمین دخل نہین ہوتا ان کو معلوم بھی نہین ہوتا کہ اس طاقت کا تخم خود اُن کے اندر رکھا گیا ہے چنانچہ مسٹر موسز جب ملبذ ہوئے ہین تو وہ نہین سمجھے کہ یہ اُن کا اپنا فعل ہے بلکہ اس اثر کو اور نیز اپنے تمام تجربون کو تمام عمر مُردہ ارواح کا اثر مانتے رہے۔ اسی طرح جب وادی ایمن کے مسافر کو (علیہ السلام) اُنکی استعداد کامل ہونے پر جلوہ ربانی نظر آیا ہی اور لکڑی کو سانپ کیطرح لہراتی دیکھی اور اسکا تجربہ ہوا تو وہ خوف سے بھاگنے لگے۔

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا (نمل پارہ ۱۹ ع ۲۔ قصص پارہ ۲۰ ع ۴)	پس جب دیکھا اُسے ہلتا ہوا گویا وہ سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔

* رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

معراج اور معجزہ کے متعلق مزید توضیح اور معجزہ کا فائدہ

معجزہ سلسلہ علت و معلول کے ماتحت ہے۔ اسلام اور قانون قدرت۔ معجزہ خدا کی طرف کیون منسوب ہوتا ہے مذہب کی طرف سے اسباب علل کی تفصیل ہونے پر ہدایت کی غرض فوت ہو جاتی ہے۔ تمام واقعات کے اسباب معلوم نہین ہو سکتے۔ سبب معلوم نہ ہونے پر عقل کیا عمل کرتی ہے۔ مذہب کیا عمل کرتا ہے۔ معراج کے متعلق کیا یقین ہونا چاہئے۔ بالعموم معجزہ کے متعلق یہی یقین کافی ہے۔ معجزہ کو دعویٰ نبوت سے کیا تعلق ہے۔ معجزہ خاص حالات مین مفید ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کی کمزوری اور اسکی وجہ۔ دائمی مذہب کے لیئے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہیئے۔ عقلی ثبوت پر اعتراض اور اس کا جواب۔ عقل مختلف مذاہب کی نزاع مین فیصلہ دے سکتی ہے۔ عقلی ترقی سے مذہب کو استحکام ہوتا ہے۔

معجزہ سلسلہ علت و معلول کے ماتحت ہے۔

ابھی تک معراج اور اس کے ضمن مین معجزہ کے متعلق وہی مسلک اختیار کیا گیا ہے جس کے پتہ اور نشان عقل کے رہنما نے بتائے ہین۔ لیکن اکثر اشخاص جو معجزہ کو مانتے ہین وہ اسکو کسی خاص علت و معلول کا نتیجہ نہین گردانتے بلکہ براہ راست قدرت خداوندی کا اثر مانتے ہین جو اُسکے تمام معینہ قوانین کے خلاف ظہور پذیر ہوتا ہے چنانچہ فادر ای اہرہل لکھتے ہین[1]

”معجزہ کو ماننے والے خدا کو ایک کارکن ہستی مانتے ہین جس کا عمل ہر وقت جاری ہے اور اس کا ایک دم کے لیئے غافل ہونا تمام دنیا کی تباہی کا باعث ہو۔ پس اس کا دائمی عمل قانون قدرت ہو اور اس کا گاہ گاہ کا فعل معجزہ مثلاً آکسیجن اور ہیڈروجن کے ملنے سے اگر خدا کا ارادہ ہو تو پانی بن جاتا ہے اور یہ قانون قدرت ہو اور اگر خدا کا ارادہ شامل نہ ہو تو پانی نہین بنے گا اور یہ معجزہ ہے۔“

اور بیشک خدا کو ماننے کے تین طریقون ہین سے جو دنیا مین رائج ہین یعنی وحدت وجود جسمین ایک مطلق

[1] رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ۔ ماہ جنوری ۱۹۱۰ء۔ خلاصہ۔

ہستی کو خدا اور اس کے مختلف مظاہر کو مخلوق مانا جاتا ہے۔ اور ایمان بالصانع جسمین مانا جاتا ہے کہ خدا نے
ایک مشین بنادی ہے جو چل رہی ہے اور بنانے کے بعد صانع کا اسمین کوئی دخل نہین۔ اور ایمان بالخالق
جسمین مانا جاتا ہے کہ مخلوق کسی وقت اپنے خالق سے بے نیاز نہین ہے۔ ان تینون شکلون مین سے اگر
تیسری شکل صحیح ہے اور نیز اگر خدا اپنی ذات اور قدرت مین غیر محدود ہے تو جس طرح ہم اوپر سے آنے والے
ایک ذرّہ کو اپنے ہاتھہ مین لیکر اُس کو زمین پر گرنے سے روک سکتے ہین اس لیے کہ کشش ثقل کا جتنا حصہ اس
ذرہ کو نیچے کیطرف لا رہا تھا۔ ہمارے ہاتھہ کی طاقت اس سے زیادہ ہے اور اس سبب سے اس وقت کشش ثقل کا
عمل نہ کرنا اُسکے قانون کا ٹوٹنا نہین ہے بلکہ ایک اُس سے بڑی طاقت کا مزاحم ہونا ہے۔ اسی طرح خدا چونکہ
سب سے بڑی طاقت ہے اس لیے اس کا دُنیا کی تمام طاقتون کا مزاحم ہونا اور اپنے ارادہ سے اُن کے
قوانین کو کسی خاص وقت کے لیے معطل کرنا خلاف قانون قدرت نہین ہوسکتا۔ اور نیز بیشک مذہبی
حیثیت سے خدا کو مدبّر عالم جاننا اور ہر کام کو اُسی کی قدرت اور ارادہ کا اثر سمجھنا فرض ہے۔ مگر سوال
یہ ہے کہ جو قاعدے اُس نے مقرر کردیے ہین اگرچہ اپنی بالاتر طاقت کو دخل دیکر کسی وقت کے لیے
اُن کو معطل کردینا خلاف قانون قدرت نہ ہو مگر چونکہ وہ حکیم و خبیر ہے اس لیے خاص اسکی اپنی طاقت
کو دخل دینے کا کوئی فائدہ ایسا ہونا چاہیے جو اس عمل کے سوا صورت پذیر نہ ہوسکے۔ اس کے جواب مین کہا
جاتا ہے کہ وہ فائدہ بندگان خدا کو ہدایت کرنا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہین کہ خدا کی ذات سے انکار کرنے والے اور
بالخصوص اُس خاص صورت سے انکار کرنے والے جس صورت پر خدا کو ماننے کے لیے معجزہ لانے والے انبیا تعلیم
کرتے ہین اور نیز اُس کے ساتھہ شرک کرنے والے ہر زمانہ مین کثرت سے موجود ہین۔ پس اگر اُن کو ہدایت دینے کا
فائدہ محض معجزات سے حاصل ہوسکتا ہے تو لازم ہے کہ معجزات کا ظہور ہر وقت ہوتا رہے حالانکہ اگرچہ معجزات ہر مذہب
اور ہر قوم مین کثرت سے مروی ہین مگر ہمیشہ ظاہر نہین ہوتے اور زمانے کا بہت بڑا حصہ ان سے خالی گذرا اور
گذر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ کی حرکت مین آنے کی وجہ محض ہدایت کے سوا
کچھ اور ہوگی۔ اور نیز جس طرح پر خدا کی قدرت کاملہ سے بغیر کسی ظاہری سبب کے معجزہ کا ظہور ہوسکتا ہے اسی
طرح خدا کی قدرت کاملہ سے بغیر کسی ظاہری سبب کے خلق اللہ کو ہدایت ہوسکتی ہے پس خلق اللہ کو ہدایت کرنی

کرنے کے لئے انبیا کو سبب ٹھیرانا اور انبیا کی تصدیق کے لیے معجزہ کو علت گردانناخود اس دعوی کو تسلیم کرنا ہے کہ اگرچہ ہوتا سب کچھ خدا کی قدرت سے ہے مگر اس عالم اسباب میں اس کے ظہور کے لیے خاص قواعد اور علت و معلول کا ایک خاص سلسلہ مقرر ہے مثلاً آکسیجن اور ہیڈروجن کے ملنے سے پانی کا بننا خدا کے حکم اور ارادہ پر موقوف ہے مگر اس کے پانی بننے کا حکم جبھی صادر ہوتا ہے کہ دو نو اپنی معینہ مقدار پر اور مقررہ شرطوں کے ساتھ جمع ہوں۔ اور ان کے جمع ہونے پر اس کا پانی نہ بننے کا حکم اسی وقت ہوتا ہے جب انکی معینہ مقدار میں تفاوت ہو یا شرطیں جو پانی بنانے کیلیے اس نے مقرر کی ہیں وہ موجود نہ ہوں۔ اسی طرح جسم کو آگ میں ڈالنے پر اس کا نہ جلنا یا جسم کا بغیر جسمانی اسباب کے بلند ہونا اگرچہ ہے خدا کی قدرت سے مگر ایک وقت میں ایسا اثر ظاہر ہونے کے لیے اور دوسرے وقت میں ایسا نہ ہونے کے لیے بھی ضرور کوئی وجہ ہے اور وہ یہی ہے کہ ظاہر ہونے کے وقت کوئی خدا کا بندہ ایسا صاف باطن موجود ہوتا ہے جسکی ان روحانی طاقتوں میں سے جن کے ادنی کرشمے ہم دیکھ رہے ہیں کوئی طاقت ایسی قوی ہو جاتی ہے کہ وہ جسم پر حکومت کر سکتا ہے اور اس وقت وہ صفائی جو اسکی روح میں پیدا ہوئی ہے آئینہ بن کر اور وہ نور جو خدا کی قدرت کاملہ کی شکل میں ہر وقت تابان ہے آفتاب بن کر دونوں باہم متصل ہو جاتے ہیں اور اس وصل سے اجسام پر اثر کرنے کی ویسی ہی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جو بلا تشبیہ ریڈی امیٹر کے اوپر روشنی ڈالنے سے جو شیشے کے پیمانہ پر اس کے اندر کا پنکھا چلنے میں ظاہر ہوتی ہے۔ غرض اس اثر کو خدا کی قدرت کا اثر کہو یا انسان کی روحانی طاقت کا کرشمہ مطلب وہی ہے کہ ہوتا سب کچھ خدا کی قدرت سے ہے مگر اس کے ہونیکے واسطے انسان کی روحانی طاقت ایک سنت اور قانون ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

اسلام اور قانون قدرت معلوم نہیں دنیا کے اور مذاہب اور ان کی آسمانی کتابیں اس بارہ میں کیا فیصلہ دیتی ہیں مگر اسلام اور اس کی آخری کتاب یعنی قرآن کو دیکھا جائے تو اس میں بار بار اور بصراحت مذکور ہے کہ خدا قادر مطلق ہے مگر دنیا میں اس کے تمام افعال خاص سنت اور خاص طریق پر جاری ہیں اور بغیر معین روش اور مقدار کے اسکی قدرت کا ظہور نہیں ہوتا۔ مثلاً ارشاد ہے۔

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (حجر پارہ ۱۴ ع ۲)	اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں مگر ہم انکو نہیں اوتارتے مگر ایک معین مقدار پر-
سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۸)	یہی طریق ہے ان انبیا کی نسبت جن کو ہمنے تم سے پہلے بھیجا ہے اور تم خدا کی سنت مین تبدیل نہ پاؤگے-
فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (روم پارہ ۲۱ ع ۴)	یہ خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگون کو پیدا کیا۔ خدا کی پیدائش مین تبدیل نہین۔ یہی مضبوط رستہ ہے-
سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (احزاب پارہ ۲۲ ع ۵)	یہی خدا کا دستور ہے ان لوگون کی نسبت جو پہلے گذر چکے اور خدا کا حکم مقرر اندازہ پر ہے-
فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا (فاطر پارہ ۲۲ ع ۵)	پس وہ نہیں دیکھتے مگر گذشتہ لوگون کے طریق کو پس تم خدا کے دستور میں تبدیل نہ پاؤگے- اور خدا کے دستور مین انقلاب نہ پاؤگے
سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (فتح پارہ ۲۶ ع ۳)	یہ خدا کا دستور ہے جو پہلے سے جاری ہے اور تم خدا کے دستور مین تبدیل نہ پاؤگے
مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (ق پارہ ۲۶ ع ۲)	میری بات بدلی نہین جاتی اور مین بندون پر ظلم کرنیوالا نہین ہون -
إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قمر پارہ ۲۷ ع ۳)	ہمنے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا ہے-
قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق پارہ ۲۸ ع ۱۷)	خدا نے ہر چیز کے لئے اندازہ مقرر کیا ہے-

معجزہ خدا کی طرف کیون منسوب ہوتا ہے-

معجزات کی روایتون کو مذہبی نظر سے دیکھنے والے دیکھتے ہین کہ اکثر جگہ معجزہ کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ "خدا نے دریا کو پھاڑ دیا" یا "خدا نے آگ کو جلانے سے روک دیا" اور اس سے سمجھتے ہین کہ یہ واقعہ بغیر کسی معین سبب کے محض قدرت خدا سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ مگر یہ دھوکا عام طریق ہدایت پر غور نہ کرنے سے ہوتا ہے ورنہ مذہب کی غرض محض خدا کیطرف

بلانا اور اس تک پہونچنے کے وسائل بتاتا ہے اور غافلون کو اس مدعا کی طرف متوجہ کرنے کے لیئے مظاہر قدرت کو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور چونکہ ہر چیز کا مبدء اور خالق وہی ذات باری ہے اس لیے اُن کو یاد دلایا جاتا ہے کہ جو ذات ان مظاہر اور اشیا کی خالق ہے وہی سب کی انتہائے مقصود ہونی چاہئیے چنانچہ ہواؤن کے چلنے کے لیے۔ بارش کے برسنے کے لیے۔ زمین سے نباتات اُگنے کے لیے۔ آفتاب و ماہتاب کی حرکت کے لیے انسان اور حیوان کی شکل صورت اور زبان مختلف ہونے کے لیے خاص اسباب و علل کا ایک طویل سلسلہ معین ہے مگر کہا جاتا ہے کہ خدا ہواؤن کو چلاتا ہے۔ بارش برساتا ہے زمین سے نباتات اُگاتا اور تمام مظاہر قدرت کو پیدا کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُورًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج يُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ۝

(یونس پارہ ۱۱ ع ۱)

خدا وہ ذات ہے جس نے آفتاب کو روشنی اور ماہتاب کو نور بنایا اور اس کے لیئے منزلیں مقرر کین تاکہ تم سالون کی تعداد اور اُن کے حساب سے آگاہ ہو۔ خدا نے جو پیدا کیا ہے تو حق کیا ہے۔ بیکار نہیں کیا۔ اور وہ جاننے والون کے لیے اپنے نشانات کی تفصیل کرتا ہے

وَمِنْ اٰيَاتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ط اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّلْعٰلِمِينَ ط (روم پارہ ۲۱ ع ۳)

اور اُس کے نشان ہین آسمان و زمین کی پیدائش اور تمھاری زبان اور تمھارے رنگون کا اختلاف۔ بیشک اس مین اہل علم کے لیے بڑے نشان ہین۔

وَمِنْ اٰيَاتِهٖ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ ...... فَانْظُرْ اِلٰى اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (روم پارہ ۲۱ ع ۶)

اور اس کے نشان ہین جو وہ ہوائین بھیجتا ہے تاکہ خوشخبری دین اور تاکہ تم اپنی رحمت کا لطف اُٹھاؤ اور تاکہ اُسکے حکم سے کشتیان چلین اور تاکہ تم اسکا فضل یعنی معاش تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو ... . خدا کی رحمت کے نشانون کو دیکھو وہ زمین کو مردہ ہونیکے بعد کیونکر زندہ کرتا ہے بیشک یہی مُردون کو زندہ کرنیوالا ہے اور وہ جس بات کو چاہے اس پر قادر ہے

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ
(سورہ شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)

اور وہی ہے جو بارش اتارتا ہے اس حال میں جبکہ لوگ ناامید ہو چکتے ہیں اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ دوستی کے قابل اور تعریف کے قابل ہے۔

پس اسی محاورہ کے موافق جس طرح یہ یہاں بارش اور ہوا وغیرہ کے تمام درمیانی اسباب اور علل کو ذکر نہیں کیا جاتا معجزات کے بارہ میں بھی ان کے اسباب اور طریق ظہور سے اعراض کیا جاتا ہے اس لئے کہ غرض ان کے ذکر سے بھی ان مظاہر کی علت اولیٰ کو یاد کرنا ہے اور جس طرح فلسفیانہ دماغ کے لوگ ہوا اور بارش کے مضمون کو یوں ادا کر سکتے ہیں کہ ایسا قانون بنانے والا جس سے بارش اور ہوا باعث رحمت ہوتے ہیں بہت بڑا قابل عظمت ہے۔ اسی طرح معجزات کے ذکر سے تسکین حاصل کی جاتی ہے کہ الٰہی طاقتوں کو پیدا کرنے والا جن سے ایسے عجیب افعال صادر ہوتے ہیں بہت بڑا صاحب قدرت ہے۔

مذہب کی طرف سے وسائط علل کی تفصیل جاننے پر ہدایت کی غرض فوت ہو جاتی ہے۔

اور دوسرے اگر مذہب معجزات اور دیگر مظاہر قدرت کے اسباب بیان کرنا بھی اپنا فرض گردانتا تو اول تو ان پیچیدہ مسائل کے ذکر سے الہامی کتابیں بجائے روحانی ہدایت کے فزیالوجی اور سائیکالوجی وغیرہ کی کتابیں بن جاتیں اور اصلی غرض یعنے توجہ الی اللہ فوت ہو جاتی۔ اور دوسرے جس زمانے میں انسانی عقول کسی واقعہ کا اصلی سبب سمجھنے کی طاقت و استعداد نہیں رکھتیں اس وقت کے لوگوں کے لیے ان اسباب کا ذکر فضول ہوتا بلکہ جہلا اور کم علم لوگوں کے لیے جن کی تعداد ہر زمانے میں علما اور فلسفیوں سے زیادہ ہوتی ہے یہ تعلیم اور الجھن پیدا کرتی۔ آفتاب و ماہتاب کی گردش اور کسوف و خسوف کے اسباب کا ذکر وحشی قوموں کے واسطے ایک طرف متمدن ممالک کی عام لوگوں کیلئے بھی محض بے سود ہوتا۔ روحانی طاقتوں کے قاعدے آج سے سو برس بیشتر تمام دنیا کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ غرض نظام عالم کو دیکھتے ہوئے اور مظاہر قدرت اور معجزات کے ذکر سے جو غرض ہے اسکو لحاظ رکھتے ہوئے یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک تو اسباب کا ذکر مذہب کے لیئے غیر ضروری اور اسکی غرض کو فوت کرنے والا ہے اور دوسرے یہ کہ دنیا عالم اسباب ہے اور یہاں کا کوئی فعل بغیر کسی علت کے اور بغیر خاص طریق ظہور کے جس کو قانون قدرت یا سنۃ اللہ کہتے ہیں

پیدا نہین ہوتا ۔

تمام واقعات کے اسباب معلوم نہین ہو سکتے ۔

فادر ہل یہ درست فرماتے ہین کہ تمام معجزات مسمرزم وغیرہ کے اصول پر حل نہین ہو سکتے ۔ اور بلاشبہ دنیا کے تمام مذاہب مین خواہ کسی کی بنیاد فلسفیانہ اصول پر ہو یا الہامی تعلیم پر معجزات اس کثرت سے اور اس اختلاف انواع سے مروی ہین کہ سب کے لئے خاص اصول اور قوانین کی تلاش انسان کے لیے کم از کم اس وقت تک ناممکن ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ اکثر بلکہ تمام مذاہب مین ماننے والون کی خوش اعتقادی یا طرز ادا کی وجہ سے بہت سے غلط واقعات بھی معجزات مین شامل ہو گئے ہونگے ۔ یا ایسے واقعات جو معمولی قواعد حسابی کے مطابق ظہور پذیر ہوئے ہون معجزہ کی شکل مین بیان کر دیے گئے ہونگے ۔ مگر عقل یہ دعوی کبھی نہین کر سکتی کہ تمام قوانین قدرت معلوم ہو چکے ہین یا کہ جو واقعہ معلومہ قوانین کے مطابق حل نہ ہو سکے اسکو غلط کہا جائے یا براہ راست قدرت خداوندی کا ظہور مانین ۔ اور دوسری جانب مذہب یہ دعوی نہین کرتا کہ تمام رطب و یابس اور صحیح و غلط روایات کو یکسان سر آنکھون پر رکھ لیا جائے ۔ بلکہ ایسے موقع پر جو کام عقل کیا کرتی ہے مذہب اس سے زیادہ احتیاط کے ساتھ چلنے کو کہتا ہے ۔

سبب معلوم نہ ہونے پر عقل کیا عمل کرتی ہے ۔

عقل مظاہر حیاتی کو دیکھتی ہے اس کے اسباب تلاش کرتی ہے آج ایک سبب پر یقین ہوتا ہے کل وہی واقعہ اور شکل مین پیش ہوتا ہے اور دوسرا سبب تلاش کرنا پڑتا ہے اور اس طرح غلطی پر غلطی کرتی ہوئی کبھی واقعی سبب تک پہونچ جاتی ہے اور کبھی عجز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے ۔ اور جہان واقعی سبب دریافت کرنیکا دعوی کیا جاتا ہے ۔ وہان بھی اکثر احتمال باقی رہتا ہے ۔ زمین تک حرارت اور روشنی پہونچنے کا سبب آفتاب کو گردانا گیا ہے مگر روشنی اور حرارت کی رفتار اور اسکے زمین تک پہونچنے کی وجہ دریافت نہین ہو سکی اور کہا جاتا ہے کہ ایتھر کو فضا مین پھیلا ہوا مانکر بھی یہ مسئلہ آن نو ایبل یعنے ناقابل فہم ہے ۔ سونا ۔ چاندی اور بعض دیگر معدنیات تحلیل نہین ہو سکتین اس کا سبب یہ کہ عنصر ہین مگر ابھی احتمال باقی ہے کہ ان کے تحلیل نہ ہونیکا سبب آلات کا نقص ہو اور واقع مین یہ چیزین عنصر نہ ہون ۔ یہان تک کوشش کر چکنے کے بعد جو واقعات یقینی معلوم ہوتے ہین ان کے

واقع ہونے پر یقین کیا جاتا ہے اور سبب کو کبھی یاس اور کبھی طول امل کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اور دوسری جانب مذہب مظاہر جسمانی کے ساتھ مظاہر روحانی اور اُن کشفی کیفیتون کا بھی ذکر کرتا ہے جو عارفان الٰہی کو ان کی استعداد کے موافق وقتاً فوقتاً پیش آتے ہین اور جن کو سمجھنا انسانی عقل کے لیئے ناممکن ہے۔ مگر وہ غلطیون کا لمبا سلسلہ جو جسمانیات کی تلاش مین عقل کے لیے ضروری اور اس کو ترقی دینے والا ہے مذہب کے نزدیک غیر ضروری اور اسکی غرض کے منافی ہے۔

مذہب کا عمل کیا ہے؟

مذہب نے اپنی تعلیم کو دو حصّون پر تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ امور ہین جن کو بجا لانے کا یا ان سے پرہیز کرنے کا حکم ہے اور ان کو اصطلاح مذہب مین محکمات کہتے ہین۔ اور دوسرے وہ امور جن سے محض قدرت خداوندی کا اظہار اور انسان کو توجہ الی اللہ کی ترغیب دینا مقصود ہے اور ان کو متشابہات کہا جاتا ہے کیونکہ ایسے امور خواہ بارش اور ہوا کی طرح معمولی اسباب ہی سے پیدا ہوتے ہون یا مخفی اور نامعلوم علتون سے۔ اختلاف زمانہ سے اُن کے اسباب کے متعلق بہت توجیہین ایک دوسرے کے مشابہ پیدا ہو سکتی ہین اور روحانی اور کشفی امور کی نسبت بے شبہ ہر وقت ابہام اور اشتباہ رہتا ہے اور کبھی یقینی سبب دریافت نہین ہو سکتا۔ پس مذہب محکمات کو بہ تفصیل ذکر کرتا ہے اور متشابہات کی نسبت کوئی توجیہ قایم کر کے اس پر اصرار کرنے سے روکتا ہے۔ کیونکہ اگر توجیہ تلاش کی جائے اور وہ غلط ہو۔ اور کشفی امور مین عقلی توجیہات کا نظر باکثر حالات غلط ہونا اغلب ہے، تو اس پر عمداً اصرار کرنا فتنہ و فساد پیدا کرتا ہے اور ناداستہ یقین کرنا غلط کو صحیح تصور کرتا ہے جو تاویل بیجا اور روح کے لئے تاریکی کا باعث ہے۔ پس مذہب کے نزدیک سچے عالم کی یہ شان ہرگز نہین کہ وہ کسی تاویل پر جو اسکے اپنے ذہن سے پیدا ہوئی ہے۔ اصرار کرے بلکہ اس کا فرض ہے کہ جن واقعات کو وہ اپنی عینی یا مذہبی شہادت سے درست سمجھتا ہے انکو بالاجمال مانکر ان کی یاد اور ذکر سے دل پر خدا کی عظمت اور قدرت کا نقش جمائے اور یہ کہ اس واقعہ کی علت کیا ہے اس کے یقینی علم کو خدا پر چھوڑے۔

هُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ مِنۡهُ ءَايَٰتٞ مُّحۡكَمَٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلۡكِتَٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٞ

خدا وہ ذات ہے جس نے تم پر کتاب اُتاری۔ اسمین سے بعض آیات محکمات ہین جن پر ہدایت کا مدار ہے اور بعض متشابہات

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ؕ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱)

پس جن لوگوں کے دل میں شک ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ فتنہ پیدا کرنے کے لیے تاویل معلوم کرنے کیلئے۔ حالانکہ اسکی تاویل (وجہ) خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو پختہ علم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت وہی حاصل کر سکتے ہیں جو عقلمند ہوں۔

معراج کے متعلق کیسا یقین ہونا چاہیئے۔

غرض ایک وقت میں قصور استعداد کے سبب کسی غلط سبب پر یقین کرنا عقل کے لئے اس وقت کیلئے نا زیبا نہیں ہو بلکہ ہمیشہ یونہی ہوتا ہے لیکن مذہب اپنے دائرہ میں اتنی غلطی کو بھی جائز نہیں سمجھتا اور وہ اسیقدر یقین کرواتا ہے جس میں شبہ کی گنجائش نہو مثلاً معراج کی نسبت خواب کا واقعہ۔ روحانی کشفی سیاحت۔ روح کا جسمانی اثر یا اس کے سوا کچھ اور غرض کسی ایک توجیہ پر قایم ہونا اور اصرار کرنا زیبا ہو گا۔ ‡ اور سلیم تر عقیدہ یہی ہو سکتا ہے کہ غایت کمال انسانی اور توجہ الی اللہ کے نہایت استغراق سے کسی قسم کا انکشاف ہوا ہے جس کی حقیقت خدا کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔

بالعموم معجزہ کے متعلق بھی یقین کافی ہے۔

اور یہی مسلک ہر مذہب کے لیے اُن معجزات کے متعلق ہو سکتا ہے جو اس مذہب کے معتبر اور قابل وثوق روایتوں سے ثابت ہوں کہ محض واقعہ کو مانکر عظمت خداوندی

‡ اور ہم دیکھتے ہیں کہ جو روایات معراج کے متعلق قطعی طور پر مروی ہیں اُن میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو کسی خاص صورت پر یقین کرنے کا موئد ہو مثلاً ان میں ذکر نہیں کہ معراج خاص جسم عنصری سے ہوا محض "خدا نے بندہ کو سیر کرائی" یا "میں گیا اور میں نے دیکھا" اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ اور ان لفظوں سے روح مع جسم بھی مراد ہو سکتی ہے اور صرف روح کا ذکر بھی اِنہی الفاظ میں کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہم لوگ اپنے خواب بیان کرتے ہیں۔ تب بھی اس مشاہدہ کو جو جسمانی نہیں ہوتا یونہی ادا کرتے ہیں کہ میں نے یہ خواب دیکھا اور میں وہاں گیا اور اسی طرح یہ لفظ کہ "ہم نے جو تم کو خواب دکھایا ہے وہ ایک آزمائش ہے" اس سے بھی یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ وہ خاص خواب ہی کا واقعہ تھا کیونکہ کوئی عجیب اور دلچسپ نظارہ جو تھوڑی دیر کے لئے نظر آئے اس کی نسبت بولا کرنا عام محاورہ ہے کہ "ایک خواب تھا جو دیکھ لیا"

کا خیال قائم کیا جاوے اور واقعہ کی کیفیت کہ وہ روحانی اثر سے ہوا یا معمولی جسمانی ذرائع سے یا کسی اور طرح پر۔ اس تفتیش کو اپنے عقیدہ مین دخل نہ دیا جائے۔ اس لیے کہ قدرت خداوندی کا یقین ایک ذرہ سے لیکر کسی بڑے آسمانی کرہ تک کے ہر ایک معمولی اور غیر معمولی واقعہ سے ہو سکتا ہے مثلاً دشمن سے بھاگنے والے قافلہ کو دریا سامنے آجانے پر اپنی گرفتاری اور موت کا یقین ہو گیا ہے اور ساتھ ہی کسی طرح دریا سے گذرنے کا رستہ پا لیا ہے اور پار چلے گئے پر جب دشمن اسی رستہ سے عبور کرنے لگا ہے تو دریا کے چڑھاؤ نے اُسے غرق کر دیا ہے۔ اِس واقعہ مین دریا کا رستہ دینا خواہ روحانی طاقت کا اثر ہو جس سے اشارہ کرتے ہی پانی کی حرکت رُک گئی اور جا بجا رستے پیدا ہو گئے۔ یا معمولی اتفاق ہو کہ دریا مین لکڑی ٹیکتے ہی جزر کے اثر سے کئی جگہ پانی پایاب ہو گیا ہو اور بعض بعض گردابون مین ابھی پہاڑ جیسی لہرین پڑ رہی ہون اور دشمن کے عبور کرنے کے وقت پھر مد پیدا ہو کر سطح ہموار ہو گئی ہو۔ ہر طرح پر ایسے نازک وقت مین مغلوب کا رہائی پانا اور غالب کا تباہ ہونا قدرت خداوندی کا بڑا کرشمہ ہے اور انسان کے لیے یہ واقعہ ہر طرح خدا کی طرف توجہ کرنے کا محرک ہے۔ پس ان دونون توجیہون یا اور ایسی چند تشریحون مین سے کیون کسی ایک پر یقین کیا جائے جبکہ مدعا ہر طرح حاصل ہو سکتا ہے اور کیون نہ کہا جاوے وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۘ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۔

معجزہ کو دعویٰ نبوت سے کیا تعلق ہے۔

معراج کو دعوے نبوت کی شہادت مین پیش نہین کیا گیا۔ بلکہ اسکی تفصیل بطور ایک واقعہ کے اپنے دوستون مین بیان کی گئی ہے اور کلام ربانی مین اس کا مجمل اشارہ اظہار قدرت کے طور پر ہوا ہے اور اس لیے اس کو مشہور اصطلاحی معنون مین معجزہ نہین کہہ سکتے۔ مگر دیگر عجیب واقعات جو اسی قسم کے مخفی اسباب سے ظہور پذیر ہوتے رہی ہین ان کو بیشک اکثر جگہ بطور شہادت کے پیش کیا گیا ہے اور اس لیے عام طور پر معجزہ انہی خوارق العادت افعال کو کہتے ہین جو ثبوت نبوت کیلیے پیش ہون۔ پس اگر معجزات کو روحانی طاقت اور دیگر معینہ قوانین قدرت کا اثر مانا جاوے تو سوال ہوتا ہے کہ اس سے دعویٰ نبوت کیونکر ثابت ہو گا؟ کیونکہ اگر کوئی شخص جسمانی طاقت کی ایسی مشق بہم پہونچالے کہ اپنے زمانہ کے تمام پہلوانون سے بڑھ جائے تو اس سے لازم نہین آتا کہ وہ

شخص صادق القول باویانت اور اپنی تعلیم میں قابل تسلیم بھی ہے۔ اسی طرح جو شخص روحانی مشق میں ایسا فائق ہو گیا ہے کہ اور کسی شخص سے اس جیسے افعال سرزد نہیں ہو سکتے تو کیونکر لازم آتا ہے کہ مذہب کے متعلق بھی اُسکی باتیں درست اور قابل پذیرائی ہیں۔

اس کشمکش میں پڑکر مخالفین کی طرف سے ایک طرف تو یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اُس شخص کی صداقت کے لیے جو اپنے تئین فرستادہ خدا اور اپنی تعلیم کو حکم خدا بتاتا ہے ضرور ہے کہ اس کو ایسے نشان دیئے جائیں جو تمام قوانین معینہ سے پرے اور محض قدرت خداوندی کا اثر ہوں۔ تاکہ ظاہر ہو کہ جب خدا نے اُسے بھیجا ہے تو اپنی خاص قدرت کو گواہ بنا کر اُس کے ساتھ کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف جب قدرت خداوندی کا بے واسطہ ظاہر ہونا ثابت نہیں ہوتا تو نبوت کے وجود سے انکار کیا جاتا ہے چنانچہ ڈاکٹر جان ایس مل اپنے تیسرے مضمون میں اسی بنا پر وحی کی تردید کرنے میں مگر ان دونوں مقدمات میں سے دوسرا مقدمہ بیشک صحیح ہے اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے نظام عالم سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت اللہ معین اور مقرر ہے اور اُس کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن پہلا دعوےٰ کہ ثبوت نبوت کے لیے خوق العادت نشان ہونا چاہئیے اور معینہ قوانین قدرت کے مظاہر یہ خدمت ادا نہیں کر سکتے کسی قدر غلط ہے۔

معجزہ خاص حالات میں مفید ہوتا ہے۔

دُنیا کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوام انسانی کی حالت اپنے آغاز و انجام میں افراد انسانی سے بہت کچھ مشابہ ہے جس طرح پر ایک بچہ نہایت بے شعوری کی حالت سے ترقی کرتا ہوا کامل عقل و شعور تک پہونچتا ہے اسی طرح سے قومیں بھی ابتدائی وحشیانہ حالت سے بتدریج تہذیب تک پہونچتی ہیں اور جس طرح بچہ ابتدا میں عجیب باتوں کا مشتاق ہوتا ہے اور ہر کام میں ان لوگوں کی تقلید کرتا ہے جو طاقت میں اس سے برتر ہوں۔ اور پھر جس جس قدر عقل و تمیز میں بڑھتا جاتا ہے عجائب پرستی اور تقلید کو چھوڑکر عقل کی رہنمائی کو قبول کرتا جاتا ہے۔ اسی طرح سے اقوام انسانی بھی ابتدا سے تہذیب میں عقل و شعور سے عاری ہوتی ہیں اور گرد و پیش کے مناظر قدرت کو دیکھ کر نہ ان سے عاقلانہ علمی نتائج پیدا کر سکتی ہیں نہ روحانی تسکین پا سکتی ہیں۔ ان کا

منتہائے نظر صرف یہی ہوتا ہے کہ جس چیز کو عام اشیاء سے ممتاز اور عجیب پاتے ہین بچون کی طرح اسی کیطرف جھک جاتے ہین۔ کسی درخت کو عام نباتات ہین کسی صفت مین ممتاز پایا اسی کیطرف جھک گئے کسی جانور مین کوئی عجیب خاصیت دیکھی اُسکی سیوا کرنے لگے۔ یا کسی انسان مین اپنے سے زیادہ قدرت دیکھی اسی کا دامن پکڑ لیا۔ غرض اس طرح ابتدائی حالت سے ترقی کرتے کرتے بتدریج عقل و شعور اور وجدان و معرفت تک پہونچی ہین۔ اور نئے زمانے کی ترقی سے جُہلا کی تعداد اگرچہ اب بھی ہے مگر کم ہوتی جاتی ہے اور گذشتہ زمانے مین ایسی قومین اور ایسے افراد بکثرت موجود تھے۔ چنانچہ اُس زمانے کی عجائب پرستی اور تقلید کی وجہ سے معمولی جادوگرون اور فسون سازون کی وہ پرستش ہوتی تھی جس کی آج خدا کے واسطے بھی توقع نہین کی جاتی۔ پس ایسے وقت اور ایسی قوم مین جو شخص وحی و الہام کی دولت لیکر آتا تھا اور لوگون کو راہ راست دکھانا چاہتا مگر لوگ نہ اسکی عرفانی قدر و منزلت کو سمجھ سکتے تھے اور نہ عقل و شعور سے اسکی تعلیم کو پرکھ سکتے تھے تو اندرین حالات ایسی قوم کو راہ راست پر لانے کا صرف وہی طریق ہو سکتا تھا جو بچون کو عقل و شعور سکھانے کے لیے برتا جاتا ہے اور خوش قسمتی سے آج ہم کو اس مثال کی وضاحت کے لیے جو سامان میسر ہے وہ پہلے حاصل نہ تھا۔ ہمیشہ سے بچون کو بچپن کے زمانے سے عقل و شعور کی باتین فلسفیانہ نکتہ سنجی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش ہوتی رہی ہے مگر چونکہ ان کے دماغ اس تعلیم کے لیے تیار نہین ہوتے اسلیے مار پیٹ اور جبر و تشدد بچپن کی تعلیم کا جزو اعظم رہا ہے اور پھر بھی نتیجہ بہت دیر مین اور بہت ناقص پیدا ہوا کرتا تھا لیکن آج ہم دیکھتے ہین کہ کنڈر گارٹن کے نام سے بچون کو انھی عجائبات سے تعلیم دینے کا طریق رائج ہوتا جاتا ہے جن کی طرف وہ بالطبع راغب ہوتے ہین۔ چنانچہ رنگین اور خوشنما کھلونون سے انکو عقل و شعور کی باتین سکھائی جاتی ہین اور باوجود کہ ابھی اس طریق کی ابتدا ہے مگر بہت کچھ کامیابی ہو گئی ہے۔ رنگ برنگ کی گولیون سے حساب کے ابتدائی قاعدے [illegible] لکڑی کے مختلف ٹکڑون سے ہیئت کی ابتدائی شکلین۔ تصویرون اور اُن کے نامون سے حروف ابجد کی مشق چھوٹی عمر مین ایسی خوبی سے ہو جاتی ہے کہ پُرانی طرز تعلیم سے بہت مدت مین ذہن نشین ہوتی تھی پس یہ طریقہ جو دُنیا دارون نے آج زمانے کی بہت الٹ پھیر کے بعد سیکھا ہے۔ خدا کے بھیجے ہوئے اُستاد نہایت تاریک زمانے مین اِس سے کام [illegible] زمانہ کے تمام [illegible] چونکہ اُس زمانے والے اپنی گردوپیش کی چیزون سے جن کو

مسٹر مل تو نیچر کو مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس سلسلہ کائنات کو نمونہ بنا کر انسان ترقی نہیں کر سکتا مگر وحدت شہود نے جن آنکھوں سے نیچر کو دیکھا ہے ان کو اس باغ کے ہر پتہ پر لکھا ہوا نظر آتا ہے کہ ہر درجہ ترقی میں اس کے مناسب حال عیب میں کمی اور کمال میں زیادتی ہوتی جاتی ہے اس لیئے انسان جو سب سے اعلےٰ درجہ رکھتا ہے اور جو دنیا کی تمام خوبیوں کے ساتھ ارادہ۔ عقل اور نور وجدان سے بھی بہرہ ور ہے اسے سب سے زیادہ عیب کو چھوڑنے اور کمال حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ؞

بجز ترقی کے سوا عقل کوئی اور صورت پیش نہیں کر سکتی

غرض ایک ضد سے دوسری ضد کیطرف آنے کی جو صورتیں وحدت شہود نے پیش کی ہیں اور عدم سے وجود کیطرف آنے میں جو ترقی بتدریج تمام نظام کائنات سے ظاہر ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم سے وجود پیدا ہونے کی اسی طرح پیدا ہو سکتی تھی۔ اور اس کے سوا کوئی صورت ہمارے ذہن میں نہیں آسکتی مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ یہ آفتاب اور زمین جیسی سادہ اور ناقص شکلیں نہ بنائی جائیں کیونکہ اپنے طوفانوں سے بہت نقصان پہونچاتی ہیں تو پھر ہمارے خیال میں کوئی صورت نہیں جس سے نباتات اور حیوانات بغیر حرارت اور نور کے اور بغیر کسی جائے قیام کے زندگی بسر کر سکیں۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ نباتات اور حیوانات بھی نہ بنائے جاتے جو آفتاب اور زمین کے بغیر بسر نہیں کر سکتے اور بغیر ایک دوسرے کو بہت کچھ نقصان پہونچاتے ہیں بلکہ ایک اعلیٰ روحانی مخلوق پیدا کی جاتی جو تمام جسمانی ضرورتوں سے پاک ہوتی تو پھر ہم سمجھ نہیں سکتے کہ ایسی مخلوق روحانی ترقی کیونکر کر سکتی۔ کیونکہ ترقی کے لیئے ہماری عقل یہی تدبیر کر سکتی ہے کہ اپنی ضرورتوں کو ناجایز طور پر پورا کرنے سے پرہیز کریں اور دیگر مخلوقات کو ان کی ضرورتوں میں مدد دیں اور جب تمام مخلوق ہی ضرورتوں سے پاک ہو تو نہ اپنے تئیں جائز و ناجائز کے امتحان کا موقع آئیگا اور نہ دوسروں کو مدد دینے کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ یہ بھی نہ ہوتا بلکہ محض ایسی مخلوق پیدا کی جاتی جس کو ترقی کی ضرورت نہ ہوتی یعنی وہ ہر طرح کے کمال سے آراستہ اور سب نقصوں سے پاک اور برتر ہوتی تو بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیئے کہ خدا

اپنی جیسی مخلوق پیدا کرتا مگر ہماری عقل اسکو بھی ناممکن سمجھتی ہے کہ خدا بالکل اپنی جیسی مخلوق پیدا کر سکے کیونکہ جب وہ مخلوق ہے تو قدیم نہین اور اس لیے اُن کمالات سے جو ایک قدیم ذات کا خاصہ ہین ضرور محروم ہے۔ غرض جہان تک عقل کام کر سکتی ہے اُسکا فیصلہ ہے کہ عدم سے وجود کی کامل تشکلین اسی طرح بتدریج اور دھیمی رفتار سے پیدا ہو سکتی ہین اور کمال کے انہی مختلف درجون کے سبب مخلوق ترقی کی شاہراہ پر چل سکتی ہے۔ اور یہی ترقی وہ نعمت ہے جس کو تمام دنیا اور بالخصوص نوع انسانی کی سب سے بڑی آرزو اور انتہائی مقصد کہہ سکتے ہین۔

| ابھی سوال حل نہین ہوا |

لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تمام باتون کو ماننے کے باوجود اور اہل وحدت شہود اور دیگر مذہبی رہناؤن کی کوششون کو جو وہ بدی کی وجہ تلاش کرنے مین بجالاتے ہین قابل شکر گذاری تسلیم کرنے کے بعد اصلی سوال کو دیکھا جاتا ہے تو وہ یہ تھا کہ دنیا مین بدی کیون ہے؟ اور اس سے پہلے مان لیا گیا ہے کہ دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے اس لیے سوال کی حقیقت یہ ہوئی کہ خدا نے بدی کو کیون ظاہر کیا اور اس کے جواب مین جب بدی کو مادہ کی صفت قرار دیکر یا اسکی اصلیت عدم ٹھیرا کر اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اس کے خلاف ہونا ممکن نہ تھا تو گویا یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ خدا بھی اس کے خلاف کر نہین سکتا حالانکہ اسکو ثابت کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ بیشک ہم کسی چیز کی فطرت کو بدل نہین سکتے اور اس لیے ہم اگر مادہ سے کوئی چیز بنائین تو اوس مین ضرور مادہ کی فطری صفات جلوہ گر ہونگی مگر یہ اسی لیے ہے کہ ہماری قدرت محدود ہے اور ہم اپنی ضرورتون کے لئے مجبور ہین کہ جو شکل ممکن ہو اسی پر قناعت کرین اور مادہ کی فطری صفات سے اگر کچھ نقصان بھی پہونچے تو اس پر صبر کرین اور اسکے برخلاف خدا کو غیر محدود اور سب ضرورتون سے پاک مانا جاتا ہے اس لیئے اس کے فعل کو اپنے فعل پر قیاس کرنا غلط ہے اور اس لیے خواہ مادہ قدیم سے موجود ہو مگر سوال باقی رہتا ہے کہ اگر خدا بدی کو ظاہر کرنا چاہتا تھا تو اس نے کیون ایسی صورت پیدا کی جس سے بدی جو مادہ کی سادہ شکل مین نمایان نہ تھی ظہور مین آئی۔ اور اسی طرح بیشک ہم ایک ضد کو دوسری ضد کی طرف بتدریج آتے دیکھتے ہین اور بیشک ہماری عقل اس کے سوا کوئی صورت خیال مین نہین لا سکتی مگر یہ اسی لیئے کہ نیچر مین یہ عام دستور

ہے اور ہماری عقل اُس دستور کے سوا جو نیچر میں نظر آئے اور کوئی تدبیر ایجاد نہین کر سکتی لیکن جب خدا غیر محدود قدرت اور علم رکھتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہین کہ خواہ دُنیا عدم سے وجود مین آئی ہو اگر وہ بدی کو نابود کرنا چاہتا تھا تو ایسا سلسلہ کیون جاری کیا جسمین کسی نہ کسی شکل سے اسکا ظہور رہتا ہی اور ان دونون احتمالون مین یہ کہنا کہ خدا اسکے سوا کچھ نہین کر سکتا تھا اُسکی قوت کو محدود قرار دینا ہے اور بیشک مسٹر مل کا قول صحیح ہے کہ [1]

"خدا کی طرف محض نیکی کو منسوب کرنے والے مجھے یقین ہے کہ اوسکو قادر مطلق نہین جانتے اور ہمیشہ اُس کی نیکی کو بچانے کے لئے اسکی طاقت کو ناوان بناتے ہین اور تا مدوہ یقین کرتے ہین کہ خدا اگر چاہتا تو اُنکو سب سے ہر ایک کانٹا دور کر دیتا مگر کسی اور کو کوئی بڑا نقصان پہونچانے کے بغیر یا عام بھلائی کے کسی مہتم بالشان مدعا کو فسخ کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا غرض وہ یقین رکھتے ہین کہ وہ ہر ایک کام کر سکتا ہی مگر یہ کام نہیں کر سکتا"

غرض دُنیا کی پیدایش خواہ قدیم مادہ سے ہو یا عدم سے اگر لا محدود خدا کا تعلق اس کے ساتھ ہی تو کسی نہ کسی طور پر نیکی اور بدی دونون کا خدا کی طرف سے ہونا ایسا مسئلہ ہے جسکی تردید نہین ہو سکتی کیونکہ اگر خدا ایسا اُنکی بدی کو نمایان کرنے پر رضامند نہ ہوتا تو وہ کر سکتا تھا کہ یا دُنیا کو کسی اور شکل سے پیدا کرے یا کم از کم اُسکو وجود کی نعمت ہی نہ دے تا برائی کا ظہور نہ ہو اور جب اس لا محدود خدا نے اِسے پیدا کیا ہے تو ضرور ہے کہ جو نیکی اور بدی اس پیدائش مین ظاہر ہونے کو ہے وہ اس پر رضامند ہی اور اس لیئے نیکی اور بدی کی نسبت کہہ سکتے ہین کہ وہ اسی کے پیدا کرنے سے ظاہر ہوئی اور اسی کی جانب سے ہے اور دوسری طرف جیسا کہ اہل وحدت شہود نے ثابت کیا ہی بدی عدم ہے اور جس چیز مین جس قدر عدم کا ظہور ہے اسی قدر بدی کی کثرت ہی اس لیئے یہ بھی صحیح ہی کہ نیکی یعنی وجود خدا کی طرف سے ہے اور بدی یعنی عدم ہماری اپنی حقیقت مین داخل ہے چنانچہ انہی دونون حیثیتون کے موافق قرآن مین شاہد ہے

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا	اگر منکرین کو بھلائی پہونچتی ہے تو کہتے ہین کہ خدا کی طرف سے ہے اور کوئی برائی پہونچتی ہے تو کہتے ہین لائی میرا

[1] ایسے بر اصفحہ نمبر ۲۸ سنہ ۱۸۷۴ع

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (نساء پارہ ۵ ع ۱۱)

یہ تمھاری طرف سے ہے۔ انہیں کہدو کہ بھلائی برائی سب خدا کی طرف سے ہے مگر ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پھٹکتے (اور حقیقت کو دیکھو) تو تمکو بھلائی پہنچتی ہے بھلا کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے یہ تمھاری اپنی اصلیت کی وجہ سے ہے اور تمکو تو ہمنے (محض) رسول بناکر بھیجا ہے (نہ ذمہ دار تمھاری حرکات کی) اور یہ کافی ہے کہ خدا سب باتوں پر حاضر ناظر ہے

(کیون) کا جواب

اب یہ سوال کہ اس لا محدود خدا نے ایسا کیون کیا اور بدی کے ظہور پر رضامند کیون ہوا اس بارہ مین جہان تک امر واقع کو ظاہر کرنے کا تعلق تھا وہ وحدت شہود نے پورا کر دیا ہے مگر سوال کا جواب جیسی کہنا چاہیئے وہ نہ انکی طرف سے پیش ہوا ہے اور نہ کوئی اور مذہب ویسا کہہ سکا ہے اور مذہب کی جانب سے کیون کا جواب نہ ملنے اور بدی کے ظہور کی غائت معلوم نہ ہونے پر آیا مذہب کو ناقص اور قابل ترک سمجھنا چاہیئے یا یہ کہنا چاہیئے کہ یہ حقیقت انسان کی سمجھ سے باہر ہے اس لئے مذہب نے کوئی ہدایت نہیں دی ؟ اس غرض کے لیئے دیکھنا چاہیئے کہ بالعموم کیون کا جواب نہ ملنے اور کسی واقعہ کی علت معلوم نہ ہونے پر ہماری عقل کیا مسلک اختیار کیا کرتی ہے۔

واقعات عالم جنکی تحقیق و تلاش کی جاتی ہے تین قسم پر منقسم ہو سکتے ہین۔

(۱) کسی ایسی چیز کے صفات و افعال کی تحقیق کی جاتی ہے جس چیز کی ماہیت بھی ہمارے مشاہدہ اور تجربہ سے باہر ہے اور اسکے وہ صفات اور افعال بھی تجربہ مین نہین آسکتے

(۲) ایسی چیز کے صفات و افعال کی تلاش کی جاتی ہے جس چیز کی ماہیت تجربہ سے باہر ہے مگر وہ صفات و افعال تجربہ مین آسکتے ہین۔

(۳) ایسی چیز کی نسبت غور کیا جاتا ہے جس کی ماہیت بھی معلوم ہے اور اس کے افعال و صفات کا بھی تجربہ ہے۔

ایک موقع پر کیون کا جواب دینا ضرور نہین ہے

ان مین سے پہلی قسم کی نسبت قاعدہ یہ ہے کہ پہلے ایک احتمال قایم کیا جاتا

ہے اور پھر اُس کے متعلق "کیون" کے لفظ سے جہان تک ممکن ہو سوال پیش کئے جاتے ہین - اب اگر تمام سوالون کا جواب اس احتمال کے مناسب مل جاتا ہے تو احتمال کو حسب حیثیت ظن غالب یا یقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے لیکن جب کبھی کسی ایک موقع پر بھی "کیون" کے جواب مین کوتاہی ہوتی ہے تو اس احتمال کو غلط قرار دیکر اور احتمال قائم کیا جاتا ہے - اور پھر اُس کے متعلق "کیون" کو معیار گردان کر تحقیق و تفتیش شروع کی جاتی ہے - غرض ایسے واقعات مین "کیون" کا جواب نہ ملنے سے ضرور احتمال کو ترک کر دیا جاتا ہے مثلاً آفتاب کی ماہیت تجربہ مین نہین آسکتی اور اُس کے ٹھوس یا سیال یا بخار ہونیکا بھی تجربہ نہین ہوسکتا - اس سبب پہلا احتمال کیا گیا کہ وہ ٹھوس ہے اور پھر اُسکی اُس حرکت کو دیکھا گیا جو اپنے محور پر کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ اُس کے عین درمیانی حصہ پر جسکو زمین کے قیاس پر خط معدل النہار کہنا چاہیئے اُس کی حرکت بہ نسبت دوسرے حصّون کے تیز معلوم ہوئی اور سوال پیدا ہوا کہ اس خط کی حرکت تیز کیون ہے اور چونکہ ٹھوس ہونیکی صورت مین تمام کرہ کو یکسان حرکت کرنی چاہیئے تھی اس لیئے اُس "کیون" کا جواب نہ ملنے پر اس احتمال کو غلط قرار دیا گیا اور آفتاب کو سیال فرض کیا گیا - اب سوال ہوا کہ آہین سے حرارت ایسی عظیم الشان مقدار پر کیونکر نکلتی ہے اور موجودہ سائنس نے جواب دیا[۱] کہ حرارت قوت کی کسی شکل کو خرچ کرنے کے بغیر پیدا نہین ہوسکتی - پھر سوال ہوا کہ اگر آفتاب سیال ہے تو اتنی حرارت خرچ ہونے پر اسکی قوت ختم کیون نہین ہوگئی اور چونکہ اس احتمال کے مطابق اسکا کوئی جواب نہ تھا اس لیے سیال ہونے کے احتمال کو بھی غلط قرار دیا گیا اور بخار کی قسم کا جسم فرض کیا گیا کیونکہ اس صورت مین مذکورۂ بالا "کیون" کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ حرارت نکلتے رہنے کی وجہ سے وہ نہایت لطیف پھیلے ہوئے بخار کی حالت سے سکڑتا جاتا ہے اور آیندہ کے لئے اور زیادہ کثیف ہوتا جائیگا اور اس طرح پر حرارت آہین سے آیندہ بہت بڑے عرصہ تک صرف ہوسکتی ہے چنانچہ اب تک یہ احتمال علمی دُنیا مین ظن غالب کا حکم رکھتا ہے - مگر حال کے انکشافات مین ریڈیم ایک ایسی چیز دریافت ہوئی ہے جسکی حرارت بغیر طاقت کو خرچ کرنے کے نکلتی ہے اور اسکی وجہ سے کچھ سوال پیدا ہونے لگے ہین اور عجب نہین کہ کسی سوال پر اس احتمال کو بھی غلط ماننا پڑے اور آفتاب کی کوئی اور صورت تسلیم کیجائے -

[۱] اسٹرانومی مصنفہ پروفیسر نیوکومب حصہ سوئم باب دوئم -

اسی طرح زمین اور آفتاب کا باہمی تعلق جو تجربہ سے بالاتر تھا جب اسکی نسبت تلاش شروع ہوئی تو پہلے زمین کو ساکن اور آفتاب کو اوس کے گرد متحرک مانا گیا اور پھر سوال کیا گیا کہ رات دن کیوں پیدا ہوتے ہیں اور موسم کیوں بدلتی ہیں اور آفتاب کبھی سمت الراس کے قریب اور کبھی دور کیوں دکھائی دیتا ہے۔ اِن سوالوں کا جواب اس احتمال کے مطابق ملگیا اور آفتاب کی یا آسمانوں کی دو طرح کی حرکت ماننے سے یہ عقدے حل ہو گئے اِس لیئے اِس احتمال پر یقین کر لیا گیا اور جب تک کوئی اور "کیوں"، کا سوال پیدا نہ ہوا اس خیال کو امر واقعی مانتے رہے مگر جب اور واقعات معلوم ہوئے تو پھر کیوں کی آواز پیدا ہوئی۔ مثلاً سترھویں صدی میں جب مقام پیزا کے ٹیڑھے مینار سے جو سائنٹیفک تجربوں کے لیئے بنایا گیا تھا ایک بھاری پتھر نیچے کو پھینکا گیا تو جس مقام سے وہ زمین کیطرف آیا تھا ٹھیک اوس کے عمودی خط پر زمین کے اوپر نہ گرا بلکہ کسی قدر مشرق کیجانب ہٹ کر گرا جس پر سوال ہوا کہ پتھر عمودی خط پر نہ آیا۔ اور چونکہ زمین کے ساکن ہونے پر اسکا کوئی جواب نہ تھا اس لیئے اِس سوال کے پیدا ہونے پر کم از کم زمین کی محوری حرکت کو ماننا پڑا اور اس پتھر جیسے سوال کو حل کیا گیا کہ کرہ کے اجزا جس قدر اسکے مرکز سے دور ہوں اسی قدر اُن اجزا کی محوری حرکت تیز ہوتی ہے چنانچہ مینار بھی سطح زمین کی نسبت مرکز سے دور تھا اس لیئے اوس کے اوپر رکھا ہوا پتھر سطح زمین کی اجزا سے تیز حرکت کر رہا تھا اور اسی لیئے جب وہاں سے گرا تو اپنے اصلی عمود پر آیا جو سطح زمین کی اجزا سے کسی قدر آگے یعنی مشرق کی جانب تھا۔ اور پھر جب معلوم ہوا کہ آفتاب زمین سے بڑا ہے اور نیز جب کشش ثقل کے قانون سے ثابت ہوا کہ چھوٹی چیز بڑی کے گرد حرکت کرتی ہے تو آفتاب کی حرکت کے متعلق کیوں کا سوال پیدا ہوا اور اس طرح کے سوالوں سے پہلا احتمال بالکل غلط ثابت ہو کر زمین کا آفتاب کے گرد گھومنا یقین کے قریب آ گیا۔

ایک اور موقع پر کیوں کا جواب دیا نہیں جا سکتا۔

غرض اس سے اور اسی قسم کی ہزاروں مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی چیز اور اسکی کوئی صفت تجربہ کی گرفت سے باہر ہو تو اس کے متعلق کیوں کا ہر ایک سوال حل کرنا پڑتا ہے اور نہیں تو مفروضہ احتمال غلط ثابت ہوتا ہے مگر دوسری قسم یعنی ایسی چیز جسکی ماہیت تجربہ سے باہر ہے لیکن اسکی صفت مشاہدہ میں آسکتی ہے ایسی صورت میں پہلی صورت کے برعکس کبھی کیوں

کا جواب نہین دیا جاسکتا اور صرف اُس صفت کے تجربہ پر قناعت کی جاتی ہو مثلاً کشش ثقل ایک ایسی طاقت ہے جسکی ماہیت سمجھ سے باہر ہے ڈاکٹر ایچ آر مل[1] لکھتے ہین کہ –

"نیوٹن کا یہ عام قانون قدرت ایسا ثابت ہو کہ شک کی ذرا گنجائش نہین لیکن کوئی نہین سمجھتا کہ وہ ہے کیا چیز"

اس لیئے تجربہ کی رو سے ہم یہ تو یقین کر لیتے ہین کہ دو جسمون کا درمیانی فاصلہ ایک چوتھائی کم ہو جانے پر کشش سولہ گنا زیادہ ہو جاتی ہے مگر اس سوال کا جواب نہین دے سکتے کہ فاصلہ کی کمی سے کشش کیون چوگنی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح مادّہ ایسی چیز ہے کہ اسکی ماہیت سے ہم واقف نہین ہین اور مادہ ایک طرف اس کے اقسام یعنی عناصر کی ماہیت بھی دریافت نہین ہوئی اس لیئے تجربہ سے اتنا تو یقین ہو کہ بیسک آکسائڈ اور ایسڈ آکسائڈ کی آمیزش سے مختلف نمک پیدا ہوتے ہین یا ہیڈروجن اور آکسیجن کے اختلاط سے پانی بنتا ہو لیکن یہ سوال ناقابل حل ہو کہ ایسا ہوتا کیون ہے - اسی طرح شعاع آفتاب کا زمین تک پہونچنا مجہول الکیفیت ہے اسلیئے تجربہ سے اتنا یقین تو ہے کہ شعاع آفتاب ایک سیکنڈ مین ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل قطع کرتی ہے مگر یہ کہ اسکی رفتار اس قدر کیون ہے؟ اس کا کوئی جواب نہین -

ایک اور موقع پر خاص حد تک کیون کا جواب ہو سکتا ہے

ایسی بے شمار مثالون سے معلوم ہوتا ہے کہ مجہول الماہیت اشیا کے اُن صفات پر جن کا تجربہ ہو یقین کرنا پڑتا ہے مگر ایسا کیون ہے اور اس کے خلاف کوئی اور صورت کیون نہ ہوئی اس عقدہ کو حل نہین کر سکتے ہین تیسری قسم امین جہان تک کسی ماہیت کا علم ہے اسی حد تک کیون کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے مثلاً ہیرے اور کوئلہ کی ماہیت کسی قدر معلوم ہو اس لیے جب سوال ہو کہ کوئلا ہیرا کیون بن جاتا ہے تو جواب دے سکتے ہین کہ ان دونون کی ماہیت کاربن ہو مع کسیقدر قوّت کے - اس لئے قوت کو گھٹا بڑھا کر ایک کو دوسرے مین بدل سکتے ہین - غرض یہان تک ماہیت معلوم تھی اور یہین تک کیون کا جواب حل ہو سکا - آگے ہم کاربن کو جانتے ہین اور یہ کاربن سے ہیرا بننے کی وجہ بتا سکتے ہین - اسی طرح روشنی کی

[1] کتاب ریلم آف نیچر باب دوئم -

ماہیت ایک حد تک معلوم تھی کہ چند رنگوں سے مرکب ہے اس لیے جب سوال ہوا کہ چیزوں کے
رنگ کیوں نظر آتے ہیں تو کہا گیا کہ جب روشنی کی لہر کسی چیز پر پڑتی ہے تو اس کے رنگوں میں سے
کچھ اس چیز میں جذب ہو جاتے ہیں اور کچھ ٹکر کھا کر واپس آتے ہیں پس جو رنگ اس طرح واپس
آکر نظر تک پہونچتا ہے وہی اس چیز کا رنگ سمجھا جاتا ہے یہاں بھی کیوں کا جواب اسی حد تک
آکر ٹھیر گیا جس حد تک روشنی کی ماہیت معلوم تھی اور رنگوں سے آگے چونکہ ہمارا علم نہ گیا تھا اس لیے
جواب میں بھی کچھ اور جولانی نہ دکھا سکے اور بعض رنگوں کے جذب ہونے اور بعض کے نہ ہونے
کی یا سیاہ چیز میں تمام رنگوں کے جذب ہو جانے کی وجہ نہ بتا سکے کیونکہ رنگوں کی ماہیت
معلوم نہیں ۔

خیر و شر کی وجہ نہ معلوم ہونے سے وجود باری کا یقین زائل نہیں ہوتا

اس تمام مضمون کو پیش نظر رکھ کر غور کرنا چاہیئے کہ خدا کی ذات اور خدا
کی صفات یعنی علم قدرت ارادہ وغیرہ کی ماہیت نامعلوم تھی اور اس علاوہ
تجربہ تھا کہ پیدا کرنے والی طاقت کوئی بھی ہو مخلوق میں نیکی اور بدی دونو موجود ہیں اس لیئے
جب نامعلوم ذات اور نامعلوم صفات کی نسبت غور کرنا شروع کیا تو احتمال قائم کئے گئے اور
ہر احتمال پر کیوں کا سوال پیش کیا گیا اور جواب نہ ملنے پر یکے بعد دیگرے احتمالوں کو غلط مانتے
ہوئے اس خیال تک پہونچے کہ ایک خدا ہمیشہ سے موجود ہے اور اس نے اس کائنات کو نیست سے
ہست کیا ہے اور ہم نے دیکھا کہ اس احتمال پر جس قدر سوال ان صفات کی نسبت پیدا ہوئے جو تجربہ سے
باہر تھیں انکا جواب اس احتمال کے مطابق ملگیا پس جس طرح آفتاب کی جسمانی حالت اور زمین اور آفتاب
کے تعلق وغیرہ کی نسبت مختلف سوالات کا جواب ملجانے پر ایک ایک احتمال کو ترجیح دی گئی ہے
اسی طرح خدا کی نسبت اس آخری احتمال پر عقل کو تسکین ملی ۔ مگر جس طرح زمین اور روشنی وغیرہ کے پیمانہ
رفتار اور کشش ثقل کی مقدار ترقی وغیرہ ایسی صفات کے متعلق جن کا تجربہ ہو سکتا ہے کیوں کا جواب
نہیں دیا جا سکتا اور وجہ بتائی نہیں جا سکتی اسی طرح خدا کے طریق پیدائش کے متعلق جس میں نیکی
اور بدی دونو شامل ہیں اور روز مرہ انسان مشاہدہ کرتا ہے کیوں کا جواب دیا نہیں جا سکتا ۔ اور جیسے

وہان یہی جواب تھا کہ رفتار اور کشش کا یہی قانون دیکھا گیا ہے اسی طرح یہان جواب ہوگا کہ پیدائش کا طریق یہی نظر آتا ہے اور جیسے وہان جواب نہ ملنے سے زمین وغیرہ کی حرکت اور کشش ثقل کے وجود سے انکار کرنا جہالت ہو اسی طرح یہان بدی کی وجہ نہ معلوم ہونے پر خدا کے وجود سے انکار کرنا نادانی ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس جیسے علوم دنیوی مین ہمارا یہی فرض ہے کہ قوانین قدرت کو دریافت کرین اور ان سے اپنی دنیوی اغراض مین فائدہ اُٹھائین اسی طرح یہان بھی ہمارا اسی قدر فرض ہے کہ نیکی اور بدی کے ظہور وغیرہ کے متعلق جو صداقتین ہون اُنکا علم حاصل کرین اور اُن سے روحانی اغراض مین مدد لین اور پھر جس طرح وہان پہلے مختلف قوانین قدرت کا علم حاصل کیا جاتا ہے اور پھر اُن سے کام لینے کے عملی طریقے دریافت کیے جاتے ہین اور یون سائنس اور سائنس سے صنعت پیدا ہوتی ہو اسی طرح یہان نیکی اور بدی کے متعلق صداقتون کو سمجھا جاتا ہے اور پھر اُن کے مطابق روحانی ترقیون کے رستے تیار کیے جاتے ہین اور یون عقاید اور عقاید سے اعمال پیدا ہوتے ہین۔ اس لیے اقرار خدا کے بعد مذہب کا سب سے بڑا کام نیکی اور بدی کے متعلق قوانین کی تعلیم دینا ہے[1] چنانچہ چند اصولی صداقتین جن سے خدا کو موجود مانکر انکار نہین ہوسکتا تفصیل ذیل ہین

اول خدا غیر محدود ہو اُسکی صفات غیر محدود ہین اس لئے ضرور ہو کہ اُس نے اس کائنات کے موجودہ قوانین اپنی مرضی سے مقرر کیے ہین کیونکہ اگر مرضی سے	سب کچھ مشیت ربانی سے ہوتا ہے

نہ ہون تو لازم آتا ہے کہ وہ مجبور ہو اور غیر محدود قدرت نہ رکھتا ہو اور جب قوانین اُس نے اپنی مرضی سے مقرر کیے ہین تو ضرور ہے کہ اگر اُوسکی مرضی اسکے خلاف ہوتی تو کوئی اور طرح کے قوانین جاری ہوتے۔ اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو دنیا مین محض وہی چیزین اور وہی اسباب ہوتے جو مخلوق کو فائدہ پہونچائین اور نقصان پہونچانے والی کوئی چیز نہ ہوتی۔ پس تمام انسان بھی فائدہ پہنچانے

[1] قرآن مین اس مسئلہ کے متعلق جسکو تقدیر کہتے ہین اس قدر اہتمام ہو کہ غالبًا اس کے ست کم صفحے ایسے نکلینگے جن مین اسکی مختلف پہلوؤن مین سے کسی نہ کسی کے متعلق مذکور نہ ہو اور غالبًا قرآن مین بھی ایک مسئلہ ہو جسکو سب سے زیادہ دشوار سمجھا جاتا ہو حالانکہ واقعات عالم کی شہادت اور قوانین قدرت کے مطالعہ سے جس قدر اس مسئلہ کی صحت معلوم ہوتی ہو شاید ہی کسی اور مسئلہ کی ہو۔

والے ہوتے اور مضرت کسی سے ظاہر نہ ہوتی جسکو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سب نیک اور ہدایت یافتہ ہوتے اور بدی اور بدی کیطرف جانیکا نشان نہ ہوتا۔ غرض لامحدود قدرت مانکر اس نتیجہ تک ضرور پہونچنا پڑتا ہے اور یہی کامل مذہب کی تعلیم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۳)

اگر خدا چاہتا تو جو لوگ ان کے بعد ہیں دلایل کو دیکھنے کے بعد جھگڑا اور لڑائی نہ کرتے۔ لیکن انھوں نے اختلاف کیا اور بعض مومن ہو گئے اور بعض کافر اور اگر خدا چاہتا تو وہ دنگا نہ کرتے۔ لیکن خدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

فَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (انعام پارہ ۷ ع ۴)

اگر خدا چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا پس تم نادانی کا خیال نہ کرو۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (انعام پارہ ۸ ع ۱۸)

کہدو کہ پوری حجت خدا کے پاس ہے پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱۰)

اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو جو زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ پس کیا تم لوگوں کو مجبور کروگے کہ وہ ایمان لائیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود پارہ ۱۲ ع)

اگر تیرا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتا اور یہ لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے مگر جن پر خدا کی مہربانی ہو۔ اور ان کو اسی لیے پیدا کیا ہے۔

اَفَلَمْ يَايْــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا (رعد پارہ ۱۳ ع)

پس کیا ایماندار دانستہ ناامید نہیں بنتے اس کو کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دیتا۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (نحل پارہ ۱۴ ع)

اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک امت بنا دیتا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۲) — اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دیتے

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۱) — اور اگر خدا چاہتا تو اُن کو ایک اُمت بنا دیتا۔

خدا نے نیک اور بد دونوں رستے بنائے ہیں۔

دوئم۔ بجائے اس کے کہ محض ایک رستہ نیک افعال اور نیک نتائج کا پیدا کیا جاتا دُنیا میں دونوں طریق مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ نیک رستہ پر چلنے والا نیک نتائج تک پہنچتا ہے اور برائی کو اختیار کرنے والا بد انجام حاصل کرتا ہے ارشاد ہے

اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ (انعام پارہ ۷ ع ۸) — تعریف اُس خدا کی ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور تاریکی اور روشنی کو بنایا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ (تغابن پارہ ۲۸ ع ۱) — وہ ذات ہے جس نے تمکو پیدا کیا کہ بعض تم میں سے کافر اور بعض مومن۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُورًا ۚ (دہر پارہ ۲۹ ع ۲) — ہم نے اُسے رستہ دکھایا ہے پس خواہ وہ شکر گذار بنے یا ناشکر۔

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۚ (البلد پارہ ۳۰ ع ۱) — کیا ہمنے اُسکو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو لب نہیں دئے اور کیا اس کو دو نو رستے نہیں دکھائے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۚ (والشمس پارہ ۳۰ ع ۱) — قسم ہے روح کی اور اُسکی جس نے اُسے بنایا اور اس میں بھلائی اور بُرائی کا خیال ڈالا۔

اِسی میں حکمت ہے

سوئم۔ جس طرح اسکی قدرت غیر محدود ہے اسی طرح اسکی حکمت بھی غیر محدود ہے اور انسان کی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ اس طرح کے انتظام میں کیا کچھ حکمت اور بہتری ہے مگر انسان کو اپنی حالت کے موافق اس قدر خیال کرنا ضرور ہے کہ جو فائدہ اس انتظام پر مرتب ہو وہ اور کسی انتظام پر

جو انسانی عقل میں آ سکے مرتب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر دنیا میں بالکل بدی نہ ہوتی تو بدی پر غالب آنے اور بدخواہشوں کو روک کر نیکی کی جانب رجوع کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی اور اس لیے ایسی مخلوق نیکی پر کاربند ہوتی تو محض اسی وجہ سے کہ نیکی کے سوا اس کو کوئی فعل کرنے کا موقع نہ ہوتا اور اس لیے ایسی مخلوق صلہ و انعام کی مستحق بھی نہ ہوتی۔ اور اسی طرح اگر نیکی اور بدی دونوں ہوتیں مگر بدی کا نتیجہ برا نہ ہوا کرتا تو پھر بھی بدی اور نیکی میں کچھ تفاوت نہ ہوتا اور کامل عدل کے بالکل منافی ہوتا کہ نیک اور بد کو یکساں انعام دیا جائے پس یہی صورت موزوں ہو کہ نیک اور بد دونوں راہ بنائی جائیں اور ہر ایک پر اس کے مناسب حال نتیجہ مرتب کیا جائے تا ہر شخص اس امتحان میں جس قدر نمبر پائے اسی کے موافق اعزاز حاصل کرے اور خدا جس شخص کو جس رتبہ کے لائق دیکھے وہی درجہ عطا کرے چنانچہ یہی سمجھایا گیا ہے :۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ
(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۴)

کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ خدا کے نزدیک یہ ثابت ہوا ہوگا کہ کون تم میں سے کوشش کرنے والا ہے اور کون صبر کرنے والا ہے۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا
(انعام پارہ ۸ ع ۱)

کیا وہ شخص جو مردہ ہو اور ہم نے اسے زندہ کیا ہو اور اس کو نور دیا ہو جس سے وہ لوگوں کے بیچ میں راہ نکالے اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں ہو اور اس سے نکل نہ سکتا ہو۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ
(انفال پارہ ۱۰ ع ۵)

(یہ اس لیے ہوا ہے) تا ہلاک ہو جو ہلاک ہوتا ہے دلیل سے اور زندہ رہے جو زندہ رہتا ہے دلیل سے

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ

کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ صرف اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے۔ اور ان کو فتنہ میں نہ ڈالا جائے گا

مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ (عنکبوت پارہ ۲۰ ع ۱۳)

حالانکہ ہمنے فتنہ مین ڈالا ہے ان سے پہلے لوگون کو ماخدا کے سامنے ثابت ہوجائے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (ص پارہ ۲۳ ع ۳)

ہمنے آسمان زمین اور انکے درمیانی مخلوق کو بے وجہ پیدا نہین کیا۔ یہ کفار کا گمان ہے بس افسوس ہے کہ وہ عذاب میں ڈالے جائینگے۔ کیا ہم ایمان لانیوالون اور نیک عمل کرنیوالون کو ملک مین فساد کرنے والون کے برابر کردین اور کیا پرہیزگاروں کو بدکاردن کے مساوی سمجھین۔

خدا نے ہر کیفیت میں ترقی کی قابلیت رکھی ہے۔

چہارم۔ نیک اور بد یا مفید اور مضر حالات کو موجود پانے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ ان دونون کیفیتون مین ترقی کی قابلیت بھی ودیعت ہے اور قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جس چیز کیطرف توجہ ہو اسکی مہارت نامعلوم طور پر بڑھتی جاتی ہے مثلاً اگر کوئی جاہل علم کی طرف توجہ کرتا ہے یا کوئی نادان کوئی ہنر سیکھنے لگتا ہے تو پہلے موجودہ حالت کو بدلنا ایک کوہ گران معلوم ہوتا ہے مگر توجہ اور شوق پیدا ہونے پر گو ابھی اس کام کو ہاتھ نہ لگایا ہو وہ پہلی سی دشواری اور دقت کم محسوس ہونے لگتی ہے اور جب وہ ابتدائی سبق حاصل کرنے لگتا ہے تو اگرچہ اسکو نمایان طور پر محسوس نہین ہوتا مگر دشواری کا پردہ اٹھنا شروع ہوجاتا ہے اور فن حاصل کرنے کی قابلیت زیادہ ہونے لگتی ہے اور اس طرح ہر قدم پر وہ اپنے مدعا کے قریب آتا جاتا ہے۔ اور اُدھر اسی طرح کوئی شخص کسی فن یا کام مین رات دن مشغول رہتا ہے اور کسی وقت اس شغل کو نہین چھوڑتا تو معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے لئے اپنی اس عادت سے دست بردار ہونا نہایت ہی دشوار ہے لیکن جب کسی وجہ سے ایک دفعہ اس کام مین سستی کرتا ہے اور ایک لحظہ کے لئے غافل رہتا ہے تو یہ ایک لحظہ کی غفلت عادت کو چھوڑنے کی دشواری مین تخفیف کر دیتی ہے اور اگر اب کسی سخت ضرورت کے سبب اُس نے تھوڑی سی غفلت کی تھی تو آئندہ اس سے کم ضرورت پڑنے پر زیادہ دیر تک بیکار رہنے

پر مائل ہوجاتا ہے اور اگر یہی رفتار جاری رہی تو یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ بغیر ورزش بھی کام کو چھوڑنے لگتا ہے حتی کہ ایک وقت پر بالکل ناکارہ اور درماندہ ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت صرف انسانوں سے مخصوص نہیں بلکہ دنیا کی ہر چیز اپنی حالت بدلنے پر اسی طرح اس انقلاب کیلئے پہلے سے زیادہ مستعد ہوتی جاتی ہے جنگلی درخت کو باغبانی کے قاعدوں پر یا وحشی جانور کو تربیت کے اصول پر پرورش پانے کا موقع ملے تو جتنی قوت انقلاب کے پہلے درجوں میں صرف کرنی پڑتی ہے آئندہ اُس سے کم قوت میں زیادہ انقلاب ظاہر ہونے لگتا ہے اور اُدھر پرورش کے قاعدوں میں تساہل کرنے سے بڑے آراستہ درخت اور تربیت یافتہ جانور اپنی صحرائیت اور وحشت کیطرف لوٹتے ہوئے پوری بدڈول اور ناہموار ہو سکتے ہیں۔ اب مذہبی حالت کو دیکھیں تو یہیں بھی یہی قانون نظر آتا ہے۔ ایک رندو اوباش کو جو ہر وقت سیہ کاری میں منہمک ہو خدا ترسی کیطرف آنا اور اپنی جسمانی لذتوں کو نادیدہ روحانی ترقی کے لیے چھوڑنا نہایت گراں معلوم ہوتا ہے اور اسکی ایسی حالت کو بدلنے کے لیے ایسی قوت کی ضرورت ہے جو بلا مبالغہ لوہے کو پانی کرنے کی قابلیت رکھتی ہو۔ مگر جب ایک دفعہ وہ کسی طرح خدا کی طرف تھوڑی سی توجہ بھی کر لیتا ہے تو آیندہ کیلئے اسکے دل کو نرم کرنا ذرا آسان ہو جاتا ہے اور پھر چھوٹی چھوٹی عبرتیں اسکے دل کو زیادہ سے زیادہ مرعوب کرنے لگتی ہیں حتے کہ ایک وقت پر اُس کا دل اس قدر منور ہو سکتا ہے کہ کسی عبرت و نصیحت کی ضرورت نہ رہے اور نہ صرف یہ کہ اس کا خود گمراہ ہونا محال ہو جائے بلکہ وہ دوسروں کے لیئے بھی روشنی کا مینار بن سکتا ہے۔ اور اسی طرح زاہد شب زندہ دار اور عابد خدا پرست کو اپنے اذکار و اشغال سے ایک لحظہ غافل ہونا موت سے بدتر معلوم ہوتا ہے لیکن کسی سبب سے ایک دم کیلئے عیش و آرام کیطرف مائل ہونے سے تاریکی سے بچانے والا نور کم ہونے لگتا ہے اور جو جسمانی لذت ایک لحظہ حاصل کی ہے اسکا اشتیاق پہلے سے دوچند ہو جاتا ہے اور دل کے ترغیب پر اپنے فرائض میں کوتاہی اور مناہی میں انہماک کرنے لگتا ہے اور اگر اسی طرف چلا چلے تو آخر اُس کا دل تاریکی میں شب دیجور اور سختی میں سنگ خارا سے بڑھ جاتا ہے اور اُس وقت وہ دل رکھتا ہے مگر سمجھتا نہیں۔ آنکھ رکھتا ہے مگر دیکھتا نہیں اور کان رکھتا ہے مگر سنتا نہیں گویا دل پر مہر ہو گئی ہے آنکھ پر پردہ پڑ گیا ہے اور کانوں میں ڈاٹ لگ گئے

ہین۔ غرض یہ عام قانون قدرت ہی اور جو دُنیا کا بنانے والا ہے اسی کیطرف سی جاری ہوا ہے
چنانچہ انہی صورتون کیطرف اشارہ ہے جہان ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ ءَاَنْذَرْتَہُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝

(بقرہ پارہ ۱ ع ۲)

جو لوگ کافر ہین خواہ تم اُن کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہ لاوینگے۔ خدا نے (اپنے قانون کے موافق) اُن کے دل پر اور کانون پر مہر کر دی ہی اور اُن کی آنکھون پر پردہ ہے اور اُن کے واسطے بڑا عذاب ہے۔

فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا

(بقرہ پارہ ۱ ع ۲)

اُن کے دل مین مرض ہے پس خدا نے (قانون ترقی سے) انکے مرض کو بڑھا دیا۔

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَہْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰہُ یَسْتَہْزِئُ بِہِمْ وَیَمُدُّہُمْ فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ ۝

(بقرہ پارہ ۱ ع ۲)

وہ کفار سے کہتے ہین کہ ہم تمہارے ساتھ ہین اور ہم مسلمانون سے ہنسی کرتے ہین مگر خدا اُکی ہنسی کا بدلا دیتا ہی اور اُس نے قاعدہ باندھا ہی کہ ایک سرکشی کے بعد سرکشی مین بڑھتے جائین جیسے کہ گمراہ

بَلْ لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِہِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ

(بقرہ پارہ ۱ ع ۱۱)

خدا نے اُنکے کفر کے سبب اُن کو رحمت سی دور کر دیا ہے اب وہ ایسے دور ہو گئے ہین کہ کم ہی ایمان لائین گے۔

وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

(بقرہ پارہ ۳ ع ۳۵)

اور اللہ ظلم کرنیوالون کو ہدایت کیوں دینے لگا تھا۔

وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۶)

اور اللہ کفر کرنیوالون کو ہدایت کیون دینے لگا تھا۔

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی

(بقرہ پارہ ۳ ع ۳۴)

پس جو شیطان کا کہا نہ مانے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایک مضبوط رسی کو پکڑ لیا جس کے ذریعہ سے اوپر کو چڑھتا جائیگا

کَیْفَ یَہْدِی اللّٰہُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِہِمْ

خدا ان لوگون کو کس قاعدے سے ہدایت دے جو خود ہی کفر ہی کی

وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (آل عمران پارہ ۳ ع ۹)

طرف گئے ہین حالانکہ اس سے پہلے وہ ایماندار تھے رسول کو حق جانتے تھے اور نشان دیکھ چکے تھے اور اللہ ایسے ظالمون کو ہدایت کیون دینے لگا —

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ - إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۸)

کفار گمان نہ کرین کہ اُن کو گناہ کرنے پر جو مہلت ملتی ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے اس مہلت کا تو یہ ہی اثر رکھا ہی کہ وہ گناہگاری مین ترقی کرین -

وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا (نساء پارہ ۵ ع ۷)

خدا نے انکو ان کے کفر کے سبب اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے پس وہ کم ہی ایمان لائین گے -

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا (نساء پارہ ۵ ع ۲۰)

جو لوگ ایمان لائین پھر کافر ہون - پھر ایمان لائین پھر کافر ہون - پھر کفر میں ترقی کرین تو خدا اُن کو نہین بخشتا اور نہ انکو سیدھے رستہ کی ہدایت کرتا ہے

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا (نساء پارہ ۶ ع ۲۲)

خدا نے ان کے کفر کے سبب دلون پر مہر لگا دی ہی پس اب کم ہی ایمان لائین گے

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً (مائدہ پارہ ۶ ع ۳)

ان کے وعدہ توڑنے کے سبب سے ہم نے ان کو رحمت سے دور کیا ہی اور ان کے دلون کو سخت کر دیا ہے -

فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (مائدہ پارہ ۶ ع ۳)

جو انکو نصیحت کی گئی ہی اُنھون نے اُسے بھلا دیا پس ہم نے اس کے نتیجہ مین قیامت تک کیلئے اُن مین عداوت اور بغض کی آگ بھڑکا دی —

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا

اور اگر ان پر فرشتون کو اتارتے اور مردے اُن سے باتین کرتے اور ہم ان کے سامنے سب چیزون کو مہیا کر دیتے

مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

(انعام پارہ ۸ ع ۱۴)

تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر شاذ و نادر (ما) لیکن اگر خدا چاہے تو ویسے بھی سب مومن ہو سکتے ہیں

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ

(اعراف پارہ ۹ ع ۱۳)

بس وہ ایمان نہ لاسکینگے اس سبب سے کہ انھوں نے پہلے ہی تکذیب کی تب ہم اسی طرح کفار کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ

(اعراف پارہ ۹ ع ۲۳)

جو لوگ ہمارے آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ہم انکو آہستہ آہستہ تباہی کیطرف لیجاتے ہیں اس طرح کہ ان کو معلوم بھی نہیں اور ہم انکو مہلت دیتے ہیں بیشک ہمارے مخفی داؤں مضبوط ہیں۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ

(انفال پارہ ۹ ع ۳)

اور اگر خدا ان میں بھلائی پاتا تو ان کو نیک بات سننے کی توفیق دیتا اور اگر ویسے ہی انکو سننے کی توفیق دی جاتی تب بھی کچھ توجہ نہ کرتے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (انفال پارہ ۹ ع ۳)

اور یہ جان لو کہ خدا (کا قانون) انسان میں اور اسکے دل میں حائل ہو جاتا ہے (کہ برائی کے بعد نیکی کیطرف آنے نہیں دیتا)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (انفال پارہ ۹ ع ۱۸)

اے ایمان والو اگر تم خدا سے ڈرتے رہوگے (پرہیزگاری کروگے) تو وہ تمکو حق و باطل کی تمیز عنایت کریگا۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (توبہ پارہ ۱۰ ع ۱۴)

خدا نے ان کے دل میں قیامت تک کے لئے نفاق ڈالدیا یہ نتیجہ اسکا ہے کہ انھوں نے خدا سے وعدہ خلافی کی اور اسکا کہ انھوں نے نافرمانی پر کمر باندھی۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (یونس پارہ ۱۱ ع ۴)

اسی طرح خدا کا کلمہ (اسکا قانون) ان لوگوں پر نافذ ہوتا ہے جو فسق و فجور کرتے ہیں کہ ان میں ایمان کا نور نہیں رہتا۔

فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ

(یونس پارہ ۱۱ ع ۵)

پس وہ لوگ ایمان نہ لاینگے اِس لئے کہ پہلے انھوں نے تکذیب کی ہم اسی طرح حد سے تجاوز کرنیوالوں کے دل پر مُہر کر دیتے ہین۔

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ

(یونس پارہ ۱۱ ع ۱)

جن کی نسبت خدا کا کلمہ (قانون) نافذ ہو چکا ہے وہ ایمان نہ لائینگے خواہ اُن کو نشان دکھائے جائیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (رعد پارہ ۱۳ ع ۲)

خدا کسی قوم کی حالت نہین بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت تبدیلیں۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ (رعد پارہ ۱۳ ع ۴)

بلکہ جو لوگ کافر ہین ان کے مکر و فریب کو ان کی نظرون مین خوبصورت بنا دیا گیا ہے اور وہ راہ راست سے ہٹا دئے گئے ہین۔

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۱۶)

خدا اُن لوگون کو جو ایمان لائین پکی بات پر قائم رکھتا ہے اس دنیا مین بھی اور آخرت مین بھی۔ اور خدا ظلم کرنیوالون کو اور گمراہ کرتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ (نحل پارہ ۱۴ ع ۱۴)

جو لوگ خدا کی نشانیون پر ایمان نہین لاتے خدا انکو ہدایت بھی نہین دیتا۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝

(نحل پارہ ۱۴ ع ۱۴)

یہ انجام ہوا اس لئے ہے کہ اُنھون نے دنیوی زیست کو آخرت پر ترجیح دی اور قاعدہ یہ ہے کہ خدا ظلم کرنیوالون کو نتیجہ مین ہدایت نہین دیتا۔ یہ وہ لوگ ہین جن کے دلون پر اور کان اور آنکھ پر خدا نے مہر کر دی ہے اور یہ غافل ہین۔

وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۵)	اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے جو قیامت کو نہیں مانتے مخفی پردہ ڈالدیتے ہیں اور ہم اُن کے دلوں کو سمجھنے سے روک دیتے ہیں اور اُن کے کان میں میل بھر دیتے ہیں -
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۭ (کہف پارہ ۱۵ ع ۸)	اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس کو خدا کے نشان دکھائے گئے مگر اس نے اپنے اعمال کا کچھ خیال نہ رکھا ہمنے ایسے لوگوں کے دلوں کو سمجھنے سے روک دیا ہے اور اُس کے کانوں میں میل بھر دی ہے اور اگر تم انکو ہدایت کیطرف بلاؤ گے تو وہ کبھی ہدایت نہ پائیں گے -
وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ (مریم پارہ ۱۶ ع ۸)	اور خدا ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت کو ترقی دیتا ہے -
اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۙ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۚ (مریم پارہ ۱۶ ع ۷)	کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم بھیجتے ہیں شیطانوں کو کفار پر کہ وہ انکو بہکاتے ہیں پس تم اُن کے لئے جلدی نہ کرو ہم اُن کے اعمال کو گن رہے ہیں -
كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۙ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (شعرا پارہ ۱۹ ع ۱۱)	ہم اسیطرح بے ایمانی کو مجرموں کے دلوں داخل کئے جاتے ہیں وہ ایمان نہ لائینگے حتی کہ دردناک عذاب کو دیکھیں
اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۭ (نمل پارہ ۱۹ ع ۱)	جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم اُن کے اعمال کو انکی نظروں میں خوبصورت بنا دیتے ہیں وہ گمراہ ہوتے چلے جاتے ہیں -
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۷)	اور جو لوگ ہماری طرف آنکی کوشش کرتے ہیں ہم انکو اپنی راہ سے دکھاتے ہیں اور بیشک خدا انکو کاروں کے ساتھ ہے -

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ

(روم پارہ ۲۱ ع ۱)

پھر بدی کرنیوالوں کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے خدا کے نشانوں کی تکذیب کی اور اس سے استہزا کرنے لگے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ

(زمر پارہ ۲۳ ع ۱)

خدا اُس شخص کو ہدایت کی طرف نہیں لاتا جو جھوٹا اور ناشکر ہو۔

حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِن بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ

(مومن پارہ ۲۴ ع ۴)

حتیٰ کہ جب یوسف فوت ہوئے تو تم نے کہا کہ خدا ان کے بعد کوئی پیغمبر نہ بھیجے گا۔ خدا اسی طرح مسرف اور شکی مزاج والوں کو جو بغیر کسی دلیل کے خدا کے نشانوں سے مخالفت کرتے ہیں گمراہ کرتا ہے یہ خدا کے نزدیک اور ایمانداروں کے نزدیک نہایت ناخوشنودی کا باعث ہے۔ خدا اسیطرح (بڑھتے بڑھتے) متکبر اور سرکش لوگوں کے دلوں پر مُہر لگا دیتا ہے

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى

(حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۵)

کہدو کہ یہ قرآن ایمانداروں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں گرانی ہے اور قرآن ان کے لئے نابینائی کا سامان ہے۔

وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا

(شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)

جو نیک عمل کرتا ہے ہم اسکی نیکی کو ترقی دیتے ہیں۔

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ

(زخرف پارہ ۲۵ ع ۴)

اور جو شخص مہربان خدا کے ذکر سے غفلت کرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان کو متعین کر دیتے ہیں جو اسکے ہمراہ رہتا ہے۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ

کیا تم دیکھتے ہو اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے کے خدا نے اسے گمراہ کیا ہے

وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ؕ

(جاثیہ پارہ ۲۵ ع ۳)

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ؕ (محمد پارہ ۲۶ ع ۲)

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۔ (محمد پارہ ۲۶ ع ۳)

فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ؕ

(صف پارہ ۲۸ ع ۱)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ؕ (منافقون پارہ ۲۸ ع ۱)

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (تغابن پارہ ۲۸ ع ۲)

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔۔۔۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ؕ

(طلاق پارہ ۲۸ ع ۱)

اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس خدا کے سوا اسے کون ہدایت دے کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

اور جو ہدایت کیطرف آتے ہیں خدا ان کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے اور انکو تقوی کی توفیق بخشتا ہے۔

کیا تم کو امید ہے کہ تم با اختیار ہو تو ملک میں فساد پھیلاؤ گے اور قرابت داروں سے بدسلوکی کرو گے یہی لوگ ہیں جن کو خدا نے رحمت سے دور کر دیا ہے پس انکو بہرہ کر دیا ہے اور انکی آنکھوں کو نابینا بنا دیا ہے

پس جب وہ گمراہ ہوئے تو خدا نے ان کے دلوں کو بھی گمراہ کر دیا اور (وجہ یہی) کہ لوگ فسق و فجور کریں اور خدا اس پر ہدایت مرتب کرے ایسا نہیں ہو سکتا۔

یہ انجام اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے اس لئے ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی پس اب کچھ نہیں سمجھتے

جو شخص خدا پر ایمان لائے خدا اس کے قلب میں نور ہدایت پیدا کر دیتا ہے

جو شخص خدا سے ڈرے خدا اس کے لیے رستگاری کا رستہ بناتا ہے اور اسکو ایسی روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔۔۔ اور جو شخص خدا سے ڈرتا ہے خدا اسکے کام آسان کرتا ہے

جس کیفیت کے اسباب موجود ہوں اس کے خلاف نہیں ہو سکتا

پنجم جس طرح معلول کیلئے علت کا ہونا ضرور ہے اسی طرح علت موجود ہونے پر اس کے معلول کا موجود ہونا بھی ضرور ہے اور ممکن نہیں کہ

علت معہ اپنے تمام شرائط اور لوازم کے پائی جائے اور اس پر اُس کا نتیجہ مرتب نہ ہو۔ اس لیئے اگر کسی فعل کیطرف توجہ کرنیوالی تحریک مکمل طور پر موجود ہو تو ممکن نہیں کہ توجہ پائی نہ جائے اور اگر توجہ جیسی چاہیئے موجود ہو اور توجہ کو روکنے والا کوئی سبب موجود نہ ہو تو ممکن نہیں کہ وہ کام شروع نہ ہو اور پھر کام شروع ہونے پر ممکن نہیں کہ اسکی واقفیت پیدا نہ ہو۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ اگر اپنی تمام شرطوں کے ساتھ جاری رہے تو ممکن نہیں کہ وہ فعل انجام کو نہ پہونچے اور اگر وہ فعل ہدایت ہے تو ممکن نہیں کہ اسکا نتیجہ ہدایت ہو۔ اور دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو علت و معلول کے اس سلسلہ کو توڑ سکے پس اس اصول کو گذشتہ اصول کے ساتھ ملا کر اور سلسلۂ علیت کو علۃ العلل تک لیجا کر دیکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ جو شخص خدا کے مقرر کردہ قوانین اور اُس کے جاری کئے ہوئے سلسلہ میں ہدایت کیطرف گیا ہے ممکن نہیں کہ کوئی اسکو گمراہ کرے اور جو انہی خدائی قوانین اور سلسلہ کے اندر ضلالت میں ڈوب رہا ہے ممکن نہیں کہ کوئی طاقت اسے راہ راست پر لائے۔ غرض خدا کی طرف سے جاری کی ہوئی ہدایت اور ضلالت اٹل ہے۔ اس اصول کو علمی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ نیچر نے جو اسباب پیدا کئے ہوں انکے خلاف نہیں ہو سکتا اور مذہب نیچر کو خدا کا پیدا کردہ سمجھ کر اور خدا کی طرف کا خیال ع لوانے کو ضروری جانکر یوں کہتا ہے کہ خدا نے جو اسباب مہیا کئے ہوں ان کے خلاف نہیں ہو سکتا چنانچہ ارشاد ہے ۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ (آل عمران پارہ ۴ ع ۸)	اگر خدا تم کو مدد دے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر تم کو ناکام کرے تو اس کے سوا پھر کون مدد دے سکتا ہے۔
وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ؕ (نساء پارہ ۵ ع ۱۲)	جس پر خدا لعنت کرے تم اوس کا مددگار کسیکو نہ پاؤ گے۔
اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ؕ (مائدہ پارہ ۵ ع ۱۰)	کیا تم ہدایت دینا چاہتے ہو اس کو جسے خدا نے گمراہ کیا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرے تم اس کا مددگار کوئی نہ دیکھو گے۔

وَمَن يُرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (مائدہ پارہ ۶ ع ۷)

جس کو خدا فتنہ میں ڈالنا چاہے تو تم خدا کے مقابلہ میں اس کے لئے کسی امر کا اختیار نہین رکھتے۔

وَمَن يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ (اعراف پارہ ۹ ع ۲۳)

جسکو خدا گمراہ کرے اسکا کوئی ہادی نہیں

وَإِن يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱۱)

اگر خدا تم کو کچھ زحمت پہونچائے تو اسکے سوا کوئی دور کرنے والا نہین اور اگر وہ بھلائی چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روک نہین سکتا۔

وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ (ہود پارہ ۱۲ ع ۳)

اگر مین تم کو نصیحت کرنا چاہون تو میری نصیحت کچھ مفید نہوگی اگر خدا تمکو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔

وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ (رعد پارہ ۱۳ ع ۲)

جب خدا کسی قوم کو کچھ زحمت پہونچانا چاہے تو اوسکی مزاحمت نہین ہوسکتی۔

وَمَن يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (رعد پارہ ۱۳ ع ۵)

جسکو خدا گمراہ کرے اسکو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

وَمَن يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِهِ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۱۱)

جس کو خدا ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسکو وہ گمراہ کرے اس کے لیے تم کوئی رفیق سوا خدا کے نپاؤ گے۔

وَمَن يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (کہف پارہ ۱۵ ع ۲)

جس کو خدا ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کے لیے تم کوئی دوست ہدایت دینے والا نہ پاؤ گے۔

وَمَن يُهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ (حج پارہ ۱۷ ع ۲)

جسکو خدا ذلت دے اوسکو کوئی عزت دینے والا نہین

وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ (نور پارہ ۱۸ ع ۵)

جس کے لئے خدا نے نور نہ ودیعت کیا ہو اس کے لیے کوئی نور نہین۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ
(نمل پارہ ۲۰ ع ۶)

تم مُردوں جیسے غافلوں کو اپنی بات نہیں سُنا سکتے اور بہروں کو جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں پکار کی آواز نہیں سُنا سکتے۔

فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۔ (روم پارہ ۲۱ ع ۴)

جس کو خدا نے گمراہ کیا ہے اوسکو کون ہدایت دے۔ ایسے لوگوں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ
(روم پارہ ۲۱ ع ۵)

تم اندھوں کو انکی گمراہی سے نکال نہیں سکتے۔

مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۱)

جو رحمت کا دروازہ خدا نے لوگوں کے لئے کھولا ہوا سے کوئی بند نہیں کر سکتا اور جو بند کر رکھا ہو اسے کوئی اُسکے سوا کھول نہیں سکتا اور خدا غالب باحکمت ہے۔

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۔ (زمر پارہ ۲۳ ع ۲)

کیا جس پر عذاب کا خط کھینچ دیا گیا ہو (اسکو کوئی چھڑا سکتا ہے) کیا تم اُسکو رہائی دے سکتے ہو جو آگ میں داخل ہو چکے۔

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ...
وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۔
(زمر پارہ ۲۴ ع ۲)

جسکو خدا گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔
اور جس کو وہ ہدایت دے اسکے لیے کوئی گمراہ کرنیوالا نہیں۔

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مِنْ بَعْدِهِ
(شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۵)

اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کا کوئی دوست سوا خدا کے نہیں ہو سکتا۔

خدا نے سلامتی کو توجہ پیدا کرنیکا ایک سبب قرار دیا ہے

ششم۔ یہ دیکھنے کے بعد کہ توجہ پیدا ہونے پر ترقی کا رستہ کھل جاتا ہے یہ بھی یقیناً ثابت ہے کہ توجہ سے پہلے ایسی حالات کا ہونا ضرور ہے جن سے رغبت یا نفرت پیدا ہو اور رغبت یا نفرت سے توجہ کی حرکت شروع ہو۔ مثلاً انسان کو خوراک تلاش کرنے کیطرف توجہ اسی لیے ہوتی ہے کہ اعضا کے اندرونی ضرورت پیش آنے پر تکلیف اور بے چینی ظاہر

کرتے ہیں اور باہر اس تکلیف کو دور کرنے کا سامان مہیا نظر آتا ہے اسی طرح کسی فن کیطرف توجہ اسی لیئے ہوتی ہے کہ اس فن سے کے فائدے گردوپیش نظر کرنے پر محسوس ہوتے ہیں اور اسکو حاصل کرنے سے اپنی بعض ضرورتیں مہیا ہوسکتیں غرض ہر ایک کام میں توجہ پیدا ہونیکا باعث اندرونی اور بیرونی حالات ہوتے ہیں اور اگر یہ ہوں تو توجہ کا پیدا ہونا بھی ممکن نہیں - اور منجملہ ان حالات کے انسان کے لئے کسی ایسی سوسائٹی کا ہونا جس میں کسی خاص کام یا فن کا چرچا ہو اس کام کیطرف متوجہ ہونے کا بہت بڑا سبب ہے اور مذہب کو دیکھا جائے تو اسکی طرف توجہ کرنے کے لیئے علاوہ فطری کشش کے بڑا باعث اکثر گردوپیش کے خیالات اور سوسائٹی کا اثر ہوا کرتا ہے اس لیئے جیسی قدرت کیطرف سے مختلف فنون اور کاروبار کے لئے تحریک دینے والے اسباب کے علاوہ ترغیب دینے والی سوسائیٹیوں کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے اسی طرح پر مذہبی ترقی کے لیے عبرت انگیز واقعات عالم کے علاوہ مذہبی رہنماؤں کو پیدا کرکے اور اُن کی وساطت سے مذہبی سوسائٹیاں بنانے کا دستور قائم کیا گیا ہے اور چونکہ یہ سب قوانین قدرت ہیں اسلیئے صاحب قدرت کیطرف منسوب ہیں -

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا ط (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۷)

خدا نے مؤمنین پر احسان کیا کہ ان میں پیغمبر بھیجے -

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ج (نحل پارہ ۱۴ ع ۵)

ہمنے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے ہیں اس ہدایت کیلئے کہ خدا کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو -

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا ط (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۲)

ہم عذاب نہیں کیا کرتے جبتک رسول نہ بھیجیں

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ذِكْرَى وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ه (شعراء پارہ ۱۹ ع ۱۱)

اور ہمنے ہلاک کیا ہے کوئی گاؤں مگر اس وقت جبکہ ہم نصیحت کیلئے ڈرانے والے آچکے اور ہم ظالم نہیں ہیں -

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ

اور تمہارا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا مگر اسوقت جبکہ

فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۔ (قصص پارہ ۲۰ ع ۶)

اُن کے صدر مقام میں کوئی رسول بھیج چکا ہو جو انکو ہمارے نشان سُنائے اور ہم بستیوں کو ہمیں تباہ کرتے جبتک کہ وہ ظلم نہ کریں ۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۔ (زمر پارہ ۲۳ ع ۳)

خدا نے سب سے اچھی باتیں یعنی ایک مربوط اور دہرائے جانے کے لایق کتاب اُتاری ہے جس سے اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۔ (زمر پارہ ۲۴ ع ۴)

ہمنے تم پر سچی کتاب اُتاری ہے پس جو ہدایت پائے اُس کا اپنا فایدہ ہے اور جو گمراہ ہو اس کا اپنا ہی نقصان ہے ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ (طور پارہ ۲۷ ع ۱)

اور جو لوگ ایمان لائیں اور ان کی ذریت ایمان میں اُنکی پیروی کرے تو ہم انکی ذریت کو بھی ثواب میں اُن کے شریک کرتے ہیں اور باوجود اسکے اپنے اجر میں سے کچھ کم نہیں کرتے ۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۙ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۔ (تکویر پارہ ۳۰ ع ۱)

یہ قرآن محض نصیحت ہے تمام جہان والوں کیلئے یعنی اس شخص کے لئے جو راہ راست پر چلنا چاہے ۔

خدا نے سوسائٹی کو نیک اور بد دونوں تحریکوں کا باعث گردانا ہے

ہفتم جس طرح اندرونی اور بیرونی حالات علم و ہنر اور مذہب کی طرف توجہ کرنے کا سبب ہیں اسی طرح یہی حالات گرد و پیش کبھی نیک کام سے توجہ کو پھیرنے اور بدی کیطرف راغب کرنیکا بھی باعث ہوتے ہیں بلکہ اکثر اوقات ایک ہی واقعہ کی ظاہری لذت اور راحت بدی کی ترغیب دیتی ہے اور اسکے بد انجام کو دیکھنا بدی سے روکنے کا باعث ہوتا ہے اور اسی طرح اگر ایک وقت کسی ایک یا چند اشخاص کی کوشش اور اثر سے کوئی نیکی رواج پا جاتی ہے اور آیندہ نسلوں کے لئے اسکی طرف توجہ کرنے کا باعث ہوتی ہے اور اس طرح نیک

سو سائٹی بن جاتی ہے تو کبھی کسی ایک یا چند اشخاص کی ترغیب و تحریص سے یا صرف نمونہ پیش کرنے سے کوئی بدی ظہور پکڑتی ہے اور پھیلتی ہوئی قوم میں سرایت کر جاتی ہے اور آئندہ نسلیں اُس سے متاثر ہو کر تباہ ہوتی ہیں۔ غرض یہ بھی قانون قدرت ہے کہ ایک کی نیکی بہت کو فائدہ پہونچاتی ہے تو ایک کا گناہ ہزاروں کو تباہ کرتا ہے اور جس صاحب قدرت نے ایسے قانون جاری کیے ہیں ان کو اسکی طرف منسوب کرنے کے سوا چارہ نہیں اور چونکہ سچے مذہب کی یہ شان ہونی چاہیے کہ سچے واقعات پر پردہ نہ ڈالے اسلئے جہان رسولوں کو بھیجنے کا اور انکی ہر نیکی کو پھیلانے کا تذکرہ ہے اسکے ساتھ اس قانون کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے کہ جس قوم پر تباہی آنی ہوتی ہے اُسکے عیش پسند افراد بدی اور گناہ میں منہمک ہو جاتے ہیں اور انکی دیکھا دیکھی تمام قوم تباہی کے بھنور میں گر جاتی ہے اور چونکہ یہ قانون قدرت ہے اس لئے اسکو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝

(بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۲)

ہم عذاب نہیں بھیجتے جبتک پیغمبروں کو نہ بھیجیں اور جب ہم کسی گاؤں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دولتمندوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ فسق و فجور کریں پس وہ عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں اور ہم اُنکو تباہ کر دیتے ہیں۔

اور اسی طرح جب بنی اسرائیل نے سامری کے بہکانے سے گوسالہ پرستی شروع کر دی اور اس ایک شخص کی بُرائی سے قوم پر تباہی آئی ہے تو حضرت موسیٰ کی زبان سے دُعا کے موقع پر کہا گیا ہے۔

فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ

(اعراف پارہ ۹ ع ۱۹)

جب اُن کو عذاب نے لیا تو موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو اُن کو اور مجھ کو پہلے ہی تباہ کر دیتا۔ اب کیا تو ہمکو تباہ کریگا اس فعل کے سبب جو ہمارے جہلائے کیا ہے یہ تیری طرف سے ایک آزمائش ہے

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۚ (انفال پارہ ۹ ع ۱۹)

اور اس فتنہ سے ڈرو جو تم میں سے صرف ظلم کرنیوالون کو ہی نہ پہونچیگا (بلکہ انکی پیروی کرنیوالے بھی مبتلا ہونگے)

ہدایت و ضلالت خدا کی طرف سے ہے۔

ہشتم - نیکی اور بدی کا وجود اور ان مین سے ہر ایک کی جانب توجہ کرنیسے اسکا ترقی پذیر ہونا اور ترقی کی رفتار جاری رہنے پر ایسے نقطہ تک پہونچ جانا کہ پھر اسکا بدلنا محال ہوجائے اور نیز توجہ پیدا ہونے کے لیے مختلف اندرونی اور بیرونی تحریکون کا موجود ہونا ایسے واقعات ہین جن کا انکار دنیا کو نظر بصیرت سے دیکھنے پر ممکن نہین - اور اگر دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے تو اسکی طرف منسوب کرنیسے مفر نہین - اور یہ ایک طرف جب دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے تو جس پہلو سے دیکھا جائے نیکی اور بدی یا ہدایت اور ضلالت اسکی طرف منسوب ہوتی ہے مثلاً اگر وہ دنیا کو پیدا نہ کرتا تو ہدایت اور ضلالت کا وجود بھی نہ ہوتا اور اگر پیدا کرتا مگر انسان کو جسم سے پاک اور محض روحانی شکل مین رہنے دیتا تب بھی چونکہ یہان کے تمام نتائج جسمانیت سے پیدا ہوتے ہین اس لیئے وہ روحین نہ ترقی کر سکتین اور نہ تنزل - اور اگر جسم دیا جاتا مگر حیوانون کی طرح اسکی دماغی حرکت اور قوت ارادہ کو نیچر کی نہایت سادہ ضروریات تک محدود رکھا جاتا تب بھی جس طرح ایک شیر اور دوسرے شیر مین اور ایک گھوڑے اور دوسرے گھوڑے مین ہدایت اور گمراہی کے لحاظ سے کوئی تفاوت نہین اسطرح ایک انسان اور دوسرے انسان مین کچھ تفاوت نہ ہوتا - اور اگر یہ سب کچھ دیا تھا تو اسباب گمراہی مین یا لذت نہ رکھی جاتی جس سے بدی پیدا ہوتی ہے - یا ان کے برے افعال پر بد نتائج مرتب نہ ہوتے جن سے عبرت پکڑ کر نیکی ترقی کرتی ہے مگر یہ صورت بھی نہین سب خواہ یہ دنیا کسی قدیم اشیا سے مرکب ہو اور خواہ ایک ہی ہستی اپنے تئین ان مظہرون مین جلوہ دے رہی ہو اور خواہ کسی قادر و قوی خدا نے اس سلسلہ کو پیدا کیا ہو ہر طرح پیچھے کیطرف جاتے ہوئے اس ہستی پر ٹھیرنا پڑتا ہے جس نے اس مشین کو سکون سے حرکت دی ہے پس اگر وہ بے شعور ہستی ہے تو کہین گے کہ یہ سب کچھ اسکا قانون ہے اور اگر شعور کی صفت سے بھی متصف ہے تو کہنا ہوگا کہ ایسا نظام اس کا قانون ہی ہے اور ارادہ بھی ہے - اور جب مانا جائے کہ اوس نے اس سلسلہ کو اپنے ارادہ سے جاری کیا ہے تو تسلیم کرنا ہوگا

کہ تمام آئندہ نتائج جو اس سلسلہ کیلئے لازمی ہین اُسکے ارادہ سے ظاہر ہوئے ہین ورنہ آئندہ جس نتیجہ کا اُس کے ارادہ سے انکار کیا جائے اسی جگہ اُسکو بے اختیار اور مجبور ماننا پڑیگا اور جب یہ حال ہے تو کہنا ہوگا کہ وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے نیکی اور بدی کو ظاہر کیا اور وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے انسان کو پیدا کیا اور وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے انسان کو جسم اور جسمانی خواہشوں سے اور ارادہ اور عقل وغیرہ سے بہرہ ور کیا اور پھر وہی ہے جس نے اپنے ارادہ کو توجہ پیدا ہونے توجہ کرنے کو آئندہ ترقی کا باعث قرار دیا اور وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے توجہ پیدا ہونے کے لیے واقعات گردوپیش کو سبب قرار دیا اور دنیا کی لذتوں کو کشش کے لائق اور بد نتائج کو عبرت انگیز بنایا۔ قصہ مختصر وہی ہے جس نے بعض کو ہدایت دینے کے لیئے اپنے ارادہ سے وہ سامان پیدا کیا جسکی طرف توجہ کرنے سے اُنکا دل نیکی کی ہوا کھانے کے لیے کنول کی طرح کھل جائے اور بعض کو گمراہ کرنے کے لیئے اپنے ارادہ سے وہ دشواریان پیدا کین جن مین مبتلا ہونے سے نیکی کیطرف آنا ایسا دشوار ہو جیسے سانپ کے سوراخ مین ہاتھ دینا۔ غرض وہی ہے جس نے جس کو چاہا ہدایت دی اور جسکو چاہا گمراہ کیا۔ پس واقعات عالم کو دیکھ کر اور اُنکی پیدائش ایک علیم و قدیر خدا کی طرف منسوب کرکے ہی صداقت ہے جس پر یقین کرنا پڑتا ہے اور یہی ہے جسکی کامل مذہب نے علی الاعلان منادی کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۶)

اور اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست کی ہدایت کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (بقرہ پارہ ۲ ع ۳۲)

اور اللہ اپنا ملک دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ صاحب وسعت اور صاحب علم ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۷)

وہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی جائے اُسے بہت بڑی بھلائی دیگئی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ

تم کہو کہ یا اللہ اور اے ملک کے مالک تو جسے چاہتا

مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ
بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۱)

ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا
ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا
ہے ذلت دیتا ہے بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے
اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اَللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
آل عمران پارہ ۳ ع ۱۱)

خدا جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ
يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ
آل عمران پارہ ۳ ع ۸)

تم کہو کہ فضل خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے
دیتا ہے اور اللہ صاحب وسعت اور صاحب علم ہے وہ جسے
چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ
بڑے فضل کا مالک ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ
(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۳)

اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کچھ خدا ہی کا
ہے وہ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے
عذاب دیتا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۶)

تم کہدو کہ حکم سب خدا ہی کا ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ
لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ
صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا (انعام پارہ ۸ ع ۱۵)

پس جسکو خدا ہدایت دینی چاہتا ہے اس کے دل کو اسلام
کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے
دل کو تنگ اور بند کر دیتا ہے

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا
وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ
(اعراف پارہ ۸ ع ۵)

اور انہوں نے کہا خدا کی تعریف ہے جس نے ہمکو ایمان کے
لیے ہدایت دی اور اگر خدا ہمکو ہدایت دیتا تو ہم ہدایت
نہ پا سکتے۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

تم کہدو کہ خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسکو

اِلَیۡهِ مَنۡ اَنَابَ (رعد پارہ ۱۳ ع ۱۲)

یَمۡحُو اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثۡبِتُ (رعد پارہ ۱۳ ع ۶)

وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ
لِیُبَیِّنَ لَهُمۡ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ یَّشَآءُ
وَیَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ط
(ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۱)

رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِکُمۡ اِنۡ یَّشَاۡ یَرۡحَمۡکُمۡ اَوۡ اِنۡ
یَّشَاۡ یُعَذِّبۡکُمۡ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۶)

یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَرۡحَمُ مَنۡ یَّشَآءُ
وَاِلَیۡهِ تُقۡلَبُوۡنَ ط (عنکبوت پارہ ۲۰ ع ۲)

اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا
فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡ مَنۡ
یَّشَآءُ فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُکَ عَلَیۡهِمۡ حَسَرٰتٍ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ ط
(فاطر پارہ ۲۲ ع ۱۲)

اِنَّ اللّٰهَ یُسۡمِعُ مَنۡ یَّشَآءُ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ
مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۳)

کَبُرَ عَلَی الۡمُشۡرِکِیۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَیۡهِ اَللّٰهُ
یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ
مَنۡ یُّنِیۡبُ ط (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۲)

وَاَنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ

طرف رجوع کرے اُسے ہدایت دیتا ہے۔

خدا جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے

اور ہم نے تمام پیغمبر اپنی قوم کی زبان میں بھیجے ہیں
تا اُن کے سامنے بیان کر سکیں اور پھر خدا جسے چاہتا ہے
گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ
غالب باحکمت ہے۔

تمہارا پروردگار تمکو خوب جانتا ہے بس اگر وہ چاہے
تم پر رحمت کرے یا چاہے تمکو عذاب دے۔

وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم کرتا ہے
جس پر چاہتا ہے۔ اور تم اسی کیطرف لوٹائے جاؤ گے

کیا وہ شخص جس کی نظروں میں اُسکے بداعمال کو زینت
دیگئی ہے اور وہ انکو اچھا جانتا ہے (اسکے برابر جو نیک
وبد میں تمیز کرسکتا ہو؟) مگر بات یہ ہے کہ خدا جسے چاہتا
ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے
بس تم ان کے لئے حسرتیں ہلکان نہ ہو خدا انکے اعمال سے واقف ہے

خدا جسے چاہتا ہے نیک بات سناتا ہے اور ہم قبر کے
مُردوں جیسے غافلوں کو نہیں سنا سکتے۔

جس چیز کی طرف تم بلاتے ہو مشرکین کیلئے وہ بہت
ناگوار ہے اللہ اپنی طرف بلاتا ہے جسے چاہتا ہے اور
جو اسکی طرف رجوع کرے اُسے ہدایت دیتا ہے۔

اور بیشک فضل خدا کے ہاتھ میں ہے وہ دیتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط (حدید پارہ ۲۷ ع ۱۲)

جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے -

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط (جمعہ پارہ ۲۸ ع ۱)

یہ خدا کا فضل ہے وہ دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے -

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط (مدثر پارہ ۲۹ ع ۱)

اسی طرح (یعنی منکرین ملائکہ کی طرح) خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے - اور خدا کے لشکرون کو اسکے سوا کوئی نہین جانتا -

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ط (لیل پارہ ۳۰ ع ۱)

بیشک ہماری طرف سے ہے ہدایت - اور ہمارے ہی اختیار مین ہے آخرت اور دنیا

خدا کے علم مین سب کچھ ہے

نہم - ایک کلاک بنانے والا اسکے پرزون کو جوڑکر پیشین گوئی کرسکتا ہے کہ سوئیان فلان وقت پر فلان جگہ ہونگی اور فلان وقت پر اس قدر آواز نکلیگی اور اگر وہ اس کام کا پورا ماہر ہو تو ایسی پیشین گوئی درست نکلتی ہے - اسی طرح ایک کسان جو کاشتکاری کے کام مین ہوشیار ہو اپنی زمین مین دانہ ڈال کر بتا سکتا ہے کہ فلان وقت تک روئیدگی پیدا ہوگی اور فلان وقت پھل لائیگی اور جو روئیدگی کے اسباب اسکے خیال مین ہین اگر وہ مہیا رہین تو اس کا تخمینہ غلط نہین ہوتا - علی ہذا علم نباتات کا ماہر ایک طویل العمر درخت کی نسبت اور طبقات الارض کا ماہر ایک پہاڑی چٹان کی نسبت تاریخ دان کسی سلطنت اور قوم کی نسبت ہیئت دان کسوف و خسوف اور دمدار سیارون اور شہابون کی نسبت اسلئے کہ وہ ان تمام امور کے سلسلہ اسباب و نتائج کو جانتا ہے آئندہ کے لیے بہت بڑے عرصہ تک کے حالات بیان کرسکتا ہے اور اگر اس کا علم صحیح ہو تو واقعات آئندہ مین غلطی نہین نکلتی - پس جس ہستی نے اس تمام سلسلہ کائنات کو اپنے علم اور ارادہ سے شروع کیا ہے اور خود اس کے ضوابط اور قوانین مقرر کئے ہین ضرور ہے کہ کلاک بنانے والے اور کسوف و خسوف کا حساب لگانیوالے کی طرح اسکو بھی کائنات کی رفتار کا ہر ایک درجہ اور موجودات کا ہر ایک ذرہ بخوبی معلوم ہے اور جو چیز پیدا ہونے کو اور جو واقعہ پیش آنے کو ہے سب اسکی لوح علم پر

منقوش ہے اور جب گھڑی ساز اور ہیئت دان کی پیشین گوئی سن و عن صحیح ہو سکتی ہے حالانکہ انہون نے ان چیزون کو پیدا نہین کیا بلکہ آفرنیش قدرت کے چند قوانین کا بیرونی علم حاصل کیا ہے تو جس مالک الملک نے تمام سلسلہ کو نسبت و ہست کیا ہے اُسکے علم کے خلاف ہونا کیونکر ممکن ہے پس یہی تعلیم مذہب کی طرف سے ہونی چاہئے اور ایسا ہی فرمایا گیا ہے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ (بقرہ پارہ ۲ ع ۳۰)

اور جان لو کہ خدا جانتا ہے جو تمہارے دلون مین ہے پس اس سے ڈرو

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ (توبہ پارہ ۱۰ ع ۱۳)

تم کہو کہ ہمکو وہی ملیگا جو ہمارے رب نے لکھ دیا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ پر بھروسہ کرنیوالون کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ؕ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱۳)

اور تم جس حالت مین ہو اور قرآن مین سے جس معاملہ کی نسبت پڑھ رہے ہو اور جو کچھ عمل کر رہے ہو ہم اس سے آگاہ ہوتے ہین جب تم وہ عمل کر رہے ہو اور تمہارے پروردگار سے کوئی ذرہ زمین کا اور نہ آسمان کا مخفی نہین اور نہ اس سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ہے جو روشن کتاب مین نہ ہو

وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (ہود پارہ ۱۲ ع ۱)

اور وہ ان کے ٹھیرنے کی جگہ اور چھوڑنے کی جگہ جانتا ہے سب کچھ روشن کتاب مین موجود ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى (نجم پارہ ۲۷ ع ۲)

تمہارا پروردگار جانتا ہے جو اسکے رستہ سے گمراہ ہوا اور جس نے ہدایت پائی

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا

جو مصیبت زمین پر آتی ہے یا تمہارے اوپر آتی ہے وہ سب دنیا کو پیدا کرنے سے پہلے روشن کتاب مین درج ہے

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (حدید پارہ ۲۷ ع ۱۷)
اور ایسا کام خدا کے لیے آسان ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (تغابن پارہ ۲۸ ع ۱۷)
جو مصیبت آتی ہے وہ خدا ہی کے حکم سے آتی ہے اور جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے خدا اسکے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

خدا نے انسان کو قوت فیصلہ عطا کی ہے

دوم۔ جو اسباب انسان کو ہدایت یا گمراہی کی طرف لے جاتے ہین یعنی اُسکے اندر خواہشون کا موجود ہونا اور باہر ایسے سامان کا مہیا ہونا جس کے اثر اور نتیجون سے وہ نیک اور بد رستہ اختیار کرنے مین کامیاب ہوتا ہے ان امور کو دیکھنے کے بعد جب اس نوع کے اور خاصے دیکھے جاتے ہین تو انسان اور دیگر تمام مخلوقات مین ایک بین فرق نظر آتا ہے۔ پتھر بالکل مجبوری کی حالت مین حوادث کے اثر برداشت کرتا ہے۔ نباتات اور حیوانات اپنے اپنے درجہ کے موافق کچھ کچھ حرکتین کرتے دکھائی دیتے ہین مگر ان کے تمام افعال ایک خاص دائرہ مین محدود ہین اور ایک نوع کے تمام افراد اپنے افعال مین متفق نظر آتے ہین اگر شیر درندہ ہے تو ایک دو نہین بلکہ تمام اسی صفت سے متصف ہین اور گائے مسکینی اور فائدہ رسانی کی صفت رکھتی ہے تو یہ بھی سبھی مین پائی جاتی ہے مگر ان سب کے برخلاف انسان کی افراد اپنے افعال مین ایک دوسرے سے ہزارون طرح کے اختلاف رکھتی ہین اسلئے شیر کی درندگی اور گائے کی مسکینی کو انکی فطرت کا تقاضا کہہ سکتے ہین مگر انسان کے مختلف افعال کو اسکی فطرت کی جانب منسوب نہین کر سکتے بلکہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ سب اُسکی قوت فیصلہ سے صادر ہوتے ہین یا یون کہا جائے کہ دیگر تمام مخلوقات کے افعال انکی فطرت مین داخل ہین اور انسان کی فطرت مین بجائے افعال کے قوت فیصلہ کو داخل کیا گیا ہے جس کو کام مین لاکر وہ جدا گانہ راستے انتخاب کرتا ہے بیشک انسان سوسائٹی اور صحبت کا اثر قبول کرتا ہے اور ترغیب و تحریص سے آمادہ ہو جاتا ہے اور ایک دفعہ تو جھک نے پر عادت کی زنجیر اسکو زیادہ سے زیادہ جکڑتی چلی جاتی ہے مگر اسمین بھی شک نہین کہ وہ جس کام کو شروع کرتا ہے اس مین پہلے اپنی راے سے فیصلہ کرتا ہے اور ایک رستہ کو دوسرے پر ترجیح دیکر اختیار کرتا ہے پس یہی قوتِ فیصلہ اور انتخاب کی عادت جو اُسکی فطرت مین داخل ہے خدا کی وہ امانت ہے جو آسمان و زمین

کہ کسی اور مخلوق کو نہین دی گئی اور صرف انسان کے حصہ مین آئی ہے اور یہی وہ قوت فیصلہ ہے جس کے
سبب سے وہ اپنے افعال کا فاعل سمجھا جاتا ہے اور جس سے اس کے افعال کے نیک و بد نتائج خود اسکی
طرف منسوب ہوتے ہین جبکہ دیگر مخلوقات کے افعال اُنکی فطرت کی طرف سے سمجھے جاتے ہین

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ — ہمنے امانت کو آسمان زمین اور پہاڑون کے آگے
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ — پیش کیا مگر انھون نے اسکو اٹھانے سے انکار کیا اور
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ط (احزاب پارہ ۲۲ ع ۹) — اس سے ڈرے مگر انسان نے اسکو اٹھا لیا

انسان نہ مجبور محض ہے اور نہ مختار کامل

پس اگرچہ ہدایت وضلالت خدا کی طرف سے ہے کیونکہ اس نے ہدایت وضلالت کیطرف
جانیوالی قوت کو پیدا کیا اور ہدایت وضلالت کیطرف لیجانے والا سامان مہیا
کیا اور انسان کو عادت اور سوسائیٹی کی زنجیرون مین جکڑا مگر چونکہ اس سامان کے ساتھ یہ قوت فیصلہ بھی موجود
ہے اور انسان کی ذات مین دونو طرف جانے کی صلاحیت رکھی گئی ہے اسلئے اسکو پتھر یا حیوانات کی طرح کا
مجبور ماننا بھی ناانصافی ہوگی اور جو حکم اُسکو نیکی کی طرف جانے کے لیے دیا جاتا ہے اُسکو تکلیف مالا یطاق
کہنا بھی غلط ہوگا - اور دوسری طرف انسان کو کامل با اختیار قرار دینا اور ہر امر مین پورا آزاد قرار دینا بھی اُن
تمام قوانین قدرت سے چشم پوشی کرنا ہے جو اسے چارون طرف سے محیط ہین - غرض جبر و اختیار کے بین بین
حالت ہی وہ صداقت ہے جو واقعات عالم کی شہادت اور فطری مذہب کی تعلیم سے قابل یقین ثابت
ہوتی ہے - چنانچہ واقعات گرد و پیش کی وجہ سے اور اس لیئے کہ دنیا کے سارے سلسلہ کو خدا کی مخلوق تسلیم
کیا گیا ہے ہدایت وضلالت کو خدا کی طرف سے مانا جاتا ہے اور چونکہ انسان مین قوت فیصلہ اور انتخاب
کی عادت مرکوز ہے جو کام یہ اپنے ارادہ اور کوشش سے کرے اس کے نتائج کو خود اسکی ذات کی
طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جو لوگ ہدایت وضلالت کو خدا کی طرف منسوب کرنے کے حیلہ سے اپنے تئین
نیک افعال کی تکلیف سے معاف رکھنا چاہتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر خدا چاہتا تو ہمکو نیک رستہ پر ڈال دیتا یا اگر
خدا ہدایت دیتا تو ہم پارسا بن جاتے چونکہ وہ اس وقت اپنی اندرونی قوت فیصلہ کو نظر انداز کر دیتے ہین اور
باوجود سب سے بالاتر ہونے کے اپنے تئین پتھر جیسا مجبور سمجھتے ہین اس لیے ان کے خیال کو محض گمان اور قول

بے بنیاد کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیشک اگر خدا چاہتا تو سب کے لیئے ایک معین رستہ بنا دیتا اور سب کو ہدایت پر رکھتا مگر اُس نے دو رستے بنا کر اور انسان کو عقل دیکر اپنی محبت پوری کر دی ہے چنانچہ ارشاد ہے

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ

(انعام پاره ۸ ع ۱۵)

جو لوگ شرک کرتے ہین کہین گے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے آباؤ اجداد شرک نہ کرتے اور اپنی طرف سے بعض اشیاء کو حرام نہ ٹھہراتے ان سے پہلے گذرنیوالون نے بھی مدی کرنیکے لیئے ایسے ہی بہانے ڈھونڈے تھے حتے کہ انھون نے عذاب کا مزہ چکھ لیا تم انکو کہو کہ (برائی کو بھلا کہنے کیلیئے) تمہارے پاس کوئی دلیل بھی ہے جو ہمارے سامنے پیش کر سکو تم صرف گمان کے پیچھے پڑتے ہو اور محض اٹکل کی باتین کہتے ہو۔ کہدو کہ خدا کی محبت کامل ہے (رحمت سے ہدایت و ضلالت کے دو رستے بنائے) اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے سکتا تھا

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نحل پ ۱۴ ع ۵)

مشرکین کہتے ہین کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے بزرگ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ایسا ہی پہلے لوگون نے بھی کیا تھا مگر بھلائی برائی سمجھانے کے سوا پیغمبرون کا اور کیا فرض ہے

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ

خدا کی طرف توجہ کرو اور اسکو مانو اس سے پیشتر کہ تم پر عذاب آوے اس وقت تمکو کوئی مدد نہ ہوگی۔ اور جو اچھی باتین خدا کی طرف سے تم پر اتاری گئی ہین انکی پیروی کرو اس سے پیشتر کہ ناگہان تم پر عذاب آئے اور تمکو خبر بھی نہ ہو اور ایسا موقع نہ آنے دو کہ کوئی شخص کہے کہ افسوس مینے خدا کے حقوق مین بہت کوتاہی کی اور مین اسکو ہنسی سمجھتا

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ (زمر پاره ۲۴ ع ۶)

رہا یا کہے کہ افسوس اگر خدا مجھکو ہدایت دیتا تو مین بھی پارسا ہوتا۔

اور نیز چونکہ انسان کی فطرت مین ایک طرف بدی کی قابلیت ہے تو دوسری طرف نیک کام کرنے کی قابلیت بھی اسکی فطرت ہی مین ودیعت ہے اس لئے نیک اعمال کا حکم دینے کے موقع پر کہا گیا ہے کہ خدا ایسے حکم نہین دیتا جو انسان کی طاقت سے باہر ہون اور اُسکی فطرت مین انکی قابلیت نہ ہو چنانچہ فرمایا ہے

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (بقرہ پارہ ۳ ع ۲۰)

خدا تکلیف نہین دیتا انسان کو مگر اُسکی وسعت کے موافق جو کچھ وہ کمائے اس کا فائدہ بھی اسی کو ملیگا اور نقصان بھی اُسی کو

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَیْنَا كِتٰبٌ یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ (مومنون پارہ ۱۸ ع ۴)

ہم کسی بشر کو تکلیف نہین دیتے اسکی وسعت سے زیادہ - اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق کہتی ہے اور اُن پر ظلم نہ ہوگا

اور اس وجہ سے کہ انسان کی فطرت مین انتخاب و پسند کی قابلیت ودیعت ہے اُس کے سامنے نیک و بد نتائج پیش کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ اب چاہو بدی کی طرف جاؤ اور چاہو نیکی اختیار کرو۔ مگر جو کچھ کروگے اسکا نتیجہ ضرور ملیگا اور خدا نیکی سے خوشنود ہوگا اور بدی سے ناراض۔ چنانچہ ارشاد ہے

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۝ (کہف پارہ ۱۵ ع ۴)

کہدو یہ حق ہے تمہارے پروردگار کیطرف سے پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۱)

اگر نیک اعمال بجا لاؤگے تو اپنے لیے اور اگر بدکاری کروگے تو اپنے لیے

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ وَلَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (زمر پارہ ۲۳ ع ۱)

اگر تم کفر کرو تو خدا کو تمہاری کچھ پروا نہین اور وہ کفر کو پسند نہین کرتا اور اگر شکر کرو تو تمہارے اس فعل کو پسند کریگا اور کوئی اٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ نہین اٹھاتا

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ط وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ (حم سجدہ پ ۲۴ ع ۶)

جو بھلائی کرتا ہے تو اپنے لیئے اور جو برائی کرتا ہے تو اسکو ضرر ہے اور تیرا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ج فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ (مزمل پ ۲۹ ع ۱)

یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے خدا کی طرف کا رستہ اختیار کرے۔

مگر چونکہ انسان میں نیکی کرنیکا ارادہ پیدا ہوتا ہے تو اسی لیے کہ ایسے ارادہ کے لیئے سامان خدا نے اپنے ارادہ سے پیدا کر چھوڑا ہے اسلئے اکثر موقعوں پر جہاں فرمایا گیا ہے کہ "چاہو تو ادھر آؤ" وہاں ساتھ ہی ہیں ہیں حالت کے ظاہر کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے کہ ایسا ارادہ بھی خدا ہی کے ارادہ کا نتیجہ ہے چنانچہ ارشاد ہے

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ج فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ط وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط (مدثر پ ۲۹ ع ۲)

ہاں یہ نصیحت ہے پس جو چاہے نصیحت لے اور نہیں نصیحت لیتے مگر جبھی کہ خدا چاہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ج فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (دہر پ ۲۹ ع ۲)

بیشک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے خدا کی طرف کا رستہ اختیار کرے اور تم نہیں چاہتے مگر جبکہ خدا چاہے بیشک خدا با علم و با حکمت ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (کورت پ ۳۰ ع ۱)

یہ صرف نصیحت ہے تمام اہل عالم کے لیئے یعنے اس کے لیئے جو تم میں سے راہ راست پر آنا چاہے اور تم نہیں چاہتے مگر جبکہ خدا چاہے جو تمام عوالم کا پروردگار ہے۔

انسان کو مختار کامل اور مجبور محض سمجھنا دونوں خیال غلط ہیں مگر پہلے خیال میں غلطی بہت ہی اور دوسرے خیال میں نقصان زیادہ ہے

انسان کے جبر و اختیار کا مسئلہ ہمیشہ سے اہل مذہب اور اہل عقل کے نزدیک معرکۃ الآرا رہا ہے اور مختلف زمانوں میں مختلف اقوام اور افراد نے اس بارہ میں بہت مختلف رائیں قائم کی ہیں مگر ہمنے دیکھا کہ جو درمیانی درجہ اسلام نے اختیار کیا ہے حالات گردو پیش اور انسان کی اندرونی ساخت کو دیکھتے ہوئے یہی قرین عقل ہے اور اس کے خلاف جو لوگ انسان کو مختار کامل مانتے ہیں وہ صحبت عادت موت اور حوادث وغیرہ کے قوانین کو جو انسان کے خیالات اور حالات پر بہت بڑا اثر رکھتے ہیں نظر انداز کر دیتے ہیں

اور دوسری طرف جو لوگ اسے تمہر جیسا مجبور سمجھتے ہین وہ انسان کی اندرونی قوت سے جو اسکے لیے مایۂ ناز
اور باعث شرافت ہے انکار کرتے ہین - یہ دونو طرح کی غلطیان اگرچہ فی نفسہ بہت بڑی ہین لیکن باہمدگر
ان مین بھی کچھ تفاوت ہے -

خود اپنی حالت کا غلط اندازہ کرنا اگرچہ عجیب معلوم ہوتا ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی غلطی انسان سے
اکثر سرزد ہوتی ہے یعنی کسی کام کی یا کسی رتبہ کی قابلیت نہین ہوتی مگر وہ خود رائی سے اپنے تئین قابل
سمجھتا ہے اور اس حالت سے محروم رہنے کا الزام دوسرون پر رکھتا ہے اور ان سے ناراض ہوتا ہے اور
اسی طرح اکثر کسی کام کو بجالانے کے قابل ہوتا ہے اور صرف آرام طلبی یا کسالت سے اس کام کی محنت برداشت
نہین کرتا مگر سمجھتا یہ ہے کہ مجھ مین اس کام کی استطاعت ہی نہین - اور جس طرح اپنی استطاعت کی نسبت
ایسا دھوکا ہوتا ہے اکثر دوسرون کی قابلیت یا ناقابلیت کی نسبت بھی دھوکا ہو جاتا ہے اور ایسے واقعات
عموماً دیکھنے مین آتے ہین - پس اسی طرح کا دھوکا مجبور محض سمجھنے والون کو بھی پیش آیا ہے کہ وہ اپنی اندرونی
قوت فیصلہ اور غور و تدبر کی قدر و قیمت نہین پہچانتے اور حالانکہ وہ اپنے روزمرہ کے کاروبار مین اس
قوت کی وساطت سے بہت سی بیرونی مزاحمتون پر غالب آکر اپنے لیے مفید رستے نکال لیتے ہین اور جب کوشش
کرنے پر آتے ہین تو سوسائٹی اور عادت کی زنجیرون کو بڑی حد تک توڑ دیتے ہین مگر بالعموم اس قوت کو
کام مین نہین لاتے اور نہ لانے سے سمجھ لیتے ہین کہ لا نہین سکتے - غرض یہ دھوکا اگرچہ بڑا دھوکا ہے مگر
انسان کو اکثر پیش آتا ہے -

اور اسکے برخلاف گرد و پیش کے حالات کو نہ دیکھنا اور ان کے نتائج کو خیال مین نہ لانا اگرچہ کم
عجیب معلوم ہوتا ہے مگر عموماً عقل انسانی باہر کی چیزون کو دیکھنے کی زیادہ مشاق ہے چنانچہ جس قدر
ترقی بیرونی اشیا کے علم مین ہوئی ہے انسان کے قوائے نفسانی اور دماغی افعال و حرکات کی تحقیق
مین نہین ہو سکی - اس لیے کسی زمانے مین ایک خاص خیال کا کسی قوم مین عام ہونا یا کسی تحریک کا دلکش
پیرائے مین شائع ہونا یا بچپن سے کسی خاص شکل مین تربیت پانا یا عادت ہو جانے کے سبب کسی کام
کو چھوڑنے کی دشواری یا کسی کام کی تکمیل کا موقع ملنے سے پہلے موت یا کسی حادثہ کا پیش آنا - یہ اور ایسے

ہی یا ان سے بھی مخفی اسباب جو انسانی خیالات پر بہت بڑا اثر کرتے ہین ان سب کو بالکل نظر
انداز کرنا اور باوجود ان کے انسان کو مختار کامل اور آزاد تسلیم کرنا ایسی غلطی ہے جو بالعموم عقلی رفتار کو
دیکھتے ہوئے ناقابل معافی ہے اسلئے مجبور محض سمجھنے کی غلطی کو مختار کامل سمجھنے
کی غلطی سے کمتر کہنا چاہیئے ۔

اس کے بعد جب ان دونون طرح کی غلطیون کا عملی نتیجہ دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان
کو مختار کامل سمجھنے والے جہان تک انسان کی اپنی کوشش کا تعلق ہے پورے کامیاب اور ہوشیار رہتے
ہین اور جو موقع ان کے فائدے اور بہبود کا ہو اسے جانے نہین دیتے مگر بالائی طاقتون کے زیر اثر
ہونے کے سبب جو توجہ ان قوانین کے موجد اور علۃ العلل کیطرف ہونی چاہیئے اس سے بالکل بیگانہ رہتے
ہین یعنی مذہبی روح اور انسان کا سب سے پاک اور شریف جذبہ اُن مین پیدا نہین ہونے پاتا ۔ حالانکہ یہ کوشش
علاوہ اُن روحانی فواید کے جن کا تعلق انسان کی آیندہ زندگی سے ہے اس دنیا مین بھی بہت
بڑی حد تک حسن اخلاق اور نیک سلوک کی موید ہے اور نیز جیسا کہ عمل کرنیوالے جانتے ہین اپنی کوشش
کو خرچ کرنے کے بعد خدا کی طرف متوجہ ہونا اور اسکی مدد کا امیدوار رہنا جسکو توکل کہتے ہین محض کوشش
کی نسبت بہت کچھ مفید اور نیز بہدف ہوتا ہے دوسری طرف اپنے تئین مجبور محض سمجھنے سے اگرچہ
خدا کی طرف توجہ ہو سکتی ہے مگر عملی دنیا مین اس خیال سے ان تمام قباحتون کا پیدا ہونا لازمی ہے
جو کوشش کو ترک کرنیکا نتیجہ ہین ۔ غرض نتیجہ کے رو سے آزادی او اختیار کے حامی مذہب سے
ناآشنا اور دنیوی کاروبار مین خود غرض اور پیدرو ہو جاتے ہین تو مجبور محض سمجھنے والے دینی اور
دنیوی دونو دائرون مین جو کچھ عمل پر موقوف ہے اس سے محروم اور درماندہ رہ جاتے ہین اور انکے
برخلاف خدا کی طرف توجہ کرنے سے روحانیت کو ترقی دیتے ہین اور دنیوی کاروبار مین اپنی اور
دیگر بنی نوع کی اغراض کو بااحسن وجہ پورا کرنے مین پوری کامیابی انہین لوگون کو حاصل ہو سکتی ہے
جو جبر و اختیار کے بیچ مین رستہ اختیار کر کے دریا کی طرح آسمان سے پانی لین اور زمین کو سیراب کرین
یعنی خدا پر توکل بھی رکھین اور صرف توکل پر نہ رہین ۔ بلکہ جہان تک اپنی کوشش کا ذریعہ ہے اسمین

پوری قوت سے کام بھی کرین ۔۔

جبر و اختیار کی نسبت مزید غور | آزادی کی ہوا کھانے والے چونکہ آسمان و زمین کی تمام طاقتوں سے آنکھین بند کیئے ہوئے ہین اسلیئے انکی خدمت مین کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہین البتہ جو لوگ مجبوری کا رونا روتے ہین وہ اگرچہ زبان سے اپنے تئین متھر کہتے ہین مگر حقیقت مین گرد و پیش (واقعات) کو دیکھنے کے عادی ہین بلکہ اسی تحقیق مین زیادہ منہمک ہونے کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے آپ سے غافل ہوگئے ہین اسلیئے انکی اس غور و تامل کی عادت کو دیکھکر ان سے کچھ اور بھی عرض کرنے کی جرأت ہوتی ہے یعنی کہ واقعات گرد و پیش سے انسان کو مجبور ماننا بھی اس خیال کو یہان تک جولان کرانا کہ کوشش کو بیہودہ مانا جاوے اور مذہبی احکام کے اس بڑے حصہ کو جو کوشش کی تاکید پر مشتمل ہے غلط اور خلاف واقعہ کہا جائے خود واقعات کی شہادت سے غلط ہے۔ کیونکہ اگرچہ انسان اور انسانی افعال اور انسانی افعال کے اسباب خود انسان کے پیدا کردہ نہین بلکہ اس زنجیر کی کڑیان ہیکے بعد دیگرے زمین و آسمان کی پیدایش بلکہ اس سے بھی پرے تک چلی جاتی ہین مگر ان علتون کی شکل یکے بعد دیگرے بدلتی آئی ہے اور ہر ایک شکل پر جداگانہ حکم مترتب ہین مثلاً بخار کے بادل کا انجماد پاتے ہوئے کرہ کی شکل مین ظاہر ہونا اور اس کرہ سے چند ٹکڑون کا جدا ہوکر مرکز کے گرد چکر کھانے لگنا (اگر صحیح ہے تو یہ) ایسا سلسلہ اسباب و نتائج کا مجموعہ ہے جن مین مجبوری اپنی کامل شکل مین جلوہ گر تھی۔ مگر اسکے بعد جب زمین سے نباتات کا ظہور ہوا اور انکے رگ و ریشہ نے زمین کی تہ اور فضا کی بلندی مین سے اپنی غذا کو چوسنا شروع کیا تو اس فعل مین جو آئندہ سلسلہ ترقی کیلیئے علت تھا مجبوریت کا ظہور کسیقدر کم اور ارادہ سے مشابہ حرکت بھی کچھ نمایان ہونے لگی۔ آگے چلکر حیوانات پیدا ہوئے تو اگرچہ انکی بقاء ذات اور بقاء نوع کے افعال مین وہ بھی مجبور تھے مگر ان کے کاروبار مین مجبوریت اور بھی پوشیدہ ہوگئی اور ارادی حرکت پہلی کی نسبت نمایان تر ہونے لگی اسکے بعد انسان کا ظہور ہوا تو اگرچہ اسکی بھی تمام کوششین گرد و پیش کے حالات سے وابستہ تھین اور اس وجہ سے اسے مجبور کہنا بڑی حد تک درست ہوگا مگر اسکی فطرت مین مجبوریت کو ایسا پوشیدہ کردیا گیا ہے کہ اکثر عقلا کو اس پر مختار کامل ہونیکا دھوکا ہوا اور واقع مین یہ ایسی عجیب مخلوق

ہے کہ ایک طرف اپنی فطرت کے رو سے حالات گرد و پیش کی تقلید پر مجبور ہے تو دوسری طرف فطرت ہی کے
تقاضے سے وہ جس کام کو شروع کرتا ہے یعنی اپنی حسب استعداد غور و فکر کرنے پر اور اُس غور و فکر سے کسی
ایک تجویز کو نیک اور مناسب قرار دینے پر اور اختیار کی شکل میں اسکے موافق کوشش کرنے پر بھی مجبور ہے
غرض مجبوری سلسلہ کائنات میں مخفی ہوتی ہوئی انسان میں ایسی شکل سے جلوہ گر ہوئی ہے کہ وہی اسکا
ارادہ اور مرضی بنگئی ہے - اور جو کوشش نباتات میں کمتر اور حیوانات میں بیش از بیش ظاہر ہوتی آئی ہے
انسان میں ایسی نمایاں ہوئی ہے کہ اگرچہ وہ بہت سے گذشتہ اسباب کا نتیجہ ہے مگر انسان کے تمام افعال
کے لیے وہی علت قرار پائی ہے پس خواہ ہم مجبوری کے خیال سے کیسا ہی پیچ و تاب کھائیں مگر اُس
مجبوری نے جو ارادی کوشش کی تحریک پیدا کر دی ہے اُسی مجبوری کا اثر ہے کہ اس کوشش کو بھی چھوڑ
نہیں سکتے - بلکہ جس طرح نباتات کا فرض ہے کہ اپنے رگ و ریشہ کی حرکت سے غذا کو جذب کریں اور کر رہی ہیں
اور جس طرح حیوانات کا فرض ہے کہ اپنی مختلف ارادی حرکتوں سے اپنی ضرورات بہم پہنچائیں - اور پہنچا
رہے ہیں اسی طرح انسان کا فرض ہے کہ بے اختیار پیدا شدہ تحریک سے کام لے اور بے اختیار پیدا شدہ
عقل سے غور و فکر کرے اور بے اختیار پیدا شدہ غور و فکر سے ایک تجویز کو اختیار کرے اور اس مجبوری
سے جو اب اختیار بنگئی ہے یا اس اختیار سے جو پہلے مجبوری تھا کام لیکر اُس کام کے نتیجہ پر پہونچے - اور جس
طرح نباتات یا حیوانات اگر اپنی ارادہ نما حرکت کو کام میں نہ لائیں تو یقیناً اپنی زیست سے محروم ہو جائیں گے
اسی طرح انسان جسمیں سلسلہ علیت نے ان سے زیادہ اختیار اور ارادہ کو ظاہر کیا ہے اگر کوشش کو ترک کرے
تو ضرور وہ اسکے ثمروں سے محروم رہیگا - اور جس طرح ٹرین کی ایک گاڑی کو کاٹ دینے سے پیچھے کی گاڑیاں کٹ
ہو جاتی ہیں اسی طرح کوشش کو چھوڑنے سے جو سلسلہ علیت کی ایک کڑی ہے آگے کے تمام نتائج جو اس پر
منحصر ہیں پیدا نہ ہو سکیں گے - غرض نہ کوشش فضول ہے اس لیے کہ آیندہ واقعات کا تمام مدار اسی پر ہے
اور نہ فضول کہکر ہم اسکو چھوڑ سکتے ہیں اسلئے کہ یہ پہلے واقعات کا لازمی نتیجہ ہے -
رہا یہ سوال کہ اگر سلسلہ علیت کے سبب انسان کو مجبور مانا جائے تو اسکے اعمال پر سزا کیوں مترتب ہوتی
ہے ؟ یہ حقیقت میں وہی پہلا سوال ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی کیوں ہے اور سلسلہ علیت کیوں جاری کیا

گیا ہے۔ اور معلوم ہو چکا ہے کہ عقل انسانی اس راز کو سمجھنے کے قابل نہیں اور وہ صرف یہی دیکھ سکتی ہے کہ ایسا ہونا ضرور ہے۔ نباتات گو مجبور ہیں مگر مضر گیسوں کو جذب کرنے سے اور ناموافق اجزا سے زمین کو چوسنے سے ضرور نقصان اٹھاتی ہیں۔ حیوانات گو مجبور ہیں مگر پانی سے خشکی پر آکر یا خشکی سے پانی میں کود کر ضرور تکلیف پاتے ہیں۔ اسی طرح انسان گو مجبور ہو مگر غور و فکر کو کام میں نہ لانے سے اور کوشش کو ترک کرنے سے ضرور خمیازہ بھگتیگا۔ اور جب یہ کیفیت برای العین دیکھی جاتی ہے اور کوئی شخص اپنے کاروبار میں اس بہانے سے کوشش کو ترک بھی نہیں کرتا تو صرف مذہب کے بارہ میں غور و فکر اور کوشش کو فضول سمجھنا اور اس سے دست بردار ہونا یا مجبوری کے بہانہ سے غلط عقاید پر روحانی تاریکی اور جہالت کا نتیجہ مرتب ہونے سے انکار کرنا کیونکر بد نتائج سے محفوظ رکھ سکیگا ۔

رحم اور غضب

نیکی اور بدی کا وجود جس سے انسانی جبر و اختیار کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے مختلف پہلوؤں سے عقلائے عالم کے زیر غور رہا ہے بعض نے بدی کو یہاں تک اہتمام دیا ہے کہ اس کے موجود ہونے کے سبب پیدا کرنیوالے کو تمام صفات حسنہ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسٹر مل لکھتے ہیں کہ †

"لوگ جتنی طاقت نیچر کی خوبیاں تلاش کرنے میں صرف کرتے ہیں اگر اس سے دسواں حصہ برائیاں تلاش کرنے میں صرف کریں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ نیچر کا تمام مدار اذیت رسانی اور تباہی پر ہے پس اگر یہ انتظام کسی شیطان کا کیا ہوا نہیں تو کسی غیر محدود اور فیاض محسن کا بھی نہیں معلوم ہوتا۔"

اور بعض جو خدا کے قائل ہیں انہوں نے دنیا میں بدی کا وجود پا کر اسکو خدا کی طرف منسوب کرنے میں تامل کیا ہے اور اس لیے ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ واقعات عالم یا دلائل عقلی سے خدا کو ثابت نہیں کیا جا سکتا پروفیسر ولیم جیمس لکھتے ہیں ‡

"وہ بڑے بڑے دفتر جن میں نظام کائنات سے خدا کو ثابت کیا جاتا تھا اور جو ایک صدی پہلے قطعی اور یقینی سمجھے جاتے تھے آج وہ سب ایسے حقیر ہو گئے ہیں کہ کتب خانوں میں انکی بجائے خاک بھر دی جائے تو بہتر ہے اس تغیر خیال کی وجہ صرف یہی ہے کہ موجودہ نسل نے ایسے خدا کو ماننا چھوڑ دیا ہے جسکو وہ دلائل ثابت کرتی ہیں

---

† ایسیز صفحہ ۲۸ مطبوعہ ۱۸۷۴ء ۔ ‡ ورائٹیز آف ریلیجس ایکسپیریئنس لکچر ۲

آج ہمارا اعتقاد ہو کہ خدا کیسا ہی ہو مگر وہ خدا ہی ہے جس نے اس دنیا کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لیے پیدا کیا ہے"

ان میں سے پہلے فریق نے دنیا کے حالات کو جیسے کچھ انکی سمجھ میں آئے ہیں نیچر کے موجد کی طرف منسوب کیا ہے مگر اسکو خدا نہیں مانا اور دوسرے فریق نے کسی کو خدا مانا ہے مگر مناظر قدرت کو اسکی طرف منسوب نہیں کیا حالانکہ دنیا کو دیکھکر کہ وہی ایک ذریعہ عقلی تسکین کے لیے موزون ہے یہ دونو خیال دل میں جگہ نہیں لے سکتے دنیا میں اگر برائی ہے تو اسکے ساتھ بھلائی بھی ضرور ہے اور اگر اسکو کسی صاحب ارادہ ہستی نے پیدا کیا ہے تو یہاں کے جلال ظاہر کرنیوالے حالات اسکے سوا اور کس نے پیدا کر دئے اور جب وہی ایک خالق ہے تو جمال کے ساتھ جلال کو اسکی طرف منسوب کرنے کے سوا اور کیا چارہ ہے پس اگر کوئی مذہب نیچرل کہلانیکا مستحق ہے تو وہی جسمین خدا کا کلام خدا کے فعل سے جو ہمارے پیش نظر ہے مختلف نہو اور خدا کا فعل جو ہمارے پیش نظر ہے وہ یہی ہے کہ اس نے مختلف انواع و اجناس کو پیدا کیا ہے غذا کے لیئے آفتاب و ماہتاب - بخار اور ہوا مٹی اور پانی غرض تمام اجرام علوی و سفلی کو مصروف کار کیا ہے اور جس طرح بازار میں تمام صناع اور سوداگر خود بخود ان اشیاء کو مہیا کرنے میں جو نوع انسانی کو مطلوب ہیں اسی طرح زمین و آسمان کی تمام موجودات خود بخود ان افعال و حرکات میں ہر وقت منہمک ہیں جو جاندار اور غیر جاندار مخلوق کی بقا و تولید کے منتج ہوں اور اسی طرح ہر چیز کی ساخت میں ان تمام مراتب کا لحاظ رکھا گیا ہے جو اس کو اسکے اپنے کمال تک پہنچائیں اور آفات گردو پیش سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہوں - اور پھر ہر چیز کے حسب حال قوتیں اور جسمانی و روحانی ترقی کی اندرونی تحریکیں اور بیرونی عبرتیں اور ترغیبیں غرض ہر طرح کا سامان ایسی کثرت سے پیدا کیا گیا ہے کہ علم ہیئت سے لیکر طب اور سائیکالوجی تک تمام علوم اس سامان کی مبسوط فہرست ہی اور پھر بھی بہت کچھ ہے جو درج نہیں ہو سکا -

یہ تو جمال کا ذکر تھا اب دوسری طرف جلال کو دیکھا جائے تو کہیں آتش فشان پہاڑ اپنے لاوے کو نکال کر دور دور تک روئیدگی اور جانداری کے نشانات کو تباہ کرتا ہوا اکثر بار رہے ہیں اور بارونق آبادیوں کو ایک دم میں ویران اور خاک کا تودہ بنا دیتا ہے اور اس وقت شہر یار ملونے کی دنیا بگ

آوازین - درختون اور مکانون سے بلند ہوتے ہوئے شعلے انسانون اور حیوانون کی چیخ پکار - بچون
کا ماؤن سے اور عورتون کا مردون سے جدا ہوکر رونا ان سب سے وہ سمان پیدا ہوتا ہے جس سے زیادہ
مصیبت کا خیال بھی نہین ہوسکتا - کہین دریا کا طوفان ایکا ایک امن وعیش مین بسر کرنے والی
مخلوق کو تباہ کرتا ہوا اسی طرح کا خوفناک منظر پیش کرتا ہے کہین آتش زدگی کہین زلزلہ کہین وبا
کہین قحط نہایت جوش اور تیزی سے مخلوقات کو تباہ کرتا ہوا نظر آتا ہے اور کہین انسان اور حیوان
کی اپنی اندرونی قوتین جوش مین قتل وغارت کا میدان گرم کرتی ہین - اور خون کی ندیان بہاویتی
ہین - یہ تمام مناظر اس جبار وقہار کے قہر وغضب کا نمونہ ہین -

مگر پھر دیکھا جاے تو تباہی کیسی بڑی ہو تمام موجودہ مخلوقات کو تباہ نہین کرتی چھت گرتی ہے
گاڑی الٹتی ہے یا ریل ٹکراتی ہے یہ چیزین ٹوٹ جاتی ہین چور چور ہو جاتی ہین مگر جاندار بہت زخمی ہوتے
ہین اور کم مرتے ہین - قحط زلزلہ اور وبا مین جاندارون کا نقصان ہوتا ہے مگر پھر بھی بہت سے بچ
رہتے ہین - طوفان اور آتش فشانی مین جاندارون کا بہت نقصان ہوتا ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ بچ جاتے
جاتے ہین اور کچھ مدت کے بعد دیکھا جاتا ہے تو وہی تباہی اور بربادی کا منظر بھر بہار اور رونق کی
لہرین مارتا ہوا نظر آتا ہے - غرض نسل کو منقطع اور کسی نوع کو بالکل نابود کرنیکا ارادہ شاذ ونادر ہی بہت کم
ہوتا ہے - اگرچہ طبقات الارض کے ماہرون نے بہت سے متحجرہ اجسام نکال کر ثابت کیا ہے کہ
بعض جاندارون کی نوع صفحہ ہستی سے بالکل نابود کردی گئی ہے مگر بیشمار زندہ انواع کے مقابلہ مین
انکی تعداد ہیچ کے برابر ہے -

یہ کیفیت تو اُن مناظر کی ہے جو عموماً ذی ارادہ مخلوق کے اختیار سے باہر ہین مگر جو کیفیتین
ذی ارادہ مخلوق خود اپنے افعال سے پیدا کرتی ہے ان مین بھی یہی کیفیت دیکھی جاتی ہے حفظ صحت
کے قاعدون پر عمل کرنے سے جسمانی حالت مین اور اخلاقی اور مذہبی جذبون کو کام مین لانے سے جسمانی
اور روحانی دونون حالتون مین کمال اور ترقی کا رستہ کھل جاتا ہے تو ان قواعد کو توڑنے سے نقص اور
تنزل کی مصیبت نیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جس طرح کسی بچے کو علم وہنر کی طرف راغب پاکر اس کے

کے مہربان باپ کیطرف سے ہر طرح کا علم و ہنر حاصل کرنیکا سامان مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اسی طرح نیکی کی جانب متوجہ ہونے پر ضمیر کی طرف سے بہت سی صورتین نیکی کو بجالانے کی اور بہت سی تدبیرین نیکی کو شائع کرنے کی خود بخود سوجھنے لگتی ہین۔ اس وقت وہ شخص قدرت کے ہر منظر مین کچھ نہ کچھ نصیحت اور عبرت کا سامان مہیا پاتا ہے حالانکہ نیکی سے بے پروا بڑے بڑے دل ہلا دینے والے حالات کو دیکھکر اپنے دل پر کوئی اثر نہین پاتے۔ اور دوسری طرف جس طرح لڑکے کی بے ادبی اور بدقماشی سے ناراض ہوکر ایک جابر سرپرست اسکی راحت اور مسرت کے سامان کو کم کرتا جاتا ہے حتی کہ ایک وقت پر اس سے سروکار نہ رکھنے کا اشتہار دیتا ہے اسی طرح بدی کی طرف متوجہ ہونے سے قدرت اس کے دل سے نور اور روحانیت کو معدوم کرنے لگتی ہے اور بدعادت کی زنجیرمین جکڑتے ہوئے اسکو اس حالت تک پہونچا دیتی ہے کہ جن واقعات سے نیک دل لوگ کانپ اُٹھتے ہین انکو دیکھنے مین بلکہ اُن کو بجالانے مین اسکو حظ حاصل ہوتا ہے اور نیز اس کو اپنے بدجذبون کو پورا کرنے کے ایسے طریقے سوجھنے لگتے ہین جو پارسا لوگون کے خیال مین بھی نہین آسکتے

مگر نیکی اور بدی مین ترقی کی قابلیت ہونیکے باوجود جب انکی ابتدائی کوششون کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تفاوت ضرور ہے نیکی کرنے پر انسان کو ایک مسرت حاصل ہوتی ہے اور وہ دلی آواز جس کو کانشنس یا ضمیر کہتے ہین نیکی پر خواہ وہ اُسکی عادت کے کیسے ہی خلاف ہو شاباش کہتی ہے مگر بدی کے ابتدائی مرحلون مین اسکے برخلاف وہی دلی آواز بجاے شاباش کہنے کے ضرور ملامت کرتی ہے اور اس طرح پر جو اثر ترقی کا نیکی کے ابتدائی مرحلون مین پیدا ہوتا ہے بدی کے ابتدائی مرحلون مین اس قدر اثر نہین ہوتا اور جہالت اور تاریکی جو آنی چاہئے کسیقدر دیر مین پیدا ہوتی ہے اور یہ تفاوت جس طرح افراد کی نیکی اور بدی مین دیکھا جاتا ہے اقوام کی نیکی اور بدی مین بھی موجود ہے۔ کسی ترقی یافتہ اور نیک قوم مین جب ایک یا چند اشخاص بدچلن پیدا ہو جاتے ہین تو اگرچہ انکی بدی مین قابلیت ہے کہ ترقی پاکر تمام مین سرایت کر جائے مگر جبتک وہ چند اشخاص مین محدود ہے ان کے دل ضرور اس حالت پر ملامت کرتے ہین اور

جو زور و ترقی کا بعد مین پیدا ہوتا ہے اسکی نسبت اُس وقت کمتر ہوتا ہے۔ اور برخلاف اس کے جب کسی غیر مہذب قوم مین پاک اور نیک لوگ پیدا ہوتے ہین تو اُن کے دل باوجود تنہا ہونے کے اور باوجود مزاحمتون کے اُنکو آفرین کہتے ہین اور اس سبب نیک خیال نسبت بدی کے زیادہ زور سے عمل کرتا ہے۔

غرض ان تمام حالات کو دیکھنے کے بعد تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دنیا مین رحمت و آرام اور بقا و افزائش کے سامان اور نیکی کیطرف توجہ پیدا ہونے پر اسکے سامان اور سرانجام کا مہیا اور آسان ہوتے جانا دنیا کے موجد کی عنایت پر دلالت کرتا ہے تو دوسری طرف دنیا مین رنج اور تکلیف اور تباہی اور بربادی کے نمونے اور بدی پیدا ہونے پر اسکی زنجیرون کا سخت سی سخت تر ہوتے جانا اس کے غضب کی صفت ظاہر کرتا ہے اور پھر دونون کا موازنہ یعنی بڑی بڑی تباہیون کے وقت بقاء نوع کا اہتمام رہنا اور اُدھر نیکی پر مسرت اور بدی پر ملامت کا مرتب ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اُسکے رحم کی صفت غضب کی صفت پر غالب ہے۔ چنانچہ نیچر کی انہی صفات کو اسلام خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ؕ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)	اور خدا سے ڈرو اور جان رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ؕ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۵)	بعض لوگ اپنے تئین خدا کی رضامندی تلاش کرنے پر لگا دیتے ہین اور اللہ ایسے بندون پر مہربان ہے۔
اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؕ (مائدہ پارہ ۷ ع ۱۳)	جان لو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے
وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ	وہی ذات ہے جس نے تمکو زمین پر اپنا جانشین بنایا ہے اور تم مین سے بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے

لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (انعام پارہ ۸ ع ۲۰)

تاکہ تمکو ان نعمتوں کے بارہ میں جو تمکو دی ہیں آزمائے بیشک تمہارا خدا سزا بھی جلدی دیتا ہے اور بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (اعراف پارہ ۹ ع ۲۱)

بیشک تمہارا پروردگار عذاب بھی جلدی دیتا ہے اور وہ بخشنے والا اور مہربان بھی ہے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ (رعد پارہ ۱۳ ع ۱)

اور بیشک تیرا رب لوگوں پر بخشش کرنیوالا ہے جبکہ وہ اپنے اوپر ظلم کریں اور بیشک تیری پروردگار کا عذاب سخت ہے

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ (حجر پارہ ۱۴ ع ۴)

میرے بندوں کو آگاہ کردو کہ میں بخشنے والا مہربان ہوں اور میرا عذاب دردناک عذاب ہے

غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ (مومن پارہ ۲۴ ع ۱)

گناہ کو بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا اور صاحب قوت۔

إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۵)

بیشک تیرا پروردگار مغفرت کا مالک ہے اور سخت عذاب والا ہے۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (بروج پارہ ۳۰ ع ۱)

تیرے پروردگار کی گرفت سخت ہے۔ وہ ابتداءً پیدا کرتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے اور وہ بخشندہ اور مہربان ہے صاحب عرش اور بزرگ ہے اور جس چیز کا ارادہ کرے اسے پورا کرنیوالا ہے

اور صفت رحم کا صفت غضب پر غالب ہونے کا بیان ذکر ہے

فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ (انعام پارہ ۸ ع ۱۸)

اگر وہ تیری تکذیب کریں تو کہدے کہ تمہارا پروردگار وسیع رحمت رکھتا ہے اور اسکا عذاب مجرموں سے ٹل نہیں سکتا۔

عَذَابِیْ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَاءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُہَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۹)	مین عذاب دیتا ہون جسے چاہتا ہون اور میری رحمت ہر شے پر عام ہے پس مین رحمت مقرر کرتا ہون ان لوگون کے لیے جو تقوی کرتے ہین اور زکوۃ دیتے ہین اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہین
رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَّعِلْمًا (مومن پارہ ۲۴ ع ۱)	اے ہمارے پرورگار تیرا علم اور تیری رحمت ہر شے پر وسیع ہے۔
مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ (حم عسق پارہ ۲۵ ع ۴)	جو مصیبت تمکو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی کسب سے پہنچتی ہے اور وہ بہت سی باتون کو معاف کر دیتا ہے۔

خدا کا غصہ مسٹر فریڈرک ہیرسن* اعتراض کرتے ہین کہ مسلمانون کا خدا غصہ وغیرہ نفسانی خواہشون سے متصف ہے اور بیشک آجکل جو اعتراضون کا طوفان اسلام پر آرہا ہے ان مین یہ اعتراض سب سے زیادہ جلی حرفون مین لکھا جاتا ہے لیکن اسلام کا خدا کی صفات کو بیان کرنا اسلام والون کے اپنے دل کا اختراع سہی مگر ایسے لوگ بتائین کہ آتش فشانی اور زلزلہ وغیرہ کی ہیبتناک تباہیان یا بدی کیطرف ادنی توجہ سے آیندہ اس درخت کا مسلسل پھلتے پھولتے جانا اور ذہن کا نت نئی ایذا رسانی اور خرابی کی تدبیرین ایجاد کرنے کے قابل ہوتے جانا جو نیچر کے ہر ورق پر لکھا ہوا سب کو نظر آتا ہے اگر نیچر کے بنانیوالے کی ایجاد نہین تو ان غضبناک منظرون کا خالق اور کس کو مانا جاوے بیشک جن لوگون نے دنیا کی صرف خوبیون کو دیکھا اور اسی کے راگ گائے انھون نے اچھا کیا مگر جس کو صرف دن کی روشنی کا علم ہے اور رات کی تاریکی سے آشنائی نہین اُسے سویا ہوا اور رات کو غفلت مین گذارنے والا کہنے کے سوا اور کیا چارہ ہے کیا ایسے شخص کو زمانہ کے حالات کا عارف کامل کہسکتے ہین اور کیا اُسکا علم اُس خدا کیطرف منسوب کیا جاسکتا ہے جس نے رات اور دن دونون کو پیدا کیا ہے

رحم کی تعریف حقیقت یہ ہے کہ رحم کی تعریف مین غلطی کی گئی ہے اور اس کا مفہوم ایسا عام

* کتاب ریجس سسٹمز آف دی ورلڈ لیکچر نمبر ۲

کر دیا گیا ہے کہ اذیت اور تکلیف کو اس سے منافی قصور سمجھا جاتا ہے اور پھر خدا کو ایسا رحیم مانکر جب دنیا کی تکالیف کو دیکھا جاتا ہے تو ان کو ایسے رحیم کی جانب منسوب کرنے مین تامل ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر رحیم اسی کو کہا جائے جو کسی طرح کی تکلیف وہی اور ایذا رسانی کو گوارا نہ کرے تو پھر جس فعل پر کوئی برا نتیجہ مرتب ہوا ور جس جرم پر سزا کا ہونا لازمی ہو چونکہ یہ سب کچھ اذیت اور تکلیف ہے اسلئے ایسے رحیم کا فرض ہوگا کہ ان نتائج کو مرتب ہونے سے روکے اور اگر کوئی شخص ایسا رحیم ہو تو ضرور ہے کہ وہ عادل نہ ہو اور مجرمون کو سزا نہ دے اور اسکی مہربانی کے بھروسہ پر بدکار روز غضب ڈھائین کہ نیکبختون اور مظلومون کے لیئے وہی رحم جسکو کامل رحم کہا جاتا ہے بڑے سے بڑے ظلم سے بھی بدتر ہو۔ اور جب اس کامل رحم کا ایسا نتیجہ لازمی ہے تو ضرور ہے کہ رحم کی یہ تعریف صحیح نہ ہوگی بلکہ اسکا مفہوم ایسا ہونا چاہئے جو عدل سے منافات نہ رکھے۔ مگر اب چونکہ خود نیچر کے رحم اور عدل کا فیصلہ کرنا ہے اس لیئے خود نیچر کے افعال کو نظیر مین پیش نہین کر سکتے اور نیچر کے سوا کوئی سرمایہ موجود نہین۔ پھر کیا کیا جائے؟ مگر نہین اس وقت فیصلہ کرنیوالا حاکم عقل ہے اسلئے دیکھنا چاہئے کہ خود عقل کا طرز عمل اس بارہ مین کیا ہی؟ -

کسی امتحان کے بہت سے پرچے ممتحن کے سامنے رکھے ہین اور وہ جواب کو سوال سے منطبق کر کے نمبر دیتا ہے۔ اب اگر کسی غلط جواب پر وہ پورے نمبر دے تو بیشک اس امیدوار کا بھلا ہو جائیگا۔ مگر آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شخص ان لوگون کے برابر ہو جائیگا جنہون نے صحیح جواب لکھا ہے بلکہ اس کے نمبرون کی میزان بعض ایسے طلبا سے بڑھ جائیگی جنہون نے قریبا درست لکھا ہے اور مناسب نمبر پائے ہین۔ یہ سب پاس ہو گئے اچھا ہوا۔ مگر جو اثر پاس ہونے پر مرتب ہوتا ہے اور جو وظائف یا کاروبار کے لئے انتخاب زیادہ نمبرون پر منحصر ہے اسمین بعض صحیح جواب دینے والے ناکام رہین گے اور غلط لکھنے والا جس پر رحم کیا گیا ہے وہ منصب لیجائیگا جو اورون کا حق تھا بلکہ بعض ایسے کاروبار مین جو سچی قابلیت پر منحصر ہین غلط لکھنے والا اپنے پورے نمبرون کے سبب ہاتھ ڈالنے پر خود بھی ایسی ناکامی اٹھائیگا کہ نا واجب طور پر پاس ہونے کی خوشی خاک مین ملجائیگی۔ غرض ممتحن کا وہ فعل جو رحم کی شکل مین ظاہر ہوا تھا ثابت ہوگا کہ صحیح جواب لکھنے والون پر اور خود غلط لکھنے والے پر بھی ظلم ہے

اچھا یون نہ سہی۔ یہ کیا جائے کہ غلط جواب دینے والے کو پورے نمبر اور صحیح جواب لکھنے والیکو اس سے دُگنے دیدیئے جائین اور جس نسبت سے ایک کے ساتھ رعایت کی گئی ہے اِس نسبت سے سب طلبا کے نمبر بڑھا دیئے جائین اور دو کی جگہ چار دیئے جائین تو چار کی جگہ آٹھ اور اِسی طرح آخر تک چلے جائین تو کیا اثر ہوگا؟ کہ رعایت رعایت نہ رہیگی بلکہ کل نمبر سو سمجھنے کی بجائے دو سو قرار پائینگے اور پاس ہونے کیلئے فیصدی مقدار دیکھنے پر غلط لکھنے والا وہی بیک بینی و دو گوش رہجائیگا یعنی ناکام۔ اچھا تو کیا ایسے شخص کیلئے رحم کی کوئی گنجائش نہین؟ ہے اور وہ یہ کہ اسکے غلط جواب کو نہایت دقت نظر سے دیکھا جائے اور غلطی کیسی ہی بڑی ہو اسمین غور سے تلاش کیا جائے کہ کوئی ذرا ظہور صحت کسی جگہ موجود ہے یا نہین اور پھر جہان ذرا بھی صحت کا نشان ملے اُسکے مناسب حال کوئی نمبر یا نمبر کی کوئی کسر دیدی جاسے۔ پس یہ غور و تامل کی تکلیف جو ممتحن برداشت کریگا وہ رحم ہے جو عدل سے ہرگز منافات نہین رکھتا۔ بلکہ ایک ہی فعل ہے جو اس لحاظ سے کہ اورون پر ظلم نہ ہوجائے عدل ہے اور اس خیال سے کہ مجرم اپنے جرم کی سزا ضرور پائے غضب ہے اور اس وجہ سے کہ مجرم اپنے جرم سے زیادہ سزا نہ پائے رحم ہے اور یہی وہ عمل ہے جو ہم نیچر کے ہر کام مین محسوس کرتے ہین۔ پلیگ کے ایام مین جس شخص نے فاسد مادہ کا بہت بڑا حصہ لیا ہے ایسا مبتلا ہوتا ہے کہ علاج کی مہلت نہین دیتا اور فوراً مر جاتا ہے۔ دوسرا اس سے کمتر حصہ لیتا ہے وہ چار دن اور دُنیا کی ہوا کھالیتا ہے کوئی اس سے کم ہوتا ہے چند روز تڑپ کر اُٹھ بیٹھتا ہے۔ کوئی معمولی سا اثر قبول کرتا ہوا اعضا شکنی وغیرہ کو چلنے پھرنے پر ہمت کرکے تندرست ہوجاتا ہے لبعض اس سے بھی کم متاثر ہوتے ہین بالکل اور کوئی اثر محسوس نہین کرتے اسی طرح آگ لگتی ہے جو چیز بیچ مین آجاتی ہے خاک سیاہ ہوجاتی ہے ذرا دور رہنے والی کا بالائی حصہ جل جاتا ہے۔ اِس سے پرے سیاہ داغ ہی پڑجاتا ہے کسی کو جلن کسی کو حرارت کسی کو روشنی کا حصہ ملتا ہے اور بہت دور والون کو خبر بھی نہین ہوتی

غرض نیچر ہر فعل کا نتیجہ ایسا جچا تُلا دیتی ہے کہ مسبّب سبب کی مقدار سے رتی بھر کم زیادہ نہین ہونے پاتا۔ بس یہی اُسکا عدل ہے اور یہی اسکا رحم ہے اور یہی جواب ہے ڈاکٹر سپنسر کے اِس

اعتراض کا کہ۔†

"غیر محدود عدل کامل سزا کیون کر دے سکتا ہے جبکہ غیر محدود رحم گناہ کو معاف کر دیتا ہے"

یعنی یہ کہ گناہ کو‡ معاف کر دینا نہ رحم ہے۔ نہ غیر محدود ہے۔ بلکہ ظلم ہے اور رحم یہ ہے کہ سزا گناہ کی مقدار سے ذرہ بھر زیادہ نہ ہو۔ غرض جو طرز عمل عقل بتاتی ہے اور جو فعل خود نیچر کا نظر آتا ہے اسی کی تعلیم قران بھی دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ۔ (آل عمران پارہ ۴ ع ۲۰)

خدا نے ان کی دعا قبول کی کہ مین تم مین سے کسی کارکن کا کام ضائع نہین جانے دونگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ۔ (انبیاء پارہ ۱۷ ع ۴)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو رکھینگے پس کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی عمل رائی کے دانہ برابر بھی ہو تو ہم اسے نکال لائینگے اور ہم حساب کے لیے کافی ہین۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۔ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۔ (زلزال پارہ ۳۰ ع ۱)

پس جو ذرہ برابر بھلائی کریگا۔ اسکا اجر پائیگا اور جو ذرہ برابر بدی کریگا اسکی سزا پائیگا۔

---

† کتاب فرسٹ پرنسپلز باب سوئم صفحہ ۱۱۲ سنہ ۱۸۸۴ء۔

‡ گناہ کیونکر معاف ہو سکتا ہے اسکی صورت باب آئندہ مین ملاحظہ ہو

باب یازدہم

توبہ۔ استغفار۔ دعا۔ شفاعت وغیرہ

حرکت بازگشت۔ گناہ اور ثواب کی حقیقت اور توبہ کی وجہ۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ ایمان اور گناہ کفر اور نیکی کا اجتماع۔ اصولی اور معاون اسباب۔ عذاب و ثواب کے اصلی اور معاون اسباب۔ ایمان اور نیکی۔ استغفار۔ آرزوے رحمت محبت صلحاء۔ دعا۔ شفاعت۔ ترغیب کا فائدہ معیت کا فائدہ۔ محبت کا فائدہ۔ دعا کا فائدہ۔ کبھی شفاعت کے خیال سے غرور پیدا ہوتا ہے۔ کبھی شفاعت سے کوشش کا میلان ہوتا ہے۔

حرکت بازگشت نیکی اور بدی کے متعلق اگرچہ بہت کچھ طول ہو گیا ہے مگر ابھی اللہ کے بیش نگفتیم ہنوز از بسیار کا مضمون ہے۔ نیکی اور بدی دنیا کا مجموعہ ہے اور دنیا کے قوانین اس کثرت سے اور باہمدگر ایسے پیوستہ اور پیچیدہ ہیں کہ ایک قانون کے عمل میں جو تفاوت دوسرے قوانین کے اختلاط سے پیدا ہو جاتا ہے اسکو سمجھنے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے مثلاً ہمنے دیکھا کہ نیچر ہر ایک فعل کا بدلا اسکے تناسب کے لحاظ سے ضرور دیتی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ ہر ایک فعل کو ایک دفعہ کرنے سے دوسری بار اسکو بجالانا آسان ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ وصف ترقی کرتا جاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی قانون قدرت ہے کہ ایک طرف کو ترقی کرنے کے اثنا میں کسی وجہ سے حرکت بازگشت شروع ہوتی ہے اور جو وصف پیدا ہوا تھا اُس کی جگہ اسکی ضد ظہور کرنے لگتی ہے مثلاً آفتاب کی حرارت اور مناسب آب وہوا سے درخت پھلنے پھولنے لگتا ہے۔ پھر زمین اور فضا میں کوئی انقلاب پیدا ہوتا ہے درخت کی ترقی رک جاتی ہے مرجھا کر خشکی اور بوسیدگی کی جانب ترقی کرنے لگتا ہے۔ کبھی خشکی اور افسردگی میں ترقی کرتا ہوا کسی سبب سے پھر تر و تازہ ہو جاتا ہے۔ علی ہذا انسان کسی علم و ہنر میں ترقی کرتا ہوا ایسے اسباب میں مبتلا ہوتا ہے کہ علم و ہنر کو چھوڑ کر جہالت کیطرف جاتا ہوا نظر آتا ہے یا جہان میں ترقی کرنیوالا

کسی ترغیب سے متاثر ہو کر تہذیب و دانش کی طرف عود کرتا ہے - ان حالات مین یہ نہین کہ سکتے کہ اسکی پہلے افعال بے اثر رہے نہین بلکہ جو خوبی یا برائی پہلی رفتار مین پیدا ہوئی تھی اسکی وجہ سے دوسری رفتار پر ضرور اثر پڑا اور ایسی چیز یا ایسے شخص کی ترقی اُن کے برابر نہ ہوگی جو پہلے سے ہمیشہ تک ایک رستہ پر چلے ہین مگر تاہم نتیجہ بالکل بدل جائیگا اور اس انقلاب سے نور کی جگہ ظلمت یا ظلمت کی جگہ نور ضرور پیدا ہوگا اور نیز کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رفتار کو بدلنے والا اثر بڑی قوت سے ظاہر ہوا ہے اور اس نے پہلے اثر کو بالکل نابود کر دیا ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ درخت مرجھا گئے ہین اور کھیتی سوکھ چلی ہے اور لوگ نا امید ہو گئے ہین مگر قدرت کی کوئی ایسی ہوا چلی ہے کہ یاس امید سے بدل گئی اور درختون نے چند روز مین وہی نشو و نما پائی جو معمولی حالت کی پوری فصل مین پا سکتے تھے - یا پورے نشو و نما کے بعد کسی سخت حادثے نے ایسا جلا دیا کہ گویا پیدا ہی نہ ہوئے تھے - اور اسی طرح انسان کی وحشت اور تہذیب کا انقلاب بھی کبھی اس زور سے ہوتا ہے کہ آدمی برسون کا کام دنون مین کر لیتا ہے اور دوسرا اثر قوی ہونے کے سبب پہلے اثر کو نابود کر دیتا ہے - غرض یہ انقلاب کا قانون اور قوی کے ضعیف پر غالب آنیکا قانون بھی نیچر مین ہر جگہ نمایان ہے چنانچہ یہی صورت نیکی بدی مین بھی نظر آتی ہے اور بدکار تائب اور نیکوکار مرتد ہوتے ہوئے نظر آتے ہین اور دوسرا اثر بہت قوی ہو تو نیکی صورت مین ترقی معمولی حالت سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے - قرآن مین بدی کی نسبت ارشاد ہے -

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ؕ

(یونس پارہ ۱۱ ع ۳)

حتی کہ جب زمین آراستہ ہو جاتی ہے اور اپنی زینت پہ آجاتی ہے اور اس کے مالک گمان کرتے ہین کہ اب اس کے مفاد پر ہمارا قبضہ ہے تو ہمارا حکم رات کو یا دن کو پہنچتا ہے پس ہم اس کو سوکھا تنکا بنا دیتے ہین گویا کبھی تھی ہی نہین - ہم غور کرنیوالون کے لیئے ان نشانات کی تفصیل کرتے ہین

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى

(دنیادار ہو نیکے بعد) اسکے پھلون پر بلا آتی ہے پس مالک ہاتھ ملتا ہے

مَا اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا (کہف پارہ ۱۵ ع ۵)

اور جو خرچ کیا ہے اسے یاد کرتا ہے اور وہ سر کے بل گری ہوئی ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ کاش میں میں اپنے خدا سے شرک نہ کرتا اور اپنی کوشش کو قطعی نہ سمجھتا

وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (بقرہ پارہ ۲ ع ۱۰)

جو شخص خدا کی دی ہوئی نعمت کو بدلے تو خدا سخت عذاب دینے والا ہے

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (بقرہ پارہ ۲ ع ۱۷)

جو اپنے مذہب سے پھرے اور کفر کی حالت میں مر جائے تو اسکے اعمال باطل ہو گئے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ (آل عمران پارہ ۳ ع ۹)

جو لوگ ایمان کے بعد کفر کریں اور پھر کفر میں ترقی کریں انکی توبہ قبول نہ ہو گی اور وہ گمراہ ہیں۔

اور نیکی کی نسبت فرمایا ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (روم پارہ ۲۱ ع ۶)

خدا کے رحمت کے نشانات کو دیکھو کہ وہ زمین کو کیونکر مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے یہی مردوں کو زندہ کرنیوالا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)

وہی ذات ہے جو بارش برساتی ہے اس حال میں کہ لوگ نا امید ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنی رحمت کو پھیلاتی ہے اور وہ مالک قابل حمد ہے

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران پارہ ۳ ع ۹)

مگر جو لوگ اسکے بعد توبہ کریں اور نیکوکار ہو جائیں تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ (مائدہ پارہ ۶ ع ۶)

جو شخص اپنے اوپر ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی حالت درست کرے تو خدا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۹)

اور جو لوگ بدعملی کرتے ہین پھر اسکے بعد توبہ کرتے ہین اور ایمان لاتے ہین تو خدا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ۔ (انفال پارہ ۹ ع ۵)

تم کفار سے کہدو کہ اگر وہ باز رہینگے تو ان کے گذشتہ اعمال معاف کیے جائینگے اور پھر کفر کی طرف عود کرینگے تو جو پہلون کے ساتھ ہوا ہے وہی ہوگا

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ مَتَابًا (فرقان پارہ ۱۹ ع ۶)

جو توبہ کرے اور نیک عمل بجالائے وہ خدا کیطرف آتا ہے۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (نمل پارہ ۱۹ ع ۱)

مگر جو ظلم کرے پھر اپنی بدی کو نکوکاری سے بدل دے تو مین بخشنے والا ہون مہربان ہون

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ (قصص پارہ ۲۰ ع ۷)

لیکن جو توبہ کرے ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو امید ہے کہ وہ رستگارون مین ہوگا

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْ عَنِ السَّیِّئَاتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)

اور وہی ہے جو اپنے بندون کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو

گناہ اور ثواب کی حقیقت اور توبہ کی وجہ

بعض لوگون کا خیال ہے کہ توبہ سے گناہ معاف نہین ہو سکتے[۱] مگر اول تو ایسی رائے رکھنے والے نیچر سے بالکل آنکھین بند کیے ہوئے ہین اور جو انقلاب بھلائی اور برائی کی جانب نہایت کثرت سے ہوتے ہین اور جن سے نتائج مین مشرق مغرب کا فرق پڑجاتا ہے انکی طرف توجہ نہین کرتے اور دوسرے کسی فعل کے گناہ یا ثواب ہونے اور آیندہ زندگی مین بدیا نیک نتیجہ دینے کی حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کو اپنے ہم جنس اور ہم شکل کیطرف میلان ہوتا ہے اور ناجنس سے گریز۔ اہل علم قدرتی طور پر اہل علم کی طرف اور جاہل قدرتی طور پر جاہل کیطرف میلان رکھتا ہے اور جو ہم مذاق نہین ہوتے ان سے نفرت کرتا ہے اور یہ قاعدہ نہ صرف انسان مین ہے بلکہ حیوانات اور نباتات اور ان سے بڑھکر

[۱] ایسے اعتراض بعض آریا رسالون مین دیکھے گئے ہین۔

دُنیا کی ہر ایک چیز کو اپنے مماثل کی صحبت سے قوت اور ترقی حاصل ہوتی ہے اور غیر جنس کے اختلاط سے ضعف اور تنزل - اِس مماثلت کے قانون کو تسلیم کرنے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ مثلاً ناحق قتل کرنیوالا مقتول کو اُن فائدون سے محروم کرتا ہے جو راستی کے رو سے اُسکا حق تھا اور خود وہ مفاد حاصل کرتا ہے جو راستی کے رو سے اُس کا حق نہین - غرض وہ اس فعل سے اپنے دل مین راستی اور صداقت سے نفرت اور بُعد پیدا کرتا ہے اور اسی بُعد اور نفرت کے سبب خدا سے جو نام محدود صداقت اور حق ہے دور ہوتا ہے اور اسکے برخلاف جو شخص کسی قاتل کے حملے کو دفع کرنے کی غرض سے حرکت کرتا ہے اور اس مدافعت مین قتل کے سوا چارہ نہین دیکھتا وہ نہ خود ایسا مفاد حاصل کرتا ہے اور نہ دوسرے کو ایسے مفاد سے محروم کرتا ہے جس کا راستی کے رو سے استحقاق نہ ہوا اس لیے اس کے اس فعل نے اُسے صداقت سے اور سرچشمہ صداقت یعنی خدا سے دور نہین کیا بلکہ اس خیال سے کہ جایز مفاد کو بحال رکھنے کی کوشش ہر چیز کی فطرت مین داخل اور انسان کا خاص حق ہے ایسی کوشش صداقت اور حقانیت سے کسی قدر قریب کرنیوالی ہے - اور اس سے بڑھ کر جو شخص قاتل کو سزا دیتا ہے تو اگرچہ اسکے اس فعل سے مقتول کو کوئی فائدہ حاصل نہین ہوتا مگر پھر بھی اس فعل کو جو فرض و واجب سمجھا جاتا ہے تو اسلئے کہ وہ مقتول کے سوا باقی تمام دُنیا کے امن و اسائش کو بحال رکھنے کے لئے جو راستی کے رو سے اُن کا حق ہے تدبیر کرتا ہے اسلئے اس صورت مین اس کا فعل محض صداقت کی محبت پر مبنی ہے اور اس لئے وہ اس فعل سے صداقت اور سرچشمہ صداقت سے بہت بڑا قرب حاصل کرتا ہے پس یہی صداقت سے دور ہوتا گناہ ہے اور خدا سے دور ہونا اس کا عذاب - اور صداقت سے محبت کرنا کار ثواب ہے اور خدا کا قرب اسکی جزا -

غرض ہر فعل سے جس قسم کا وصف پیدا ہوتا ہے انسان مین آیندہ اُسی وصف کی طرف میلان رکھنے کی قابلیت ہو جاتی ہے اور اسکے خلاف وصف سے بُعد - اب فرض کرو کہ کوئی قاتل اپنے فعل سے نادم اور پشیمان ہوتا ہے اور آیندہ کے لیے سچے دل سے اُس فعل سے محترز رہنے کا عہد کرتا ہے اور فرض کرو کہ اس عہد کو تا دم آخر پورا بھی کرتا ہے تو اب اس کا کیا اثر ہوگا ایک تو یہی کہ اس کے ہاتھ سے دیگر

مخلوقات امن مین رہیگی۔ یہ تو دنیوی مفاد ہوا۔ باقی رہی صداقت کی محبت جو اُخروی نتیجہ ہے سو وہ بھی اس عہد سے اور عہد کو تا دم مرگ پورا کرنے سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اب رہا وہ تاریک داغ جو اسکے دل پر قتل کرنے کے وقت صداقت کی نفرت سے پیدا ہوا تھا مگر جو ندامت اور پشیمانی کا سوہان آسکے دل کو چھیل رہا ہے اور جو صداقت کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کی تمنا اسکو دے چلی ہے۔ کئی روز سے ہے اس عمل سے نفرت کے سیاہ داغ کو دور کر نیکا وہی اثر ظاہر ہوگا جو ایک زنگ آلود لوہے کو صیقل کرنے سے ہوتا ہے یعنی اگر قتل کرنے کے وقت صداقت سے ایک درجہ نفرت تھی تو اس کی جگہ پشیمانی محبت کو چار درجے بڑھاویگی۔ غرض قتل کرنیکو جس قدر دل کی سختی سے تعلق ہے پشیمانی اور توبہ اس کا پورا تدارک ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد | مگر اس مثال مین ایک کوتاہی ضرور ہے وہ یہ کہ گناہ کو گناہ کرنے والے اور اس شخص سے جسکا گناہ کیا ہو غرض دونوں سے تعلق ہی اور جس کا گناہ کیا ہے اسکی تعلق سے گناہ دو قسم مین منقسم ہوتا ہے ایک وہ جسکا تعلق کسی انسان سے نہین بلکہ محض ذات خداوندی سے ہے مثلاً خدا کا انکار کرنا یا عبادت نہ کرنا اور اسکو حق اللہ کہتے ہین اور دوسری قسم مین وہ گناہ ہین جن کو ذات خداوندی سے بھی تعلق ہے اور اس کے علاوہ دیگر مخلوقات سے بھی مثلاً چوری کرنا یا کسی جاندار کو ناحق ستانا۔ انکو حقوق العباد کہتے ہین۔ پس جو گناہ حقوق العباد کی قسم سے ہین ان مین صداقت سے نفرت بھی ہوتی ہے جس سے انسان خدا سے دور ہوتا ہے اور کسی مخلوق کو اذیت بھی پہونچتی ہے اسلئے توبہ اور پشیمانی سے صداقت کی نفرت کا اثر تو بیشک دور ہوسکتا ہے مگر جو اذیت کسی مخلوق کو پہونچ چکی اس کا تدارک نہین ہوسکتا۔ اسلئے ایسے افعال مین توبہ مفید تو بہت کچھ ہے مگر پورے طور پر گناہ کی معافی اُس شخص کے معاف کردینے پر منحصر ہے جسکو اذیت پہنچی ہے۔ اور معاف کرنے کی دو ہی صورتین ہین۔ یا تو بدلا لے لیا جائے اور دل کا غبار نکال کر کینہ دور کردیا جائے یا عالی ہمتی سے بغیر بدلا لیئے معاف کردیا جائے اسلئے قرآن مین حقوق العباد کے لئے یہی دو تدارک بتائے گئے ہین اور چونکہ بدلا لینے سے دل کو خود ہی سکون ہوجاتا ہے اور بالکل معاف کردینا مشکل ہوتا ہے اس لیئے معاف

کرنیکو بڑے اجر کا باعث قرار دیا گیا ہے اور بدلا لینے کو صرف جائز کہا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

(شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۱۴)

بدی کا بدلا اسی جیسی بدی ہے لیکن جو معاف کردے اور نیکوئی کرے اسکا بدلا خدا دیگا۔ وہ ظالمون کو پسند نہین کرتا۔ اور جو ظلم برداشت کرنیکے بعد داش کرے ایسے لوگون پر کوئی اعتراض نہین۔ الزام ان پر ہے جو لوگون پر ظلم کرتے ہین اور زمین پر بے وجہ بغاوت پھیلاتے ہین ان کے لئے دردناک عذاب ہے مگر جو صبر کرے اور معاف کرے تو یہ عالی ہمتی کا کام ہے

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝

(نحل پارہ ۱۴ ع ۱۶)

اگر تم بدلا لو تو بالکل اسیقدر رہنا چاہیے جس قدر تکلیف پہنچی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ فعل صبر کرنیوالون کے لیئے بہتر ہے۔

اوران کے برخلاف حقوق اللہ مین چونکہ کسی مخلوق سے تعلق نہین اور اس فعل سے صرف کرنے والے کے دل کو صداقت سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور قلب تاریک ہوکر جلوۂ ربانی کے قابل نہ۔۔۔ ایسے گناہون مین پشیمانی اور اضطراب پورا فائدہ دیتا ہے اور توبہ سے گناہ بالکل معاف ہوجاتا ہے۔

ایمان اور گناہ۔ کفر اور نیکی کا اجتماع

یہان تک ایک ہی طرح کے فعل اور اسکی ترقی کا۔۔۔ یہ اور ارتداد کی وجہ سے اس کے تنزل کا ذکر تھا۔ اب اگر انسان کے تمام افعال کو دیکھا جائے جن مین بعض برے ہین اور بعض اچھے تو ان کا نتیجہ معلوم کرنیکے لیئے بھی نیچر ہی سے سبق لیا جاسکتا ہے۔

اور نیچر مین ہم دیکھتے ہین کہ نباتات اگتی ہین۔ موسمون مین مختلف اتار چڑھاو ہوتے ہین کوئی حالت ان پر برا اثر کرتی ہے اور کوئی بھلا۔ اور انجام پر کبھی کھیتی بالکل تباہ ہوجاتی ہے کبھی پورا فائدہ دیتی ہے اور کبھی محاصل ہوتا ہے مگر ناقص۔ اسیطرح حیوانات پرورش پاتے ہین مختلف اسباب سے اچھے

اور بڑے اثر برداشت کرتے ہین اور نباتات کسطرح کسطرح کے انجام پر پہونچتے ہین -

اصولی اسباب اور معاون اسباب

اب ان چیزون کے مختلف انجامون کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسباب مین سے بعض اصولی اسباب ہین جن کے بغیر نیک یا بد اثر پیدا ہو نہین سکتا اور بعض ان اصولی اسباب کو مدد دیکر ترقی کو زیادہ کرنے والے ہین گو ان کے بغیر بھی کوئی حالت قائم رہ سکتی ہو مثلاً غذا روشنی اور ہوا نباتات اور حیوانات کی پرورش کے اصولی اسباب ہین اور باغبانی اور پرورش کے عالمانہ اصول ان کے مددگار ہین - اور اسی طرح زہریلی غذا سخت حرارت یا رطوبت وغیرہ بربادی کے اصولی اسباب ہین اور اصول پرورش کی کوتاہی وغیرہ بربادی کیلئے معاون اسباب ہین - اور اگرچہ ان سب اسباب کا اثر انواع پر اور انواع کی ہر ایک فرد پر ایک دوسرے سے بہت مختلف اور پیچیدہ ہوتا ہے مگر عام طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جبتک زیست کے اصولی اسباب موجود ہین تباہی کے معاون اسباب زیست کو ناقص ضرور کر دیتے ہین مگر بالکل برباد نہین کر سکتے اور اس لئے اس حالت مین زیست کی ترقی شروع رہتی ہے اور کچھ نہ کچھ ثمرہ پیدا ہو جاتا ہے - اور اسی طرح اگر تباہی کے اصولی اسباب موجود ہین تو زیست کے مددگارون کی کوشش اپنی طاقت کے موافق تباہی مین کمی پیدا کر دیتی ہے مگر انجام بہ حیثیت عدم پر ہوتا ہے - اور اسی طرح اگر پہلے زیست کے اصولی ہون اور بعد مین بربادی کے اصولی اسباب پیدا ہو جائین یا اسکے برعکس پہلے بربادی کے اصولی اسباب موجود ہون اور بعد مین زیست کا اصولی سامان مہیا ہو جائے تو اس حال مین بھی قوی ضعیف پر غالب آکر نتائج مین انقلاب پیدا کر دیتا ہے - مثلاً اگر درخت روشنی اور ہوا مین لگایا گیا ہے اور کچھ نہ کچھ خوراک بھی بہم پہنچائی جاتی ہے تو چونکہ یہ زیست کے اصولی اسباب ہین اسلئے اگر ان کے ساتھ باغبانی قاعدون کا بھی لحاظ رکھا جائے جو زیست کے معاون اسباب ہین تو اس حالت مین درخت پوری ترقی کریگا اور اگر تربیت مین کوتاہی کی گئی ہے تو اس وقت تباہی کے معاون اسباب موجود ہونے کے سبب درخت کی ترقی کامل نہ ہوگی مگر تاہم اسکی نشوونما جاری رہیگی اور کسی حد تک بار ور ضرور ہوگا اور اگر بعد مین زہریلی غذا یا سخت حرارت پہونچ گئی ہے تو اس وقت چونکہ تباہی

کے اصولی اسباب پیدا ہو گئے ہین اس لئے درخت سوکھ کر فنا ہو جائیگا۔

عذاب و ثواب کے اصولی اور معاون اسباب

اب مختلف نیک اور بد اعمال کو دیکھا جاسے تو جو قاعدہ نباتات اور حیوانات کے پرورش یا بربادی کے مختلف اسباب مین ثابت ہوتا ہو یہان بھی ضرور ہے کہ وہی قاعدہ جاری ہوگا اور ضرور ہے کہ نیک اور بد نتیجہ یعنے عذاب و ثواب کے لیے بعض اصولی اسباب ہون اور بعض اُن کے معاون۔ اور چونکہ ثواب صداقت اور سرچشمہ صداقت سے قریب ہونے کو اور عذاب اس سے بعید ہونے کو کہتے ہین اس لیے ثواب کا اصولی سبب صداقت اور سرچشمہ صداقت کی محبت ہی اور عذاب کا اصولی سبب صداقت اور سرچشمہ صداقت کی نفرت۔ اور چونکہ قتل سرقہ وغیرہ عیوب سے صداقت کی نفرت ثابت ہوتی ہے اور ہمدردی اور ایثار وغیرہ سے صداقت کی محبت اسلئے یہ افعال اصولی اسباب کے معاون ہین اور یہی وجہ ہے کہ مذہب کی بنیاد عقیدہ پر رکھی گئی ہے اور عمل کو جذبۂ مذہبی کا مددگار اور ترقی کو بڑھانے والا مانا جاتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص خدا کو مانتا ہے اور اپنی عبودیت [illegible] اسکی خدائی کا پختہ اعتقاد رکھتا ہو تو ظاہر ہے کہ وہ سب سے بڑی صداقت سے محبت رکھتا ہے اور قانون مماثلت کے رو سے ثواب کے اصولی سبب سے بہرہ یاب ہی اسلئے اگر نفس بشریت سے وہ بعض گناہون کا ارتکاب کرتا ہی بلکہ بعض بڑے بڑے گناہون کا بھی ارتکاب کرتا ہے مگر انکو گناہ سمجھتا ہے اور اپنے قصورون کا اعتراف کرتا ہی تو اگرچہ ان گناہون کے سبب انکے اپنے اپنے درجہ کے موافق خدا سے بُعد ہوگا مگر اصولی سبب [illegible] ہوسے [illegible] اسکی طرف ترقی جاری رہیگی خواہ کیسی ہی دھیمی رفتار سے ہو۔ اور یہ بد [illegible] کے معاون اسباب اگرچہ [illegible] کے موافق اثر دکھائینگے مگر آخر مین نیکی کا اصولی سبب غالب آئیگا اور انجام نجات اور وصال پر ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص خدا سے انکار کرتا ہے یا خدا کو مانتا ہے مگر اسطرح کہ کسی پتھر کو خدا سمجھ لیا ہے یا کسی اور غلط اعتقاد سے کسی ناقص خدا کو مان رہا ہے تو پہلی صورت مین مکمل صداقت سے بالکل نفرت ہی اور دوسری صورت مین جس سے محبت کرتا ہے وہ صداقت نہین اس لیے

اس وقت بدی کا اصولی سبب یعنی صداقت سے نفرت اور بدی کی محبت اسمین موجود ہے۔ اب اگر وہ ایثار اور ہمدردی وغیرہ اعلی اخلاق سے متصف ہے جن سے صداقت کی محبت ظاہر ہوتی ہے تب بھی بیشک یہ نیکی کے معاون اسباب اسکی اس رفتار مین جو خدا سے دور ہونیکی طرف ہے بہت کچھ رکاوٹ پیدا کرینگے اور ایسا شخص ان لوگون کے برابر بدتر ہوگا جو انکار خدا کے ساتھ بدکار بھی ہین مگر پھر بھی نفرت اور بعد کا اصولی سبب موجود ہونے کے سبب قانون مماثلت کے روسے اسکی رفتار جاری دوری ہی کی جانب ہیگی اور رکاوٹین مغلوب ہوتی جائینگی۔

غرض میزان عدالت مین اصولی اسباب کا اپنے خلاف معاون اسباب سے ممتاز ہونا اور اپنی ترقی مین ان کو بتدریج نابود کرتے ہوئے اپنے مماثل کیطرف بڑھنا نیچر کے ہر فعل سے ثابت ہوتا ہے اور اسکے خلاف ممکن نہین کہ اصولی سبب جو وصف رکھتا ہے اسی کے مماثل کی طرف حرکت نہ کرے اور صداقت کی صورت مین غلطی کی طرف اور غلطی کی صورت مین صداقت کی طرف آئے اور اس چیز کو ماننے والا جو حقیقت مین خدا نہین خدا کی جانب ترقی کرے یا سچے خدا کو ماننے والے کی رفتار اسکے خلاف ہو۔ چنانچہ یہی اسلام کا حکم اور قرآن کا ارشاد ہے۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (آل عمران ع ۲۰)

جنھون نے ہجرت کی اور اپنے گھرون سے نکالے گئے اور مجھے ماننے کے جرم پر ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے ہم انکے ان افعال کو انکی برائیون کا کفارہ بنائین گے اور انکو جنت مین داخل کرینگے جس کے نیچے نہرین جاری ہین۔

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا (نساء ع ۵)

جن باتون سے تم کو روکا جاتا ہے اگر تم ان مین سے بڑی برائیون سے پرہیز کرو تو ہم تمھارے چھوٹے قصور معاف کر دینگے اور تمکو معزز جگہ داخل کرینگے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ

اس دن کا وزن حق ہے پس جس کا پلہ بھاری ہوگا ایسے لوگ رستگار ہین اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا انہون نے

فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ؁ (اعراف پارہ ۸ ع ۱)

اپنے تئین خسارہ مین ڈالا اسلئے کہ وہ ہماری نشانات سے ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۷)

جن لوگون نے ہمارے نشانات کو جھٹلایا اور آخرت کا انکار کیا اُن کے اعمال ضائع ہوئے۔ جو عمل وہ کرتے ہین کیا اُن کے خلاف بدلا دیا جائے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (توبہ پارہ ۱۱ ع ۱۳)

اور بعض وہ لوگ ہین جنھون نے کچھ عمل نیک اور کچھ بد دونو کو ملا دیا ہے اور اپنے گناہون کا اعتراف کرتے ہین امید ہے کہ خدا اُنکے گناہ معاف کردیگا خدا بخشنے والا ہے مہربان ہے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ؁ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ؁ (ہود پارہ ۱۲ ع ۲)

جو شخص صرف دنیوی زیست اور اسی کی زینت چاہتا ہے ہم ویسے لوگون کے اعمال کا بدلا دنیا مین ہی دیدیتے ہین اور ان کے بدلے مین کمی نہین کی جاتی مگر ان کیلئے سوا دوزخ کے اور کچھ نہین اور جو کچھ انھون نے دنیا مین کیا ضائع ہوا اور انکے اعمال باطل ہوگئے

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ہود پارہ ۱۲ ع ۱۰)

دن کے دونون حصون مین اور رات کے کچھ حصے مین نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیان برائیون کو دور کردیتی ہین۔

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ؁ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ؁ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا ؁ (زمر پارہ ۲۴ ع ۱۷)

جو پیغمبر راستی کو لایا اور جس نے اسکی تصدیق کی یہی لوگ متقی ہین ان کے لیئے ان کے خدا کے پاس سب کچھ موجود ہے جو وہ چاہین۔ یہ نیکبختون کا بدلا ہے تاکہ خدا ان کو وہ برائیان معاف کرے جو انھون نے کی ہین۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ (فتح پارہ ۲۶ ع ۱)

تا مومن مردوں اور عورتوں کو جنت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں اور ان کے بد اعمال کو معاف کرے۔

وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ (تغابن پارہ ۲۸ ع ۱)

جو خدا کو مانے اور نیک عمل کرے اس کے بداعمال اُسے معاف کر دیے جائینگے۔

فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ (قارعہ پارہ ۳۰ ع ۱)

جس کا پلہ بھاری ہے وہ اچھی حالت میں رہیگا اور جس کا پلہ ہلکا ہے اسکا ٹھکانا دوزخ ہے

ایمان اور نیکی

اصولی اور معاون اسباب کو دیکھنے سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک قسم کا اصولی سبب اپنے خلاف معاون اسباب کو مغلوب کر دیتا ہے وہاں یہ بھی نظر آتا ہے کہ ایک قسم کا اصولی سبب موجود ہونے پر اسی قسم کے معاون خواہ کیسے ہی کمزور ہوں بہت بڑا اثر کرتے ہیں۔ بارانی زراعت سخت امساک اور حرارت کے زمانے میں جبتک اسکی جڑیں مضبوط ہیں بارش کا ایک چھینٹا پڑ جانے سے بعض اوقات ایسی لہلہاتی ہے کہ گو نہری زمین کے برابر نہ ہو مگر امید سے بڑھ کر اور معمول سے بہت زیادہ مفاد دیتی ہے۔ علیٰ ہذا نادار اور بھوکے جاندار کو جبتک رشتۂ حیات استوار ہے سوکھی غذا اور روکھا ٹکڑا مل جانے سے ایسی قوت حاصل ہوتی ہے کہ گو شاہی الوان نعمت کے برابر نہ ہو مگر بھی

نی حیلت سی بدل جاتی ہے۔ اور سبب یہی ہے کہ اصولی سبب موجود تھا اس لیے

ت سا فائدہ پہنچایا۔ اسی طرح کوئی عبودیت کا سچا اقرار کرنے والا اور خدا

...ں اور بداطواری سے کیسا ہی ہلاکت کے قریب ہو لیکن جب تک یہ

اقرار دل میں راسخ ہے خدا کی محبت کا تھوڑا سا ظہور بھی اسکی ترقی کے لیئے بہت کچھ مفید ہوگا مثلاً

استغفار

ا- کوئی شخص افعال بد میں مبتلا ہے۔ انکو چھوڑنا چاہتا ہے مگر عادت سے لاچار ہے کبھی سب یا چند گناہوں کو ترک کر دینے کا عہد بھی کرتا ہے لیکن بعد میں کوئی فوری لذت یا فائدہ

ہیں اگر ایسا مجبور کرتا ہے کہ پھر عہد کو توڑ کر اسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس حالت میں پیچ و تاب کھاتا ہے اور کوشش میں ناکام ہو کر سمجھتا ہے کہ افسوس میں ہلاک ہوا۔ اور اگر خدا کی رحمت نہ ہو تو ان سیہ کاریوں کے سبب میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔ یہ خیال اسکی روح کو خدا کی طرف کھینچتا ہے اور وہ اس غریق کیطرح جو سمندر کی بے انتہا لہروں میں پڑا ہوا دور سے جہاز کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں مارنے لگتا ہے۔ رحمت اور مغفرت کا خیال آنے پر دعا کے ہاتھ اس بے نیاز کے آگے اٹھاتا ہے اور نہایت بیقراری اور عاجزی سے اسکے فضل و کرم کو شفیع بناتا ہے اور کہتا ہے کہ یا الٰہی کوئی چیز نہیں جس کے سبب نجات کی آرزو کروں۔ گنہ گار ہوں نافرمان ہوں مگر تیرا بندہ ہوں اور تیری رحمت کے سوا کوئی پناہ نہیں رکھتا۔ غرض اس قسم کے خیالات آنے پر اگرچہ وہ توبہ نہیں کرتا کیونکہ جانتا ہے آج توبہ کروں گا اور کل توڑ دوں گا مگر پھر بھی برائی کے برا ہونے کا یقین دل میں راسخ ہوتا ہے اور اس برائی کے سبب اپنے تئیں برا سمجھنے سے ندامت اور پشیمانی ہوتی ہے اور یہ ندامت اس سنگدلی کو دور کرتی ہے جو گناہ کے ارتکاب سے دل کو لاحق ہوئی تھی۔ اور اس طرح بندہ صداقت کے قریب آتا ہوا جب خیال کرتا ہے کہ خدا کی رحمت کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہیں اور بے اختیار ہو کر دعا کرتا ہے تو اس خیال اور اس فعل سے اسکی محبت اور شوق میں اور بھی ترقی ہوتی ہے۔ غرض قلب کی یہ حالت اگرچہ پارسائی اور تقوے کے برابر نہیں مگر اس سے کمتر اور اگرچہ توبہ کے برابر نہیں مگر توبہ سے دوسرے درجہ پر گناہگاری کے داغ کو دور کرنے اور نجات کی منزل قریب کرنے میں بہت کچھ مفید ہوتی ہے۔

آرزوی رحمت

اور اگر کوئی شخص اپنی مغفرت کیلئے دعا بھی نہ کرتا ہو لیکن دل میں گناہ کی ندامت محسوس کرتا ہو اور جانتا ہو کہ میں ایسا بد ہوں کہ خدا کی رحمت کے سوا ہرگز بخشش کا امیدوار نہیں ہو سکتا تو اسکے اس خیال سے بھی چونکہ دل میں وہ سختی نہیں رہتی جو سیہ مست اور ناپشیمان کے دل میں ہوتی ہے اور نیز خدا کی رحمت کے خیال سے محبت کا عنصر قوت پاتا ہے اس لیے ایسا شخص بھی دیگر بدکاروں کی نسبت بہت فائدے میں ہے اور اسکے گناہ معاف ہونے کا احتمال قوی ہے۔

مگر یہ سب کچھ اسی لیے مفید ہوگا کہ محبت کا اصول اور اقرار خدا کا عنصر موجود ہے اور اگر کسی

مین یہ عنصر موجود نہ ہو تو چونکہ یہ اسباب محض معاون ہین اسلئے چندان مفید نہ ہونگے اور اگر کوئی شخص خدا کو نہین مانتا تو اس کا بدی پر پشیمان ہونا بعد کی تیز رفتاری مین سستی ضرور پیدا کردیگا مگر بعد کو قرب سیر نہ بدلیگا۔ چنانچہ اسی سلئے گناہون کے سبب جس قدر بعد خدا کی ذات سے ہوتا ہے اسکا اثر دور کرنے کیلئے اسلام نے دعا اور پشیمانی وغیرہ نیکی سے کے معاون اسباب کو بڑی حد تک مفید قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی اقرار خدا کے عنصر کو ضروری ٹھرایا ہے۔ اور جہان خدا کی رحمت سے گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے وہان خدا کی طرف جھکنے اور عبودیت کا اقرار کرنیکا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جہان خدا کے اقرار مین کوتاہی ہو وہان ان اسباب سے کوئی نتیجہ نہین نکلتا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ ط وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ط أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ

(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۴)

ایسے لوگ جو کسی فحش امر کے مرتکب ہون یا اپنے اوپر ظلم کرین خدا کو یاد کرین اور اپنے گناہون کی معافی مانگین اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا معاف کرنے والا اور کون ہے اور وہ اپنے افعال پر دانستہ اصرار نہ کرین تو ایسے لوگون کا بدلہ خدا کی طرف سے بخشش ہے اور بہشت ہے جس کے نیچے نہرین جاری ہون اور وہ اسمین ہمیشہ رہین اور ایسا عمل کرنے والون کا یہ بدلہ بہت اچھا ہے۔

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ط

(نساء پارہ ۵ ع ۱۶)

اور جو شخص بدی کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے پھر خدا سے مغفرت مانگے تو وہ خدا کو بخشندہ و مہربان پائیگا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُشْرِكْ

بیشک خدا شرک کو نہین بخشتا اور اسکے سوا جس کو چاہے بخش دیتا ہے اور جو شخص خدا سے شرک کرے

بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (نساء پ۵ ع۱۸)

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًاؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۠ وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (زمر پارہ ۲۴ ع۲)

قَالُوْا فَادْعُوْا وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ط (مومن پارہ ۲۴ ع۵)

وہ بہت بڑی گمراہی میں ہے

کہدو اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ خدا سب گناہ معاف کردیگا وہ بخشندہ و مہربان ہے اور جھکو خدا کی طرف اور اُسکے آگے سر جھکاؤ پیشتر اسکے کہ تمپر عذاب آئے اور کوئی تمہاری مدد نہ کرسکے۔

انہوں نے کہا کہ دعا کرو مگر کفار کی دعا رائگان جانے کے سوا کوئی اثر نہیں رکھتی

محبت صلحا

۴۔ یا مثلاً کوئی گنہ گار نیک اور پارسا لوگوں سے محبت کرتا ہے اور اپنے تئیں ان سے کمتر اور ذلیل سمجھتا ہے تو چونکہ اس محبت کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ نیک اعمال کے پابند ہیں اور خدا کے مقرب ہیں اور اپنے تئیں ذلیل سمجھنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ اُن جیسے نیک اعمال بجا نہیں لاتا اور خدا کا قرب حاصل نہیں کرتا اسلئے حقیقت میں وہ خدا ہی کی محبت ہے جو اسے خداشناسوں کیطرف کھینچتی ہے اور ندامت اور پشیمانی ہی ہے جو اسکو اپنے تئیں ان سے حقیر سمجھنے پر مجبور کرتی ہے۔ پس اگرچہ وہ گنہگار ہے اور قرب ربانی اور نور معرفت سے بہرہ ور نہیں مگر اسکی پشیمانی اندرونی تاریکی کو دور کرنے میں ضرور مدد دیگی اور خداشناسوں کی محبت اسکی روح کو خدا کی طرف کچھ نہ کچھ ضرور بڑھائیگی۔ چنانچہ یہی بزرگان دین کی عظمت اور محبت کا احساس ہے جس کو شفاعت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مانا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی وساطت سے گنہ گاروں کے گناہ معاف ہوں گے۔ مگر چونکہ یہ بھی اسباب معاون ہیں سے ہیں اسلئے پہلے خدا کا اقرار اور ایمان کا عنصر موجود ہونا ضرور ہے اور جو شخص اس نعمت سے بہرہ ور نہیں اسکو نیکوں کی محبت دوری کی رفتار کو درست کردینے سے زیادہ مفید نہ ہوگی۔ بلکہ اگر کوئی شخص صرف اہل اللہ سے محبت رکھتا ہو مگر کوئی نیک عمل بجا نہ لاتا ہوں تو ماننا پڑتا ہے کہ اسکی دل میں

خدا کی محبت جس سے اہل اللہ کی محبت کا ظہور رہوا یت ہی کم ہے ورنہ کچھ نہ کچھ نیکی بھی ظہور پذیر ہوتی اسلئے اس صورت مین یہ معاون سبب نہایت ہی کمزور واقع ہوا ہے اور اسلئے اس کا اثر ہوگا مگر بہت کم۔ اور معتدبہ فائدہ اسی صورت مین ہوگا جب اصولی سبب یعنی ایمان کے ساتھ ایسی محبت کے علاوہ کچھ نیک افعال اور بھی ہون۔ چنانچہ اسی لیے قرآن مین جہان شفاعت کا ذکر کیا ہے وہان ایک تو یہ فرمایا گیا ہے کہ حقیقت مین شفیع خدا کے سوا اور کوئی نہین۔ جس سے جہان تک مین سمجھ سکتا ہون اس نکتہ کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بزرگون کی محبت جو گناہ کو دور کرنے کے لیئے مفید ہے تو اسی لئے کہ اسکی تہ مین خدا کی محبت مرکوز ہوتی ہے پس فی الواقع گناہ کو دور کرنیکا ذریعہ خدا کی محبت ہے اور اس لیئے گنہ گارون کا شفیع اس وقت بھی اُسی کو کہنا چاہیئے۔ اور دوسرے فرمایا گیا ہے کہ شفاعت اُنہی لوگون کی ہوگی جن سے خدا راضی ہو اور جو اُس کے احکام کے ایک حد تک پابند ہین۔ اور جو یہ وصف نہ رکھتے ہون اُن کے لیئے کوئی شفیع نہین۔ چنانچہ امر اول کی نسبت ارشاد ہے:

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ (انعام پارہ ۷ ع ۸) — اُن کے لیے خدا کے سوا کوئی دوست اور شفیع نہین۔

مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱) — تمہارے لیے اُس کے سوا کوئی دوست اور شفیع نہین کیا تم خیال نہین کرتے

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا (زمرہ پارہ ۲۴ ع ۵) — کہدو کہ شفاعت سب خدا کے لئے ہے۔

اور امر ثانی کی نسبت فرمایا ہے۔

مَا مِنْ شَفِيْعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱) — کوئی شفیع نہ ہوگا مگر اسکے اذن کے بعد یہی خدا تمہارا پروردگار پس تم اسی کی عبادت کرو

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم پارہ ۱۶ ع ۶) — وہ شفاعت کا اختیار نہین رکھتے مگر وہ شخص جس کے لیے خدا کا وعدہ ہے۔

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ؕ (طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۶)	اس دن شفاعت مفید نہ ہوگی مگر جس کے لئے خدا نے اجازت دی اور جس کی بات کو پسند کیا
وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ؕ (انبیاء پارہ ۱۷ ع ۲)	وہ نیک بندے شفاعت نہ کرینگے مگر اسی شخص کی جس سے خدا راضی ہے اور وہ نیک بندے خدا کے خوف سے ڈرتے ہیں
وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ؕ (سبا پارہ ۲۲ ع ۳)	اور نہیں مفید ہوگی شفاعت مگر اس شخص کیلئے جس کی نسبت خدا نے اجازت دی
مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ (مومن پارہ ۲۴ ع ۲)	ظالموں کے لئے کوئی ہمدرد اور لائق قبولیت شفیع نہیں ہے۔
وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ؕ (زخرف پارہ ۲۵ ع ۷)	خدا کے سوا جن لوگوں سے یہ التجا کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر اس شخص کے لئے جس نے حق کو قبول کیا ہے اور وہ سب یہ جانتے ہیں
قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ؕ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ؕ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ؕ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ؕ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ؕ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ؕ (مدثر پارہ ۲۹ ع ۲)	انھوں نے کہا کہ ہم نمازی نہیں تھے ہم غرباء کو کھانا نہیں دیتے تھے اور ہم انکار کرنیوالوں کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے اور ہم روز جزا کو غلط سمجھتے تھے حتے کہ ہمکو موت آگئی۔ پس ایسے لوگوں کیلئے شفاعت کرنیوالوں کی شفاعت مفید نہوگی۔

دعا فی زمانہ مذہب کی نسبت غور و فکر کرنیوالوں میں سے بعض دعا اور شفاعت کے اثر سے انکار کرتے ہیں اور سبب یہ ہے کہ احکام مذہبی کو سمجھنے میں کوتاہی ہوئی ہے پہلے سمجھنے والوں نے خدا کو دنیوی بادشاہوں کے نمونہ کا ایک بادشاہ فرض کیا تھا جو بعض اعمال سے خوش ہوتا ہے اور بجالانے والوں کو اسی طرح انعام اور عطیے بخشتا ہے جیسے دنیوی بادشاہ تعریف اور دل لگی سے خوش ہوتے ہیں۔ اور

شاعروں یا نقالوں کو خلعت و جاگیر بخشتے ہیں اور جو بعض اعمال سے ناراض ہوتا ہے اور ایسے مجرموں کو اسی طرح عذاب اور تکلیف میں مبتلا کرتا ہے جیسے دنیوی بادشاہ بے ادبی اور گستاخی پر قید یا پھانسی کی سزا دیتے ہیں۔ اور اسی طرح دعا اور شفاعت کا یہ مطلب سمجھا گیا تھا کہ جس طرح بادشاہ بعض اوقات کسی کی اپنی منت خوشامد سے یا کسی مصاحب کی سفارش سے ایسا انعام دیدیتے ہیں جس کا وہ مستحق نہیں ہوتا اسی طرح خدا بھی دعا مانگنے سے اور بزرگوں کی سفارش سے بندوں کی آرزوئیں پوری کر دیتا ہے۔

چونکہ ایسا اعتقاد قرین عقل نہ تھا اس لیے بعض ان باتوں کو سن کر ایسے گھبرائے کہ حقیقت معلوم کرنے کی تکلیف گوارا کرنے کے بغیر مذہب سے روگردان ہو گئے اور بعض نے حقیقت کا پتہ لگایا اور سمجھے کہ جزا و سزا خلعت و جاگیر کیطرح اعمال سے جداگانہ کوئی چیز نہیں بلکہ خود اعمال کی دوسری شکل اور انکا ایک لازمی نتیجہ ہے اور وہ یوں کہ عملوں کی جس شکل کو نیک سمجھا جاتا ہے ان سے کرنے والے کے دل میں نرمی اور صفائی اور جس شکل کو بد سمجھا جاتا ہے اسکا ارتکاب کرنیوالوں کے دلمیں سختی اور کدورت پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر جس طرح آئینہ صاف ہونے کی وجہ سے نور آفتاب سے چمک اٹھتا ہے اور لوہا مکدر ہونے کے سبب کسی طرح کی شعاع کو ظاہر ہونے نہیں دیتا اور جس طرح آئینہ اور لوہے کے مابین صفائی کے مختلف درجوں کے مطابق آفتاب کی شعاعیں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں اسی طرح کامل اتقا اور پارسائی سے دل ایسا صاف ہوتا ہے کہ نور ربانی اس پر پورے طور سے منعکس ہوتا ہے اور بالکل سیہ کار اور بدباطن کا دل ایسا مکدر ہو جاتا ہے کہ اس پر نور ربانی کا کوئی نشان ظاہر نہیں ہوتا اور ان دونو حدوں کے مابین پارسائی اور سیہ کاری کے مختلف درجوں میں نور ربانی کے مختلف ظہور ہوتے ہیں اب جو نیک اور بد اثر نور کے منعکس ہونے اور نہ ہونے یا کم اور زیادہ ہونے پر مرتب ہوتا ہے وہی اعمال کی سزا اور جزا ہے۔

غرض سزا اور جزا کی جو حقیقت سمجھی گئی ہے وہ بیشک معقول اور قابل تسکین ہے

لیکن کوتاہی یہ ہوئی کہ اس خیال کو اور آگے نہ بڑھایا گیا اور نہ دیکھا کہ دعا اور شفاعت کا مسئلہ اس اصول کے مطابق کہاں تک حل ہو سکتا ہے حالانکہ اس اصول کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ دنیا مین فاعلی اثر ذات خداوندی کیطرف سے ہی اور دوسری چیزون کو جس قدر تعلق اثر پیدا کرنے سے ہے وہ محض انفعالی ہے یعنی اشیاء اپنے اندر کسی اثر کی قابلیت پیدا کرتی ہین اور جس قدر قابلیت پیدا کرتی ہین مبدأ فیاض کیطرف سے اسی قدر اثر کا فیضان ہوتا ہے اور یہ قاعدہ نیک و بد افعال اور نور ربانی کے انعکاس تک ہی محدود نہین بلکہ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے مسئلہ پیدایش کے مطابق دنیا کی ہر چیز کا فاعل اور خالق وہی قادر و مختار ہے اور جو کچھ پیدا ہوتا ہے اسی کی قوت علم کے فاعلی اثر سے ہوتا ہے مگر اس نے قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ بعض چیزین بعض چیزون کے بعد وجود مین آتی ہین اور ان مین سے جب کسی خاص چیز یا حالت کے بعد دوسری خاص چیز یا حالت ضرور پیدا ہوتی ہے تو پہلی کو علت اور دوسری کو معلول کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت مین علت کا پیدا ہونا اس قابلیت انفعال کا پیدا ہونا ہے جس کے بعد مبدأ فیاض کا فاعلانہ اثر معلول کو پیدا کرتا ہے۔

اب اس علت و معلول یا انفعال و فاعلیت کے اثر کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علت و معلول کے بعض سلسلے انسانی دخل و تدبیر کے بغیر خود بخود اثر کرتے ہین اور بعض مین دخل و تدبیر کا بھی اثر ہوتا ہے اور یہ دونو قدرت ہی کے قانون ہین چنانچہ یہ بھی قانون قدرت ہے کہ زمین مین تخم ڈالنے کے بعد آفتاب کی حرارت وغیرہ اسباب سے ایک خاص مدت مین درخت پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ مصنوعی طور پر حرارت پیدا کرنے سے درخت وقت سے پہلے پھلنے پھولنے لگتا ہے یہ بھی قانون قدرت ہے کہ انڈا جانور کے پرون کے نیچے ایک مقررہ میعاد مین بچہ نکالتا ہے اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ انسانی دخل و تصرف سے کسی طرح زیادہ حرارت پیدا ہونے پر میعاد سے پہلے جانور پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی قانون قدرت ہے کہ کسی چیز کو آگ مین ڈالو تو جلے اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ آتشی شیشہ کو آفتاب اور کسی چیز کے مابین حائل کر کے اس چیز کو جلا دیا

جائے۔ ان سب صورتون مین جو حرارت سرچشمۂ حرارت یعنی آفتاب کیطرف سے عمل کر رہی تھی اُس
مین کوئی بخل نہین لیکن پھر بھی نتیجہ مین تقدم و تاخر ہو گیا ہے تو اسلئے کہ ایک صورت مین قابلیت
محض فطری طور پر پیدا ہوئی تھی اور دوسری صورت مین مصنوعی طریقے سے بھی کچھ مدد دی گئی۔
اب انسانی ضرورتون کے اور دعا کے تعلق کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان
کسی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور اسکا سرانجام چاہتا ہے۔ اس کے اسباب اور علل کیطرف نظر کرتا ہے
بعض اوقات ان اسباب کو اپنے احاطہ قدرت سے باہر پاتا ہے اور اگر کبھی اسکی قدرت مین ہوتے
بھی ہین تو اُن کو مہیا کرنا ایسا دشوار ہوتا ہے کہ ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتا ہے اور کبھی خیال کرتا ہے کہ
تدبیر کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا مشکل ہو جائیگا اور یہ سب باتین نہ ہون اور کام نہایت آسان ہو
تب بھی ایسے ناگہانی حادثون کا احتمال باقی رہتا ہے جن کے پیش آنے پر سامنے رکھی ہوئی چیز کو ہاتھ
سے اُٹھا لینا بھی مشکل ہو جاتا ہے غرض اپنے گرد و پیش مزاحمتون کی یہ کثرت اور اپنی قوت اور استقلال
کی ناپائداری اور اُدھر اپنی ضرورت کا احساس دیکھ کر گھبراتا ہے اور جب اپنے تئین نہایت لاچار
پاتا ہے تو نہایت بیقراری سے اس مسبب الاسباب کیطرف رجوع کرتا ہے اور دل و جان کو اُس کے
خیال مین لگا کر اور اسکو اپنا حاجت روا اور تمام گرد و پیش کا حاکم جان کر اور اپنی درماندگی اور
اسکی قدرت کاملہ کا تصور کرکے اس سے دعا مانگتا ہے تو اس وقت شیشۂ دل کے نور ربانی سے
مقابل ہونیکے سبب اسمین مبدأ فیاض کے فیضان کی قابلیت اسی طرح پیدا ہو جاتی ہے جس طرح
آتشی شیشہ کو حائل کرنے سے یا مصنوعی طور پر پودے یا انڈے کو حرارت پہنچانے سے۔ چنانچہ
جو قلق و اضطراب پہلے اپنی درماندگی اور گرد و پیش کی مزاحمتون کے خیال سے دلکو گھیرے ہوئے
تھا وہ خدا کو اپنا مددگار و ناصر سمجھنے سے دور ہو جاتا ہے اور اس طرح پر جو کام اسکے خود کرنے کا ہے
اسکو اور زیادہ اطمینان اور قوت سے پورا کرتا ہے اور جو اسباب اُسکی جسمانی قوت سے باہر ہین اُن پر
روح اور نور ربانی کا تقابل اثر کرتا ہے اور خدا کا فاعلی اثر جو پہلے صرف بیرونی تدبیرون کی وساطت
سے عمل کرتا تھا اب ایک اور شفاف واسطہ پیدا ہونے پر اور زیادہ عمل کرنے لگتا ہے۔ غرض وہ بھی

قانون قدرت تھا کہ ظاہری اسباب کے مہیا ہونے پر خدا انسانی ضرورتوں کو پورا کرے اور یہ بھی
قانون قدرت ہے کہ ظاہری اسباب کے ساتھ روحانی واسطہ پیدا ہونے پر ضرورتیں زیادہ عمدگی سے
سرانجام پائیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں مبدأ فیاض کیطرف سے کوئی بخل نہیں اور نتیجہ میں
جو تفاوت ہوا ہے وہ قابلیت کی کمی زیادتی کے سبب سے ہے۔

اب اگر اعتراض ہو کہ اکثر دعا کی جاتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا تو جواب یہ ہے کہ اکثر
دوا کی جاتی ہے اور صحت نہیں ہوتی تو وجہ یہ کہ دنیا میں بے انتہا قوانین قدرت اپنی قوت اور
ضعف کے ساتھ عمل کر رہے ہیں۔ دوا کا اثر بھی ایک قانون ہے جو صحت پیدا کرتا ہے اور دیگر
واقعات گردوپیش بھی قانون ہیں جو صحت کے خلاف اثر کر رہے ہیں۔ اور جب وقت ہم کہتے ہیں
کہ دوا نے اثر نہیں کیا اس وقت حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس نے اثر ضرور کیا اور اگر وہ نہ ہوتی تو
مرض کی صورت کچھ اور ہوتی۔ مگر اس کا اثر نمایاں نہیں ہوا اسلئے کہ دیگر مخالف اسباب اس کثرت
سے تھے کہ دوا کے اثر کے بعد بھی انکی بہت سی مقدار موجود رہی یا بعض اوقات دوا ان شرائط
اور لوازم کے ساتھ نہیں دی جاتی جو اثر کے لیے ضرور ہیں اور اس لیے اس وقت کچھ فایدہ محسوس
نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس وقت دعا کا اثر نہیں ہوا اس وقت بھی خدا ہی کے مقرر کئے ہوئے بہت
سے قوانین خلاف اثر کر رہے تھے اور اس لیے نور ربانی کی جس قدر لہر روح کو مقابل کرنے سے اس طرف
آئی تھی اس نے اثر کیا مگر اسکے بعد بھی وہ لہریں جو پہلے دوسری سمت میں اثر پیدا کر چکی تھیں انکی
قوت کی بڑی مقدار موجود رہی اور اس نے دعا کے اثر کو نمایاں نہ ہونے دیا۔ یا بعض اوقات
اس خضوع و خشوع میں کوتاہی ہو جاتی ہے جو دل کو خدا کی طرف متوجہ کرنے کے وقت ضروری ہے
اور اس لیے دعا کچھ فائدہ نہیں بخشتی۔

یہ نور دعا کا تعلق تمام ضروریات کے ساتھ تھا اور ہمیں خدا کی طرف متوجہ ہونے سے ان تمام
گردوپیش کے حالات پر اثر پڑتا ہے جو ہماری اپنی قدرت سے باہر ہیں۔ کیونکہ اگر ان چیزوں پر ہمارا قابو نہیں
تو جس ذات کا تصور اس وقت دل میں قائم ہے وہ تمام اشیا پر متصرف ہے۔ پس ایسی دعا کا فائدہ یہی بھی

صورت مین ہوسکتا ہے کہ نیکی کا اصول یعنی ایمان ہماری دل مین راسخ ہو ورنہ جو شخص خدا کا قائل نہین وہ اسکی طرف توجہ بھی نہین کر سکتا اور جس نے ایسی چیز کو خدا مان لیا ہے جو واقع مین خدا نہین وہ اگرچہ اپنے مانے ہوئے خدا کی طرف توجہ کریگا مگر وہ خدا تمام عالم پر متصرف نہین اسلئے اسی توجہ کا نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ رہی وہ دعا جو ہم خاص اپنے گناہون کی معافی کے لیے کرتے ہین اور اسمین جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا علاوہ اُس نور کے جو ہم اپنے شیشہ دل کو ذات ربانی سے مقابل کرکے حاصل کرتے ہین دل مین گناہون پر ندامت اور پشیمانی بھی ہوتی ہے اسلئے یہ حاجت دعا سے بطریق اولے پوری ہوگی اور بدی کی سختی دور ہوکر خدا کی محبت ترقی کریگی۔

غرض دعا کا مسئلہ اسی اصول پر حل ہوتا ہے جس پر جزا و سزا کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے اس لیئے دونو مسئلہ صحیح اور قابل تسکین ہین اور اسی لیے اسلام کا حکم ہے کہ خدا سے دعا مانگو اور نہایت عاجزی سے مانگو وہ تمھاری تکلیف دور کریگا اور اگر اسکے سوا کسی اور سے مانگو گے تو کچھ اثر نہ ہوگا۔ ارشاد ہے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ط اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ط (بقرہ پارہ ۲ ع ۳)

اور جب میری نسبت میرے بندے پوچھین تو کہدو کہ مین قریب ہون اور جو کوئی مجھے پکارے مین اسکی دعا قبول کرتا ہون پس چاہئے کہ وہ مجھے مانین اور مجھ پر ایمان لائین تا وہ فلاح پائین +

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (اعراف پارہ ۸ ع ۱۴)

اپنے رب کو عاجزی سے اور پوشیدہ پکارو۔ وہ حد سے بڑھنے والون کو پسند نہین کرتا +

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ط (اعراف پارہ ۹ ع ۲)

خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تم جیسے بندے ہین پس اگر تم سچے ہو تو ان کو پکارو اور وہ تمہاری دعا قبول کرین +

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

کہدو کہ خدا کے سوا جن کو تم خدا سمجھتے ہو انکو پکارو

فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۶)

وہ تمہاری تکلیف کو دور کرنیکا یا اسمین تخفیف کرنے کا اختیار نہین رکھتے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ (نمل پارہ ۲۰ ع ۵)

بیقرار جب پکارتا ہے تو اسکی دعا کون قبول کرتا ہے اور اسکی تکلیف کو کون دور کرتا ہے کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم غور کرتے ہو

فَادْعُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ ۝ (مومن پارہ ۲۴ ع ۱)

خالص خدا پر ایمان لاکر اس سے دعا کرو۔ خواہ کفار ناگوار سمجھین

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَہَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ۝ (مومن پارہ ۲۴ ع ۶)

اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھسے دعا کرو مین قبول کرونگا۔ مگر جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہین وہ ذلیل ہوکر جہنم مین جائینگے۔

ھُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ (مومن پارہ ۲۴ ع ۷)

وہ زندہ ہے اور معبود اسکے سوا کوئی نہین تم خالص اس پر ایمان لاکر دعا کرو۔ اب قسم کی تعریف خدا کے لیئے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

شفاعت اب شفاعت کے مسئلہ کو دیکھا جائے تو اُس کی مفروضہ شکل یعنے یہ کہ نیک بندے خدا سے کہکر گنہ گارون کے گناہ بخشوالین گے بالکل انہی معنون مین جو ان لفظون سے ظاہر مین سمجھے جاتے ہین یعنی یہ کہ گنہ گار کی طرف سے کوئی کوشش نہ ہو اور محض سفارش سے اسکو نیکون کا درجہ ملجائے قابل تسکین نہین کیونکہ اِس صورت مین بدی کا جو اس نے کی ہے کوئی بدلا نہین ملتا اور نیکی جو اس نے کی نہین اُسکا عوض دیدیا جاتا ہے جسکی کوئی وجہ نہین اور چونکہ یہ واقعہ عالم آخرت سے متعلق ہے جہان کا عینی تجربہ ہمکو حاصل نہین اسلئے جیسا کہ پہلے گذشتہ باب مین غور کیا گیا ہے ایسے واقعات مین "کیون" کا جواب ملنے اور وجہ معلوم

ہونے کے بغیر تسکین نہین ہوتی اور اسی لیے ایسا مسئلہ اصل مذہب کیطرف سی پیش نہین ہوا۔ بلکہ اسکے خلاف جو لوگ اپنے مختلف معبودون کو اپنا شفیع ٹھیراتے تھے ان کے خیال کی تردید کیگئی ہے اور کہدیا گیا ہے کہ قیامت کو ہرگز سعی و سفارش کام نہ دیگی اور بے وجہ کوئی انعام نہ ملیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ط

(بقرہ پارہ ۱ ع ۱۵)

ایسے دن سے ڈرو جس مین کوئی شخص دوسرے شخص کے عوض مین پکڑا جانا پسند نہ کریگا اور جس دن کوئی تاوان نہ لیا جائیگا اور کوئی شفاعت مفید نہ ہوگی اور نہ انکی مدد کی جائیگی

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ

(بقرہ پارہ ۳ ع ۳۴)

نیک بنو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس مین نہ ثواب کی خرید فروخت ہوگی نہ دوستی اور شفاعت کام دیگی ٭

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط

(بقرہ پارہ ۳ ع ۴۰)

انسان کو مفید یا مضر وہی ہے جو وہ خود کسب کرے

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ط (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۴)

کیا تم سمجھتے ہو کہ بہشت مین چلے جاؤگے حالانکہ خدا کو معلوم نہ ہوا ہوگا کہ تم مین سے کس نے کوشش کی ہے اور کون صابر ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ط (انعام پارہ ۸ ع ۸) (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۲) (زمر پارہ ۲۳ ع ۱۶) (فاطر پارہ ۲۲ ع ۱۴)

کوئی اٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ نہین اٹھاتا۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ط (انفال پارہ ۱۰ ع ۵)

تا جو ہلاک ہو وہ بھی کسیوجہ سے ہلاک ہو اور جو رستگار ہو وہ بھی کسیوجہ سی رستگار ہو

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ

وہ خدا کے سوا عبادت کرتے مین ایسے معبودون کی

وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ (یونس پارہ ۱۱ ع ۲)	جو نہ نقصان دے سکتے ہین اور نہ فایدہ - اور وہ کہتے ہین کہ یہ خدا کے پاس ہماری شفاعت کرینگے کیا تم خدا کو سکھاتے ہو ایسی بات جس کا زمین آسمان مین کہین وجود نہین
اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ط (مومن پارہ ۲۴ ع ۲)	آج ہر شخص کو اُسکے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور آج ظلم نہ ہوگا -
کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ (مدثر پارہ ۲۹ ع ۲)	ہر شخص پابند ہے اسی چیز کا جو اس نے کسب کی -

ترغیب کا فائدہ مگر کیا نیکبختون سے اور انکی نیکی سے دوسرون کو کچھ بھی فائدہ نہین پہنچتا؟ نہین یہ کہنا بھی مشکل ہے کسی قوم مین بعض افراد مہذب اور نیک خیال ہین اور باقی سب وحشی اور ناہنجار - تو اگر وحشی لوگ اہل تہذیب کی ترغیب یا انکی مثال سے متنبہ ہو کر اپنے اطوار کو بدل لین تو ضرور اسی نتیجہ مین حصہ دار ہو جائینگے جو اہل تہذیب کے افعال پر مرتب ہے - مگر ان کو اپنی حالت بدلنے کی توفیق کیون ہوئی؟ اس لئے کہ دوسرون کی ترغیب اور انکا نمونہ موجود تھا - پس یہ بہت بڑا فائدہ ہے جو نیکبختون کے وجود سے دوسرون کو پہنچا - یہ ضرور ہے کہ پہنچا اسی لیے کہ بدکارون نے انکی ترغیب اور نمونے کی طرف توجہ کی اسلئے یہ فائدہ ایسا نہین جسمین بدکارون کے اپنے عمل کو کچھ بھی دخل نہ ہو -

معیت کا فائدہ اسی طرح کسی ملک مین بعض لوگ حفظ صحت کے قواعد کی مطلق پروا نہین کرتے اور نہایت غلیظ زندگی بسر کرتے ہین مگر ان کے ساتھ ہی بعض لوگ اپنے تئین اور اپنے مکانون کو اور کوچون کو نہایت صاف شستہ رکھتے ہین - اب اگر میلا رہنے والے ان کو دیکھکر اپنی حالت نہ بدلین مگر ایسے وحشی بھی نہ ہون کہ صاف رہنے والون کے دشمن ہو جائین اور ان کو اپنی طرح گندا رہنے پر مجبور کرین تو اس صورت مین اگر ان مین وبا سرایت کریگی تو اس مین

وہ شدت نہ ہوگی جو تمام آبادی کے گندا ہونے کی صورت مین ہوتی۔ غرض اس وقت بھی میلا رہنے والون کو اپنے مہذب ہم وطنون کے وجود سے فائدہ پہنچا گر بالکل بے وجہ یہان بھی نہین۔ اسلئے کہ اگرچہ انہون نے اپنی طرف سے کوئی عمل نہین کیا مگر اتنا تو کیا کہ اپنی گندہ حالت کو ترقی دینے کی کوشش نہین کی اور دوسرون کی صفائی مین حارج نہین ہوئے اس لیئے جس قدر ان کے اس فعل کا اثر ہوسکتا تھا اسی قدر فائدہ بھی حاصل ہوگیا۔ اور اگر وہ ذرا اپنے فعل مین ترقی کرتے اور اپنی غلاظت کو بھی کم کرنے لگتے تو اس سے زیادہ فائدہ اٹھاتے۔ اب نیکی اور بدی کو دیکھا جائے تو وہان بھی یہی قاعدہ جاری ہے کہ نیکون کی ترغیب اور نمونے سے جو نیک بنجاتے ہین وہ ویسے ہی فائدے بھی حاصل کرتے ہین اور جو انکی تقلید نہین کرتے لیکن ان کے نیک افعال مین مزاحم بھی نہین ہوتے انکی سوسائٹی کی سیہ کاری اور سنگدلی مین وہ ترقی نہین ہوتی جو تمام آبادی کے بدکار ہونے کی صورت مین ہوتی اور اسلئے جو کچھ اس کا نتیجہ ہوگا وہ بھی شدت مین آخر الذکر کے نتیجہ سے کمتر رہیگا۔ چنانچہ اندو مومنون کی نسبت قرآن مین ارشاد ہے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۟ (انفال پارہ ۹ ع ۴)

خدا ان کو عذاب نہین دیگا تم جبتک انکے درمیان موجود ہو اور خدا ان کو عذاب نہین دیگا جب کہ وہ بخشش مانگین۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۟ (طور پارہ ۲۷ ع ۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کے پیرون نے ایمان مین انکا اتباع کیا تو ہم انکے پیرون کو ان کے ساتھ ملا دینگے اور انکے عمل مین سے کچھ کم نہ کرینگے ہر شخص پابند ہے اس عمل کا جو اس نے کسب کیا۔

صحبت کا فائدہ

اب ایک اور قوم فرض کی جائے جو نیکون اور بدکارون پر شامل ہے اور بدکار نکوکارون کی تقلید نہین کرتے مگر ان کی نیکی کو اچھا سمجھتے ہین اور ان سے محبت کرتے ہین اس وقت اگر نکوکارون کی نیکی جسمانی قسم کی ہے مثلاً صفائی اور قواعد صحت کی پابندی تو اس صورت

ہین بیشک اِن سے محبت کرنیوالون کو جبتک انکی تقلید سے خود کوئی عملی ترقی نہ کرین کچھ فائدہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ نیکی روحانی قسم کی ہے تو چونکہ اس کا تعلق محض دل سے ہے اور ایسی نیکی کو نیکی اسی سلیئے کہتے ہین کہ اس سے دل مین صفائی اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور خدا کی محبت ترقی کرتی ہے اس واسطے ایسے نکوکارون سے محبت رکھنا اور انکی نیکی کو قابل تحسین سمجھنا خواہ اسکی تقلید نہ ہو خود ایک قلبی عمل ہے جس مین نیک سے محبت ہے جس سے نیکی کی محبت ثابت ہوتی ہے اور نیکی کی محبت ہے جس سے خدا کی محبت ثابت ہوتی ہے اور خدا کی محبت اُس کے وصال کا زینہ ہے اسلئے ایسے لوگون کو نیکون کے وجود سے بہت بڑا فائدہ پہنچا اور جس طرح ایک آئینہ کو دھوپ مین رکھنے سے دیکھنے والیکو آئینہ دکھائی نہین دیتا بلکہ خود آفتاب جلوہ گر نظر آتا ہے اور پھر اس آئینہ سے اور چیزون تک جو سایہ مین ہون آفتاب کی روشنی پہنچتی ہے اسی طرح یہان جو لوگ ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہین اور افعال حسنہ سے اپنے دل کو آئینہ سان صاف رکھتے ہین جلوہ ربانی سے کامل طور پہ بہرہ یاب ہوتے ہین اور پھر جو لوگ اعمال بد کیطرف متوجہ ہونے کے سبب گویا آفتاب وحدت سے براہ راست مقابل نہین ہین اگر اپنے دل مین نیکون کی محبت رکھتے ہین تو نور ربانی نیکون کی وساطت سے منعکس ہو کر انکو منور کرسکتا ہے لیکن آئینہ کی وساطت سے جو نور منعکس ہوتا ہے وہ اگر کسی سیاہ چیز پر پڑے تو اسکی کوئی شعاع نمایان نہین ہوتی اور دوسری قسم کی چیزون پر انکی اپنی صفائی اور تاریکی کی نسبت سے نور کا جلوہ مختلف ہوتا ہے اور اگر وہ چیز بھی آئینہ ہو تو نور آفتاب پہلے آئینہ کی وساطت سے اُس آئینہ مین بھی پوری قوت سے نظر آتا ہے اسی طرح نیکون کی محبت سے جو خدا کا نور گنہ گارون پر جلوہ کریگا اُسکا جلوہ بھی انکی اپنی صفائی اور کدورت کی نسبت سے مختلف ہوگا اور اگر کسیکا دل بالکل سیاہ ہے تو اسکو اس نور سے کچھ فایدہ نہ پہنچیگا۔ غرض یہ بھی ایک فائدہ ہے جو صلحاء کے وجود سے گنہ گارون کو پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ نور ایمان سے منور ہون۔ اور اس کی نسبت قرآن مین ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

(مائدہ پارہ ع ۸)

اور جو شخص خدا سے اسکے رسول سے اور اہل ایمان سے محبت رکھے (وہ خدا کے گروہ مین شامل ہے) اور خدا کا گروہ غلبہ پانیوالا ہے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (مائدہ پارہ ۷ ع ۱۱)

اور ہم کیون نہ ایمان لائیں خدا پر اور اس ہدایت پر جو ہمارے پاس آئی ہے حالانکہ ہم آرزو رکھتے ہیں کہ خدا ہمکو نکوکار قوم کے ساتھ شامل رکھے پس خدا نے ان کے اس قول پر انکو بدلا دیا اور بہشت مین داخل کیا جنمین نہرین جاری ہین اور نکوکارون کا اخیر یہی ہوتا ہے

غرض نکوکارون کی وجہ سے بدون کو فائدہ پہنچنے کی تین شکلین ایسی ہیں جن سے واقعات عالم کو دیکھتے ہوئے انکار نہین ہو سکتا۔ اور اگرچہ ان سب صورتون مین خود گنہگارون کیطرف سے کسی نہ کسی شکل مین کوئی عمل ہوتا ہے مگر اس مین بھی شک نہین کہ جو مفاد ان صورتون مین حاصل ہوا ہے اس مین نکوکار ایک ذریعہ اور واسطہ ضرور ہین اور جو فوز ان کے واسطہ سے گنہگار تک پہنچا ہے اسکا فیضان حقیقت مین خدا کی طرف سے ہے پس اس صورت مین لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کا قاعدہ اور انسان کا اجر اسکے اپنے عمل پر منحصر ہونا بھی صحیح ہے کیونکہ گنہگار نے تقلید یا محبت وغیرہ کچھ نہ کچھ عمل کیا ہے اور لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى کا استثنا اور شفاعت کو مالک اسکو خدا کی رضامندی پر منحصر رکھنا بھی صحیح ہے اسلیئے کہ گنہگار کے اس عمل سے رضامند ہو کر خدا نے نیکون کی نیکی کا اثر اس تک پہنچانے کا قانون جاری کیا ہے اور لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا سے اصلی سرچشمہ فیضان کا پتہ دینا بھی درست ہے اسلیئے کہ بعض جو کچھ پہنچا ہے وہ حقیقت مین خدا کی طرف سے ہے۔ اسلیئے شفاعت سے قطعاً انکار کرنا اور صلحا کے وجود کو بدکارون کے حق مین بالکل بیسود سمجھنا نیچر کی شہادت سے چشم پوشی کرنا ہے۔

دعا کا فائدہ　　مگر ابھی اس بارہ مین کچھ اور بھی کہا جا سکتا ہے۔ نیچر کے بے انتہا قوانین جدا جدا اور

ایکدوسرے کیساتھ مل کر عمل کر رہے ہین اور مختلف شکلون سے اثر مین اختلاف ہوجاتا ہے سٹیم انجن
کا کاڑیون کو کھینچنا ایک قانون کا عمل ہے مگر جب ٹرین کسی پہاڑی نسبب مین اتر رہی ہو تو اس قانون کے
ساتھ کشش ثقل کا قانون اور مل جاتا ہے اور اثر زیادہ ہوجاتا ہے اسی طرح نکوکارون کی ترغیب یا
انکی محبت سے جو فائدہ گنہ گارون کو پہونچتا ہے اگر اسکے ساتھ نکوکارون کی دعا بھی شامل ہو تو دعا
کا قانون پہلے قوانین کے ساتھ ملکر اثر کو اور دوبالا کردیگا کیونکہ دعا مین انسان کو خدا کی طرف ایسی
ہی براہ راست توجہ ہوتی ہے جیسی آئینہ کو قرص آفتاب سے متوازی رکھنے پر اور پھر مذہبی تعلیم مین تاکید
ہے کہ انسان کی کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہین ہونی چاہئے بلکہ اعمال کے دائرہ مین جب
قدر سعی اپنی حالت کو درست کرنے کیلئے کرتا ہے اسی قدر دوسرون کو راہ راست دکھانے اور ان کی
حالت درست کرنے کے لئے ہونی چاہئے اور خدا کی طرف توجہ کرنے کے وقت جہان اپنی مغفرت اور
نجات کی التجا کرتا ہے وہان اپنے گنہ گار بھائیون کو بھی فراموش نہ کرے اور ان کے لئے بھی ایسی
خشوع وخضوع سے بارگاہ ربانی مین ملتجی ہو اور ہم دیکھتے ہین کہ اعمال کے دائرہ مین نکوکار کی کوشش
رائیگان نہین جاتی اور ان کی ترغیب وتحریص سے اکثر بندگان خدا کو فائدہ پہونچتا ہے تو پھر
کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اسکا خدا کی طرف توجہ کرنیکا وقت جو سب سے زیادہ پاکیزہ وقت ہے دوسرون
کے حق مین بالکل رائیگان جائیگا اور جب اس نے اپنے آئینہ دل مین نور ربانی کو منعکس کرنے کے
وقت اپنے عاجز بھائیون کی یاد سے اس نور کو انکی طرف مائل کیا ہے اس وقت اسکی شعاعین قانون
قدرت کو توڑتی ہوئی فضا مین ضائع ہوجائینگی اور گنہ گار کی حالت پر کچھ اثر نہ کرینگی نہین بلکہ قیاس یہ
چاہتا ہے کہ جس وقت انسان کسی اپنی ضرورت کے لئے خود دعا کرتا ہے اس وقت اسکی ایک توجہ
خدا کی طرف ہے تو دوسری اپنے مطلب کی طرف اس لیے اس وقت وہ ایسا آئینہ ہے جو قرص آفتاب کے
متوازی رکھا نہین گیا بلکہ اسکا ایک پہلو آفتاب کی جانب ہے اور دوسرا پہلو کسی اور چیز کی طرف جسکی
وجہ سے ضرور ہے کہ آفتاب کی شعاعین پوری قوت سے عمل نہ کرین لیکن جب کوئی نیک بندہ کسی
اور شخص کیلئے بغیر اپنی ذاتی غرض کے دعا کرتا ہے اس وقت اسکی توجہ جس دوسری چیز کیطرف ہے

وہ محض نیکی اور فائدہ رسانی ہے اسلئے اس وقت آئینہ قلب ایک پہلو سے خدا کی جانب ہے تو دوسرے پہلو سے ایسی روشنی کی جانب جو خود بھی نور ربانی کو جذب کرنے کی قابلیت رکھتی ہے اور اس لئے اس وقت ان شعاعون کا اثر زیادہ قوی ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسالتمآب نے (صلی اللہ علیہ وسلم) مسئلہ دعا کی تفسیر مین یہ فرمایا ہے کہ ایسی زبان سے دعا مانگو جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ حاضرین نے عرض کی کہ ایسی زبان کس کے پاس ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تمنے گناہ کیا ہے تو اپنی زبان سے غیر کی زبان سے تمنے کوئی گناہ نہین کیا اسلئے جو دعا دوسرا شخص کسی کے لئے کریگا وہ اس کے حق مین بیگناہ زبان سے ہوگی (صدق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) بیشک غیر کی دعا غرض نفسانی سے پاک اور حسبۃً للہ ہوگی اسلئے اسکی قبولیت مین کوئی شبہ نہین،

کبھی شفاعت کے خیال سے غرور پیدا ہوتا ہے۔

البتہ شفاعت کی اس صورت مین یہ اعتراض قوی معلوم ہوگا کہ انسان کی اپنی سعی کے بغیر اسکو فائدہ پہنچا اور بیشک غیر کی دعا سے جو فائدہ پہنچنے کی امید ہے ہمین انسان کا اپنا فعل نظر نہین آتا۔ مگر آہ! قلبی حرکتین اور ان کے آثار چڑھاؤ ہوتے ہی ایسے مخفی ہین کہ بعض اوقات خود اپنے تئین معلوم نہین ہوتا کہ میرا دل کیا عمل کرتا ہے۔ اور یہ صرف قدرت ربانی ہی کا خاصہ ہے کہ وہ مخلوقات کے ہر ذرہ کی حرکت سے واقف ہے اور کسی حرکت کو رائگان نہین جانے دیتی۔ چنانچہ اس وقت بھی جہان نکوکارون کو اوقات خاص مین اپنے گنہ گار بھائیون کو یاد رکھنے کا حکم ہے وہان گنہ گارون کو بھی علم ہے کہ ہماری بہبود کے لئے ایسا حکم دیا گیا ہے۔ اچھا تو اس وقت ان کے قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے بعض تو سمجھتے ہین کہ ہمکو بزرگون سے توسّل ہے اور انکی برکت ہمارے لئے کافی ہے چنانچہ اس خیال سے تکبّر اور غرور ان کے دل کو گھیر لیتا ہے۔ عاجزی اور عبودیت کا خیال جو خدا کی محبت پیدا کرنے اور بڑھانے کا ذریعہ ہے دل سے مفقود ہو جاتا ہے اور وہ نہایت دلیری سے فسق و فجور مین منہمک ہو جاتے ہین اسلئے ایسے لوگ اس برکت اور دعائے مغفرت کے مستحق نہین رہتے بلکہ وہ تو اس سیاہ تختہ کی مانند ہوتے ہین جو آئینہ کی سامنے رکھا ہے اور آفتاب کی شعاعین آئینہ مین سے

گذر کر دہاں کچھ روشنی پیدا نہیں کرتیں۔ بلکہ سیاہ کاری کے ساتھ یہ غرور اور خود ستائی ملکر عذاب المضاعف ہوجاتا ہے گویا سیاہ تختہ کو بجائے روشن کرنے کے حرارت سے اور جلا دیا چنانچہ اسلام نے قلب کی ایسی حرکت اور اس کے بد نتیجہ سے زور کے ساتھ آگاہ کیا ہے اور یہود و نصاری جو پیغمبروں کی شفاعت اور کفارہ کے خیال سے اپنے تئیں بالکل ناجی یا عذاب کے کم مستحق سمجھتے تھے انکے خیال کی تغلیط کی ہے اور بتایا ہے کہ کوشش کو گناہوں میں صرف کر کے شفاعت و کفارہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور اسی طرح جناب رسالت مآب کے اہل بیت کو آگاہ کیا گیا ہے کہ نبی کا توسل حاصل کرنے کے بعد اگر گناہوں میں انہماک ہوگا تو عذاب دوگنا دیا جائیگا۔ ارشاد ہے۔

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا ... أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (بقرہ پارہ ۱ ع ۹)

وہ کہتے ہیں کہ ہمکو صرف چند روز کیلئے عذاب ہوگا کہدو کہ کیا تمنے خدا سے عہد لیا ہے یا خدا کی نسبت ایسے بات کہی ہو جو جانتے نہیں۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۱)

یہ اسلئے کہ وہ کہتے ہیں ہمکو صرف چند روز عذاب ہوگا اور ان کے اس افترا نے انہیں مغرور کر دیا ہے

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم (مائدہ پارہ ۶ ع ۳)

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی اولاد اور اسکے عزیز ہیں۔ کہدو کہ پھر تمھارے گناہوں کی سزا کیوں ملتی ہے

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ (احزاب پارہ ۲۱ ع ۱۸)

اے نبی کی عورتو! تم میں جو بڑے گناہ کرے گی اُسے عذاب دُگنا دیا جائیگا۔

کبھی شفاعت سے کوشش کا میلان ہوتا ہے۔

غرض یہاں ہمنے دیکھا کہ قلب کی حرکت اصول محبت کے خلاف تھی اسلئے اس وقت بزرگوں کے توسل کو بھی بے سود کہا گیا ہے اور اگر انسانی قلب شفاعت کے خیال سے ہمیشہ یہی حرکت کیا کرتا تو بیشک شفاعت کا اثر ظاہر نہ ہونے کے

سبب سے بیسود مانا جاتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کا ایسا ہی خیال نہین ہوتا۔ بلکہ بعض اس خیال سے کہ ہمارے بزرگ ہماری نجات اور رستگاری کے آرزومند ہین اپنی سیہ کاری اور بداطواری سے شرمندہ ہوتے ہین اور جہان تک انکے امکان مین ہوتا ہے اپنے تئین بزرگون کی دعا کا مستحق بنانے کی کوشش کرتے ہین اور جب کبھی کسی وجہ سے بدی اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہین یا عادت وغیرہ سے عاجز ہوکر کوئی چارہ کار نہین دیکھتے تو خدا کی رحمت کے ملتجی ہوتے ہین اور اس نور کی آرزو کرتے ہین جو قلوب مصفی کی وساطت سے زمین و آسمان کو روشن کر رہا ہے اسلئے انکی عاجزی رحمت کی تمنا اور بزرگون کی محبت یہ سب کچھ ملکر انکے دل کو خدا کی طرف متوجہ ہونے مین مدد دیتا ہی اور یہی وہ وقت ہی جبکہ بزرگون کی دعا انکے دلی خیالات کے ساتھ ملکر گناہون کے بوجھ کو ہلکا کرتے ہین اور یہی مفید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس وقت اگر ایک ثواب ان کے نیک اعمال نیک کوشش اور محبت کا ملتا ہے تو دوسرا ثواب بزرگون کی دعا سے حاصل ہوتا ہی۔ غرض اسوقت انکا اپنا دل بھی کسی قدر صاف ہوتا ہے اور اسی لیے نور آفتاب آئینہ کی وساطت سے انکو منور کر سکتا ہی۔ اور اب اگرچہ یہ فائدہ پہنچا بزرگون کی دعا سے مگر انسان کی اپنی حرکت کا اسمین بھی دخل ہے اسلئے شفاعت کی اس قسم پر بھی وہ اعتراض نہین ہوسکتا کہ انسان کے اپنے فعل کو دخل نہین۔ اور جب پہلی قسم کی حرکت پر شفاعت وغیرہ کے اثر سے مایوس کردیا گیا تھا اگر اس دوسری قسم کی حرکت پر اسکے فائدے کی امید دلائی جاتی۔ چنانچہ اسی لئے اہل بیت نبوت کو جہان بدی پر دلیر ہونے کے وقت دگنے عذاب کی دھمکی دیگئی تھی وہان ساتھ ہی فرمادیا گیا ہے کہ اگر تم خدا اور رسول کی اطاعت اور اعمال صالحہ کی کوشش کروگی تو ثواب بھی اوروں سے دگنا پاؤگی۔ ارشاد ہے

وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِہَآ اَجْرَہَا مَرَّتَیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَہَا رِزْقًا کَرِیْمًا (احزاب پارہ ۲۲ ع ۲)	اور جو تم مین سے خدا و رسول کی اطاعت کرے اور نیک عمل بجالائے تم اسکو دگنا اجر دینگے اور اس کے لئے عمدہ روزی تیار کرینگے۔

غرض دعا اور بزرگون کی دعا یعنی شفاعت دونون ایک حد تک مفید ہین اور وہ حد یہی ہے

جبکہ انسان کا اپنا دل بھی ادہر کو بڑھنے کی کوشش کرتا ہو اور جب اُدھر سے ایسی کوشش مطلق نہ ہو بلکہ نیت اسکے خلاف ہو تو دعا بھی کچھ مفید نہ ہوگی اسلیے اسلام میں ایمانداروں کے لیے دعا کرنے کا بھی حکم ہے اور جہاں یہ تو موجود نہیں وہاں کے لیے فرمایا گیا ہے کہ لاکھ دعا کرو کچھ نہ ہوگا چنانچہ ارشاد ہے ۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ط

(آل عمران پارہ ۴ ع ۸)

یہ خدا کی رحمت ہے کہ تم ایسے ہمراہیوں کیلئے نرم ہو گئے ہو اور اگر تم بد خلق اور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے پس انکی لغزشوں سے درگزر کرو اور انکی معافی کیلئے دعا کرو اور ان سے مشورہ لیا کرو۔ اور جب کسی کام کا پختہ ارادہ کر لو تو خدا پر بھروسہ کرو وہ بھروسہ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

(توبہ پارہ ۱۰ ع ۱۰)

انکے لئے معافی مانگو یا نہ مانگو۔ اگر ان کے لئے ستر دفعہ دعا مانگو گے جب بھی خدا انکو ہرگز معاف نہ کریگا کیونکہ وہ خدا اور رسول پر ایمان نہیں رکھتے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ط

(ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۱۷)

اے ہمارے پروردگار قیامت کے دن مجھ کو بخش دے میرے والدین کو بخشدے اور مسلمانوں کو بخشدے

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

(محمد پارہ ۲۶ ع ۲)

اور جان لو کہ لائق عبادت صرف خدا ہے اور اپنے گناہوں کے لئے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے خدا سے معافی مانگو

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ

اور جو لوگ ان سے پیچھے آتے ہیں کہتے ہیں اے پروردگار ہمکو بخش اور ہمارے بھائیوں کو

سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (حہ پارہ ۲۸ ع ۱)

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۔ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (منافقون پ ۲۸ ع)

بخش جو اسلام مین ہم سے پیشتر ہین اور ہمارے دل مین ایمانداروں کیطرف سے کینہ نرہنے دے۔ اے پروردگار تو رؤف ورحیم ہے

اور جب انکو کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے معافی مانگینگے تو سر پھیرتے ہین اور تکبر سے روگردان ہوتے ہین پس خواہ تم ان کے لئے معافی مانگو یا نہ مانگو خدا انہیں ہرگز نہ بخشیگا۔ کیونکہ فسق کا نتیجہ ہدایت خدا کا قانون نہین۔

باب دوازدہم

جزاء وسزا کا دوام

ترقی دائمی قانون ہے۔ اچھے جرم اور بیسے جرم۔ تناسخ کی صورت مین بھی یہان کا اربدل نہین سکتا۔ عالم برزخ۔ روحانی صفات۔ غور وفکر روح کی صفت نہیں۔ بدھ اور مسیح کی مثال۔ کمال تک پہنچنے کی سبیل۔ خدا کی قدرت سے بھی انکار نہین ہوسکتا۔

ترقی دائمی قانون ہے | دنیا مین نیکی اور بدی کا وجود اور انکی نیک وبد نتائج اور نیک وبد نتائج کی ترقی دیکھنے کے بعد اور یہ دیکھنے کے بعد کہ جس قسم کی ترقی کے اصولی اسباب موجود ہون وہ اپنے خلاف قسم کے معاون اسباب پر بتدریج غالب آجاتی ہے اور انجام یہی حالت پیدا ہوتا ہے جس کے اصولی اسباب موجود ہین یہ سوال ہوتا ہے کہ آیا ان اصولی اسباب کے نتائج بھی ہمیشہ رہین گے یا کسی حد پر جا کر ختم ہوجاینگے؟ یہ سوال نہایت پیچیدہ اور مشکل ہے اور اس کا فیصلہ کرنے کے لئے نیکی اور بدی کے سوالوں کے زمانہ قیام

کو دیکھنا چاہئے اور چونکہ نیکی اور بدی کا روحانی اثر خدا کا قرب یا اس سے دور ہونا ہے اسلئے ذات
خداوندی کا بھی اس سوال سے تعلق ہے۔ اور دنیا مین بظاہر ہر چیز ایک وقت پر پیدا ہوتی
ہے کچھ عرصہ بڑھتی پھولتی ہے اور ایک وقت پر فنا ہو جاتی ہے اور نہ صرف افراد کی ایسی حالت
نظر آتی ہے بلکہ انواع اور نیز تمام دنیا کو بھی علمی نظر سفر طے کرتی ہوئی اور اپنی حالت کو بدلتی ہوئی کہانی
دیتی ہے اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ایک وقت پر پیدا ہوا ہے اور ایک وقت پر فنا ہو جائیگا
بس اگر واقع مین یہی کیفیت ہو تو جب نیکی اور بدی کرنیوالے ہی نہ رہین گے تو ان کے اعمال اور
افعال کے نتائج کیا رہین گے۔ مگر نہین۔ جو کیفیت علمی نظر نے دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی چیز فنا
نہین ہوتی بلکہ اجزا منتشر ہو کر کسی نہ کسی شکل مین موجود رہتے ہین اور اُدھر نیکی اور بدی کے
نتائج کی دوسری حد یعنی خدا جس کو مذہبی جذبہ موجود مانتا ہے اور عقل بھی اُسکو ماننے کے سوا چارہ
نہین دیکھتی وہ بھی اگر موجود ہے تو ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے ہوگا۔ کیونکہ اُس کا زمانے کے لحاظ سے
صفات کے لحاظ سے ذات کے لحاظ سے غرض کسی طرح بھی محدود ہونا خدا کا خدا نہ رہنا ہی
اچھا تو اب چونکہ وہ ہر طرح سے غیر محدود ہے اسلئے اُس کا قرب حاصل ہونے کے کسی درجہ پر ہم نہین
کہہ سکتے کہ قریب ہونے والا اس سے بالکل چسپیدہ ہو گیا اور آیندہ کوئی درجہ قرب کا باقی نہین
اور اسی طرح اس سے دور ہونے کی بھی حد بندی نہین ہو سکتی۔ غرض خدا اگر موجود ہے تو
یقین ہے کہ اسکے لحاظ سے قرب اور بُعد کی کوئی حد نہین۔ رہا نیکی اور بدی کرنیوالون کا اپنا
وجود سو اگر مرنے کے بعد بھی یہ موجود رہتے ہین تو پھر جو لوگ قرب خدا کے اصولی اسباب سے بہرہ ور
ہین اور اس طرف ترقی کر رہے ہین وہ ابدالاباد تک ترقی کرتے جائینگے اور انکا سفر کسی نقطہ پر ختم نہوگا
اور اُدھر جو لوگ خدا سے دور ہونے کے اصولی اسباب رکھتے ہین اُن کے تنزل کی بھی کوئی حد
نہ ہوگی اور ہمیشہ تک دور سے دور تر ہوتے جائینگے اور یون نیکی کا نتیجہ نیک اور بدی کا نتیجہ بد
یعنی دنیا کے دونو عنصر اپنی رفتار مین غیر محدود ہونگے۔ غرض اگر دنیا مین یہ دونو چیزین موجود
ہین اور اگر یہان ترقی کا قانون جاری ہے اور اگر ترقی کے معنی ایک درجہ سے دوسرے درجہ مین

قوت کا زیادہ ہو جاتا ہے تو پھر دنیا کے لئے نیک یا بد کوئی سا ایک نتیجہ مانا نہیں جا سکتا اور کہنا پڑتا ہے کہ ان دونو چیزوں کے اپنے اپنے دو ہی طرح کے نتیجے بھی ہیں - اور جو شخص ان میں سے ایک رستہ پر چل پڑا ہے اس کا ہمیشہ ادھر ہی کو جانا قرین قیاس ہے اور اسکے خلاف نیچر ہرگز شہادت نہیں دیتی کہ ان میں سے ایک رستہ پر چلتے چلتے دفعۃً گاڑی رک جائیگی اور جو نتیجہ اوس پر مرتب ہوتا ہے اسکی بجائے خود بخود دوسری قسم کا نتیجہ مرتب ہو کر سبکا انجام ایک جیسا ہو جائیگا -

اپٹی مزم اور پیسمزم - مگر ہمارا حال یہ ہے کہ دل میں مذہبی جذبہ پیدا ہونے کے بعد نیچر کو مطالعہ کرنے کی تکلیف کم گوارا کی جاتی ہے اور اگر اس وقت دل میں دنیا کی کسی مصیبت کا خیال ہے تو زیادہ غور و فکر کرنے کے بغیر مصیبت ہی کو دنیا کا حاصل سمجھ کر سبکا انجام بد فرض کر لیا جاتا ہے اور اگر خوش قسمتی سے اسوقت کوئی خوشگوار منظر پیش نظر ہے تب بھی یک طرفہ کارروائی سے سب باتوں کا انجام نیک سمجھ لیا جاتا ہے اور اس طرح پر عقلائے عالم کے اس مسئلہ میں دو فرقے ہو گئے ہیں جن کو اپٹی مسٹ اور پیسمسٹ کہتے ہیں یعنی ایک سمجھتا ہے کہ سب کا انجام نیک ہے اور دوسرا خیال کرتا ہے کہ سب چیزیں بد نتیجہ پر پہنچیں گی - انہیں سے دوسرا خیال نہایت ناگوار ہے اور عموماً ایسے لوگوں کیطرف سے پیش ہوتا ہے جو اپنے تئیں مذہب سے بیگانہ سمجھتے ہیں - اور پہلا خیال عموماً مذہب کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور بیشک دل میں تمنا ہے کہ نیک اور بد اور گنہگار اور پارسا سب آیندہ دائمی راحت اور مسرت میں بسر کریں - مگر آہ - ای بسا آرزو کہ خاک شدہ - نیچر کا قانون ہماری تمناؤں کے ماتحت نہیں - کون نہیں چاہتا کہ دنیا میں غربت و فلاکت کا نشان نہ ہو - کون نہیں چاہتا کہ مرض اور تکلیفیں نابود ہو جائیں اور کون نہیں چاہتا کہ عزیزوں کی جدائی اور موت کا دلخراش منظر دکھائی نہ دے مگر کیا ہماری ایسی کوئی بھی تمنا بر آتی ہے اور کیا ہماری تہذیب و ترقی نے ان مصیبتوں میں سے کسی ایک کو بھی نابود کیا ہے اور یہ اسی لیئے کہ نیچر کی سنتیں ہماری آرزو کے خلاف چل رہی ہے - پس اسی طرح آئندہ کی عام راحت و مسرت کی آرزو بھی اگر منشائے قدرت کے خلاف ہو تو ہماری طاقت نہیں کہ اسکو روک سکیں - اسلئے اگرچہ دعا ہے کہ یہ آرزو بر آئے

اور قدرت آئندہ ہمارے کہنے پر چلے مگر افسوس کہ جو کچھ ہوتا نظر آتا ہے اس سے نتیجہ اس کے خلاف نکلتا ہے یعنی ہم دیکھتے ہین کہ جو شخص بدی کرتا ہے تو بدعادت ضرور پیدا ہوتی ہے اور اگر اس سے باز نہ آئے تو دوسری بدی کرنے پر عادت اور زیادہ ہو جاتی ہے اور اس طرح کرتے کرتے آدمی زندگی مین ہم دیکھتے ہین کہ عادت کے زور کی کچھ حد نہین رہتی اور صرف خیالی جولان نہین بلکہ دنیا مین ایسے نمونے بیشمار موجود ہین اور اصولی بدی انکار خدا کو مانا جائے یا بداخلاقی کو دونو طرح کے کامل نمونے ہر زمانے مین نظر آتے ہین پس جو شخص اسی حالت مین مرا ہے۔ اگر وہ فنا نہین ہوا تو اسکی آیندہ حالت کیا ہوگی ؟ اور کیا ایسا شخص آخرت مین نیک نتیجہ حاصل کریگا اور کیا قدرت کا قانون ٹوٹ جائیگا اور بدی سے بجائے بدی کو ترقی ہونے کے اُلٹی نیکی پیدا ہو جائیگی ؟ اور اُدھر جو شخص نیکی کرتا ہے تو اس فعل کے جاری رہنے پر کہ اسکی مثالین بھی بکثرت موجود ہین یہی شکل پیدا ہوتی ہے اور ایسے شخص کا انجام بد ہونا قانون قدرت کے خلاف نظر آتا ہے اِس لئے اپٹی مزم اور پیسی مزم دونو خیال غلط ثابت ہوتے ہین +

تناسخ کی صورت مین بھی یہان کا اثر بدل نہین سکتا

مگر اس وقت بعض لوگ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا بھی [یقین کر] لیتے ہین اور خیال کرتے ہین کہ ایسے شخصون کو آئندہ پھر دنیا مین بھیجا جائیگا اور دوبارہ نیکی اور بدی کا موقع دیا جائیگا۔ مگر پھر بھی کیا ہوا۔ اگر کوئی دوسری زندگی ہے تو وہ اسی زندگی کا نتیجہ ہوگی کیونکہ اگر اسکو پہلی زندگی کا نتیجہ نہ مانا جائے بلکہ کہا جائے کہ روح کو پہلے خیالات سے بالکل پاک وصاف کر کے دوبارہ نئے سر سے جد و جہد کرنیکے لئے بھیجا جاتا ہے تو لازم آئیگا کہ یہان کی نیکی اور بدی دونو کا نتیجہ ہیچ ہے اور جس کام کو یہان نہایت مضبوطی کے ساتھ جاری رکھنے اور ترقی دینے کا قاعدہ جاری کیا گیا ہے مرنے پر اس کام کو بالکل نابود کر دیا جاتا ہے اور نیک و بد دونو کو پھر تازہ دم وہی بے نتیجہ کھیل کھیلنے پر مجبور کیا جاتا ہے پس اِس وجہ سے جب دوسری زندگی کو پہلی زندگی کا نتیجہ ماننے کے سوا چارہ نہین تو نتیجہ کی جو رفتار

یہاں سے ہے وہی دوسری زندگی میں ماننی پڑیگی اور جب یہاں بدی کا نتیجہ بدی ہے تو دوسری زندگی میں وہ شخص اور بھی بدتر ہوکر پیدا ہوگا اور جوا اس طرح کی کروڑ زندگیاں مانی جائیں جب بھی جو درخت ہوگا اسی کا پھل آئیگا۔ غرض پہلی زندگی کو بدی میں گذارنے کے بعد دوسری زندگی میں نیک اور پارسا بنجانا وہی قانون قدرت کا ٹوٹ جانا ہے یعنی ناممکن

عالم برزخ | مگر ابھی اس مسئلہ کا ایک پہلو اور قابل غور ہے کیونکہ تناسخ کو مان کر مرنے کے بعد کچھ عرصہ روح کا جسم سے خالی رہنا مانا جاتا ہے چنانچہ بعض نے اس درمیانی حصہ کو جس کو عالم برزخ کہنا چاہئے اپنی آرزو برانے کا موقع تصور کیا ہے جیسا کہ مسز اینی بسنٹ فرماتی ہیں کہ[1]

> "عالم برزخ میں روح اپنی خواہشوں اور عملوں پر غور کرتی ہے اور ان کے نفع و نقصان کو دیکھکر تجربہ حاصل کرتی ہے اور اس طرح بہت سی جونوں کے تجربوں سے کانشنس پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ نیکی بڑھتی جاتی ہے۔"

روحانی صفات | یہ دعوی بہت دل خوش کن ہے کاش ایسا ہی ہوتا ہو مگر دیکھنا یہ ہے کہ عقل کے پاس اس دعوی کا ثبوت کہاں تک موجود ہے اور مرنے کے بعد جو روح میں غور و فکر کی طاقت مانی جاتی ہے وہ کہاں تک قرین قیاس ہے۔ یہاں جو ہمنے انسان کو دیکھا تو بیشک اس میں غور و فکر کی طاقت موجود پائی۔ پس شاید یہ روح ہی کی صفت ہو اور جسم چھوڑنے کے بعد بھی بحال رہتی ہو اور شاید کیا مدت تک عقلاے زمانہ عقل کو روح کی ہی صفت مانتے رہے ہیں لیکن روح تو وہ چیز ہے جس پر جوانی اور بڑھاپا نہیں آتا اور ہمیشہ یکسان رہتی ہے اس لئے جو صفت خاص اسکی ہوگی وہ بھی ہمیشہ یکسان رہنی چاہئے حالانکہ غور و فکر کی طاقت کا یکسان رہنا ایک طرف اسکو ہم پیدا ہوتے جوان و پیر ہوتے اور مرتے دیکھتے ہیں ماں کے پیٹ میں یہ طاقت ہوتی ہی نہیں بچپہ میں بڑھنے لگتی ہے جوان میں مکمل ہوتی ہے۔ بڑھاپا آتے ہی اس پر بھی آفت آنے لگتی ہے حتی کہ بعض اوقات انسان زندہ ہوتا ہے یعنی روح اسمیں موجود ہوتی ہے مگر عقل و شعور کے لحاظ سے ایک بت معلوم ہوتا ہے اور نہ صرف بڑھاپے میں بلکہ بعض

[1] خلاصہ از رسالہ کرما مصنفہ مسز اینی بسنٹ

جسمانی آفتوں سے خود جوانی میں یہ صفت نابود ہو جاتی ہے۔

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا

(حج پارہ ۱۷ ع ۸)

اور ہم رحموں میں ٹھہرا لیتے ہیں جب تک چاہتے ہیں پھر ہم تمکو بچپن کی حالت میں پیدا کرتے ہیں پھر عمر دیتے ہیں تاکہ تم اپنی قوت تک پہنچو اور تم میں سے بعض کو موت آجاتی ہے اور بعض نہایت ذلیل عمر تک پہنچتے ہیں کہ عقل و شعور کے بعد بالکل بےعلم ہو جاتے ہیں

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ

(روم پارہ ۲۱ ع ۶)

خدا وہ ہے جس نے تمکو کمزوری سے پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد قوت دی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ علیم و قادر ہے۔

غرض جب جسمانی قوت و ضعف کے ساتھ عقل بھی قوی یا کمزور ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات وہ نابود بھی ہو جاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفت جسم کی ہے نہ روح کی[۵۱] اور اسکے برخلاف خواہش ایسا وصف ہے جو بچپن سے لیکر بڑھاپے تک بلکہ مرتے دم تک یکساں قوت کیساتھ موجود رہتا ہے اور خواہ جسم کی کچھ بھی حالت ہو اور خواہ خواہش کی شکلیں بدلتی رہیں مگر زندگی میں ایسا وقت کبھی نہیں آتا کہ کسی قسم کی خواہش موجود نہ ہو اس لئے اگر روح کی صفت کوئی مانی جا سکتی ہے تو وہ خواہش ہے اور اسی لئے ڈاکٹر ڈالٹن نے روح کا ثبوت خواہش کے وجود سے دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ[۵۲]

---

۵۱ امام غزالی رح ثبوت روح کے عقلی دلائل کو پرکھنے کے وقت جو ثبوت عقل کے وجود سے دیا جاتا ہے اوسکو اسی وجہ سے ضعیف کہتے ہیں کہ عقل زوال پذیر ہے اس لئے یقین نہیں ہو سکتا کہ وہ روح کی صفت ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب تہافۃ الفلاسفہ بحث ثبوت روح۔

۵۲ کتاب ایلمنٹس آف میٹا فزکس حصہ دوم باب پنجم۔

"ہم ہندی یونانی اور موجودہ فلسفہ میں یہ ایک عام غلطی دیکھتے ہیں کہ وہ روح کو ذہن یا عقل سمجھ لیتے ہیں حالانکہ اسکے برخلاف روحانی زندگی کے تمام واقعات بے خطا ثبوت دیتے ہیں کہ انسان کا مرکز دل میں تلاش کرنا چاہیئے نہ دماغ میں اور نہ خواہش میں تلاش کرنا چاہیئے نہ علم میں۔ اور بالخصوص واقعات ذیل اس دعوی کے شاہد ہیں

۱- ذہن تمام جسمانی آلات کی طرح بچپن میں بڑھنے لگتا ہے اور اسی کے ساتھ بڑھاپے میں گھٹتا جاتا ہے۔

۲- ذہن کچھ عرصہ کے لئے نیند میں اپنی جستجو کو چھوڑ دیتا ہے حالانکہ خواہش یعنی بے شعور خواہش دل کی طرح تھکنا نہیں جانتی۔

۳- تمام جسمانی آلات کی طرح ذہن بھی خواہش کا ایک آلہ ہے اور ہمیشہ فرمان بردار خادم کے طور پر کام کرتا ہے اور ہر حال میں بالادست حاکم خواہش رہتی ہے۔ یہ ایک ایسی صداقت جو شاید استدلالی طور پر بھی ثابت نہ ہو مگر عملی دنیا میں ہر جگہ نمایاں ہے۔

۴- حیوانی درجات کو دیکھو تو ان میں ذہن کم سے کمتر ہوتا جاتا ہے حالانکہ خواہش جیسا کہ ہم ثابت کریں گے ہر جگہ حتی کہ چھوٹے سے چھوٹے حیوان میں بھی اسی زور سے موجود ہے[۱]

۵- جب انسان کی قدر و قیمت یعنی اخلاقی اوصاف کا سوال ہو تو دماغی صحت اور غلطی کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس اثر کے لئے جو قبر سے پرے تک پھیلا ہوا مانا جاتا ہے انسان کے فعل کو اور صرف فعل کو اس حیثیت سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اسکی صفت خواہش کا ظہور ہے[۲]"

---

[۱] ڈاکٹر موصوف اس دلیل سے اور نیز آگے خواہش کو جمادات تک لیجا کر وحدت وجود کا مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر اس سے جو کچھ ثابت ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ تمام کائنات کی اصلیت ایک ہے مگر یہ کہ خدا اور کائنات بھی حقیقت میں ایک ہیں اور کوئی اور ہستی اس کائنات سے ممتاز اور اسکو پیدا کرنے والی نہیں یہ دعوی اس دلیل سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

[۲] اس موقعہ پر باب دوم کتاب ہذا بعنوان "اخلاقی افعال پر بھی یہی قانون جاری ہے" کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

یہان تک روحانی صفات کی نسبت عام واقعات سے استدلال کیا جاسکتا تھا اب ان واقعات کو دیکھا جائے جو اکثر اوقات امراض وغیرہ کے سبب سے یا مصنوعی طور مسمریزم کے عمل میں جسم اور جسمانی طاقتون کے معطل ہونے پر پیش آتے ہین تو اس وقت اگرچہ روح جسم سے جدا نہین ہوتی اور نہ اسکا تصرف بالکل منقطع ہوتا ہے بلکہ وہ اس وقت بھی جسم سے بہت سے کام لیتی نظر آتی ہے مگر چونکہ جسمانی طاقتون کو بڑی حد تک معطل کر دیا جاتا ہے اس لیئے دیکھا جاتا ہے کہ روح سے غور و فکر کرنے کی قوت بہت کچھ مفقود ہو جاتی ہے۔ گو اس وقت غیب بینی اور جسم پر تصرف کرنے کی یا اور ایسی ہی بہت سی طاقتین موجود ہوتی ہین چنانچہ مسٹر ہڈسن ایسے واقعات کی بنا پر یقین کرتے ہین[1] کہ انسان کی روح مین جزئیات کو دیکھ کر ان سے کوئی کلی نتیجہ اخذ کرنے کی قوت نہین ہے البتہ کوئی کلیہ قاعدہ معلوم ہونے پر یا خیال دلوائے جانے پر اسکو جزئیات پر منطبق کر سکتی ہے مثلاً اگر مسمریزم کی حالت مین معمول کو یقین دلوایا جائے کہ وہ کتا ہے تو اسکی روح مین یہ قوت نہین ہوتی کہ اپنے کتا ہونے کی نسبت غور کرے اور اپنے حالات کو دیکھ کر نتیجہ نکالے کہ مین ان حالات و اوصاف کے باوجود کتا نہین ہو سکتا بلکہ اسکے برخلاف چونکہ کتا ہونیکا خیال دلوایا گیا ہے وہ اپنی حالت پر اس کو منطبق کرنے کی کوشش کریگا کتے کی طرح بھونکنے اور چار ہاتھ پاؤن سے چلنے لگیگا اور اگر اس کو کہا جائے کہ تو تپ مین مبتلا ہے تو وہ اپنی حالت پر غور کرکے اس سے انکار نہین کریگا بلکہ فوراً یقین کر لیگا اور اس یقین کا ایسا اثر ہوگا کہ واقع مین جسم گرم ہو جائیگا نبض تیز ہو جائیگی اور پھر تندرستی کا خیال دلوانے پر فی الفور سب علامتین دور ہو جائینگی

غور و فکر روح کی صفت نہین غرض زندگی کی عام حالت سے ثابت ہوتا ہے کہ غور و فکر کی قوت انسان کی جسمانی صفت ہے اور اسکی روحانی صفت اگر ہو سکتی ہے تو وہ صرف خواہش ہے اور مسمریزم کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر روح مین کچھ قوت ہے بھی تو وہ کلیات کو جزئیات پر منطبق کرنے کی ہے اور استدلال کا دوسرا عمل یعنے جزئیات سے کوئی کلی نتیجہ نکالنا اسکے

[1] کتاب دی لا آف سائیکک فینامنا باب سوئم وغیرہ

امکان نہیں اور نیز یہ کہ وہ قوت متخیلہ سے متاثر ہونے کی بہت بڑی قابلیت رکھتی ہے
اور سمریزم کی حالت میں جبکہ روح کا تعلق جسم سے بالکل منقطع نہیں ہوا اس لیے اس وقت
کلیات کو جزئیات پر منطبق کرنے کی قابلیت جو اس میں پائی جاتی ہے اسکی نسبت بھی یقین
نہیں ہو سکتا کہ وہ اسکی خاص اپنی صفت ہے بلکہ گمان ہوتا ہے کہ غالباً یہ بھی کسیقدر
جسمانی تعلق کے قائم رہنے کے سبب سے ہے۔ ورنہ اس کو روح کی اپنی صفت جب کہہ سکتے
کہ روح اور جسم کا تعلق بالکل منقطع ہو چکنے بعد ایسا تجربہ ہو سکتا۔

غرض ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیونکر احتمال ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں جبکہ روح کو
جسم سے کوئی تعلق نہیں وہ اپنے گذشتہ حالات پر غور کرتی ہوگی اور یہ نتیجہ نکال سکتی ہوگی
کہ آئندہ زندگی میں ایسے حالات سے اجتناب کرنا چاہئیے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ خواہش کی
صفت روح میں دائمی ہے جس خواہش میں اس نے اپنی تمام جسمانی عمر گذاری ہے اسی
خواہش میں مبتلا رہتی ہوگی اور نیز چونکہ وہ قوت خیال سے بہت متاثر ہوتی ہے اس لئے
جس خیال نے تمام عمر اس پر قبضہ رکھا ہے وہی اس وقت بھی اس پر متصرف رہتا ہوگا۔ پس
مسز اینی بسینٹ اور ان کے ہمخیالوں کا عالم برزخ کی امید پر جینا محض خیال خام ہے
اور نیچر کی شہادت اس کے خلاف ہے اور خود مسز اینی بسنٹ کے کلام میں اس بارہ
میں بہت تذبذب پایا جاتا ہے چنانچہ وہ اسی تحریر میں ایک اور موقعہ پر لکھتی ہیں کہ

"بُرے خیالات میں گرفتار رہنے والا جب مرتا ہے تو اپنے خیالات کی وجہ سے برزخی
زندگی حاصل کرتا ہے اور نہ صرف زمین پر آتا ہے بلکہ ان خیالات کو اور بھی سختی کے ساتھ بجا
لاتا ہے کیونکہ حالت برزخ میں وہ خیالات گو مخفی رہتے ہیں مگر پختہ ہوئے رہتے ہیں۔
اور زمین پر آکر پہلے سے زیادہ زور ظاہر کرتے ہیں" (ایک اور موقع پر لکھتی ہیں) دیواچک
یعنی عالم برزخ ایک ایسی حالت ہے جو زمینی زندگی کے تجربوں سے بالکل متناسب ہوتی ہے اور اس عالم کا
کمال ان خیالات کی مقدار اور نوعیت پر منحصر ہے جو حیات ارضی میں حاصل کئے جائیں۔ اور

بھی خیالات وہاں جاکر روح کی طاقت اور اسکی ذات کا ایک حصہ ہوجاتے ہیں ؎

پس خواہ روح کو جسم چھوڑنے کے بعد کچھ عرصہ علیحدہ رہنا پڑے اور خواہ وہ دوبارہ سہ بارہ دنیا میں آمد ورفت رکھے جو وصف اور عادت اس نے اس زندگی میں کسب کی ہے ترقی اسی کی ہوگی اور وہ وصف اگر بدی ہے تو کبھی آئندہ اس سے نیکی پیدا ہوجانے کیلئے کوئی دلیل موجود نہیں اور اس لیئے اگر ہماری موجودہ زندگی ہماری گزشتہ زندگیوں کا نتیجہ مانا جائے جیساکہ اہل تناسخ کا خیال ہے تب بھی یہ بار بار کا جکر ہماری گذشتہ آموختہ کو دہرانے کے سوا کسی مصرف کا نہیں اور ہماری حالت درست کرنے کے لیئے مفید نہیں ہوسکتا ۔

بدھ اور مسیح کی مثال یوں کہنے کو سوامی وبکانند جی کہتے ہیں کہ بدھ اور مسیح جیسے مہاتما جنکی نیکی نے دنیا کے بڑے حصہ سے پرستش کروائی ہے لاکھا جونوں کے تجربوں سے ایسے بنے ہونگے ۔ گویا یہ تناسخ کا فائدہ ہے اور اسی طرح سب نیک بنجائینگے لیکن اگر یہ فائدہ تناسخ کا سمجھا جائے تو جن انسانوں کی ترغیب وتحریص بامثال سے تمام شراب خواری اور قمار بازی وغیرہ بدرسمیں رائج ہوگئی ہیں ان کا ایسا عالمگیر اثر اور کشش اور قوت بھی لاکھا جونوں کے تجربہ سے پیدا ہوئی ہوگی ۔ اس لیئے اگر تناسخ کو مان کر مسیح اور بدھ کا معبود خلایق ہونا اس تھیوری میطبق ہوتا ہے تو شراب اور قمار کے موجدوں کی معجزنما کامیابی بھی تناسخ ہی کے باعث ماننی پڑیگی اور اسلیئے تناسخ کی وجہ سے سب انسانوں کا یکساں نیک نتیجہ پر پہونچنے کا خیال صحیح ثابت نہیں ہوسکتا ۔ اور دوسرے اگر مسیح وبدھ جیسی قوی طبیعت تناسخ کے سبب سے ہوئی ہے تو چونکہ تناسخ سبھی ارواح کے لئے مانا جاتا ہے اس لئے چاہئے تھا کہ ایک مسیح اور بدھ ہی ایسے نہ ہونے بلکہ سبھی اس طرح ترقی کرتے جاتے اور جو لوگ جس قدر تعداد میں مسیح اور بدھ ایسے بن گئے ہیں اسی قدر تعداد میں اور لوگ بھی اسی قوت اور راز کے مالک بن جاتے ۔ اور نیز اگرچہ مسیح اور بدھ میں بہت بڑی قوت مانی جاسکتی ہے کیونکہ دنیا کے

بڑے حصہ نے ان کے آگے سجدہ کیا ہے لیکن پھر بھی ابھی اور ترقی کی گنجائش ہے اور
دنیا مین ایسی ہی بڑی تعداد ان کو ماننے والون کی ہی موجود ہے اور ادھر مسیح اور بدھ
کے بعد زمانہ بھی بہت بڑا گذر چکا ہے اس لئے اگر اس وقت تک کی آمد و رفت نے مسیح اور بدھ
بنائے تھے تو ان کے بعد اس وقت تک کی آمد و رفت سے جو تجربہ زیادہ ہوا ہوگا اس سے
لازم تھا کہ اب کے لوگ مسیح اور بدھ سے بھی زیادہ اترا ور قوت پیدا کر لیتے اور اگر ان سے
بعض لوگون کو انکار بھی ہے تو اس وقت کے رشی اور مہارشی تمام جہان سے سیوا لیتے
حالانکہ واقعات اسکے خلاف ہین اور ایسی قوت کے لوگ بہت کم اور حال حال ہی نظر آتے
ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اور بدھ بننے کا راز تناسخ کے چکر مین نہین بلکہ اُن کی
طبیعتین ہی فطرتاً ایسی قوی واقع ہوئی تہین جس سے ہر زمانے مین قومون کی قومین ان کے
نام پر قربان ہوتی رہین - اور جب اس امر کو ماننے سے چارہ نہین کہ انسانی طبیعتین باہم
مختلف ہین اور بعض روحین فطرتاً قوی ہوتی ہین تو بعض نیک یا بد اشخاص کے عالمگیر اثر اور
انکی تعلیم کی اشاعت کا باعث اُنکی فطری قوت ہوگی نہ تناسخ کا چکر -

کمال تک پہنچنے کی سبیل اور پھر اور زیادہ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قوی طبیعتون والے
گو اپنی عجیب تعلیم اور دلکش ایجاد کے لحاظ سے بہت بڑے امتیاز کے مستحق ہین لیکن اُنکا یہ امتیاز
سب کا سب اُنہی کی ذات سے مخصوص نہین بلکہ عام نوع انسانی کے مختلف الانواع ترقیان اُس
امتیاز تک پہنچانے مین بہت بڑی معاون ہوئی ہین اور جس طرح ہم مختلف علوم و فنون کی
ترقی مین کہہ سکتے ہین کہ اُنکی اعلےٰ دریافتین اور باریک موشگافیان دفعتاً اس شخص کے دماغ مین
پیدا نہین ہوئین جسکو کسی فن کا موجد یا امام کہا جاتا ہے بلکہ نہایت قدیم زمانے سے نہایت
سادہ شکل مین ایسے فنون کی بنیاد پڑ کر بڑھتی ہوئی اس حالت کو پہونچ چکی تھی جس کے بعد
کسی قوی الذہن اور عقیل شخص کو اسمین ایجاد و اختراع کرنے کا موقع ملا - مثلاً علم حساب کے عمدہ
اور سہل قاعدے بنانے والے گو موجد فن ہین مگر یہ ایسی ایجاد نہین جس کا پہلے وجود ہی نہ ہو بلکہ کسی نے

سچ کہا ہے کہ ابتدائے آفرینش انسانی مین جب کسی شخص نے جنگل کے دس سیب توڑ کر اپنے دونو بچون مین برابر بانٹنے کیلئے ایک ادھر اور ایک اُدھر رکھتے ہوئے پانچ پانچ کی ڈھیریان بنادی ہونگی وہ علم حساب کا پہلا موجد ہے۔ اُس کے بعد کسی نے پانچ اور دس کا نام مقرر کر دیا ہوگا جسے اس سلسلہ کا دوسرا امام کہنا چاہئیے۔ اس کے بعد کسی نے یہ گُر مقرر کر دیا ہوگا کہ دس چیزون کو پانچ پانچ کی دو ڈھیریون مین رکھا جائے تو دونو برابر ہوتے ہین اور پھر اس قسم کے گُرون کو سیکھ کرتے ہوئے شمار و اعداد کا علم اس حد تک پہونچ گیا ہوگا جب کے بعد کسی ذہین کیلئے اس علم کو بطور ایک فن کے مرتب کرنا اور پہلے قاعدون کو آسان بنانا یا نئے قاعدے ایجاد کرنا سہل ہوا۔ اب اس شخص کی نسبت یہ کہنے کی ضرورت نہین کہ اس نے بہت ہی جو نئون مین پھرنے کے سبب السا حن ایجاد کیا بلکہ ضرور کہنا چاہئیے کہ اُس نے اپنے سے پہلے انسانون کے علم اور ان کے تجربون سے جن کا علم اسے اسی موجودہ زندگی مین ہوا اپنی قوت طبع سے وہ سبق سیکھا جس کا نتیجہ فن حساب کی ترتیب ہے۔ اسی طرح ابتدائے آفرینش سے اپنا غم غلط کرنے کے لیے دل بہلانے کی چیزین اور شغل تلاش کرتے کرتے اور بہت سی ابتدائی اور آسان اصولون کو دریافت کرتے کرتے ایسا وقت آیا تھا جبکہ کسی ذہین کو شراب اور قمار جیسی مسرت اور دلفریبی کی اعلےٰ تدبیرین سوجھین اور اسی طرح روحانی عالم کی سیر کرنے والے جن کو پیغمبر یا رشی کہتے ہین انکے معرفت کے تجربون کی حقیقت خواہ کچھ ہو اسمین شک نہین کہ اس آگ کی چنگاری بھی ابتدا ہی سے دلون کو گرما رہی تھی اور قدیم ہی سے پاکیزہ اور مقدس ارواح کو اپنی اپنی استعداد کے موافق نور ازل کی شعاعین روشنی بخش رہی تھین چنانچہ جس طرح دنیا کے اور علوم وفنون بتدریج ترقی کرتے ہوئے اس حدتک پہنچے ہین کہ ان کے روشن اور واضح قوانین مرتب ہوکر عامہ خلائق کی تسلیم کے قابل ہوئے اسی طرح معرفت کے تجربے اور وصال ربانی کے قاعدے بھی قلوب مصفا پر وقتاً فوقتاً القا ہوتے ہوئے یہ وقت آیا کہ بعض انسانون کی اس قسم کی تعلیم نے دنیا کے بڑے

حصہ کو اپنا گرویدہ بنایا۔ اسلئے یہ بہت سی جونون مین پھرنے کا نتیجہ نہین بلکہ مذہبی روح کے عام طبائع انسانی مین سرایت کرنیکا اور وقت وقت کے انبیا اور حاملان مذہب کی آوازون کے فضامین گونجنے کا اور اس طرح پر تمام علوم عرفانی کے ایک شخص کی گرفت مین آجانیکا باعث ہے جس سے بڑے بڑے صاف دل لوگون کو پہلے تجربون پر ابزاد کرنے اور اُن کی غلطیون کو نکالنے کا موقع ملا۔ غرض معرفت کی ترقی اور دیگر علوم کی ترقی مین بجز اسکے کوئی تفاوت نہین کہ جیسا پہلے ذکر ہوچکا ہے دیگر علوم مین انسان اپنے سے کمتر ہستیون کا تجربہ کرتا ہے اور اس لیے فاعلانہ حیثیت رکھتا ہے اور معرفت مین ایک بالاتر ہستی کا تجربہ ہے جسمین فاعلی حرکت اس ہستی کی جانب سے ہو اور انسان کی حیثیت صرف انفعالی ہے اور اس انفعالی قابلیت کی ترقی سے شعاعون کی فاعلانہ حرکت تیز ہوتی رہتی ہے۔

خدا کی قدرت سے بھی انکار نہین ہوسکتا

حاصل یہ کہ اس سرمایہ کو دیکھکر جو ہماری عقل کے پاس دنیا مین موجود ہے کسی طرح ثابت نہین ہوتا کہ دنیا کے بڑے بڑے پاکباز تناسخ کی وجہ سے ایسے پاکباز ہوئے ہین اور اسلئے تناسخ پاکبازی کو بڑھانے والا اور بدی کو نابود کرنیوالا ہے اور اس لیے اِس چکر کی وجہ سے نیک اور بد دونو انجام مین نیک نتیجہ حاصل کرینگے ہان اس مین شک نہین کہ خدا ہے اور وہ رحیم وکریم بھی ہے اور بیشک خدا نور ہے اور وہ نور اگر اپنی مرضی سے خود شعاعین ڈالنے لگے تو سیہ سے سیہ قلب کو منور کرسکتا ہے پس اگر اسکی قدرت کا بھی اقتضا ہو کہ عابد خداپرست اور رند بت پرست دونو آخر مین دائمی راحت ومسرت حاصل کرین تو چشم ما روشن۔ ہم گنہگارون کے لئے اس سے بڑھکر کوئی مژدہ نہین اور ہم مانتے ہین کہ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (خدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور حکم دیتا ہے جو اُسکے ارادہ مین ہو) لیکن دنیا مین جو سلسلہ جاری کیا گیا ہے اسکی شہادت یہی ہے کہ بے سبب کوئی نتیجہ پیدا نہین ہوتا اور دنیا سب کچھ وہی ہے مگر اُسی کو اور اُسی قدر جسمین جس قدر قابلیت

ہو۔ اس لئے شہادت کو دیکھتے ہوئے بیسے مست ہونا اور سب کا انجام برا سمجھنا جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم نیکی سے بسبب اسکے بسود ہونیکے بیزار ہو جائیں یا باطنی مست ہونا اور سب باتوں کو منتج خیر سمجھنا جس کا نتیجہ ہو کہ ہم بدی سے بسبب اس کے مضر نہ ہونے کے پرہیز نہ کریں دونو اصول غلط ہیں۔ ضرور بد کا انجام ہمیشہ بد ہے اور نیک کا انجام ہمیشہ نیک اور اس لئے جب تک ہم میں عقل و شعور ہے بدی اور نیکی میں امتیاز کرنے اور بدی کو چھوڑنے اور نیکی اختیار کرنے کے سوا کوئی اور سلامتی کا رستہ نہیں آگے **جو خدا کو منظور ہے وہ ہوگا**۔ غرض یہی وہ نتیجہ ہے جسکو عقل تسلیم کرسکتی ہے اور یہی تعلیم ہونی چاہئے اس مذہب کی جانب سے جو عقلا کو اپنی طرف بلائے اور اپنی خوبی کے لیے عقل کو معیار گردانے کا دعوے کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ط وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ط

(النساء پارہ ۴ ع ۲)

یہ خدا کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو شخص خدا اور رسول کی اطاعت کرے اسے وہ جنت میں داخل کریگا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص خدا و رسول کی نافرمانی کرے اور اسکی حدوں کو توڑے اُسے آگ میں داخل کریگا جسمیں وہ ہمیشہ رہیگا اور اسکو ذلت بخش عذاب ہوگا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود پارہ ۱۲ ع ۹)

لیکن جو بدبخت ہیں وہ آگ میں رہینگے جو جوش و خروش کرتی ہے اسمیں ہمیشہ رہیں گے جبتک آسمان و زمین ہے مگر جو خدا چاہے۔ تیرا رب جو چاہے کرسکتا ہے اور جو نیکبخت ہیں وہ بہشت میں ہمیشہ رہینگے جبتک آسمان و زمین ہے مگر جو تمہارا پروردگار چاہے یہ عطیہ غیر منقطع ہے

قیامت

جو ازلی نہیں وہ ابدی بھی نہیں اسکی تحقیق - ہر انقلاب پر ترقی ہوتی آئی ہے - منجمد ہو جانے پر ترقی کی سبیل ہیکلوں کی عمر نور کی قوت و ضعف پر منحصر ہے - تشخص قائم رہنے کی وجہ اور روح کا وجود - تمام دنیوی اجسام بعینہ زندہ نہیں ہونگے - حیوانات جزا و سزا پائینگے - ترقی کا امر راحت و تکلیف پر - ترقی کرنیوالوں نے دوسروں کو کیا فائدہ پہنچایا - تدابیر صحت کا فائدہ - اصلاح حکومت کا فائدہ - سہولت نقل و حرکت کا فائدہ وسائل نامہ و پیام کا فائدہ - راحت و مسرت کی آرزو بر آنے کا بھی کوئی موقع ہونا چاہئیے - راحت و غم مکمل کیونکر ہوگا - آئندہ ترقی کے وسائل - فورس اور انرجی کے مختلف مظاہر سائنس کے مسلمات سے استدلالی رفتار مذہب تک جاسکتی ہے - ترقی کے مختلف درجات میں فورس اور انرجی کی شکل بدلتی جاتی ہے آئندہ انقلاب میں ترقی اور بھی اعلےٰ ہونی چاہئیے - آئندہ ترقی معرفت میں ہوگی - آئندہ ترقی کے لئے جو ساماں ہونا چاہئیے وہ اسی عالم میں مہیا کر دیا گیا ہے آئندہ ترقی غیر محدود ہوگی - روح صرف جسم میں ہی ترقی کر سکتی ہے - ارواح کیلئے مادہ کی کمی نہیں - آئندہ ترقی میں اجسام کی حالت - حشر کے متعلق اسلامی تعلیم اجتماعی تربیت سے اجتماعی خصائل بدل نہیں سکتے -

| جو ازلی نہیں وہ ابدی بھی نہیں، اسکی تحقیق - |

دنیا کے نیک اور بد نتائج کو ہمیشہ کے لئے جاری رہنے کے قابل مانکر سوال ہوتا ہے کہ آیا دنیا کی حالت کو دیکھکر کوئی احتمال ہو سکتا ہے کہ یہاں کے عمل کرنیوالے ہمیشہ تک قائم رہیں گے اور اپنی جزا و سزا بھگتینگے - یا جیسا کہ عام طور پر میٹیریلسٹ یعنی مادہ پرستوں کا خیال ہے - یہ تمام انتظام ایک دن فنا ہو جانے والا ہے اور یہاں کے اشخاص موت کے ساتھ اپنی ہستی کو کھو بیٹھتے ہیں

ہستی خدا کے بارہ میں جو احتمالات قائم کئے گئے تھے ان سے ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ

ایک ازلی، اور ابدی ہستی نے اس عالم کو اپنی قوت علم سے نیست سے ہست کیا ہے مطلب یہ کہ یہ عالم قدیم اور ازلی نہین ہے پس اسکی نسبت ایک عام قانون قدرت مانا جاتا ہے کہ جب قدیم اور ازلی نہین تو دائمی اور ابدی بھی نہ ہوگا۔ اس اصول کو مانکر تو کہنا پڑتا ہے کہ نیست سے ہست ہونیوالے ایکدن ضرور تباہ ہوجائینگے اور اس لیے انکی نیکی اور بدی اور اسکا انجام بھی چند روزہ کھیل سے زیادہ وقعت نہین رکھتا۔ اور بیشک یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو ازلی نہین وہ ابدی بھی نہین ہوسکتا لیکن اسکا مطلب سمجھنے مین کسی قدر تساہل ہوتا ہے۔ جو چیز ازلی نہین اور چونکہ معدوم تھی اسلئے وہ اپنے وجود مین ضرور غیر کی محتاج ہے جو اسے نعمت وجود سے بہرہ ور کرے اور جب اسکا وجود عاریتی ہے اور اسکی اپنی ذات وجود اور عدم دونو کو برداشت کرسکتی ہے تو اس کا وجود جس طرح حاصل کسی اور کی وجہ سے ہوا ہے اسی طرح قائم بھی کسی اور ہی کی وجہ سے رہسکیگا۔ اسلئے یہ کہنا درست ہے کہ جس طرح خود وہ چیز ازل سے موجود ہونے کے قابل نہ تھی اسی طرح وہ خود اپنی ذات سے ابد تک موجود رہنے کے بھی قابل نہین۔ لیکن یہ کہ جس دوسری ہستی نے اسے موجود کیا ہے وہ بھی اسکو جب تک چاہے موجود رکھنے کے قابل نہین ہے یہ اس دوسری ہستی یعنے پیدا کرنیوالے کی قوت اور ارادہ پر منحصر ہے۔

اگر کسی کمزور ہستی نے اپنی قوت متخیلہ سے کوئی وجود پیدا کیا ہے تو ضرور ہے کہ وہ محدود عرصہ تک اس خیال کو قائم رکھ سکیگی اور اس لئے اسکی مخلوق ضرور ایک عرصے مین فنا اور نابود ہوجائیگی۔ چنانچہ جن خیالات کو انسان وجود کا جامہ پہناتا ہے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اس کی قوت اور ضعف کے موافق ایک دو لمحہ سے لیکر سال دو سال دس سال تک قائم رہتے ہین اور آخر کار نابود ہوجاتے ہین۔ کیونکہ انسان اگر چاہے جب بھی اپنے خیال کو ایک طرف تھوڑی ہی دیر کے لئے لگا سکتا ہے لیکن جس ہستی کو دنیا کا خالق مانا جاتا ہے اور دنیا کو جسکی قوت علم یا خیال کی محسوس تصویر مانا گیا ہے اسکی قوت وقدرت کے آگے انسانی قوت خیالیہ کی کوئی ہستی ہی نہین اسکی قدرت اس کا علم اور تمام صفات غیر محدود ہین اس لیئے اگر اس نے اپنی قوت علم سے

دنیا کو پیدا کیا ہے اور اگر وہ اسکو کچھ عرصہ تک قائم رکھنا چاہتا ہے تو اسکی غیر محدودیت کے آگے کچھ مشکل نہیں - وہ انسان کی طرح اپنے علم کی ایک صورت قائم رکھنے سے تھک نہیں سکتا اور چونکہ وہ خود ابدی ہے اس لیے اگر ابد تک وہ اس صورت کو قائم رکھنا چاہے تو اسکی ذات سے کچھ بعید نہیں - ہان اگر وہ خود فنا کرنا چاہے تو پھر اس ہستی مین بسبب حادث ہونے کے یہ طاقت نہیں کہ اسکی مشیت کا مقابلہ کرے اور اسکی مرضی کے خلاف قائم رہ سکے - غرض "جو ازلی نہین وہ ابدی بھی نہین" اس قاعدہ کا یہ مطلب ہوا کہ ایسی چیز اپنی ذاتی قوت سے ازل مین موجود نہین ہو سکتی اور اپنی ذاتی قوت سے ابد تک قائم نہین رہ سکتی یعنی وہ اپنے وجود کے لئے بالکل غیر کی محتاج ہے لیکن ایسی چیز کسی دوسری ہستی کے اثر سے بھی ابد تک نہین رہ سکتی - یہ کہنا غلط ہے بلکہ اگر دوسری ہستی ابدی ہے اور اگر اسکی قدرت غیر محدود ہے تو ایسی چیز اس ہستی کی مدد سے جبتک وہ ہستی چاہے قائم رہ سکتی ہے -

ہر انقلاب پر ترقی ہوتی آئی ہے -

مگر اس سے کیا ثابت ہوا؟ یہی کہ یہان رہنے والون کا ہمیشہ تک رہنا ممکن ہے - اور ممکن ہونے سے چونکہ لازم نہین آتا کہ رہین گے بھی ضرور اس لئے عالم آخرت کا احتمال قائم کرنیکے لیئے ابھی اور سامان کی ضرورت ہو اور دیکھنا چاہیئے کہ آیا دنیا مین کوئی نشان آئندہ ہستی کا بھی پایا جاتا ہے یا نہین - یہ دیکھنے کیلئے دنیا کی ابتدا اور اسکی ترقی کی رفتار کو دیکھنا چاہیئے جس کا آجتک تجربہ ہوا ہے - اسمین کچھ شک نہین کہ دنیا سب کی سب ہزارون طرح کے انقلاب اور تغیرات کا ہدف ہے اور دیکھنے والے سمندرون پہاڑون اور خود زمین آفتاب اور دیگر سیارون کو بھی انقلاب برداشت کرتے ہوئے اور ہر لحظہ ایک حالت سے دوسری حالت مین جاتے ہوئے دیکھتے ہین چنانچہ اس قسم کے تجربون سے اور عالمانہ اصول کے موافق استدلالون سے دنیا کی پیدائش کے متعلق آجتک جو خیال سب سے زیادہ قرین قیاس اور صحیح مانا جاتا ہے وہ نیبیولس تھیوری یعنے بخار کے بادل سے شروع ہونیکا مسئلہ ہے جس کے رُو سے دنیا لطافت سے

کثافت کیطرف آتے ہوئے ایک دن جم کر برف کا تودہ بن جائیگی اور اُس دن سائنس کے نزدیک گویا دنیا اور دُنیا کے کاروبار اور ان کے نتائج سب کا خاتمہ ہے مگر جس وقت یہ زمین و آسمان کا مادہ بخار کی شکل میں ایسا پھیلا ہوا تھا کہ آج کے دن کا ایک گرین کا ذرہ اُس وقت ھیم ھالٹز کے خیال کے مطابق کئی بلین مکعب میلوں میں پھیلا ہوا خیال کیا جاتا ہے اُس وقت اگر کوئی سائنس دان موجود ہوتا اور اپنے علم سے قیاس لگاتا کہ ایک دن پھیلا ہوا بخار سمٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے یعنی آفتاب اور سیارے بن جائیں گے تو وہ بخار کی اس حالت کو جس کو ہمیشہ سے دیکھنے کا عادی تھا دنیا کی اصلی حالت سمجھتا اور اسکے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کو دنیا کا خاتمہ خیال کرتا حالانکہ بعد کے تجربوں سے ثابت ہوا کہ وہ حالت محض ابتدائی تھی اور ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہی عالم کی ترقی کا زینہ ہے۔ اسی طرح جس وقت زمین گیس کی حالت سے سیال شکل میں تبدیل ہونی شروع ہوئی ہوگی اُس وقت کوئی ذی عقل انسان موجود ہوتا تو وہ بھی ضرور خیال کرتا کہ قیامت آگئی اور لطافت جو پہلے سے موجود تھی پانی بناکر بہادی گئی۔ مگر حقیقت میں وہ بھی ترقی کا ایک درجہ تھا۔ اور اسی طرح سیال سے منجمد ہونے کے وقت کوئی ہوتا اور روانگی کے بعد سکون کو بیکار ہو جانا سمجھتا اور علی ہذا نباتات اور حیوانات کے پیدا ہونے پر اگر کوئی غور کرنیوالا ہوتا تو مادہ کے فاسد ہو جانے اور اُس میں پھوڑے پھنسیاں نکلنے اور کیڑے چل جانیکا خیال کرتا۔ غرض ہر ایک بڑے انقلاب کے وقت جو ہوتا آیا ہے حالت موجودہ کے بدل جانے کی وجہ سے خیال کرنے والا دُنیا کا خاتمہ سمجھ سکتا تھا مگر اب ہم سمجھتے ہیں کہ سب سے عمدہ حالت ہی وہ ہے جو اب پیدا ہوئی ہے اور دنیا کو پیدا کرنے سے غرض ہی یہ تھی کہ یہ دسترخوان آراستہ کرنے کے بعد حضرت انسان کی دعوت کی جائے۔ اچھا تو اگر کوئی غور کرنے والے اس وقت غور کرتے وہ ہر ایک انقلاب کو خاتمہ سمجھ لینے میں حق بجانب بھی ہوتے کیونکہ وہ ایک ہی حالت کا خیال کرتے اور اسمیں تغیر ہوتا دیکھتے۔ مگر ہم جو اتنے انقلابوں کے بعد اور ہر ایک انقلاب

پر حیرت انگیز ترقی دیکھنے کے بعد منجمد ہو جانے کو خاتمہ سمجھتے ہین تو کیا ہم بھی مجبور ہین؟ بیشک ہم سمجھہ نہین سکتے کہ منجمد ہو جانے پر یہ عالم کس طرح ترقی کریگا لیکن جس نے گیس کو سیال یا منجمد ہوتے دیکھا ہوگا وہ بھی اُس وقت نہ سمجھ سکا ہوگا کہ اب کیا ہوگا - اور ہمنے جو ان حالتون کا خیال کرنے پر سمجھا ہے کہ یہ ترقی تھی تو اسلیئے کہ ہمکو بعد کے حالات دیکھنے کا موقع ملا پس اب بھی برف بنجانے پر جو ترقی ہونے والی ہے اسکو وہی شخص سمجھہ سکیگا جو اس حالت کو دیکھیگا لیکن پھر بھی نہایت ظلم ہوگا اگر ہم اتنے انقلابون کا علم رکھنے اور ان کے اندر ترقی کا رستہ صاف ہوتے دیکھنے کے بعد اتنا بھی نہ سمجھین کہ جس طرح ان دونون مین پہلی حالت کے بعد دوسری حالت اور بھی بڑھہ چڑھہ کر آب و تاب دکھائی رہی ہے اور معلوم ہو رہا ہے کہ پہلے جو کچھہ تھا محض تمہید تھی اور پیدائش کی حقیقت اب ظاہر ہوئی ہے اسی طرح اس حالت کے بعد دوسری حالت بھی کچھہ ایسی ہی ہوگی جس کے سامنے یہ سب آبادی اور رونق ایک کھیل سے زیادہ وقعت نہ رکھے گی اور ثابت ہوگا کہ حقیقی زندگی ابھی حاصل ہوئی ہے -

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ط (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۷)	یہ دُنیا کی زندگی لہو ولعب سے زیادہ نہین اور بیشک اگلی دُنیا ہی حقیقی زندگی ہے - کاش لوگ یہ سمجھ جائیں

اسمین شک نہین کہ یہ پولس نہ نبوی عالمانہ دماغ کا استدلال ہے اور تجربہ کی بات نہین لیکن اگر یہ مسئلہ غلط ہو اور دنیا کی پیدائش اور اسکی آیندہ حالت کسی اور شکل پر ہو تب بھی اس مین شبہ نہین کہ دنیا ہمیشہ سے ایک حالت پر قائم نہین اور ہزارون طرح کے انقلاب برداشت کر رہی ہے اور برداشت کرتی جائیگی - اس لیے انقلاب کی شکل خواہ کچھہ ہو - ہمارا اس وقت کا استدلال صرف اس بات پر منحصر ہے کہ پہلے انقلابون سے جب خاتمہ نہ ہوا بلکہ ترقی ہوتی گئی تو آئندہ انقلابون سے کام کیون بند ہو جائیگا - اور اس وقت تک چونکہ انقلابون کی یہی شکل مانی گئی ہے اس لیے استدلال کو الفاظ مین لانے کے لیئے حال کی

مسلمہ شکلون کا ہی ذکر کرنا پڑتا ہے۔

منجمد ہو جانے پر ترقی کی سبیل

مگر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس وقت تک جس قدر انقلابون کا تجربہ ہوا ہے ان مین حرارت اور روشنی کسی نہ کسی سرچشمہ سے نکلتی رہی ہے اور اسی سبب سے دنیا مین ترقی ہوتی آئی ہے اور ہم یقین رکھتے ہین کہ اگر اوھر سے حرارت وغیرہ کا آنا بند ہو جائے تو ترقی بہی یکلخت بند ہو جائیگی - اور سائنس جب وقت پر اس نظام کا بگڑ جانا مانتی ہے وہ وہی وقت ہے کہ تمام فضا منجمد ہو جائیگی اور حرارت اور روشنی کا کوئی سرچشمہ موجود نہ رہیگا اس لیے اِس وقت ترقی کا کوئی اور ظہور ماننا بے وجہ ہے مگر اس اعتراض کا وزن دیکھنے کے لیے ہمین پہر اسی سلسلہ کو دیکھنا چاہیے جس مین پہلے غور کیا ہے - چنانچہ ایک وقت تھا کہ زمین بخارکے بادل سے الگ ہو کر گیس کی شکل مین گھوم رہی تھی - اس وقت حرارت خود اسکے اندر موجود تھی اور اسکے ذرات کو باہر کی طرف دھکیل رہی تھی اور پھر رفتہ رفتہ وہ حرارت گم ہو گئی یا کم ہو گئی اور اس کا اثر جاتا رہا - مگر اس حرارت کے زائل ہونے اور زمین کے منجمد ہو جانے پر ترقی مین کوئی رکاوٹ نہین ہوئی بلکہ جو حرارت اور روشنی وغیرہ آفتاب سے نکل رہی تھی اب آئندہ اسکی وساطت سے ترقی کی ایسی اعلےٰ شکلین نمایان ہوئین کہ زمین کی اندرونی حرارت سے ممکن نہ تھین - اب فرض کرو کہ ایک دن یہ ہمارا آفتاب بھی سرد ہو جائیگا اور زمین کیطرح اُسمین بہی حرارت کا وجود نہ رہیگا - لیکن اگر اس آفتاب سے پرے کوئی آفتاب ہو جس کے گرد یہ آفتاب اسی طرح حرکت کرتا ہو جس طرح اس آفتاب کے گرد زمین تو ضرور ہے کہ جس طرح زمین کے سرد ہو جانے پر آفتاب کی حرارت نے اس کو اور بہی ترقی دی تہی اسی طرح اس آفتاب کے سرد ہو جانے پر دوسرے آفتاب کی شعاع اس نظام کو اب سے زیادہ آباد کریگی اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک کرہ یا ایک نظام شمسی کے منجمد ہو جانے سے اگر اس سے اوپر کوئی اور آفتاب موجود ہو تو ترقی رک نہین سکتی - اس مشروط نتیجہ کو مان کر جسمین کوئی شک نہین اس کے ساتھ اس نتیجہ کو ملاؤ جو تمام عالم پر نظر کرنے

سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ازل سے ابد تک رہنے والا آفتاب وحدت ہی جس نے اس عالم کو پیدا کیا ہے اور جس کے نور نے ناموجود کو موجود اور نامحسوس کو محسوس بنایا ہے تو ان دونو مقدمات کو ملانے سے ثابت ہوگا کہ خواہ یہی ایک آفتاب ہو اور خواہ اس کے اوپر اور آفتابون کا ایک سلسلہ ہو ان سب کے منجمد ہو جانے پر اگر اصلی سرچشمہ یعنی آفتاب وحدت موجود ہے اور اگر وہ اپنی قدرت مین لازوال ہے تو اسکی شعاعون سے اس منجمد فضا پر وہی اثر ہوگا جو زمین کے منجمد ہو جانے پر آفتاب کی شعاعون سے ہوا۔ اور جس طرح اس آفتاب وحدت کے وہ آثار ہماری نظر سے مخفی ہین جو بخار کے بادل سے پہلے ہوئے ہونگے حالانکہ مادہ کے انقلابی حالت کو دیکھتے ہوئے ہم یقین کرتے ہین کہ پہلے بھی ہزارون انقلاب ہوئے ہونگے اسی طرح اس آفتاب کا وہ اثر بھی ہمکو محسوس نہین ہو سکتا جو انجماد کے بعد ظاہر ہوگا مگر اسی مادہ کی انقلابی حالت سے اس کا بھی یقین کرنا پڑتا ہے۔

غرض ان انقلابون کو دیکھ کر جس وقت ہم سمجھتے ہین کہ تمام مادی نظام تباہ ہو جائیگا اور تمام آفتاب اور سیارے منجمد اور بے نور ہو کر زمین و آسمان اور اُن کی درمیانی موجودات کی حالت دگرگون ہو جائیگی وہی وقت ہے جسکو **نفخ اول** کہتے ہین اور پھر جب اس کے بعد یہ خراب آباد براہ راست نور ربانی کا جلوہ گاہ بنیگا اور کسی اور طرح کی ترقی مین مصروف ہوگا اس زمانے کو **نفخ ثانی** کہتے ہین اور بالاجمال ان دونو انقلابون کا نام **قیامت** ہے

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۷)	جس دن یہ زمین بدل کر اور زمین ہو جائیگی اور آسمان بھی بدل جائینگے اور سب چیزین براہ راست خدا کے سامنے ہونگی
وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى	ان لوگون نے جیسا چاہئے خدا کو پہچانا نہین حالانکہ قیامت کے دن زمین سب اسکے قبضہ مین ہوگی اور آسمان لپٹے ہوئے اسکے ہاتھ مین ہونگے وہ ذات پاک اور بلند

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ○ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْۗءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

(زمر پارہ ۲۴ ع ۷)

ہے لوگون کے شرک سے۔ اور نرسنگھا پھونکا جائیگا پس جو آسمان و زمین پر ہین مر جائینگے باستثنا ان کے جن کو خدا چاہے۔ پھر دوبارہ پھونکا جائیگا تو وہ سب کھڑے ہوجائین گے اور حیران تکینگے اور زمین خدا کے نور سے روشن ہو گی اور کتاب رکھی جائیگی اور انبیا اور گواہون کو لایا جائیگا اور لوگون مین حق فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر ظلم نہوگا

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ○ كَلَّا لَا وَزَرَ ○ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ الْمُسْتَقَرُّ ○

(قیامہ پارہ ۲۹ ع ۱)

جب کہ نظر خیرہ ہو جائیگی اور چاند بے نور ہو جائیگا۔ اور سورج اور چاند جمع کردئے جائینگے۔ اس دن انسان کہیگا کہ اب ٹھکانا کہان ہے۔ بیشک کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔ اور اس دن صرف ذات خداوندی پر قیام کا مدار ہوگا۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ وَاِذَا السَّمَاۗءُ فُرِجَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ○

(مرسلات پارہ ۲۹ ع ۱)

پس جبکہ ستارے بے نور ہو جائینگے اور فضا خالی ہو جائیگی اور پہاڑ نابود ہو جائینگے اور جبکہ پیغمبرون کو جمع کیا جائیگا انکو کیسے بڑے دن مین نہادت دینی ہوگی۔ فیصلہ کے دن مین

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ .. عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ○

(کورت پارہ ۳۰ ع ۱)

جب کہ آفتاب بے نور کردیا جائیگا اور جبکہ ستارے گرادئے جائینگے اور جبکہ پہاڑ نابود کردے جائینگے . اسوقت جان لیگا ہر شخص جو اس نے پیش کیا ہے

شکلون کی عمر نور کی موت و ضعف پر منحصر ہے | تسلیم کرنیکے بعد کہ آئندہ انقلاب مین یہ مخلوق نئی شکل مین

پیدا ہو گی اور ترقی کریگی معین طور پر معلوم نہین ہو سکتا کہ اس وقت مخلوق کے وجود مین آنے یا قائم رہنے کا قانون کیا ہو گا البتہ یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ یہان مادہ کی مقدار اور جس قدر حرارت اور نور مادہ کو عطا کیا گیا ہے وہ سب کچھ محدود ہے اور مادہ اگرچہ اپنی حالت پر قائم ہے مگر حرارت اور نور وغیرہ کا ذخیرہ صرف ہوتا جاتا ہے چنانچہ جس قدر ذخیرہ زمین مین ودیعت نہادہ تھا صرف ہو چکا ہوا اور اب جو کچھ آفتاب سے مل رہا ہے اسکی مقدار بھی خواہ کیسی ہی عظیم الشان ہو مگر بے پایان نہین اور ایک دن ختم ہونے کو ہے اور پھر اسکے صرف ہونے کی بھی یہ شکل ہے کہ ایک خاص سمت سے خاص مقدار مین حرارت موصول ہوتی ہے اور جس چیز پر اس کا اثر پہنچتا ہے اسکی ایک طرف کو ایک خاص حد تک گرماتا ہے اور دوسری طرف تک پہنچتے پہنچتے وہ بھی کمزور ہو جاتا ہے اور اگرچہ سیارون کو دوری حرکت دینے سے ہر طرف حرارت پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے مگر دائمی اثر اس صورت مین بھی پیدا نہین ہوا اور اسی لئے سال کے مختلف موسمون مین اور رات دن کے مختلف حصون مین حرارت اور نور کا اثر مختلف ہوتا ہے اور جو مخلوق اس اثر سے پیدا ہوتی ہے وہ ایک مختصر عرصہ سے زیادہ قائم نہین رہ سکتی چنانچہ نباتات کا اکثر حصہ موسم کی ایک خاص حالت مین پیدا ہوتا ہے اور جب تک وہ حالت قائم رہتی ہے بڑھتا پھولتا ہے اور اس حالت کے ختم ہو جانے پر نابود ہو جاتا ہے اس سے زیادہ مکمل شکل کے درخت اگرچہ بہت عرصہ تک قائم رہتے ہین لیکن چونکہ محدود حرارت نے ہر چیز کے اندر محدود قوت پیدا کی ہے اسلئے ان درختون کے گرد و پیش کی فضا اور خوراک اور اسکی اندرونی اجزا کی قوت سب محدود ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو مادہ ان درختون مین صرف کیا گیا ہے اگرچہ وہ قائم رہتا ہے اور کبھی فنا نہین ہوتا مگر اسی محدود حرارت اور محدود قوت کے سبب درختون کی یہ شکل ہیئت کے لئے قائم نہین رہ سکتی - اور یہی کیفیت حیوانات اور انسان کی ہے کہ مادہ کی یہ شکلین بھی ایک محدود عرصہ مین فنا ہو جاتی ہین کیونکہ جو قوت ان کے اندر اور باہر کام کر رہی ہے وہ محدود ہے -

مگر اس قوت کے محدود ہونیکا سبب کیا ہے؟ اگرچہ کیا معلوم ہوگا لیکن دیکھنا چاہیئے
کہ یہان کچھہ اثر آفتاب کے نور سے ظاہر ہوتے ہین اور کچھ ماہتاب کے نور سے - اور دیکھا
جاتا ہے کہ ماہتاب کے نور سے جو اثر ظاہر ہوتے ہین اُنکا زمانہ بہت ہی مختصر ہوتا ہے - مدوجزر
ہو تو - پھل پھول کی پیداوار ہو تو اور جسم کے اندر خون کا جوش اور بعض امراض کا چاندنی
اور اندھیری راتون مین آتار چڑھاؤ ہو تو غرض جس قدر اثر چاند کی گردش سے پیدا ہوتے ہین
چند روز مین بدل جاتے ہین اور اس کے برخلاف آفتاب کے اثر سے زمین پر جس قدر تغیرات
ہوتے ہین ان مین سے بعض تو بہت عرصہ تک قائم رہتے ہین اور بعض مثلاً موسمون کا تغیّر
اور زراعت کی پیداوار بھی کم از کم مہینون کی عمر پاتے ہین اور اسکی وجہ اگر ہے تو یہی ماہتاب
مین جو اثر ہے وہ اسکی اپنی ذات سے پیدا نہین ہوتا بلکہ آفتاب ہی کا نور ہے جو ماہتاب کی
وساطت سے عمل کرتا ہے اور یہی ایک واسطہ حائل ہو جانے کا سبب ہے کہ وہ اثر کمزور ہو گیا ہے
اور اسکے خلاف آفتاب کا اثر خود اسکی ذات کیطرف منسوب ہے اور بے واسطہ ہونیکے سبب نسبتہً دیرپا
ہوتا ہے اب اگر یہ آفتاب بھی اپنی ذات سے منور نہ ہو بلکہ اسکے پیچھے کوئی اور سرچشمہ ہو جس سے
اسکو نور پہنچ رہا ہے تو ضرور ماننا پڑیگا کہ آفتاب کے اثر کی محدودیت بھی اسی سبب سے ہے کہ
اسکا نور خود اسکی ذات سے پیدا نہین ہوتا اور واسطہ حائل ہونے کے سبب اُس کے اثر سے جو
مخلوق پیدا ہوتی ہے وہ ایک خاص عرصہ مین فنا ہو جاتی ہے اور نیز یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اگر آفتاب
کے سرد ہو جانے پر اس سے اوپر کے آفتاب کا نور بے واسطہ آنے لگے تو اُسکی مخلوق اب سے
زیادہ دیرپا ہو اور یہی نتیجہ اس وجہ سے بھی پیدا ہوتا ہے کہ زمین جب گیس یا سیال تھی اور
حرارت خود اس کے اندر موجود تھی تو اسکی اجزا انہایت سرعت سے شکلین بدلتی رہتی تھین جیساکہ
اب بھی پانی اور بخار کے ذرات مین فوری تغیرات دیکھے جاتے ہین لیکن جب اسکے منجمد ہونے
پر آفتاب کی طرف سے حرارت آنے لگی تو شکلین بھی نسبتہً پائدار ہونے لگین اب جو یہ آفتاب بھی
منجمد ہو جائیگا تو دوسرے آفتاب کے اثر سے اسوقت کی شکلین ضرور اور پائدار ہونی چاہئین

اور اسکے ساتھ جب یہ مانا جائے کہ ایک آفتاب وحدت موجود ہے جو اپنی ذات سے منور ہے اور اسی کا نور ہے جو واسطہ در واسطہ تمام عالم کو منور کر رہا ہے اور نیز وہ نور غیر محدود ہے اور نیز غیر مادی ہونیکے سبب اس کے فیضان کے لیئے کسی خاص سمت اور خاص وقت کی بھی ضرورت نہین تو ضرور یہ نتیجہ نکلے گا کہ جب تمام درمیان وسائل ختم ہو جائینگے اور اس نور کی شعاعین براہ راست اور ہر طرف سے عالم کو منور کرینگی تو خواہ اس عالم کے پیدا ہونے کی کوئی شکل ہو اور اسکے قیام کے واسطے کسی قسم کے قوانین جاری ہون یہ ضرور ہوگا کہ اس وقت جو چیز پیدا ہوگی اُسکی عمر محدود نہ ہو بلکہ جبتک اس نور کی شعاعین کام کرین یعنی ابد الآباد تک وہ مخلوقات بھی قائم و دائم رہے۔

تشخص قائم رہنے کی وجہ اور روح کا وجود۔

ابھی تک اتنا ذکر ہوا ہے کہ اس عالم کے تو دُہ برف یا کسی اور شکل مین جاپہنچنے اور آبادی کے تباہ ہو جانے پر خاص نور وحدت کے اثر سے پیدائش کا سلسلہ جاری ہونے کو ہے لیکن اب سوال ہے کہ جب یہان کی مخلوق تباہ ہو گئی اور اسکی اجزا مادہ کے دیگر اجزا سے ملگئین تو یہان کی مخلوق کا تشخص بھی قائم نہ رہا۔ اسلیئے خواہ اسی مادہ سے اور اسے اعلےٰ شکلین پیدا کی جائین بعینہ وہ مخلوق پیدا نہ ہو گی جس نے اس دُنیا کو آباد کیا تھا۔ بلکہ وہ اور مخلوق ہو گی۔ اور اس سلیے ابھی تک ثابت نہین ہوا کہ یہان کی مخلوق دوبارہ زندہ ہو کر جزا و سزا برداشت کریگی۔ اور بیشک اگر محض جسمانیات کو دیکھا جائے تو ایک چیز کے ٹوٹ جانے پر اُسکا تشخص بھی فنا ہو جاتا ہے۔ اور پھر خواہ انھی اجزا سے اور شکل بنائی جائے وہ پہلی چیز پیدا نہین ہوتی چہ جائیکہ تمام عالم درہم و برہم ہو جائے اور پھر دوبارہ پیدائش کا سلسلہ جاری ہو تو جس طرح یہان ہوتا ہے وہان بھی مادہ کی بعض اجزاء زمین اور فضا مین صرف ہونگین بعض اجزا دیگر سامان پیدا کرینگی اور بعض سے کچھ اعلیٰ شکلین پیدا ہونگی اسلیئے اسوقت بعینہ یہان کی اعلےٰ شکلون کی اجزا کا وہان کی اعلیٰ شکلون مین صرف ہونا بھی دشوار ہے اور اس سلیے محض جسمانیت کے لحاظ سے اُس عالم مین یہان کے تشخصات کا

قائم رہنا ممکن معلوم نہین ہوتا اور اگر دُنیا محض جسمانیات کا ہی مجموعہ ہو تو کچھ شک نہین کہ اِس صورت مین یہان کے اعمال اور اُنکی جزا و سزا سب کچھ اِسی زندگی کے ساتھ ختم ہو جائیگا اور آئندہ خواہ کچھ ہوتا رہے یہان والون کو اُس سے تعلق نہ ہوگا۔ لیکن یہی ایک عجیب بات ہے کہ سائنس دنیا مین جسم و جسمانیات کے علاوہ اور کسی چیز کو پہچانتی نہین اور اس کے برخلاف مذہب مین اگرچہ بیشمار اختلاف موجود ہین اور بہت سے مذاہب کسی نہ کسی امر مین سائنس سے اتفاق رکھتے ہین اور جن مسائل کو اُسکے مطابق نہین پاتے اُن پر اصرار کرنا مناسب نہین سمجھتے مگر یہی ایک مسئلہ ہے جس پر باوجود سائنس کی شہادت کے نہ ہونے کے تمام مذاہب کو اصرار ہے اور وہ سب جسمانیت کے علاوہ یہان کے جاندارون مین ایک اور غیر جسمانی جوہر لطیف یعنے روح کو موجود مانتے ہین اور موت کے بعد اِس کے قائم رہنے پر یقین رکھتے ہین۔ اور اگر اختلاف ہے تو اِس قدر کہ بعض مذاہب ارواح کو جسم کی پیدائش سے پہلے موجود مانتے ہین یا قدیم جانتے ہین اور بعض کہتے ہین کہ ارواح کا پہلے سے موجود ہونا ممکن نہین بلکہ وہ اسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ جاندار کا نطفہ زندگی حاصل کرنیکے لئے تیار ہوتا ہے۔ غرض روح کا وجود سائنس اور مذہب کا قدیمی اختلاف ہے اور ثبوت دیکھا جائے تو جس کو ثبوت کہنا چاہئے کسی طرف بھی نہین۔ رہے قرائن اور نشانات سو اُنکی یہ صورت ہے کہ روح کے نہ موجود ہونے کا کوئی قرینہ بھی موجود نہین۔ مسٹر جان سٹوارٹ مِل لکھتے ہین[1]۔

سائنس مین دوام روح کے خلاف کوئی ثبوت نہین۔ صرف ایک سلبی شہادت ہے یعنے یہ کہ دوام روح کے لئے کوئی ثبوت نہین ملا لیکن یہ سلبی شہادت بھی ایسی مضبوط نہین۔ مثلاً جادوگری کے بارہ مین یہ واقعہ کہ اُسکے موجود ہونیکا قطعی ثبوت موجود نہین" ایسا ہی نتیجہ خیز ہے جیسے اُسکے نا موجود ہونے کا کوئی ایجابی ثبوت نتیجہ خیز ہوتا۔ کیونکہ اگر جادو موجود ہوتا تو یہی زمین پر ہوتا اور اگر زمین پر ہوتا تو یقیناً اس کے وجود کی شہادت بھی مل سکتی۔ لیکن موت کے بعد روح کے قائم رہنے یا نہ رہنے کے بارہ مین بھی استدلال بیشبہ نہین ہو سکتا کیونکہ جس طرز

[1] ایسیز ۲۰۱

کی شہادت جادو کے وجود کو غلط ثابت کرتی ہے اسی طرز سے اس قدر تو ثابت ہو سکتا ہے
کہ روح موت کے بعد نہ اس کرہ پر رہتی ہے اور نہ نظر آتی ہے اور نہ انسانون کے کاروبار مین
دخل دیتی ہے لیکن اس امر کا یقیناً کوئی ثبوت نہین کہ وہ کسی اور عالم مین بھی موجود نہین
ہے۔ اگر کوئی مبہم سا خیال ہو سکتا ہے تو یہ کہ وہ اس کرہ سے ہمیشہ کیلئے چلی جاتی ہے"۔

باقی رہا اس کے موجود ہونے کا یا بعد از موت قائم رہنے کا قرینہ سو وہ بیشک موجود ہے اور
وہ یہ کہ جو صفات جسم اور جسمانی ساخت سے پیدا ہون ان کے لئے ضرور ہے کہ جسمانی ساخت
کی قوت سے قوی ہون اور اس کے کمزور ہونے پر کمزور ہو جائین اور اس طرح فکر و خیال اور
دیگر دماغی اور اعصابی قوتین ثابت ہوتا ہے کہ جسم سے تعلق رکھتی ہین اور اس لئے جسم کی قوت
و ضعف سے ان مین تغیر ہو جاتا ہے لیکن انسان مین جسمانی وسائل کے بغیر اشیا کو دیکھنے خیالات
کو معلوم کرنے اپنے خیالات کو ظاہر کرنے اور وزنی چیزون کو حرکت دینے کی یا چند اور
قوتین ایسی ثابت ہوتی ہین جن کا ظہور جسمانی قوت و ضعف کے مناسب حال نہین ہوتا بلکہ
وہ عموماً ایسے وقت مین ظہور کرتی ہین جبکہ جسمانی تعلقات بیماری سے یا مصنوعی طور پر بیہوش
کرنے سے کم ہو جائین اور اکثر ایسی قوتون کا ظہور موت کے وقت ہوتا ہے جبکہ جسمانی ساخت
قریب بزوال ہوتی ہے چنانچہ پروفیسر ولیم جیمس اپنے رسالہ ھیومین امارٹلٹی اور مسٹر مایرس
اپنی مبسوط کتاب ھیومین پرسنلٹی مین انھی مناظرہ کے بنا پر وجود روح اور دوام روح
کو اغلب ثابت کرتے ہین۔

اور یہ دیکھنے کے بعد کہ عدم روح کیلئے کوئی قرینہ بھی موجود نہین اور دوام روح کے لئے
اگرچہ منطقی ثبوت نہ ہو مگر غالب گمان پیدا کرنیوالے قرائن موجود ہین اور تمام مذاہب اسکے
وجود کو تسلیم کرتے ہین۔ مذہبی تحقیق کے متعلق اس انسانی فرض کا بھی خیال کرلینا چاہئے جو پہلے
ذکر ہو چکا ہے کہ مذہب کے اصولی دعوی تجربہ کی گرفت سے باہر ہین اور اس لئے ان کی
نسبت یہ امید ہی نہ رکھنی چاہئے کہ وہ سب کے سب منطقی حسی دلائل سے پورے طور پر ثابت

ہوسکیں گے بلکہ اُن کے بارہ میں دیکھنے والے کو یہی دیکھنا چاہیئے کہ تمام مذاہب کے اختلافی مسائل میں کونسا عقیدہ قرین قیاس اور ممکن الوقوع ہے اور کس عقیدہ کو عقل یقیناً ناممکن کہتی ہے چنانچہ اس نظر سے دیکھنے پر چونکہ روح کے وجود کے لیے قرائن موجود ہیں اور مذاہب کا اس بارہ میں اختلاف بھی نہیں اس لیے دیگر اخلاقی مسائل کی تحقیق کے وقت عقل کو روح کی نسبت گمان غالب پیدا ہونا کافی ہے اور اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسان میں روح نہیں ہے تو بیشک حشر ونشر اور جزا وسزا کا بھی خرخشہ نہیں۔ اور اس صورت میں برائی کرنے والا اگر یہاں کے ملکی اور تمدنی قوانین کی زد میں نہ آئے تو سوہوں سے لطف اٹھائے آئندہ کوئی پوچھنے والا نہیں لیکن اگر بدقسمتی سے ہمارے اندر کوئی چیز مرنے کے بعد قائم رہنے والی موجود ہے اور قرائن کہتے ہیں کہ ہے تو پھر جاہے ہمارے جسمانی اجزا مادہ کے دیگر اجزا کے ساتھ مل جائیں ہمیں برائی کے بد اثر سے بچانے والا کوئی نہیں کیونکہ جب مادہ موجود ہے اور آئندہ انقلاب میں اور ترقی کریگا تو روح بھی موجود ہے اور وہاں اور اعلیٰ شکل میں جلوہ گر ہوگی اور اس لیے مادہ کی جو اعلیٰ شکلیں وہاں پیدا ہوں گی وہی روح کا مسکن قرار پائینگی اور اس طرح خواہ مادی اجزا وہی ہوں یا کوئی اور ہمارا تشخص برقرار رہیگا اور جس قسم کی ترقی کا استحقاق لیکر گئے ہیں اُسکے نتائج برداشت کرنے پڑینگے اور جس قدرت نے یہاں ابتداً مادہ اور روح کو پیدا کیا ہے اور باہم ملایا ہے وہ آئندہ جبکہ مادہ اور روح دونو موجود ہوں گے اور اپنی اپنی قابلیت کے لحاظ سے بعض روحیں بعض شکلوں کے ساتھ پیوستہ ہونے کی صلاحیت رکھیں گی اس قدرت کو پہلے تشخصات قائم رکھنے اور بھی آسان ہونگے چنانچہ ارشاد ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۱۱)	کیا وہ نہیں دیکھتے کہ خدا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے ویسی ہی مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہے

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ (طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۳)

ہمنے تمکو زمین سے پیدا کیا اور اسی کی طرف واپس لے جاتے ہیں اور دوبارہ اُسی میں سے نکالینگے۔

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ (انبیاء پارہ ۱۷ ع ۷)

جس طرح ہمنے پہلی پیدا کیا دوبارہ بھی پیدا کرینگے یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم ایسا کرنیوالے ہیں

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ (روم پارہ ۲۱ ع ۳)

وہی پہلے پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ کام اسکو اور بھی آسان ہے۔

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ (یٰس پارہ ۲۳ ع ۵)

کیا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ویسی ہی مخلوق پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ ہاں وہ پیدا کرنیوالا ہے اور علم والا ہے

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ (ق پارہ ۲۶ ع ۱)

کیا ہم پہلے پیدا کرکے تھک گئے ہیں۔ مگر یہ لوگ دوبارہ پیدا کرنے کی نسبت شکوک میں گرفتار ہیں۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝ (ق پارہ ۲۶ ع ۳)

جس دن زمین پھٹ جائیگی اور یہ لوگ جلدی جلدی پیدا ہوجائینگے ایسا حشر ہمارے لیے آسان ہے۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (واقعہ پارہ ۲۷ ع ۲)

ہم نے تم میں موت کا سلسلہ جاری کیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تم کو تم جیسی شکلوں میں بدلیں اور تمکو ایسے عالم میں پیدا کریں جس کو تم نہیں جانتے۔

تمام دنیوی اجسام بعینہٖ زندہ نہیں ہونگے

بعض اہل علم کیطرف سے مذہبی شکل میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ انسان میں روح نہیں اور یہی اجزاے مادی قیامت کو دوبارہ زندہ ہونگی اس خیال پر جو اعتراض ہوتا ہے کہ اجزا پراگندہ ہونے کے بعد متمیز نہیں رہتیں اور دیگر اجزا کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ سو واقع میں کوئی وقیع اعتراض نہیں۔ کیونکہ اگرچہ ظاہر میں پراگندہ ہونے کے

بعد اجزا مین کوئی تمیز نہین رہتی مگر واقعہ مین وہ اجزا مادہ کے دیگر اجزا سے متمیز ہین۔ ہم یہان بعض نباتات یا معدنیات کے اجزا کو جلا دیتے ہین اور کشتہ کر لیتے ہین اور اس حالت مین ایک چیز کی اجزا دوسری چیز کی اجزا سے متمیز نہین ہوتین لیکن پھر بھی ہر چیز کی اجزا مین وہ تاثیر ہوتی ہی جو دوسری چیز کی اجزا مین نہین ہوتی اور یہ اسلئے ہوتا ہے کہ وہ اجزا کچھ عرصہ خاص نبات یا خاص دھات کی شکل مین رہ چکی ہین۔ اسی طرح جو اجزا خاص مدت تک کسی انسان کے جسم مین رہ چکی ہین اور اچھے اور برے رنج و راحت اور مسرت و غم کے اثر برداشت کر چکی ہین وہ بھی واقع مین عام اجزا اور دیگر انسانون کی اجزا سے متمیز ہین اور وہ خدا جس نے ان اجزا کو پیدا کیا ہے اور خاص خاص اجزا کو خاص خاص حالات مین رکھا ہے اس کو یہ اجزا فراموش نہین ہو سکتین اور اگر ہم خدا کو مانتے ہین تو اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ پھر انہی اجزا کو اسی شکل مین پیدا کرنا اسکی قدرت مین ہے اور اگر اسکی مشیت ہوگی تو انسان بعینہ اپنی انہی اجزا کے ساتھ پیدا ہو سکین گے چنانچہ فرمایا ہے

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ؕ (قیامہ پارہ ۲۹ ع ۱)	کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اُسکی ہڈیون کو جمع نہ کر سکینگے؟ ہان ہم قادر ہین کہ اسکی انگلیون کے پور تک بنا دیں۔

مگر باوجود اس کے ہم جو آئندہ جہان مین جزا و سزا کو بعینہ دنیوی اجزا کے زندہ ہونے پر منحصر نہین سمجھتے اور جیسا کہ گذشتہ آیات قرآنی و اس طرح کے اور بہت سی مقامات پر ارشاد ہوا ہے کہ ہم ان کی مانند اجسام پیدا کرینگے ہی کو قرین عقل سمجھتے ہین تو اس لئے کہ یہان جیسا کہ امام غزالی رح فرماتے ہین اکثر اجزا کا ایک سے زیادہ انسانون مین داخل ہونا ممکن ہے کیونکہ اول تو مرنے کے بعد عموماً جسمانی اجزا ہمین سے کاروبار مین صرف ہوتے رہتے ہین اور آئندہ آنے والے انسان ہمین کی اجزا سے خوراک لیتے ہین اور دوسرے ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کھا جاتا ہے اور اس وقت چاہے خوراک اسکی اجزاے اصلیہ مین شمار نہ ہو مگر اس خوراک سی علاوہ اور کامون

کے نطفہ بھی تیار ہوگا اور اس نطفہ سے کوئی اور انسان بنیگا تو اب اس انسان مین وہی اجزا ہین جو خوراک بننے والے انسان مین تھین اور ان اجزا کو آئندہ جہان مین انسانی شکل دیجاوے تو ایک انسان بنیگا حالانکہ یہان ان سے یکے بعد دیگرے دو انسان پیدا ہوئے تھے اور اگر جزا و سزا کیلئے انہی اجزا کا وجود ضرور ہو تو لازم آئیگا کہ ایک نے حشر و نشر کو برداشت کیا اور دوسرا نہ بھلائی مین پکڑا گیا نہ برائی مین - اس لئے حقیقت مین تشخص اسی طرح پر قایم رہ سکتا ہے کہ کوئی چیز یہان سے وہان تک برابر موجود رہے خواہ جسمانی اجزا اسکی مشیت کے موافق بعض مین وہی رہین اور بعض مین اور - آخر یہان بھی تو انسان کے جسم مین پیہم خوراک کی شکل مین بہت سے اجزا در آتے ہین اور بہت سے خارج ہوتے رہتے ہین حتےٰ کہ بوڑھے جسم کے کسی جزو کو بھی نہین کہ سکتے کہ یہ بچپن سے ابتک قائم ہے مگر اس تغیر سے انسان کے تشخص مین فرق نہین آتا اور باوجود اجزا بدل جانے کے بڑھاپے مین وہی انسان تکلیف اٹھاتا ہے جس نے بچپن مین بےاعتدالی کی تھی اور وہی سزا پاتا ہے جس نے قصور کیا تھا -

حیوانات جزا و سزا نہ پائینگے یہ ثابت ہوا کہ اگر روح موجود ہے تو جس طرح یہان ادنےٰ شکلون مین پیدا ہوتی ہے وہان بھی اعلےٰ تر شکلون مین جلوہ گر ہوگی اور یہان سے جو قابلیت لیکر گئی ہے اسمین ترقی کریگی - مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ روح حیوان مین بھی پائی جاتی ہے اور جو قرائن روح کو ثابت کرتے ہین وہ اگرچہ اس قوت سے حیوان مین موجود نہین مگر تاہم کچھ نہ کچھ ہین اس لئے ہونا چاہئے کہ یہ روح بھی وہان اپنے مناسب حال شکلون مین ظہور کرے اور انسان کیطرح حیوانات بھی پیدا ہون اور وہ بھی جزا و سزا برداشت کرین اور نہ صرف یہی بلکہ جو چیزین محض مادہ سے بنتی ہین مثلاً نباتات ضرور ہے کہ مادہ کی کچھ اجزا اس قسم کی ترقی یافتہ شکلین بھی اختیار کرین بیشک یہ سب کچھ ہوگا اور مادہ کی کوئی قابلیت ضائع نہ جائیگی لیکن جزا و سزا کے مسئلہ مین ابھی غور کرنا باقی ہے -

یہان جو مادہ سابقہ انقلابون مین گیس سے سیال اور سیال سے منجمد ہوا تھا وہ جب آئندہ انقلاب مین نبات اور حیوان بنا تو اگرچہ اس نے ترقی کی مگر اسی قدر کہ بے نظام سے با انتظام اور بے جان سے جاندار ہوگیا اور اس سے زیادہ ترقی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی۔ اگرچہ ہمکو نہایت قدیم زمانے کا علم نہین اور اگرچہ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے شاید درخت اور حیوان کی ایک نوع بہت سا زمانہ گذرنے کے بعد اپنی صورت شکل اور حالات و خصائل مین ترقی کرکے دوسری نوع بنگئی ہوگی اور یہ بھی ایک انقلاب ہوگا جو انکی حالت مین واقع ہوا۔ لیکن ایک ہی نوع ہو اور کچھ عرصے مین اپنے حالات مین ترقی کر جائے درختون اور حیوانون مین اس کا کوئی ثبوت نہین اور ان سب کے برخلاف انسان ایسی مخلوق ہے کہ باوجود ایک ہی نوع انسانی مین شمار ہونیکے افراد اور نیز اقوام چند سال بھی ایک حالت پر قائم نہین رہتے اور ان کی رفتار خواہ بہتری کی جانب ہو یا بدتری کیطرف ان کے افراد سالون کی ایک دہائی مین اور قومین ایک سکڑہ مین ایسی بدل جاتی ہین کہ اکثر دیکھنے والون کو حیرت ہوتی ہے۔ اور اسکی وجہ یہی ہے کہ درخت اور حیوان کے تمام افعال انکی طبیعت کے اقتضا سے سرزد ہوتے ہین اور انتخاب اور فیصلہ کی طاقت کو اسمین کوئی دخل نہین۔ درخت اگر اپنے ریشون اور مسامون کے ذریعہ سے غذا کو جذب کرتا ہے تو اقتضائے طبیعت سے اور حیوان اگر خوراک مہیا کرنے اور نسل بڑہانے کے لئے حرکت کرتا ہے تو اپنی فطرت کے حکم سے۔ اور اگر شیر دیگر حیوانون کو مارکر خوراک بہم پہنچاتا ہے یا ہرن گھاس کی سبز کونپلون کو توڑتا ہے تو یہ سب بے اختیاری کی حرکتین ہین اور ہمیشہ ایک حالت پر رہتی ہین۔ مگر ان سب کے برخلاف انسان خواہ اپنے تقاضائے طبیعت سے کیسا ہی لاچار اور بے اختیار مانا جائے مگر اسکے اندر جو انتخاب اور فیصلہ کی طاقت رکھی گئی ہے اس سے بھی انکار نہین ہوسکتا۔ چنانچہ یہ جو کچھ کرتا ہے سوچ سمجھ کر اور ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح دیکر کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی سے دو انسانون کے افعال بھی باہم یکسان نہین ہوتے اور جب وہ ایک دفعہ کسی ایک تصور کو قائم کرلیتا ہے اور اسکے رو سے

ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح دیکر اختیار کرتا ہے تو اس کے اس تصور اور عمل کا اثر آئندہ تصور
اور عمل پر پڑتا ہے اور دو دفعہ ایک ہی تصور قائم کرنے اور یکسان عمل کرنے کے بعد تیسری دفعہ
جب اپنے انتخاب اور فیصلہ کی مشق کرتا ہے تو پہلا تصور اور عمل اور بھی زور سے اثر کرتا ہوا
نظر آتا ہے اور یہی ان اسکے تنزل اور ترقی کی بنیاد پڑتی ہے ۔ اور پھر اس کے یہ تصورات
اور اعمال ہی ہوتے ہین جن سے اسکی نیک یا بد حالت پیدا ہوتی ہے اور تصورات اور اعمال
کی ترقی سے اس حالت مین بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور یہی سزا و جزا ہے جس کا سلسلہ
اسی جہان سے شروع ہو جاتا ہے

اچھا تو جب آئندہ پیدائش مین یہ سب موجود ہونگے تو چونکہ نباتات اور حیوانات مین
کم از کم شخصی ترقی کا کوئی نشان نہین اسلئے کہنا چاہئے کہ جیسے یہان والون نے اسی قدر
ترقی کی ہے کہ سیال سے منجمد اور منجمد سے نباتات یا حیوان بنگئے اسی طرح وہان کی پیدائش
بھی کوئی ترقی کی صورت ہوگی مگر جس طرح یہان کی ترقی یافتہ حالت یکسان رہی ہے وہانکی
ترقی یافتہ حالت بھی یکسان رہیگی اور اسلئے کہا نہین جا سکتا کہ وہان پیدا ہونا ان کے اعمال
کی سزا و جزا ہے لیکن انسان جس طرح یہان پیدائش کی ترقی کے بعد اپنے تصورات اور اعمال
سے اپنی حالت مین بھی ترقی کرتا ہے اسی طرح وہان بھی ترقی یافتہ شکل مین پیدا ہونے کے
بعد وہان کی حالت مین ترقی کریگا اور اس لئے اسکی پیدائش پر جزا و سزا کا سلسلہ جو یہان
سے شروع ہو گیا ہے وہان بھی جاری رہیگا۔ غرض یہ کہ خواہ حیوانات مین بھی روح ہو مگر ترقی
کی قابلیت انکی روح اور انسان کی روح مین امتیاز پیدا کرتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ دونون
کی حقیقت یکسان نہین اور اس لیے حیوانات جزا و سزا کی گرفت سے باہر ہین۔

ترقی کا اثر راحت و تکلیف پر

انسانی جزا و سزا کے متعلق ابھی بہت سا غور کرنا باقی ہے از انجملہ
ایک یہ کہ اگرچہ انسان نے اس دنیا مین ایسی ترقی کر لی ہے کہ افریقہ کے وحشی اور یورپ کے
مہذب مین وہی فرق ہے جو انسان اور حیوان مین ہونا چاہئے اور اگر اس طرز معاشرت کو

دیکھا جائے جو آجکل مہیا ہو گیا ہے تو حیرت ہوتی ہے - لوازم صحبت کا اہتمام - دماغی اور جسمانی قوت کی ترقی صعوبات نقل و حرکت کی کمی - وسائل نامہ و پیام کی آسانی - انتظام حکومت کی اصلاح ضعیفون اور زبردستون کی مساوات - اپاہجون اور ناداروں کی دستگیری - سامان تفریح کی تیاری غرض تمام وہ اسباب جو نوع انسانی کی راحت و مسرت کو بڑھانے اور تکلیف و رنج کو کم کرنے کے لیئے ہین انکو دریافت و ایجاد کرنے اور اشاعت دینے مین وہ عرق ریزی اور دماغ سوزی کی گئی ہے اور اس خوبی سے سب امور کو معراج کمال تک پہنچایا گیا ہے کہ ہم جیسون کے نقطۂ خیال سے ترقی کرنے والون کی تمام حرکات اعجاز و خرق عادات سے کم نہین ہین - لیکن اگر اس تمام دردسر کے نتیجہ کو دیکھا جاے اور غور کیا جائے کہ اس کوشش سے جو انسان کا مدعا اور مدنظر تھا آیا وہ بھی حاصل ہو سکا ہے یا نہین تو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ واقعات کی شہادت آرزو کے خلاف ہے - راحت و مسرت کی جستجو ہے مگر آہ ! بڑی سے بڑی ترقی کرنیوالون کو بھی اسکا نشان نہین ملا اور رنج و تکلیف سے نفرت ہے مگر لاکھ جتن کئے اسی سے مخلصی نہ ہوئی اور آخر مین میزان دیکھی تو رنج و راحت کے متعلق وحشی اور مہذب مین کوئی بڑا تفاوت نظر نہ آیا - ترقی کرنیوالون نے سمجھا تھا کہ صنعت و حرفت اور عقل و شعور مین ترقی کرنے سے اور مال و دولت یا سامان عیش جمع کرنے سے بیفکری اور اطمینان نصیب ہو گا - مگر سب کچھ ہوا اور نہ ہوا تو بیفکری اور اطمینان - اور دوسرا اس سامان ترقی سے محروم اور تہذیب و تربیت سے عاری مخلوق کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ جس قدر اطمینان و راحت کبھی کبھی مہذبون کو حاصل ہوتا ہے اس قدر حسہ گاہ گاہ یہ غیر مہذب اور وحشی بھی لے لیتے ہین - بیشک مہذب لوگ فرصت کے وقت باغون مین ٹہلتے ہوئے - کلبون اور تھیٹرون مین ہنسی مذاق کرتے ہوئے بال اور ڈنر کی مجلسون مین اپنے دوستون اور عزیزون کے ساتھ ہم آغوش ہوتے ہوئے - معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ہی مسرت اور اطمینان کی حالت مین ہین مگر جو وحشی تمام دن جنگلون مین بھیڑ بکریان چرانے یا جنگل کا ساگ پات اور گھاس پھوس سمیٹتے پھرتے

ہین اور اپنے ننگے جسمون پر گرمیون کی دہوپ اور جاڑون کی ٹھر برداشت کرتے ہین وہ بہی شام کے وقت جب بنسری بجانے اور وحشیانہ گیت گانے مین مصروف ہوتے ہین تو مہاراجون کے بال اور تھیٹرون سے کم لطف نہین اُٹھاتے - اور ادہر وحشیون کی بے سامان زندگی اور آدہا پیٹ سوکھا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے شب و روز کی سخت محنت اور پہر اس پر زبردستون کا ظلم و ستم انکی بیکسی و بے بسی ان سب حالتون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سخت رنج و فکر کی زندگی بسر کرتے ہین - مگر جو لوگ اپنی سر بفلک اور راحت بخش عمارتون مین آرام کرسیون اور گدیلون پر بیٹھے ہوئے اپنے کارخانون کا حساب کتاب پڑتال رہے ہین دیکھنے مین نہایت آرام سے بیٹھے ہوئے اور ایک نازک سی پَر کی قلم کو محض دو انگلیون سے ہلاتے ہوئے معلوم ہوتے ہین ہموم و افکار کے جس بوجھ کے نیچے وہ دبے ہوئے ہین اُس کا اندازہ اُنکا دل ہی کرسکتا ہے زبان سے وہ بھی ادا نہین کرسکتے - بلکہ اس لحاظ سے ترقی کو اور بہی تنزل کہنا چاہئے کہ جس قدر رتبہ اور حیثیت مین ترقی ہوتی جاتی ہے اسی قدر ہموم و افکار اور درد سر بڑھتا جاتا ہے - اگر کوئی بڑے سوداگر ہین اور اونہون نے ہر ملک مین کوٹھیان کھول رکھی ہین ہر کارخانہ مین حصے خرید رکھے ہین تو ان کے لئے خوشی اور مسرت کا سبب ہے اور بیشک نادار اور جاہل اس مسرت سے محروم ہے - مگر کہین کسی ملک مین لڑائی ہوجائے اور وہان کے نوٹون کا بھاؤ گرنے لگے کسی کارخانہ مین آگ لگ جائے کہین کوئی ریل ٹکرا جائے غرض دُنیا مین کوئی بڑا حادثہ گذرے ان کو اپنا دیوالہ نکلنے کا اندیشہ ہوجائیگا اور رات کی نیند اور دن کی بہوک جاتی رہے گی بلکہ کسی وقت ایسا غم پیدا ہونا بہی ممکن ہے جس سے وہ خودکشی کرلین - اگر وہ خوشی تھی تو یہ غم بہی ایسا ہے جس سے تنزل والون کو واسطہ نہین پڑتا - اگر کوئی بڑے صناع ہین بہت سی مفید اور کارآمد آلات کے موجد ہین اور اپنی ایجاد کو پیٹنٹ کرواکر ہزارون کا فائدہ لے رہے ہین تو یہہ انکی بے نظیر مسرت ہے لیکن اس ہر وقت کے غور و خوض کے علاوہ جان کے دماغ کو اندر ہی اندر کہائے جاتا ہے اگر کسی نے اِن کے ایجاد کردہ آلہ مین کوئی ادنٰی سا پرزہ بڑہا کر اسکی سودمندی کو زیادہ

کر دیا تو اس سے انکی تجارت کو جو نقصان پہونچیگا اُس کا غم بھی اپنی آپ ہی نظیر ہوگا۔ اور یہی اور سب انسانی ترقیوں کی کیفیت ہے کہ جس مین جس قدر راحت اور مسرت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر تکلیف اور رنج بھی ترقی کرتا ہے اور جس طرح کم حیثیت اشخاص اپنے سے بالا تر افراد کو دیکھ کر ان کے علو جاہ کا رشک کرتے ہین اور چاہتے ہین کہ ہمین بھی یہی منزلت حاصل ہو ویسے ہی عالی رتبہ لوگ کم تعلق افراد کو دیکھ کر اُن کے اطمینان اور بیفکری کا رشک کرتے ہین اور چاہتے ہین کہ ہمین بھی یہی سکون نصیب ہو۔ اور جیسے ایک گداے دلق پوش قاقم و سنجاب پہننے والے امیر کو دیکھ کر اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے ویسے ہی عالیشان بادشاہ ایک درویش بینوا کو دیکھ کر اسکی بیفکری کی میٹھی نیند سونے پر عش عش کرتا ہے۔ اور علی ہذا کسی بادشاہ کو ایک ملک فتح کرنے سے جو مسرت ہوتی ہے دوسری شکل مین اسی درجہ کی خوشی ایک بھوکے فقیر کو روٹی کا ٹکڑا ملنے سے حاصل ہوتی ہے اور کسی غریب انارستے کو ایک پیسہ کھو جانے سے جو رنج ہوتا ہے دوسری شکل مین اسی طرح کا غم ایک بادشاہ کو اسکا صوبہ باغی ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے۔

ترقی کرنے والون نے دوسرون کو کیا فائدہ پہنچایا

اب کہا جائیگا کہ ترقی کا یہ مطلب نہین کہ ترقی کرنے والے خود راحت و مسرت حاصل کرین۔ بلکہ ترقی کے معنی ہر چیز کی اصلی حقیقت اور حالت کو دریافت کرنا اور اس حقیقت اور حالت کے لحاظ سے جو فرائض ہر ایک کے متعلق ثابت ہون ان پر عمل کرنا اور اس کوشش مین کوشش کرنیوالون کو تکلیف ہو یا راحت اسکو بخوشی برداشت کرنا ہے مگر ترقی کی تعریف کو اس طرح بدل لینے سے کیا مطلب نکلا؟ یہی کہ خود ترقی کرنے والون کی راحت اور مسرت نہ سہی مگر حقیقت اور فرائض کو معین کرنے سے آخری مدعا ہوگا تو یہی کہ عوام الناس راحت و مسرت پائین۔ اچھا تو اب اسی حیثیت سے ترقی کا انجام دیکھنا چاہئے۔

تدابیر صحت کا فائدہ

بیشک تدابیر صحت اور ازالۂ امراض کے متعلق بہت کچھ ترقی ہوئی ہو

دوائین بھی تو ان کو خوشگوار قلیل المقدار اور سریع الاثر بنانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا جاتا۔ آلات بھی تو انکی خوبی اور صفائی کی پہلے نظیر نہ تھی۔ اسکے متعلق تعلیم کا سامان اور معالجہ کے لئے مکانات اور اسباب غرض ہر چیز اس عمدگی سے مہیا کی جاتی ہے کہ گذشتہ زمانہ کی ایسی تدبیرون کو زمانہ حال کی ترقی سے کوئی نسبت نہین اور بیشک ان کوششون سے پبلک کو بہت کچھ فائدہ پہنچا مگر ذرا خیال رہے کہ طبیعتین بھی اب ایسی بے چین ہو گئی ہین کہ جہان گذشتہ زمانے مین بہت سی پیچیدہ مرضون کو بھی " اوہ "کہکر ٹال دیا جاتا تھا اور مریض نہایت بے پروائی سے چلتے پھرتے اس تکلیف کو گذار دیا کرتا تھا اور روزانہ کاروبار یا فرائض منصبی کو معطل چھوڑنے کی نوبت جبھی آتی تھی کہ مریض چارپائی سے اٹھ نہ سکے وہان اب ایک پھانس لگ جانے پر اور گرمی دانے نکل آنے پر ڈاکٹرون کو فیس دیکر گھر پر بلایا جاتا ہے اور فرض منصبی سے رخصت حاصل کی جاتی ہے۔ غرض جسم کو خواہ کیسی ہی کم تکلیف ہو مگر دل و دماغ پر وہی رنج واندوہ کا بار پڑتا ہے جو پہلے شاید سل و دق پر بھی پڑتا ہو۔ اور یہ خیالی جولان نہین بلکہ ہسپتالون کے رجسٹرون کو دیکھا جائے اور جو میلا وہان روزانہ لگتا ہے اُسکے انبوہ کا خیال کیا جائے اور ڈاکٹری دوکانون جس قدر دواؤن کی بکری ہوتی ہے اس پر غور کیا جائے اور پھر اس کا مقابلہ پرانے اطبا کی مطب اور عطارون کی دوکانون سے کیا جائے تو دونو تعدادون مین نمایان فرق نظر آئے گا پس کیا تہذیب کے ساتھ پیچیدہ امراض بھی زیادہ ہونے لگے ہین؟ اگر یہ ہے تو اور بھی قباحت ہوئی۔ مگر نہین حقیقت یہی ہے کہ آجکل پھانس اور گرمی دانے بھی پیچیدہ امراض مین شامل ہو گئے ہین اور ان پر بھی وہی نالہ و بکا کیا جاتا ہے جو پہلے اسہال کبدی اور تپ محرقہ سے مخصوص تھا

یہ بلا تو خود علاج کی سہولت سی پیدا ہوئی ہے اب اسکے ساتھ دوسری ترقیون کو ملا کر دیکھا جائے تو مرض و صحت کے متعلق اور بھی قباحت نظر آتی ہے پہلے وسائل نقل و حرکت بہت

کم تھے اور سفر کرنا دشوار تھا اب اِن مین آسانی ہو گئی تو آمد و رفت بھی بہت بڑھ گئی ہے اور
صحت و مرض پر اس کا یہ اثر ہوا کہ کم بختی سے کہین متعدی مرض پیدا ہو پھر لاکھ قرنطینے اور روک
ٹوک کی جائے اس کا اثر کاسے کوسون پہنچتا ہے اور انسانون کے ساتھ مرض بھی ریل اور اسٹیمرون
مین سوار ہو کر افریقہ سے ایشیا اور ایشیا سے امریکا جا سر نکالتا ہے حالانکہ پہلے جب قافلے لٹتے
تھے تو ایسے مرض کا ایک ہی ملک کے تمام شہرون مین پھیلنا بھی دشوار تھا۔

اصلاحِ حکومت کا فائدہ | اسی طرح قوانین حکمرانی کی اصلاح کرنے سے لوگون کو بہت سی جبر و تشدد
سے جو پہلے بیقاعدہ حکومتون مین برداشت کرنے پڑتے تھے نجات ملگئی۔ مگر یہ ذرہ ذرہ
معاملات کی چھان بین اور ہر معاملہ مین واجب و ناواجب کی تمیز اور پھر ہر ایک کے متعلق جزا
و سزا کا استحقاق غرض اِن باتون کی تفصیل نے پبلک کا احساس بھی ایسا تیز کر دیا ہے کہ
جہان پہلے بڑے بڑے نقصانون کو صبر کی تدبیر سے دبا دیا جاتا تھا تو اب ذرا سی بات پر مقدمات
ہائی کورٹ تک پہنچتے ہین اور جہان غیر مہذب یا نیم مہذب ملکون مین اکثر اشخاص کو تمام عمر
عدالت مین جانیکا اتفاق نہین ہوتا وہان مہذب ملکون مین ہر شخص مجبور ہے کہ ایک طرف
کسی ڈاکٹر کو اور دوسری جانب کسی پلیڈر کو اپنا طبی اور قانونی مشیر ہمیشہ کے لئے مقرر کر چھوڑے
کیونکہ کسی دوکان سے اُترتے ہوئے ذرا سے نشیب فراز کے سبب پاؤن پھسل جانے پر ڈاکٹر
کا علاج بھی ضرور ہے اور وکیل کی وساطت سے نالش بھی۔ اور یہ صرف طبیعت کی بے چینی اور
احساس کی تیزی ہی نہین بلکہ تہذیب کی ترقی سے اسباب معیشت بھی ضرور ہی ایسے گران
ہو جاتے ہین کہ پاؤن پھسلنے پر جو ایک آدھ دن کام چھوڑنا پڑتا ہے تو اُسکا نقصان بھی ناقابل
برداشت ہوتا ہے اِسلئے ترقی ہی نے یہ مجبوری پیدا کر دی ہے کہ مروت کی آنکھ مین خاک ڈال کر
تھوڑے سے ہرج پر مجسٹریٹ کو حوالات کی سیر کرائی جائے اور ایک دن بیکار رہنے کا معاوضہ
وصول ہو۔

سہولت نقل و حرکت کا فائدہ | وسائل نقل و حرکت اور نامہ و پیام کی ترقی ایسا احسان ہے کہ پبلک

اس سے کسیطرح سبکدوش نہین ہوسکتی مگر جس قدر جان و مال کا نقصان اور خوفناک حادثے ریلون کے ٹکرانے سے واقع ہوتے ہین چھکڑون گاڑیون کے وقت مین انکا بھی نشان نہ تھا اور علم و فن جو بانہ روانی سے جہان سفر کو آسان کر دیا ہے اور تجارت کو بیحد فائدہ پہنچایا ہے وہان انسان پر بحری لڑائی کی مصیبت بھی اسی کے ہاتھون پڑی ہے اور فن کی ترقی کے ساتھ یہ مصیبت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ خشکی کے جنگ مین کچھ مرتے تھے تو کچھ بچ بھی رہتے تھے اب جن کے جہاز ٹوٹے وہ گولون سے بچے تو سمندر اُن کو ہضم کرنے کے لیے تیار ہے۔ اور اسکے علاوہ اس احساسی ترقی کا کیا علاج کہ جہان پہلے چھکڑون اور بھدی قسم کی بیل گاڑیون کو غنیمت سمجھا جاتا تھا وہان اب میل ٹرین کے مقابل مین پسنجر ٹرین پر سوار ہونے مین پہلی حالت کو دیکھا جائے تو جسم کو بے حد راحت ملی مگر قلبی تکلیف اور بے چینی ایسی ہے کہ گویا پیدل چلنا پڑا۔

وسائل نامہ و پیام کا فائدہ اور اسی طرح اگر ڈاک اور تار مین خوشگوار خبرین نہایت سرعت سے پہنچ سکتی ہین تو فتنہ و فساد کی آگ بھی انھی وسائل سے ایک ملک سے دوسرے ملک مین نہایت تیزی سے پھیل سکتی ہے۔ اور اگر پہلے برسون عزیزون کی خبرین نہ معلوم ہون تو اضطراب نہ ہوتا تھا۔ اب ڈاک کا انتظار بھی ناگوار ہے اور تار کے بغیر صبر نہین آتا اور تار بھی ارجنٹ سے آرڈنری بھیجا جائے تو اتنی دیر جان سولی پر رہتی ہے۔

غرض ترقی کے کسی شعبہ کو دیکھا جائے اِس سے اگر ایک طرح کی راحت پیدا ہوئی ہے تو دوسری طرح کی تکلیف بھی ایسی پیدا ہو جاتی ہے جو خواہ پہلی تکلیفون کے مقابل مین کسی قدر کم ہو مگر تکلیف ہونے مین شک نہین اور دنیا کو دار المحن کہنا جیسا وحشت کی حالت مین صحیح تھا تہذیب کے وقت بھی درست ہے۔

راحت و مسرت کی آرزو برآنکا بھی کوئی موقع ہونا چاہیئے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ راحت اور مسرت کی تلاش اور ترقی کا جذبہ جو انسان کی فطرت مین ودیعت ہے اور نہ صرف انسان مین

بلکہ دوسری شکل مین ترقی کا خاصہ تمام مادہ مین ودیعت ہے کیا یہ نیچر کا نقص ہے اور اس کا
کوئی فائدہ نہین ؟ کسی چیز کا فائدہ معلوم نہ کر سکنا اور بات ہی مگر یہ کہنا کہ اس مین کوئی فائدہ
نہین نہایت زبردستی ہے اور ہم دیکھتے ہین کہ بہت سی فائدے جو ایک وقت پر نظر نہیں آتے
دوسرے وقت پر اُن سے انکار کی گنجائش نہین رہتی۔ جسم کے بہت سی خواص دریافت ہوئے
ہین ان مین بعض مثلاً گریوٹی اور انرشیا یعنی کشش ثقل اور مادہ کی وہ خاصیت جس سے
وہ سکون کی حالت مین سکون کو اور حرکت کی حالت مین حرکت کو ہمیشہ قائم رکھنا چاہتا ہے
یہ اور بعض اور خاصیتین ایسی ہین جن کا فائدہ جسم کی ابتدائی ترقیون مین جبکہ وہ بے آباد
کرون کی شکل مین ایک دوسرے کے گرد گھومنے لگے ہونگے نمایان ہو گیا تھا چنانچہ گریوٹی
اور انرشیا سے انکی دوری حرکت پیدا ہوئی مگر سوراخدار ہونا جو جسم کا عام خاصہ سمجھا جاتا ہی
اسکا فائدہ جسم کی اس حالت مین ہیچ تھا اور جب ترقی ہوکر نبات وغیرہ ایسے اجسام پیدا
ہوئے جن کا قیام خوراک جذب کرنے پر منحصر ہے تو معلوم ہوا کہ سوراخدار ہونا ہی وہ خاصیت
تھی جس سے جسم کو یہ ترقی یافتہ شکلین نصیب ہوئین اور اگر مسامہ نہ ہوتے تو نہ خوراک جذب ہوسکتی
اور نہ نبات وحیوان کا جسم نشوونما پاتا۔ پھر مادہ اور جسم کی بیشمار خاصیتین ہین جو نباتات اور حیوانات
کے زمانے مین بھی گوشۂ کس مپرسی مین پڑی رہین اور یہ انسان ہی کی خاطر تھی جس کے لیئے
نیچر کے لاتعداد خزانے پہلے ہی بھرے رکھے تھے چنانچہ یہ آیا تو اس نے آسمان وزمین
کو کھنگال ڈالا اور ہر چیز کی وہ وہ صفات دریافت کین اور ان سے کام لیا جن سی پہلے
کچھ فائدہ معلوم نہ ہوسکتا تھا مثلاً اکثر اجسام کا جلنے کے قابل ہونا جس سے آگ پیدا ہوئی
اِس کا فائدہ ابتدائی درجون مین محسوس نہ تھا اور جب مادہ نے ترقی کر کے اپنے تئین روح
انسانی کا مرکز بنایا تو آگ کا وجود اسکی ضروریات زندگی مین شمار ہوا۔ علیٰہذا برقی رو کا معینہ
قوانین کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچنا۔ یا سٹیم کا مصنوعی طور پر پیدا ہوسکنا
یہ اور ایسی ہزارون خاصیتین ہین جن سے صرف انسان نے فائدہ اُٹھایا۔ اب یہ ایک

ترقی اور تلاش راحت و مسرت کا جذبہ ہے جس کو ہم موجود پاتے ہین اور چندان فائدہ نہین دیکھتے۔ مگر جس طرح اُن وقتون مین اُن فائدون سے انکار کرنا (اگر کوئی انکار کرنیوالا ہوتا) بیوقوفی تھا کیونکہ وہ بعد مین نظر آگئے اسی طرح اِس وقت اس جذبہ کے فائدے سے انکار کرنا نادانی ہوگا بلکہ بنظر بہ حالات گذشتہ ضرور کہنا چاہئیے کہ ابھی کوئی اور انقلاب آنیوالا ہے جس کے بعد انسانی ترقی کا فائدہ نمایان ہوگا اور ترقی کرنے والے کامل راحت و مسرت حاصل کرینگے اور تنزل کرنیوالے کامل رنج و تکلیف۔

راحت وغم مکمل کیونکر ہوگا

اس خیال کو واضح کرنیکے لیے یہ دیکھنا چاہئیے کہ چاند سے جو روشنی زمین کو پہنچتی ہے وہ اگرچہ آفتاب ہی کی روشنی ہے مگر ایک واسطہ حائل ہو جانے کے سبب کمزور ہوگئی ہے اور اس لیے چاند کی روشنی کیسی ہی شفاف ہو اسکے ساتھ تاریکی کا جزو ضرور موجود رہتا ہے اور اسکے برخلاف جب آفتاب سے براہ راست روشنی آتی ہے تو زمین جس قدر روشن ہوسکتی ہے ہو جاتی ہے اسلئے کہ اب زمین اور آفتاب کے مابین کوئی واسطہ حائل نہین۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آفتاب بھی اپنی ذات سے روشن نہین اور وہ بھی اصل مین ایک واسطہ ہے جس کے اندر سے کسی اور آفتاب کی روشنی دنیا کو منور کر رہی ہے اسلئے گو اسکی روشنی چاند کی روشنی سے زیادہ ہے مگر حقیقی روشنی سے وہ بھی کمتر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسکے افعال بھی نقص سے پاک نہین ہین اور اسکی پیدا کردہ کوئی حالت ایک مختصر حد سے آگے نہین بڑھ سکتی اور اپنی ضد کو بالکل فنا کرنے مین پوری کامیاب نہین ہوتی۔ اور اس طرح اول تو جس قسم کا نور اور اس کے اثر سے جس قسم کا سامان راحت و مسرت کسی وقت مین موجود ہوتا ہے خود وہی اپنی حالت مین مکمل نہین ہوتا اور اسکی نقص سے جو تکلیف پیدا ہونی ضرور ہے وہ محسوس ہوتی رہتی ہے۔ اور دوسرے اگر ایک طرح کے سامان راحت و آسایش کا زمانہ ختم نہین ہوا تو اس اثنا مین کوئی اور راحت اپنی حد کو پہنچکر تکلیف کا باعث ہو جاتی ہے اور موجودہ راحت کا لطف خاک مین ملجاتا ہے اور یہی کیفیت ہر ایک تکلیف کی ہے کہ اسکی محدودیت اور نقص سے کسی نہ کسی قسم کی راحت بھی محسوس

ہوتی جاتی ہے اور اس لئے دنیا کو جب تک کسی درمیانی واسطہ کی وساطت سے نور اور سامان نسبت ملتا رہیگا اس کا رنج و راحت مکمل نہ ہوگا لیکن جب دنیا ان واسطون سے رہائی پاکر براہ راست نور وحدت سے منور ہوگی اس وقت جو سامان راحت ترقی کرنے والون کے لئے اور جو اسباب زحمت تنزل کرنیوالون کے واسطے موجود ہون گے ظلم ہوگا اگر کہا جائے کہ وہ بھی نامکمل رہین گے

سوامی ویکانند جی کہتے ہین کہ[1]

"دنیا مین کوئی ترقی نہین - اگر ایک طرف بھلائی پیدا کی جاتی ہے تو دوسری طرف بہت سی برائی پیدا ہو جاتی ہے - غرض ہر ایک راحت کے ساتھ رنج موجود ہے اور ایسی حالت کی امید جس مین بالکل بھلائی ہو یا بالکل برائی خیال خام ہے - پس برائی دور یون ہی ہو سکتی ہے کہ بھلائی کی خواہش دور کر دی جائے"

سوامی کا یہ قول اس دنیا کے لحاظ سے بیشک درست ہے مگر انسان کے سب سے شریف اور مایۂ ناز جذبۂ ترقی کو ہمیشہ کے لیے بیہودہ کہنا ویسی ہی غلطی ہے جیسے سیارون کی ابتدائی حالت مین مسامون کے وجود کو اور نباتات اور حیوانات کے حالت مین جسم کے بہت سے خاصون کو بیفائدہ سمجھنے کی ہوتی - اور اسی طرح جو علاج وہ تجویز کرتے ہین کہ بھلائی کی خواہش کو دل سے نکال دیا جائے یہ بھی وہ دوا ہے کہ چڑیا کا دودھ ملجائے مگر وہ نہین مل سکتی - یہ نیچر کو بدلنے کا سوال ہے جو انسان کے بس مین ہونا ایک طرف خود قدرت بھی اپنا قانون بدلنے کے لئے تیار نہین -

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا — خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگون کو پیدا کیا ہے

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (روم ۳۰ ع ۴) — خدا کی پیدائش مین تبدیل کو دخل نہین -

پس درست یہی ہے کہ بھلائی کی خواہش جو فطرت مین ودیعت ہے نہ اسکو چھوڑنا ممکن ہے اور نہ اسکی ضرورت - بلکہ انسان کا فرض ہے کہ اس عطیۂ فطرت کی عزت کرے اور جو مناسب وسائل اسکو حاصل کرنے یا ترقی دینے کے ہین ان پر کاربند ہو اور پھر اپنے وقت پر اس کے حاصل ہونے

[1] ویدانت فلاسفی سگیان یوگ - خلاصہ از باب چہارم -

کا انتظار کرے۔

آیندہ ترقی کے وسائل

اب سوال یہ ہے کہ آیندہ ترقی کے وسائل کیا ہین ؟ دُنیا مین انسان جو ترقی کر سکا ہے وہ علوم و فنون کی ترقی ہے اور جب آیندہ انسان یہی ہونگے تو کیا انکی ترقی بھی اسی قسم کی ہوگی اور کیا وہان کی جنت یہی ریل اور تار ایجاد کرنے والون کے حصہ مین آئیگی ؟ بیشک یہان ترقی اسی قسم کی ہے اور اس سے یہ کہ تو سکتے ہین کہ وہان بھی یہی باتین ترقی کرنگی اور اگر یہان صرف ایک کرہ زمین کی آمد و رفت کو آسان کر دیا گیا ہے تو وہان مریخ اور عطارد اور دیگر نظام ہاے شمسی تک ریل اور بیلون جانے لگین گے اور وہ براق اور رفرف جو سُنتے ہین کہ آنکھ کی جھپک مین زمین سے آسمان پر جا پہنچتے ہین وہ انہی چیزون کی ترقی یافتہ شکلین ہونگی۔ مگر نہین۔ ایسے مضمون مین ایسا سرسری فیصلہ یقیناً غلط ہوگا اور ہمین یہانکی ترقی کو امعان نظر سے دیکھنا چاہیئے۔

فورس اور انرجی کے مختلف مظاہر

یہان ترقی کرنیوالا مادّہ ہے اور ترقی کرنیکا ذریعہ قوت[۱] اور قوت کی نسبت ثابت کیا گیا ہے کہ وہ دو قسم کی ہے۔ ایک قوت ذرات کو ذرات سے اور اجسام کو اجسام سے پیوستہ کرنا چاہتی ہے اور اسکو **فورس** یا قوت جاذبہ کہتے ہین اور دوسری قوت ایک کو دوسری سے جدا کرنا چاہتی ہے اور اسکو **انرجی** یا قوت ناربہ کہتے ہین۔ فورس اور انرجی دونو کی مقدار معین ہے جسمین کمی زیادتی نہین ہوسکتی۔ مگر فورس کی نسبت فیصلہ ہے کہ وہ وزندار مادّہ کے ہر ایک ذرہ مین چسپیدہ ہے اور اُن سے علیحدہ نہین ہوسکتا لیکن انرجی ایتھر کی راہ سے ایک ذرہ سے دوسرے ذرہ اور ایک انبار سے دوسرے انبار کی طرف حرکت کرتی رہتی ہے۔ اور نیز انرجی بالقوہ اور بالفعل دو قسم مین منقسم ہے جب پتھر چھت پر رکھا ہو اور کلاک تیار ہو مگر کوک نہ دی ہو تو اُس وقت دونو مین انرجی بالقوہ موجود ہے اور جب پتھر کو لڑھکا یا جائے یا کلاک کو کوک دی جائے تو انرجی بالفعل موجود ہو جاتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ جس حد تک فورس غالب آتا جاتا ہے اور ذرات یا اجسام کو پیوستہ

[۱] یہ مضمون مسٹر اڈورڈ کلاڈ کی کتاب دی ستوری آف کری ایشن کے مختلف مقامات سے اخذ کرتا ہون۔

کرتا جاتا ہے انرجی وہان سے نکل کر پے سے پے چلی جاتی ہے چنانچہ اسی لیے کہا گیا ہے کہ مادہ چونکہ محدود ہے اس لیے ایک وقت پر فورس تمام مادہ کو مجتمع کر لیگا اور انرجی کا ظہور ختم ہو جائیگا اور مادہ کے تمام اجزا باہم پیوستہ ہو کر دنیا کا خاتمہ ہو جائیگا ؕ

غرض یہ کہ ترقی انہی دونو قوتون پر منحصر ہے۔ اگر صرف فورس ہوتا اور انرجی اسکا مقابلہ نہ کرتی تو ابتدا سے تمام مادہ منجمد ہوتا اور کوئی ترقی ظہور پذیر نہ ہوتی اور اگر صرف انرجی ہوتی تو تمام ذرات اس قدر پھیل جاتے کہ پھر بھی ان سے کوئی اور شکل پیدا نہو سکتی۔ مگر اب چونکہ یہ دونو موجود ہین اس لیے اپنے مختلف مظاہر سے مختلف ترقیان ظاہر کرتے آئے ہین ابتدائی بخار کی شکل مین فورس نے کشش کیمیائی اور کشش اتصال کی شکل مین ذرات کو جمع کرنا شروع کیا اور انرجی نے حرارت اور روشنی کی شکل مین ایک کو دوسرے سے الگ رکھنا چاہا۔ اس قسم کی نہایت پیچیدہ کوششون کے بعد بخار کی یہ شکل بنی کہ جابجا ذرات کے انبار جمع ہو گئے۔ اور پھر ان مین کشش ثقل اور انرشیا کی شکل مین وہی جد و جہد شروع ہوا اور بعض بعض کے گرد گھومنے لگے۔ ادھر آفتاب کا جسم کشش اتصال سے سکڑنے لگا اور ادھر زمین وغیرہ سیارے منجمد ہونے لگے اور نیز آفتاب کی انرجی روشنی حرارت اور عمل کیمیائی کی شکل مین ایتھر سے گذرتی ہوئی زمین تک پہونچی اور یہان کی ہوا کو پھیلانے سے آندھیان اور طوفان آنے لگے اور پانی کو گرم کرنے سے بھاپ اٹھنے لگی اور جہان تک انرجی کا اثر تھا اوپر کو اٹھکر پھر فورس کے اثر سے پانی اور برف بنکر نیچے کو آنے لگی۔ چنانچہ یہان سے زمین کی ترقی شروع ہوئی اور نباتات اور حیوانات پیدا ہونے لگے۔ ان کی پیدائش اور ترقی کا باعث بھی وہی انرجی اور فورس کا مقابلہ ہے انرجی ان کے جسمانی ذرات کو ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہتی ہے اور فورس انکو پیوستہ رکھنا چاہتا ہے اور جو اور ذرات خوراک کی شکل مین داخل ہوں ان کو بھی چسپان کرتا رہتا ہے اور اس طرح یہ اجسام نشو و نما پاتے ہین۔ مگر نبات کی نسبت حیوان کے اندر یہ تفاوت اور ہوا کہ نبات ایک جگہ پر قائم رہکر اپنی جسمانی حالت مین ترقی کرتی تہی تو حیوان کو انرجی طبعی اور ارادی حرکتون کی شکل مین دور دراز مقامات تک لیجانا چاہتی ہے اور فورس سکون و آرام کی خواہش بنکر ایک مقام پر رکھنا چاہتا ہے پہر ایک نبات سے دوسری نبات

اور ایک حیوان سے دوسرا حیوان خواہ مشہور قانون ارتقا کے موافق پیدا ہوتا ہو یا جیسا کہ پہلے خیال تھا ایک قسم کی نبات اور ایک قسم کے حیوان کے بعد زمین سے کسی نہ کسی شکل میں دوسری قسم کے نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے رہتے ہوں - غرض اس ترقی میں بھی وہی فورس اور انرجی کا جد و جہد ہے یا ایک طاقت پہلی پیداوار سے دوسری پیداوار کو اور شکل میں لیجانا چاہتی ہے اور ایک طاقت پہلی مشابہت کو قائم رکھتی ہے اور اسی طرح آہستہ آہستہ ترقی ہو کر انسان تک نوبت پہونچتی ہے اب انسانی ساخت چونکہ حیوانی ساخت کے مشابہ ہے اسلئے فورس اور انرجی اسکو بھی اسی طرح نشو و نما دیتی ہے جس طرح حیوان بڑھتا تھا مگر ایک انسان کی اپنی ترقی بھی ہے جس میں بھی دونو طاقتیں دوسری شکل میں جلوہ گر ہیں اور ایک دل و دماغ کے بعد دوسرا دل و دماغ کچھ زیادتی کرتا ہے جس کو انرجی کا اثر کہنا چاہیے اور کچھ پہلی حالت کو قائم رکھتا ہے جس کو فورس کیطرف منسوب کرنا چاہیئے - اس طرح باہمی تعلقات زبان - صنعت - علم - اخلاق اور مذہب میں ترقی ہوتی رہتی ہے +

سائنس کے مسلمات سے استدلالی رفتار مذہب تک جاسکتی ہے

یہاں تک تو وہ باتیں ہیں جن کو سائنس نے تسلیم کیا ہے مگر آگے کے لیے کچھ تو سائنس اپنا مدعا یہی قرار دیا ہے کہ دنیا کی موجودہ حالت سے بحث کرے - اور اُسکے آغاز و انجام کی نسبت تحقیق کرنا اسکے فرائض میں داخل نہیں اور کچھ میرا خیال ہے کہ سائنس والوں کا قصور یہی ہے کہ جس طرز سے وہ موجودہ حالت میں استدلال کرتے ہیں وہی طرز اگر آغاز و انجام کے متعلق کارآمد ہو تو اسکی طرف بھولے سے بھی توجہ نہیں کرتے حالانکہ نظام قدرت کو دیکھنے اور اُسکے پُر اسرار اور حیرت انگیز قوانین کو دریافت کرنے کی نعمت جو انسان کو حاصل ہے وہ دنیا کی تمام نعمتوں سے برتر ہے اور نیک و بد کو سمجھنا اسی نعمت پر منحصر ہے -

مَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا — جس شخص کو حکمت دی گئی اسے بہت بڑی نعمت۔

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ — دی گئی اور نصیحت عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں -

(پ ۳ ع ۴)

اور اس لیے اس نعمت سے کام لیکر صانع قدرت کی طرف توجہ کرنے اور اسکی خشیت اور محبت کو دل میں جگہ

دینے کے جو موقع اُن کو حاصل ہین وہ دیگر اشغال مین نصیب نہین ہو سکتے

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۔ خدا کے بندون مین سے اُس سے اہل علم ہی ڈرتے ہین (فاطر پارہ ۲۲ ع ۴)

اب یہی قوت کی وہ شکلین ہین جن مین سے فورس موجودہ حالت کو قائم رکھنا اور جو تغیر پیدا ہو اُس کو دور کرنا چاہتا ہے اور انرجی ہمیشہ پہلی حالت کو بدل کر جدید شکل پیدا کرنی چاہتی ہے غرض ایک قوت سلبی ہے اور عدم کیجانب میلان رکھتی ہے اور دوسری قوت ایجابی۔ اور وہ وجود کو بڑھانا چاہتی ہے۔ مادہ ایک ہے اور قوتین اس مین دو موجود ہین اور وہ بھی ایک دوسری کے خلاف پس کیا ان دو قوتون کی نسبت غور کرنا ضرور نہ تھا اور جب مادہ کی موجودہ حالت اور اس کے تغیرات کو دیکھ کر یہان کی کیفیتون کو عام سے عام فرض کرتے ہوئے ابتدا مین تمام فضا کو بخار کے بادل سے بھرا ہوا فرض کر لیا گیا ہے اور تجربہ کی چیزون سے تجربہ کے پرے تک خیال دوڑایا گیا ہے تو فورس کے عمل کو جو وجود کی شکلون کو معدوم کر رہا ہے اور انرجی کے عمل کو جو عمدہ سے عمدہ شکلین پیدا کرتی جاتی ہے عام سے عام کرتے ہوئے یہ خیال نہین ہو سکتا؟ کہ پیدائش کے متعلق جو احتمال قرین قیاس سمجھا گیا تھا قوت کی یہ دورخی کارروائی خود اُسکو قوی کرتی ہے اور دنیا کی اصلیت چونکہ عدم ہے اسلئے وہ فورس کی شکل مین ہر مقام پر جلوہ گر ہے اور پیدا چونکہ خدا کی قوت علم نے کیا ہے اس لیئے وہ انرجی کی شکل مین ہر حالت کے بعد دوسری حالت کو بہتر سے بہتر کرتی جاتی ہے اور انھی دونو کیفیتون کا سبب ہے جو یہ دنیا آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہے۔ ورنہ اگر محض عدم ہوتا اور کوئی قوت موجود کرنیوالی نہ ہوتی تو وجود کی کوئی شکل ظہور پذیر نہ ہوتی اور اگر عالم قدیم سے موجود ہوتا اور عدم سے وجود مین نہ لایا جاتا تو جو کچھ موجود ہوتا ابھی اعلی سے اعلی شکل مین ہوتا اور اس تدریجی ترقی کا نشان نہ ملتا پس دنیا آہستہ آہستہ اسلئے بڑھتی ہے کہ وہ خود اپنی اصلیت کیطرف میلان رکھتی ہے اور قوت علم اُسکو وجود کیطرف لانا چاہتی ہے چنانچہ جب یہ عمل شروع ہوا ہوگا تو چونکہ محض عدم کو وجود مین لانا تھا اسلیئے ابتدا مین وجود کا اثر نہایت مخفی اور غیر محسوس ہوا ہوگا چنانچہ وہ وہی مدارج ہین جو بخار کے بادل سے پہلے گذر چکے ہونگے اور جنکی نسبت سائنس

کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ مگر جہان سے علم اور احساس کا دور شروع ہوا ہے وہان سے ان دو قوتون کی جدوجہد کی کیفیت اور اسکے مدارج پہلے کی نسبت واضح سے واضح ہوتے جاتے ہین اور اس لیے آغاز کی نسبت انجام کیلئے غور و فکر کرنا زیادہ سہل ہو گیا ہے۔

ترقی کے مختلف درجات مین فورس اور انرجی کی شکل بدلتی جاتی ہے۔

چنانچہ اس نظام کی سادہ سے سادہ شکل جو خیال مین آسکتی ہے وہ نہایت وسعت مین پھیلے ہوئے باریک ذرات کا بادل ہے اس سے پہلے اگرچہ ہزارون انقلاب ہوئے ہونگے مگر کم از کم ایک تو خیال مین آسکتا ہے جبکہ مادہ کو عدم سے وجود مین لایا گیا ہوگا اس وقت عدم کا فورس وجود سے مانع ہوگا اور قدرت کی انرجی موجود کرنا چاہتی ہوگی جس سے ابتدائی باریک ذرات پیدا ہوئے ہونگے۔ اس پہلی کوشش کے بعد اور ترقی ہونے لگی تو فورس چونکہ وجود کو روکنے مین کامیاب نہ ہوا اب اسکا اثر ذرات کی حرکت کو روکنے لگا اور ادہر انرجی ذرات کو دور سے دور لیجانے لگی اور ترقی کا ایک اور قدم آگے بڑھا اور کرّون کی ابتدائی شکل پیدا ہوئی۔ یہان سے حیوان کی پیدائش تک دیکھا جاتا ہے کہ بڑھانے اور روکنے والی دونو حرکتین طبعی ہین اور محض جسم تک محدود ہین گو ایک کے بعد دوسری مین کچھ نہ کچھ ترقی ضرور پائی جاتی ہے پہلے محض ذرات کو کھینچا یا بڑھایا جاتا تھا پھر ذرات سے بنے ہوئے بڑے بڑے کرون کو کھینچا اور دھکیلا جانے لگا۔ زمین آبادی کے قریب آئی تو بھاپ اور ہوا کی شکل مین کرون کے اجزا کو ان سے جدا کرنے اور پھر انکی طرف لانے کی کوشش شروع ہوئی نباتات مین جسم کی اجزا کو جدا نہین کیا جاتا بلکہ پیوستہ رہنے کی حالت مین نمو دیا جاتا ہے اور ادھر سے اسکی مزاحمت ہوتی ہے۔ اب حیوان پیدا ہوا تو اگرچہ حرکت اسمین بھی جسم کو تھی مگر اب بجائے ایک کے دو طرح کی ہوگئی ایک تو اجزا کی وہی نشو و نمائی حرکت ہے جو نباتات مین تھی اور دوسری حرکت تمام جسم کو جابجا پھرنے کی ہے اس حرکت کا نشان کرون کی گردش مین بھی پایا جاتا ہے مگر یہان اور شان ہے۔ کرے کا تمام جسم بھی حرکت کرتا ہے مگر ایک دائرہ مین اور اس سے باہر نہین جاسکتا اور نیز انکی حرکت محض طبعی ہے اور یہان حیوانات کسی دائرہ مین مقید نہین ہین اور مشرق سے مغرب تک جولان کر سکتے ہین اور نیز انکی حرکت

میں طبیعت کے علاوہ ان کے احساس کو بھی دخل ہے اور اپنے تصور و خیال کی مدد سے ارادہ کی شکل میں حرکت کرتے ہیں۔ غرض ایک طرف ان کے جسم میں ایسی حرکتیں پیدا ہوئیں جو اور قسم کی مخلوقات میں نہ تھیں اور دوسری طرف اُن کے دماغ میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اپنے خیال کو اشیاء گردوپیش کیطرف لیجانے لگے۔ ان کے بعد انسان پیدا ہوا تو یہ آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری کا مصداق تھا۔ چنانچہ یہ وہ حرکت بھی رکھتا ہے جو نباتات میں ذرات کو نشوونما دے رہی تھی اور وہ حرکت بھی رکھتا ہے جو حیوانات کو جا بجا لیے پھرتی تھی اور اسکے علاوہ دماغی حرکت کا وہ عالم ہے کہ حیوان جو اشیاء گردوپیش کیطرف توجہ کرتا تھا تو صرف انکو کھانے کیلئے یا کسی اندیشہ کی حالت میں اس سے بھاگ جانیکے لئے اور انسان اپنے تصور کو نہ صرف چیز کیطرف لیجاتا ہے بلکہ اُسکی خاصیتوں کیطرف لیجاتا ہے اسکی شکل کو بدلکر اور دوسری چیزوں کے ساتھ ملا کر اور شکلیں پیدا کرنے کیطرف اور پھر ان شکلوں کی تاثیروں کیطرف لیجاتا ہے۔ غرض اپنی دماغی حرکت میں کسی حد پر محدود نہیں ہونا چاہتا اور جہاں تک جا سکے اس سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور نیز حیوان کیطرح صرف سطح زمین اور مختصر سی فضا میں محدود نہیں رہتا بلکہ نیچے تحت الثریٰ اور اوپر فلک الافلاک تک پہنچتا ہے اور اپنے خیال کو یہاں تک دوڑاتا ہے کہ کائنات کی تمام فضا کو عبور کر جاتا ہے اور خالق کائنات تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔

آئندہ انقلاب میں ترقی اور بھی اعلیٰ ہونی چاہئے

غرض یہاں تک تو وہ ترقی ہے جو دنیا نے حاصل کی ہے اب جو آیندہ انقلاب ہونیوالا ہے کیا اسمیں بھی یہی ترقی ہو گی؟ کہ انسان دنیا کی چیزوں کی تاثیریں دریافت کرتا رہے اور شکلیں ایجاد کرتا جائے نہیں۔ ایک دفعہ پھر پیچھے کو جاؤ اور دیکھو کہ ابتدائی ذروں کے پھیلنے اور سکڑنے کی حرکت ان کیلئے ترقی کی صورت تھی لیکن اگر کرہ بنجانے کے بعد اجسام میں بھی یہی ذرات کے پھیلنے اور سکڑنے کی حرکت رہتی اور آفتاب کے گرد دورہ کرنے کی حرکت پیدا نہ ہوتی تو محض ذرات کی حرکت اس درجہ کے لیے ترقی نہ ہوتی۔ اور اسی طرح نباتات کے اندر اجزا کا نشوونما ان کے لئے ترقی ہے لیکن اگر حیوان میں بھی یہی وصف رہتا اور منہ میں غذا

آپ پڑے پڑے وہ بڑھ پھول سکتا مگر ارادی حرکت اور آمد و رفت کی طاقت نہ ہوتی تو جو بات نبات کے لیے ترقی ہے حیوان کے لیے وہی تنزل قرار پاتی - اور اسی طرح جو انسان حیوان کی طرح اپنی ہمت کو محض چرنے چگنے تک محدود رکھے اور دماغی حرکتوں کو کام میں نہ لائے تو خواہ ہاتھی جیسا موٹا اور شیر جیسا قوی ہو جائے مگر عقل اور دین سے بے بہرہ ہونیکے سبب یہ حالت اُسکے لئے تنزل سمجھی جاتی ہے حالانکہ حیوان کے لیے ترقی ہی ہے - پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انقلاب میں اس انقلاب کے مناسب ترقی کی اور شکل ہوتی ہے اور اس سے نیچے درجے کی ترقی اگر صرف وہی رہی تو تنزل سمجھی جاتی ہے اسلئے آیندہ انقلاب پر اگر یہی کائنات کی تحقیق اور ایجاد و اختراع کا شغل رہا تو اس حالت کے لحاظ سے تنزل کیوں نہ ہوگا بلکہ ضرور ہے کہ جس طرح پہلے ہر درجہ میں ترقی کی شکل بدلتی رہی ہے اس درجہ میں بھی کوئی اور شکل ہو - اور وہ کیا ہو سکتی ؟ یہاں حرکت ذرّوں سے شروع ہوئی - پھر جسم اور دماغ کو ہلایا جسم کی حرکت حیوان تک کمال کو پہونچی اور دہاں سے دماغی حرکت شروع ہوئی - انسان نے اپنے خیال کو تمام کائنات میں دوڑایا اور ابھی دوڑا رہا ہے آیندہ ترقی کائنات سے آگے ہونی چاہیئے -

| آیندہ ترقی معرفت میں ہوگی | چنانچہ اسکے لئے وہی چیز باقی ہے جسکی تلاش انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اور جس کو اُس نے ہر گوشہ میں تلاش کیا - کبھی اسے پتھر سمجھا اور کبھی درخت کبھی آفتاب سمجھا اور کبھی ماہتاب - مگر آخر میں اعتراف کیا کہ وہ ان سب سے بالا اور سب سے اعلیٰ ہے اور اسکو سمجھنا اور پانا دنیوی نظر کے لیئے ناممکن ہے پس آیندہ انقلاب میں اگر ترقی ہو سکتی ہے تو اسکی طرف - اور حقیقت میں نہ صرف مذہبی جذبہ بلکہ مادہ کی تمام حرکتیں جو اوپر کی طرف ہو رہی ہیں اور انسان کی عام خواہش جو اسے اعلیٰ سے اعلیٰ منظروں کے لئے اسکی فطرت میں داخل ہے وہ اسی لیئے ہے کہ ایک وقت پر یہ ترقی کرتا ہوا سب سے اعلیٰ ذات کی معرفت حاصل کرے اور اُسکے وصال سے بہرہ ور ہو - اور جس طرح نباتات میں تغذیہ اور نشو و نما کی طاقت پیدا کر دی گئی تھی جو حیوانات میں کمال کو پہونچی اور حیوانات میں حس و حرکت کی طاقت پیدا کی جو انسان میں اپنی حد تک پہونچی اسی طرح انسان میں اُس بالاتر

ہستی کا خیال رو یت کیا گیا جو آیندہ انقلاب مین اپنے کمال کو پہونچیگا۔ اور جس طرح یہان بعض انسان عدمی میلان سے متاثر ہو کر دنیوی حالت کے کمال یعنی علوم و فنون کیطرف توجہ نہین کرتے اور روز بروز تنزل کیطرف چلے جاتے ہین اور بعض اوپر کیے جانے قوت کو کام مین لا کر راز ہاے قدرت کے باہر اور اسکے مخفی خزانون کے مالک بنتے جاتے ہین۔ اسی طرح جو لوگ اسی عدمی میلان سے متاثر ہو کر دنیوی کمالات اور لذائذ حاصل کرنیکے بعد انہی کو ترقی کی انتہائی حد سمجھ لیتے ہین اور اس سے اوپر کسی اور ترقی کے لئے تیار نہین ہوتے وہ آئندہ انقلاب پر قرب ربانی کی نعمتون سے محروم اور فراق و بعد کی تکالیف مین مبتلا رہین گے اور جو اسکے برخلاف یہان کے فرائض ادا کرنے کے بعد اپنے لئے کچھ انتہائی فرائض بھی قرار دیتے ہین اور ان پر کاربند ہوتے ہین وہ بیشک آئندہ وہ ترقی دیکھینگے کہ یہان کی ترقیان اسکے سامنے ہیچ ہونگی۔

یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۚ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۱)

یاد رکھو جس دن بعض چہرے سفید ہونگے اور بعض سیاہ جن کے چہرے سیاہ ہونگے انکو کہا جائیگا کہ کیا اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا، پس تم اپنے کفر کے سبب عذاب چکھو۔ اور جن کے چہرے سفید ہون گے وہ خدا کی رحمت مین رہین گے اور ہمیشہ رہین گے

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۚ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا

خدا نے آسمان و زمین کو فضول سدا نہین کیا۔ یہ اس لئے ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلا دیا جاے اور ان پر ظلم نہ ہو۔ کیا تم دیکھتے ہو ان لوگون کو جنہون نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا یا ہوا ہے اور خدا کے مقرر کردہ قاعدون کے موافق وہ باوجود علم کے گمراہ ہو گئے ہین اور ان کے کان اور دل پر مہر لگ گئی ہے

تذکرون ۝ وقالوا ما هي الا حياتنا الدنيا نموت ونحيا وما يهلكنا الا الدهر وما لهم بذلك من علم ان هم الا يظنون ۝

(جاثیہ پارہ ۲۵ ع ۱۶)

اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے اب انکو خدا کے سوا کون ہدایت دیگا کیا اس سے عبرت نہیں پکڑتے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ صرف یہی دنیا ہے جسمیں موت یا زندگی کا سلسلہ ہے اور ہم زمانہ کے اثر سے مرجاتے ہیں اور کچھ نہیں انکو کوئی علم نہیں صرف اٹکل کی باتیں کرتے ہیں۔

وجوه يومئذ ناضرة ۝ الى ربها ناظرة ۝ ووجوه يومئذ باسرة ۝ تظن ان يفعل بها فاقرة ۝

(قیامہ پارہ ۲۹ ع ۱۷)

بہت سے چہرے اس دن تر و تازہ ہونگے اور اپنے خدا کو دیکھتے ہونگے اور بہت سے چہرے اس دن اداس ہونگے اور سمجھے ہونگے کہ اب حوصلہ شکن مصیبت آئی۔

آئندہ ترقی کیلئے جو سامان ہونا چاہئے وہ ابھی عالم میں مہیا کر دیا گیا ہے۔

غرض دنیوی فرائض کے لحاظ سے یہاں ترقی اور تنزل دونو طرح کی حرکتیں موجود ہیں اور اخروی فرائض کے لحاظ سے وہاں دونو قسم کی رفتار اور اس پر چلنے والے موجود ہونگے۔ اور اگر یہاں حیوان میں دماغ کی ابتدائی حرکت موجود نہ ہوتی تو انسان میں یہ حرکت کمال کو نہ پہونچتی۔ اسی طرح اگر انسان کے دماغ میں دنیا کے اندر آسمانی خیالات اور اسکے وسائل موجود نہ ہونگے یا ان کو دبا دیا جائیگا تو آخرت میں اس حرکت کا کمال حاصل نہ ہوگا چنانچہ اسی لئے قدرت کیطرف سے اسکا اہتمام کیا گیا ہے ہر شخص کی فطرت میں یہ تلاش ودیعت کی گئی ہے اور پھر وقتاً فوقتاً اسکی رہنمائی کے سامان بہم پہونچائے گئے ہیں۔ اور چونکہ حرکت ذات باری کیطرف ہوگی اسلئے اس ذات پر یقین رکھنا اور اسکو دائم و باقی سمجھنا اصل ایمان قرار دیا گیا ہے اور جن اعمال و اشغال سے اس عقیدہ کو پختگی اور اس خیال میں جلا اور رونق پیدا ہو اُن کو فرض و واجب ٹھرایا گیا ہے اور اس عقیدہ کا نہ ہونا کفر یعنے موجب تنزل اور اس خیال سے غافل کرنیوالے اعمال کو گناہ یعنی باعث ایذا و تنزل مانا گیا ہے اور نیز اس امر کیطرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ چونکہ ترقی قرب خدا میں ہونے کو ہے اسلئے خدا کی نسبت سچا اعتقاد ہونا چاہئے ورنہ اگر کسی نے ایسی چیز کو خدا سمجھہ لیا ہے جو حقیقت میں خدا نہیں تو آخرت میں ترقی بھی وہ اسی خیال کیطرف کریگا اور اس خدا کا قرب نہ حاصل کرسکیگا جو

حقیقت مین خدا ہے - ہان یہ ضرور ہے کہ ہر زمانہ کے لحاظ سے سچا اعتقاد کسی قدر متفاوت ہوسکتا ہے - اور محض اس تفاوت سے ترقی مین نقص واقع نہ ہوگا - مثلاً ابتدائے آفرینش مین جب اُس برتر از خیال و قیاس ہستی کیطرف خیال نہ جاسکتا ہوگا اس وقت سچا عقیدہ صرف یہی ہوسکتا تھا کہ ہم سے برتر ایک ہستی ہے اور چونکہ خدا واقع مین انسان سے برتر ہے اسلئے اِس عقیدے والے آیندہ ترقی کے اہل ہوسکین گے - مگر آئندہ آنیوالون نے جب اپنی نفسانی آمیزش سے ہوا یا پانی یا اور چیزون کو بعض طاقتون اور خاصیتون مین اپنے سے برتر سمجھ کر ان کو خدا مان لیا ہوگا تو چونکہ واقع مین یہ چیزین خدا نہین ہین اسلئے اُس مجمل اور سچے عقیدے مین اس غلط تفسیر نے ملکر ضرور اثر کیا ہوگا اور آئندہ عالم مین وہ لوگ اسی خیال اور اسکے نتائج مین مبتلا رہین گے اور سچے خدا کا قرب نہ حاصل کر سکینگے اور علیٰ ہذا جب اس غلط عقیدے کی اصلاح ہوئی ہوگی اور بتایا گیا ہوگا کہ خدا ہوا اور پانی وغیرہ سے بھی بہتر ہے تو اس خیال مین پھر ترقی کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہوگی - اور اسکے بعد جب ہوا اور پانی پیدا کرنیوالی طاقتون کو دیوتا مانکر ان کے آگے سر اطاعت جھکایا گیا ہوگا تو اس غلطی نے پھر ترقی کی رفتار کو اور طرف منعطف کر دیا ہوگا - حتے کہ رفتہ رفتہ خدا کو سب محسوس اور غیر محسوس چیزون سے برتر اور سب پر قابض و متصرف مانا گیا ہوگا جو آئندہ ترقی کے لئے مفید ہے اور پھر انسان نے اپنی آمیزش سے اُسے سب سے برتر مانتے ہوئے بعض انسانون کو ایسا ٹھہرا دیا ہوگا کہ خدا مین اور ان مین محض باپ بیٹے کا تفاوت رہگیا ہو - یا سب پر قابض مانتے ہوئے بعض اشیا کو ایسا عظیم الشان تصور کیا ہوگا کہ ان کو خدا کی مخلوق ماننے سے انکار کر دیا ہوگا اور اس طرح بجائے ہر طرح سے کامل اور قادر خدا کو ماننے کے ایسے خدا کو مانا ہوگا جو بعض انسانی نقصون سے متصف ہو اور بعض طاقتون مین ناقص جس کا اثر آئندہ ترقی مین نمایان ہونا ضرور ہے اور انکو اسی رستہ پر جانا ہے جس کے نشانات اِنھون نے اپنے دل مین قائم کر چھوڑے ہین - اور اگر واقع مین خدا سب نقصون سے پاک ہی تو اس خیال والے اس کیطرف نہین جاسکتے غرض آئندہ ایسا باغ لگنے والا ہے جسکی تخم ریزی یہین ہوچکی ہے اور جو تخم ہوگا آخرت مین اسی کا

پھل ملیگا اور تخم مختلف ہون مگر پھل یکسان اس سے زیادہ خلاف عقل اور نامقبول خیال کوئی نہین ہوسکتا ؛

آئندہ ترقی غیر محدود ہوگی

یہان والے مانتے ہین کہ فورس ہر ایک ذرہ مین چسپیدہ ہے اور اس سے جدا نہین ہوسکتا اور اس کے خلاف انرجی ایک ذرّہ سے دوسرے ذرہ اور ایک جسم سے دوسرے جسم کیطرف انتقال کرتی رہتی ہے اسکا باعث اُنھون نے خدا جانے اب کیا سمجھا ہے اور آئندہ اسکے متعلق کیا کیا تھیوریان قایم کرینگے مگر اسمین شک نہین کہ دنیا کی ماہیت عدم ہے اور اس لیئے اس کا ظہور ہر درجہ مین اور ہر ذرہ مین ہونا چاہیئے اور روح جو دوسری ذات کی طرف سے عطا ہوا ہے اسلیئے وہ عدم کی طرح اسکے ساتھ چسپیدہ نہین ہوسکتا اور اسلیئے وہ انقلاب کے ہر درجہ مین اسی حدتک ظہور کرتا ہے جہان تک اس درجہ کو مکمل کرنے کے لیئے ضرورت ہو اور اسکے بعد ظہور کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ مثلاً جب بخار کا بادل تھا تو اُسکی اجزا مین انرجی کا ظہور اس شکل مین تھا کہ وہ ذرون کو ذرون سے جدا کرنا چاہتی تھی اور مختلف سیارون کی جو شکل بنانی مطلوب تھی وہ اسی طرح کی انرجی سے پیدا ہوسکتی تھی اسلیئے جبتک ضرورت رہی یہ عمل ہوتا رہا چنانچہ ادھر فورس کا عدمی اثر بھی کام کرتا رہا اور ادھر انرجی اپنا اثر دکھاتی رہی اور زمین وغیرہ سیارے پیدا ہوگئے۔ اور اب جو چیز پیدا کرنی مطلوب تھی وہ پیدا ہوگئی اسلیئے انرجی کا وہ عمل کم ہونا شروع ہوا اور زمین بخار سے سیال اور سیال سے منجمد ہوتی گئی اور اس طاقت کا جو حصہ زمین مین ودیعت تھا اس کا اثر جاتا رہا اور پھر آئندہ جس قسم کی انرجی سے زمین کو آباد کرنا تھا اُسکا ظہور ہونے لگا یعنی انرجی آفتاب سے حرارت اور روشنی کی شکل مین سفر کرتی ہوئی زمین تک پہونچی اور اس سے بارش اور آندھی وغیرہ انقلاب پیدا ہونے لگے۔ اور انکے بعد نباتات کو پیدا کرنے کے لیئے اُن کے اجزائے جسم کو بڑھانے کی اور حیوانات مین اس کے علاوہ خود ان کے جسم کو اور نیز کسی قدر دماغ کو اطراف وجوانب مین حرکت دینے کی اور انسان مین ان تمام طرح کے ساتھ اسکے دماغ کو زمین و آسمان کے ہرگوشہ کیطرف اور خود پیدا کرنیوالے کیطرف متوجہ کرنے کی ضرورت تھی اسلیئے ان انقلابون مین انرجی کا ظہور یکے بعد دیگرے ترقی کرتا رہا۔ مگر وہ مادہ جسمین نشوونما ہونے

کو بھی اور وہ فضا جسمین حیوان حرکت کرنیکو تھا اور کائنات کا وہ میدان جسمین انسان اپنے خیال کو
جولان دینے والا تھا یہ سب محدود ہین اور ان سب قسمون کی ترقی ایک معین حد سے آگے نہین بڑھ
سکتی اسلئے ارتقا کے یہ تمام ظہور بھی ایک ایک وقت پر ختم ہوتے رہے اور ایک دن سب ختم ہو جائینگے
لیکن ان ترقیون کے بعد آئندہ انسان کی قوت خیالیہ ذات ربانی کیطرف حرکت کرنے کو ہے اور ترقی
قرب و بعد خدا مین ہونے والی ہے اور خدا کی ذات غیر محدود ہونے کے سبب وہ ترقی کسی نقطہ پر
ختم نہین ہوسکتی اسلئے ارتقا کا وہ ظہور بھی جو آئندہ ہونے والا ہے غیر محدود ہوگا اور اسی لئے کہا جاتا
ہے کہ آئندہ جہانی رنج وراحت دائمی اور ابدی ہے اور جو لوگ خدا سے قریب ہونگے وہ ہمیشہ قریب تر ہوتے
جائینگے اور جو دور رہونگے وہ دور سے دور تر ہونے مین بھی کسی حد پر نہ ٹھیر سکینگے ۔

روح صرف جسم مین رہکر ترقی کرسکتی ہے

غرض یہ یقین کرنیکی وجوہ موجود ہین کہ جس وقت پر ترقی کا خاتمہ سمجھا
جاتا ہے وہ حقیقت مین اب سے بہت زیادہ ترقی کا زمانہ ہوگا اور جو مخلوقات یہان پیدا ہوتی ہے
اُس زمانے مین زیادہ آسانی سے پیدا ہوسکیگی اور ترقی کے لئے چونکہ اور کوئی میدان نہین رہا اس لئے اُس
وقت معرفت ربانی مین ترقی ہوگی اور چونکہ وہ ذات لامحدود ہے اسلئے وہ ترقی بھی لاانتہا ہوگی
اب یہ دیکھنا باقی رہا کہ انسان مین جب ایک روح جیسی لطیف ہستی کو مانا جاتا ہے اور مرنے کے
بعد اسکے قائم رہنے کا یقین کیا جاتا ہے تو خواہ مادہ کوئی اور شکل اختیار کرے یا نہ کرے اسکی کیا ضرورت ہے
کہ روح انسانی دوبارہ جسم مین داخل ہو اور کیون نہین ہوسکتا کہ وہ مجرد رہکر معرفت ربانی پا اور حالات
مین ترقی کرتی جائے ۔ اسکا جواب یہ ہے کہ محض احتمال قائم کرلینا کہ شاید ایسا ہو اور بات ہے لیکن یقین
کرنے کیلئے کہ روح اپنی مجرد حالت مین ترقی کریگی یا کرسکے گی زیادہ ثبوت کی ضرورت ہے ، اور غور کیا جاتا
ہے تو قرائن اسکے خلاف دلالت کرتے ہین کیونکہ اول تو روح باوجود جداگانہ ہستی ہونیکے جو جسم مین
ظہور کرتی ہے تو ضرور ہے کہ وہ اپنی ترقی مین جسمانی وسائل کی محتاج ہوگی ورنہ اگر خود ترقی کرنے
کی قابلیت رکھتی تو جسم کے قید مین آنا بے سود ہوتا ۔ اور دوسرے کوئی مجرد ہستی ہو اور پھر ترقی کرے یہ مسئلہ
بھی قابل غور ہے ۔ یہان مادہ ترقی کرتا ہے تو اسکی یہ صورت ہے کہ اجزا باہم کبھی ایک شکل سے پیوستہ

ہوتے ہین اور کبھی دوسری شکل سے اور کبھی کسی مرکب سے بعض اجزا خارج ہو جاتی ہین اور بعض اور
داخل ہوتی ہین اور ایک حالت سے دوسری حالت اعلیٰ اور افضل ہوتی جاتی ہے اور پھر اعلیٰ شکلون
مین عقل و شعور کا ظہور ہوتا ہے اور جسمانی ترقی کے ساتھ وہ ترقی شروع ہوتی ہے جسے روحانی
ترقی کہا جائے تو اسمین کوئی تصور پیدا ہوتا ہے یا کوئی جلوہ نظر آتا ہے۔ اس تصور یا اس جلوہ
کو قوائے آلیہ محفوظ رکھتی ہین اور آئندہ اس سے عمدہ تصور یا جلوہ پیدا ہونیکا موقع آتا ہے اور اس
عمل سے خیالات جسمانی ہون یا روحانی ترقی کرتے رہتے ہین۔ غرض ترقی کا جو تجربہ انسان کو ہے
اسمین ترقی کرنیوالے کیلئے بہت سے ذرائع اور وسائل کی ضرورت ہے اسلئے جو چیز اجزا سے پاک
اور مجرد ہو مجرد رہکر اسکی ترقی خیال مین بھی نہین آسکتی چہ جائیکہ اس پر یقین کیا جائے اور اسی
لئے خدا جو مجرد اور یگانہ ہستی ہے جو لوگ اسے مانتے ہین تو ازل سے ابد تک الآن کما کان
تسلیم کرتے ہین اور اسکی ذات کو ترقی یا تنزل کیطرف جاتے ہوئے مان نہین سکتے پس روح
بھی جبتک اپنی مجرد حالت مین رہیگی ترقی یا تنزل سے جس درجہ پر ہوگی اس سے آگے نہ بڑھ
سکیگی اور ترقی کریگی تو اسی صورت مین کہ جسم مین داخل ہو اور جو وسائل جسم کو ترقی دیتے ہین اور
جو نور اسکو روشن کرتا ہے اس سے مدد لے اور اس لیئے ضرور ہے کہ جب مادہ آئندہ انقلاب
مین ترقی کرے اور اعلیٰ شکلین پیدا ہون تو روح انسانی ان مین ظہور کرے اور مدارج ترقی
پر فائز ہو۔

غرض اعتراض تو روحانی حشر کو تسلیم کرنیوالے کیا کرتے ہین کہ جسمانی حشر مین ترقی
نہین ہوسکتی یا وہ ترقی دائمی نہ ہوگی مگر حقیقت اسکے خلاف کھلتی ہے کہ روحانی ترقی کے لئے
ذریعہ ہی جسمانی ظہور ہے۔ رہا اس ترقی کا دوام سو ہم ذکر کر چکے ہین کہ مادہ اپنی ذات سے ہمیشہ
تک قائم رہسکتا ہے اور اسمین جو انقلاب ہوتے ہین وہ انرجی کے اثر سے ہین اور انرجی کی
نسبت ہم دیکھتے ہین اور اوپر غور کر چکے ہین کہ اسکا ظہور جس قدر ابتدائی یا بالواسطہ ہے اسی قدر
شکلون کا انقلاب بھی جلدی ہوتا ہے چنانچہ زمین کی ابتدائی حالت مین ذرات کی شکلین

اور نیز ماہتاب کے اثر سے اُسکی پیداوار ان چیزون کی عمر بہت مختصر ہے اور نیز یہ بھی ہمنے دیکھا ہے
کہ انرجی کا ظہور جس حالت کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس حالت کے کمال تک وہ ظہور قائم رہتا ہے۔
پس جب یہ نظام انجام کو پہونچے گا اور تمام وسائط ختم ہو جانے پر آفتاب وحدت کا نور براہ راست
جلوہ کریگا اور جب انرجی کا ظہور معرفت ربانی مین ترقی دینے کو ہوگا اور وہ ذات غیر محدود ہے
تو اس وقت نور کے دوام سے اس کی پیدا کردہ شکلین بھی دائمی ہونگی اور معرفت کی ترقی بھی
ہمیشہ جاری رہیگی ٭

ارواح کے لئے مادہ کی کمی نہین یہان ایک سرسری سا اعتراض اور ہے کہ زمین پر جاندار مخلوق
اس کثرت سے ہے کہ پانی کے ایک قطرے اور ہوا کے ایک ذرہ مین لاکھون کی تعداد موجود ہے
پس اگر یہ سب دوبارہ زندہ کئے جائین اور نیز اس عالم مین موت اور زندگی کا سلسلہ بھی جاری
نہ ہو تو مادہ جس سے ان سب کے لئے اجسام بنائے جائین میسر نہ آئیگا۔ مگر یہ اعتراض ذرائع
قدرت کو اپنے خیال کے موافق محدود سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے ورنہ قدرت نے جس طرح زندگی
نہایت فیاضی سے تقسیم کی ہے اسی طرح مادہ کو پیدا کرنے مین بھی بخل کو کام نہین فرمایا۔ اول
تو فرداً فرداً انواع حیوانات کو دیکھئے کہ ایک عورت کے پیٹ سے جس قدر اولاد پیدا ہوتی ہے
وہ زیادہ سے زیادہ ہو تب بھی دس بیس سے آگے نہین بڑھ سکتی مگر وہ مادہ جو ایک ایک عورت
کے رحم مین انسانی اجسام بنانے کے لیے مہیا کیا گیا ہے اُسکو پیدا ہونیوالی اولاد کی تعداد سے
کوئی نسبت نہین یعنی حسب تحقیق جدید عورت کے رحم مین دس ہزار کے قریب انڈے شمار کئے
گئے ہین۔ یہی حال اُس ذخیرہ کا سمجھنا چاہئے جو حیوانات کے ہر ایک نوع مین اُن کے نطفون کے
لئے مہیا کیا گیا ہے اور اسی طرح درختون مین دیکھا جاتا ہے کہ درخت کا تخم جس قدر آیندہ اُسکی نسل
بڑھانیکے لئے کام آتا ہے اس سے بہت زیادہ ہر درخت مین پیدا کیا جاتا ہے چنانچہ اسکی بیشمار مقدار
انسان کے تصرف مین آتی ہے بہت کچھ حیوانات لیجاتے ہین اور پھر بھی بہت کچھ پختگی سے پہلے
اور پیچھے جھڑ کر ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت تو ذخیرہ پیدائش کی ہے جس کا جوہر ضرورت سے بہت زیادہ

مہیا کیا گیا ہے اب ان تخموں کو ذرات کی کثرت اور انکی ترتیب کے لحاظ سے دیکھئے کہ ایک دیو ہیکل بڑ کا درخت ہے جسکی جڑ۔ تنہ۔ شاخ۔ پتہ۔ اور پھل سب کے اجزا کا خلاصہ ایک بیج مین اس طرح جمع کر دیا جاتا ہے کہ اُس کا حجم ذرہ کے برابر ہوتا ہے اور پھر یہ تخم جب بویا جائے تو وہی ذرات پھیل کر ویسا ہی دیو ہیکل درخت پیدا کر دیتے ہین۔ اس وقت بیشک تخم کے ساتھ بہت سے ذرات خوراک سے بھی پیوستہ ہوئے ہین مگر درخت کی ہر جزو مین تخم کا بھی کوئی نہ کوئی ذرہ ضرور ہے جسکی وجہ سے درخت اپنی نوع کے خصائل اور شکل ظاہر کرتا ہے ورنہ اگر تخم کے ذرات ایسے ہی تھوڑے ہوتے جیسے اسکی شکل سے ظاہر ہوتے ہین اور باقی اجزا بیرونی خوراک سے مہیا ہوتے تو کوئی ہمجنس درخت دوسرے سے مشابہ نہ ہوتا۔ پھر دیکھو کہ لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑہ ہوتا ہے اسے جلاتے ہین تو دھوان اس قدر پھیلتا ہے کہ گھر بھر جاتا ہے اب اجزائے لطیفہ جو اس قدر حجم مین پھیل سکتے ہین وہی ہین جو لکڑی کے ٹکڑے مین ایک چھوٹے سے حجم مین مقید تھے اور یہی اصول ہے جس سے ہومیو پیتھک طبابت مین ایک رتی دوا کا کروڑوان حصہ بلکہ اس سے بھی کمتر استعمال ہوتا ہے اور اس ذرہ کے استعمال سے دوا کا اثر ظہور کرتا ہے غرض یہ کہ قدرت ذرات کو پیوستہ کر کے بڑے مقدار کو چھوٹے حجم مین اور پھیلا کر تھوڑی مقدار کو بڑے حجم مین پیدا کر سکتی ہے اور اسی عمل سے اندازہ کیا گیا ہے کہ جب عالم بخار کے بادل کی شکل مین تھا تو اس وقت کی ایک آدھی رتی کا حجم اُس وقت کئی ملین مکعب میلون مین پھیلا ہوا تھا۔ تو جب نیچر کی یہ قوت خود اسی نظام مین نظر آتی ہے کہ وہ تھوڑی تھوڑی اجزا سے بڑے بڑے حجم کے اجسام بنا سکتی ہے تو اس وقت جبکہ اس سے بھی اعلے نظام ہوگا اور کام کرنیوالا نور اپنے مرکز سے بواسطہ ظہور کریگا اس وقت جس قدر ارواح اجسام سے مفارق ہونے پر باقی رہ سکتی ہین وہ خواہ اسی تعداد مین ہون جو یہان جاندار مخلوق کی نظر آتی ہین یا اس مخلوق کی کوئی اعلے انواع ہون جن کو ایسی پائدار روح میسر ہے کچھ ہی ہو قدرت اس وجہ سے محتاج نہین ہو سکتی کہ مادہ کم ہے اور اسکی اجزا سب مین تقسیم نہ ہو سکین گی۔

آیندہ ترقی مین اجسام کی حالت

پس اگر روح کوئی چیز ہے جس نے یہان مادہ مین ظہور کر کے ترقی کی ہے تو آیندہ انقلاب پر جب مادہ اور اعلےٰ شکلین حاصل کریگا روح بھی ضرور ان شکلون مین ظاہر ہوکر ترقی کریگی اور اسکے علاوہ یہان والون کی حالت کو دیکھ کر چند اور کیفیتین بھی معلوم ہوتی ہین۔ یہان نباتات اور حیوانات مادہ سے پیدا ہوتے ہین اور ان کی تمامتر توجہ بھی مادی کیطرف ہے اور ترقی بھی صرف نوع کے لحاظ سے ہوتی ہے یعنی ایک نوع سے دوسری نوع ترقی یافتہ ہوتی ہے ورنہ شخصی ترقی کا ان مین نشان نہین رہا انسان اسکی ترقی اگرچہ جسم کی وساطت سے ہوتی ہے لیکن ترقی کی رفتار اوپر کیجانب ہی اور جسم سے خیال کیطرف اور خیال مین کائنات سے خالق کائنات کیطرف بڑھتا ہوا جاتا ہے اور نیز یہان ان سب کی پیدایش اس نور کی وجہ سے ہی جو مادہ سے خارج ہوتا ہے تو اب جس وقت اس حرارت اور روشنی کا اثر ختم ہو جائیگا اور ثوابت اور سیارے تاریک ہو جبکے بعد محض ذات ربانی کے نور سے دوبارہ وجود حاصل کرینگے اس وقت مادہ کی جو اجزا نباتی اور حیوانی شکلین اختیار کرینگی ان مین انکی ذاتی حیثیت اور نور کی حیثیت دونو کا اثر ہونا چاہئیے۔ نباتیت اور حیوانیت وہ چیز ہے جسمین مادی ترقی کی حیثیت ہو اور شخصی ترقی کی قابلیت نہ ہو اور نور کی حالت یہ ہے کہ وہ اس وقت غیر مادی سرچشمہ سے براہ راست ظہور کرتا ہی اسلئے ضرور ہے کہ یہ چیزین اس وقت بھی مادی وجود حاصل کرین مگر غیر مادی نور کے اثر سے ان مین ایسی ترقی ہو کہ مادی حرارت اور روشنی سے ہونی ممکن نہین اور اسلئے چاہئے کہ اس وقت کی نباتات اور حیوانات اب سے بہت زیادہ لطیف اور اعلےٰ جسم رکھتے ہون مگر شخصی ترقی کے قابل نہ ہون اور انکے برخلاف اس وقت انسان مین چونکہ وہ مادہ کے وساطت سے ترقی کرتا ہے اسلئے یہ حیثیت اور دماغی ترقی یا تنزل کرتا رہا ہے اس لیئے یہ حیثیت بھی ہوگی اور معرفت ربانی کا اشتیاق یا اس سے بیگانگی ظاہر کرتا ہے اسلئے یہ حیثیت بھی ہوگی اور ادھر اس کا ظہور غیر مادی سرچشمہ سے ہے اس سبب اسکی حالت مین ان سب حیثیتون کا اثر نمایان ہونا چاہئیے۔ مادہ سے تعلق رکھنے کے سبب مادی وجود حاصل کریگا اور چونکہ اسمین روحانیت بیشتر نمایان ہے اور ادھر نور بھی غیر مادی ہے

اِس لیئے اس کا اُس وقت کا جسم نباتات اور حیوانات کے اس وقت کے جسم سے بہت زیادہ لطیف ہوگا اور چونکہ دماغی اور جسمانی ہر طرح کی ترقی کی قابلیت رکھتا ہے اسلئے نباتات اور حیوانات کی طرح ایک حالت مین مقید نہ رہیگا بلکہ جس طرح یہان اپنی ترقی کے میدان مین بڑھتا گھٹتا رہا ہے وہان بھی اپنی طاقتون کے موافق جو یہان سے لیکر گیا ہے ترقی اور تنزل کرتا رہیگا - اور اُسکی روحانی ترقی کے لیئے ہم دیکھ چکے ہین کہ غیر محدود میدان ہے اور وہ ذات ربانی سے قریب یا بعید ہونے مین ابدالآباد تک ترقی کر سکے گا - رہی جسمانی حالت سو اسکے لئے ہم دیکھتے ہین کہ حیوان کی ترقی یا تنزل محسوسات کیطرف نقل و حرکت کرنے پر منحصر ہے اور جو حیوان اس بارہ مین زیادہ چست ہوتا ہے وہ جسمانی قوت اور فربہی مین دوسرون پر فایق رہتا ہے - اور اسی حالت کو اُسکے لئے بہتر سمجھتا ہے اسکے بعد انسان کی ترقی چونکہ محسوس سے غیر محسوس کیطرف جانے اور اپنے سود و بہبود کے متعلق نتائج نکالنے اور عمل کرنے پر منحصر ہے اس لیئے اسکی جسمانی حالت کی بہتری بھی اسی طرز عمل پر موقوف ہے چنانچہ جو لوگ علم و ادب و تہذیب و تربیت کیطرف توجہ کرتے ہین ان کے اجسام جاہلون اور وحشیون کی نسبت نازک ہوجاتے ہین مگر اسکی بجائے دل و دماغ نہایت چست اور تیز ہوجاتا ہے اور وہ لوگ اپنی ذہنی قوتون سے اور غیر محسوس طاقتون کو دریافت کرنیسے وہ وہ کام لیتے ہین جو وحشیون کے قوی اور بھاری جسمون سے نہین ہوسکتے اور اس لیئے یہ دُبلے اور نحیف مگر دانا لوگ اُن لوگون پر غالب رہتے ہین جو وحشت مین ترقی کرنے سے اپنے سے ایک درجہ نیچے ہوگئے ہین اور جسمانی اور روحانی حالت مین حیوانون سے ملگئے ہین اور اسی لیئے انسانی درجہ مین جسمانی لطافت اور دماغی چستی کو ترقی سمجھا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر درجہ مین ترقی جس طرز عمل پر منحصر ہے اسی طرز عمل سے جسمانی حالت بھی متاثر ہوتی ہے اور اسی حالت کو جسم کی ترقی سمجھا جاتا ہے - اب جبکہ انسانی حالت مین آئندہ انقلاب ہوگا اور جب اسکی ترقی غیر محسوس مادی اشیاء کو سمجھنے کی بجائے غیر محسوس غیر مادی ہستی کی معرفت پر منحصر ہوگی اس وقت بھی اسکی جسمانی حالت اس طرز عمل سے متاثر ہوگی اور وہی اس حالت مین جسمانی ترقی سمجھی جائیگی اور جب یہان غیر محسوس مگر مادی طاقتون کی طرف توجہ

کرنے سے جسم نازک اور لطیف ہو جاتا ہی تو وہان غیر مادی نور سے پیدا ہونے اور غیر مادی ہستی کیطرف توجہ کرنے کے سبب جسمانی لطافت اور بھی زیادہ ہوگی اور جس قدر روحانی نور اور جلا مین ترقی ہوتی جائیگی اسی قدر جسمانی لطافت بڑہتی جائیگی اور اس کے خلاف جو لوگ اس ہستی سے بعید ہوتے جائینگے وہ جسمانی حالت مین بھی اپنے درجہ سے کمتر ہو جائینگے اور کثافت مین ترقی کرتے جائینگے جیسا کہ یہان انسانی ترقی مین کوتاہی کرنے سے جسمانی حالت حیوانونکی سی ہو جاتی ہے۔

لیکن اسمین شک نہین کہ جسم اور جسمانی ترقی محدود ہے اسلئے ایک وقت پر لطیف ہونے والون کی لطافت اپنی حد کو پہونچ جائیگی اور وہ لوگ ایسے لطیف ہو جائینگے کہ جس قدر لطافت ہم اس وقت ایک انسان کے اندر ایک روح کو تصور کر کے خیال میں لاسکتے ہین شاید اس وقت کی جسمانی لطافت اس سے بھی زیادہ ہو۔ اور پھر اس سے آگے چونکہ روحانی لطافت اور قرب خداوندی کی لذت رہجائیگی جسکی کوئی انتہا نہین اسلیے وہ اس جسم لطیف کیساتھ اس لطافت مین ہمیشہ ہمیشہ بڑھتے جائینگے اور اسیطرح ادھر کثیف ہونیوالون کی کثافت بھی محدود ہے پس اس حالت پر پہونچکر کیا ہونا چاہیے؟ پھر لطیف ہونے لگین۔ یہ تنزل کا ترقی بنجانا ہے جو ممکن نہین۔ فنا ہو جائین یہ اس سے بھی زیادہ ناممکن ہے۔ اور لطیف جسم کیطرح اسی حالت پر قائم رہین اسکا بھی احتمال نہین۔ کیونکہ گو عجیب بات ہی مگر واقعہ ہے کہ انبھر کا سا نازک جسم لامحدود عرصہ تک قائم رہ سکتا ہے اور حرارت وغیرہ قوتین اسمین تغیر پیدا نہین کر سکتین مگر پہاڑ سا بھاری جسم حوادث کے اثر سے یوماً فیوماً بدلتا رہتا ہے البتہ اُسکے قیام کی ایک صورت ہے جو یہان بھی دیکھی جاتی ہے اور دنیا کے منظرون سے اسکی شہادت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اجزائے اصلیہ قایم رہین اور غیر اصلیہ بدلتی جائین چنانچہ ان لوگون کا یہی حشر ہونا چاہیے کہ روحانی بُعد زیادہ سے زیادہ ہوتا جائے اور جسمانی اجزا بدلتے رہین۔

حشر کے متعلق اسلامی تعلیم

غرض اس عالم کے فنا ہونے پر دوبارہ پیدا ہونیکی یہی صورت ہی جو سمجھ مین آتی ہے اور یہی ہے جسکی تعلیم اسلام کیطرف سے دیگئی ہے چنانچہ اسلام نے حشر جسمانی قرار دیا ہے اور تمام جسمانی راحت ورنج کے سامان مثلاً ادھر باغ اور نہرین اور اُدھر آگ اور تپش وغیرہ کو تسلیم کیا ہے لیکن چونکہ

وہ عالم نہایت اعلےٰ ترقی کا عالم ہے اسلئے وہان کا سامان بھی یہان کے سامان سے نہایت اعلیٰ ہوگا اور اسکی مفصل کیفیت انسان کی سمجھ سے بالاتر ہوگی پس جو الفاظ اسکے لئے استعمال کئے گئے ہین انکی نسبت کہنا چاہیئے کہ ان سے بعینہ وہ معنی جو ہم اس دنیا مین سمجھتے ہین مقصود نہین ہین بلکہ جو سامان یہان سب سے اعلےٰ ہوتا ہے اسکے ذکر سے وہان کے سامان کا ایک مکمل سا خاکہ کھینچا گیا ہے اور اسی لیئے قرآن مین ایک طرف ان چیزون کا ذکر ہے تو دوسری طرف یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ انجہانی رنج و راحت کی کیفیت جیسی کچھ حقیقت مین ہے کسی انسان کے تصور مین نہین آسکتی اور مختصر یہ ہے کہ وہان کی راحت سب سے بڑی راحت ہے اور وہان کی تکلیف سب سے بڑی تکلیف ہی چنانچہ ارشاد ہے

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۲)

کوئی شخص نہین جانتا جو ان کے اعمال کے صلہ مین انکے لیئے راحت کا سامان آیندہ عالم مین مہیا ہے

بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ (سبا پارہ ۲۲ ع ۱)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہین رکھتے وہ عذاب اور دور کی گمراہی مین مبتلا ہین گے۔

لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ (زمر پارہ ۲۴ ع ۴)

ان کے لیئے خدا کے پاس جو وہ چاہین سب کچھ ہوگا اور یہ نیکوکارون کا صلہ ہے۔

لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ (مومن پارہ ۲۴ ع ۶)

ظالمون کو انکا عذر مفید نہ ہوگا اور ان کے لئے برا گھر مقرر ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۴)

وہان تمہارے لیے ہی جو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیئے ہے جو خواہش کرو۔ یہ بخشندہ و مہربان خدا کی مہمانی ہے۔

فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (زخرف پارہ ۲۵ ع ۷)

اسمین وہ کچھ ہوگا جس کو دل چاہے، اور آنکھون کو بھلا معلوم ہو اور تم اسمین ہمیشہ رہوگے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ (محمد پارہ ۲۶ ع ۱)

اور جو کافر ہون انکے لیئے ہلاکت ہے اور انکے اعمال کا نتیجہ گمراہی

اور پھر جا بجا ترقی و تنزل کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ مومنین کی نسبت فرمایا ہے کہ انکو بہشتی نعمتون کے علاوہ خدا کی رضامندی کی نعمت دیجائیگی جو سب سے بڑہکر ہے اور اُن کو بہشت مین رکھہ کر پاکیزہ باتون کیطرف اور قرب خداوندی کیطرف ہدایت کی جائیگی اور درجہ بدرجہ ترقی کرینگے اور کفار کی نسبت ارشاد ہے کہ انکو عنایت خداوندی اور لطافت و پاکیزگی کا کوئی حصہ ملیگا وہ پیچھے کیطرف لوٹائے جائینگے اور انکو چڑھتے سے چڑھتا عذاب ہوگا اور انکی جلدیں گل جائینگی تو اور جلدیں دی جائینگی اور اُن کو ہر طرف سے موت گھیریگی مگر وہ مرینگے نہین۔

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۰)

اہل تقوے کیلئے خدا کے پاس جنت ہے جس کے نیچے نہرین جاری ہین وہ اسمین ہمیشہ رہینگے اور پاک جوڑے ہین اور خدا کی رضامندی ہے اور خدا اپنے بندون کو دیکھ رہا ہے۔

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (توبہ پارہ ۱۰ ع ۹)

(مومنین کیلئے) ہمیشہ رہنے کی بہشت مین پاکیزہ مقامات ہین اور خدا کی رضامندی ہے جو سب سے بڑی ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ (حج پارہ ۱۷ ع ۳)

اور ان کو پاکیزہ باتون کی طرف ہدایت کی جائیگی اور قابل تعریف خدا کے رستہ کیطرف ہدایت کیجائیگی۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (والانشقت پارہ ۳۰ ع ۱)

مین قسم کہاتا ہون شفق کی اور رات کی اور جو رات مین داخل ہے اور چاند کی جبکہ وہ مکمل ہو۔ اے لوگو تم درجہ بدرجہ چڑھوگے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ

جو لوگ خدا کے عہد اور اپنے وعدون کو تہوڑی قیمت پر بیچ دیتے ہین اُن کیلئے آخرت مین کوئی حصہ نہین اور نہ خدا ان سے کلام کریگا اور نہ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ
(آل عمران پارہ ۳ ع ۵)

کے دن اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کریگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا ۖ
(نساء پارہ ۵ ع ۷)

اے اہل کتاب تم اس قرآن پر بھی ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے اور جو تمہاری کتابوں کی بھی تصدیق کرتا ہے اور یہ کام اس سے پہلے کرلو کہ ہم چہروں کو محو کردیں اور ان کو پچھلی طرف پھیریں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (نساء پارہ ۵ ع ۸)

جو لوگ ہمارے نشانات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو عذاب میں داخل کرینگے جب انکی کھال گل جائیگی توہم اور جلد بدل دینگے تا وہ عذاب چکھیں۔

وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۱۶)

اور اس (دوزخی کو) ہر طرف سے موت گھیریگی مگر وہ مریگا نہیں اور اس سے پرے اور بھی سخت عذاب ہے

وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ (جن پارہ ۲۹ ع ۱)

اور جو اپنے رب کے ذکر سے روگردان ہو اس کو وہ چڑھتا ہوا عذاب دیگا۔

كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ۙ (مدثر پارہ ۲۹ ع ۱)

ہاں وہ ہمارے نشانات سے عناد رکھتا تھا میں اسکو چڑھنے کی تکلیف دونگا۔

انتہائی تربیت سے انسانی خصائل بدل نہیں سکتے

قیامت کے ذکر میں طول ہی قیامت کا ہو گیا ہے مگر ابھی ایک اعتراض کا ذکر باقی ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں اور ترقی کے اس درجہ میں جس کو آئندہ ترقی کی نسبت ناقص سمجھا جاتا ہے انسان اکثر ایک رستہ کو چھوڑ کر دوسرا رستہ اختیار کرلیتا ہے اور نیک سے بد اور بد سے نیک ہو جاتا ہے اور نہ صرف خود بلکہ اپنے اثر اور قوت کے موافق دوسروں کو ان کے رستوں سے منحرف کر کے اپنے رستہ پر لگا لیتا ہے اور نہ صرف انسان پر بلکہ تربیت اور تعلیم سے حیوانوں اور درختوں پر بھی اثر ڈال سکتا ہے اور ایک حد تک ان کے عادات و خصائل کے بدلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو جب

آئندہ عالم مین وہ اور ترقی کریگا تو ضرور ہے کہ اس وقت بھی تعلیم و تربیت سے بدون کو نیک اور نیکون کو بدبنا دینے کی قوت بطریق اَولےٰ ہوگی اور اسلیئے جو لوگ یہان سے بدی کا اثر لیکر گئے ہین اُن کا آئندہ عالم مین نیک ہوجانا اور نکوکارون کا بد ہوجانا ممکن ہے ۔

اس اعتراض مین تعلیم و تربیت کی قابلیت پر زور دیا گیا ہے اسلیئے دیکھنا چاہیئے کہ نباتات حیوانات اور انسانات مین تعلیم و تربیت کس حد تک موثر ہوتی ہو۔ نباتات پر انسان بیشک تصرف رکھتا ہے اور عمدہ تخم عمدہ کھاد اور اصول باغبانی کو کام مین لاکر درخت کی شکل پھول کا رنگ پھل کا ذائقہ سب کچھ کسی نہ کسی حد تک بدل سکتا ہو مگر ایک درخت کا نشو و نما اور اسکی اجوا کا اوپر کو بڑھنا ایسا وصف ہے کہ انسان کا اس پر کچھ اختیار نہین اور وہ اگر چاہے کہ کوئی درخت ایک حد تک پھیل کر آئندہ اسی حد پر قائم رہے اور نمو کو چھوڑ دے تو ممکن نہین ۔ حیوان پر انسان کا بہت اختیار ہے اور تربیت سے اسکی عادتون کو بہت کچھ بدل سکتا ہے مگر خوراک کا خاصہ ایسا راسخ ہے کہ اس پر اور اسکے اثر پر انسان کا کوئی اختیار نہین اور جو خصلتین نباتی خوراک سے نبات خوار مین اور جو اثر حیوانی خوراک سے گوشت خوار مین راسخ ہوچکے ہین وہ تربیت سے بدل نہین سکتے ۔ اور یہی کیفیت انسان کی ہو کہ اسکی عقل و شعور کو تحریک دیکر یا عادت ڈالکر بہت سے اچھے اور برے انقلاب پیدا کیئے جا سکتے ہین لیکن بہت سے خصائل اسمین بھی ایسے راسخ ہین کہ تربیت اُنکو بدل نہین سکتی ۔ مثلاً جو فطرۃً بہادر واقع ہوا ہے اسکو بزدل اور بزدل کو بہادر نہین بنا سکتے ۔ اور جس فن یا پیشہ کی قابلیت فطرت مین ودیعت ہو اسے روک کر دوسرے کام کیطرف متوجہ کرین تو ہرگز کامیابی نہین ہوتی ۔

مگر یہ وہی قابلیتین ہین جو پیدائش سے پہلے پیدا ہوچکی ہین اور کام بیشک سب خدا کے حکم سے ہوتے ہین لیکن یہ عالم اسباب ہو اور یہان کا کوئی فعل بغیر کسی سبب کے پیدا نہین ہوتا ۔ اس لیئے یہ قابلیتین جو پیدا ہوئی ہین تو وہ بھی ضرور کسی نہ کسی سبب سے ہین ۔ اور ان اسباب کا ہر شخص کی حالت مین معین کرنا اور سمجھنا کہ فلان فلان وجوہات سے یہ اثر پیدا ہوا ہے ۔ نہایت دشوار ہے مگر مجمل طور پر اتنا ضرور یقینی ہے کہ مختلف آب و ہوا ۔ مختلف خوراک اور مختلف طریقہ ہائے زندگی یہی وہ اصلی اسباب ہین جو دنیا کی

مخلوق پر اثر کرتے ہین اور اسبب اثر بار بار پیدا ہونے سے افراد اور اقوام کی فطرت پر پائدار نقش قائم ہوتے ہین اور وہی نقش نطفہ پر اثر کرتے ہوئے آئندہ پیدا ہونیوالی نسلون مین فطرت بناتے ہین اور دوسری طرف انہی اسباب کے بدلنے سے جو وقتاً فوقتاً مخالف اثر پیدا ہوتے رہتے ہین وہ اپنی اپنی قوت وضعف کے مطابق کبھی پہلے اثر کو بالکل معدوم اور کبھی ضعیف کر دیتے ہین اور یون ایک ملک ایک قوم اور ایک نسل کی فطرتون مین باہم گر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

غرض جو خصائل انسان کی فطرت مین داخل ہین اور جو تربیت سے بدل نہین سکتے اگر وہ بے سبب پیدا نہین ہوئے (اور نیچر مین کسی چیز کے بے سبب پیدا ہونے کی نظیر موجود نہین) تو ضرور وہ خصائل ایسی چیزون کے اثر ہین جو انسان کی پیدائش سے پیشتر موجود تھین اور جنھون نے انسان کے جسم مین داخل ہو کر اپنے اثر کو اس مین راسخ کر دیا ہے اور یہی کیفیت اُن خواص کی ہے جو نبات اور حیوان مین ناقابل تربیت ثابت ہوئی ہین کہ وہ بھی انکی پیدائش سے پہلے کسی اور چیز مین موجود تھے اور اسی چیز کا نبات اور حیوان کی شکل مین آنا اس اثر کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ آفتاب کی کشش سے اجزائے زمین اور بخار کا اوپر کو اُٹھنا جس سے آندھی اور بارش وغیرہ مظاہر پیدا ہوتے ہین یہ خاصہ نبات کی پیدائش سے پہلے زمین مین موجود تھا اور جب وہی اجزا نبات مین داخل ہوئے تو اپنے اثر کو بھی ساتھ لائے اور نبات کو نشو و نما کی وہ قابلیت دی کہ تربیت سے دور نہین ہو سکتی۔ اسی طرح نبات مین یہ قابلیت تھی کہ جو چیز انکی گرفت مین آجائے اسے جذب کر کے فائدہ اٹھائین مگر جابرانہ حملہ کرنے کی صفت جو حیوان مین ہے وہ نبات مین مفقود تھی اسلئے جب نباتی اجزا نبات خوار حیوان مین دا آئین تو اپنی غربت اور مسکینی کا اثر ساتھ لائین اور اُدھر حیوانی اجزا گوشت خوار حیوان مین تحلیل ہوئین تو ان سے سفاکی اور خونریزی کی عادتین پیدا ہوئین اور دونو قسم کے اثرون کا بدلنا ناممکن ہو گیا۔ اسی طرح انسان کو جن اجزا نے بنایا اور جن ارواح نے اسمین اپنا اثر دخل کیا انکی خاصیتین ایسی راسخ ہوئین کہ تربیت کے قابل نہ رہین۔

غرض معلوم یہ ہوا کہ تربیت کا اثر جس قدر ہے وہ انہی خصائل مین ہے جو کسی درجہ انقلاب مین

تازہ موجود ہوئی ہون - چنانچہ نبات مین خوراک لینے کی عادت تازہ موجود ہوئی تہی اور اسی مین دخل و تصرف کرنے سے کچھ اثر ہوسکتا ہے اور انسان اور حیوان مین حرکت ارادی اور عقل و شعور کی قوتین تازہ پیدا ہوئی تہین اور انہی مین اصلاح ہوسکتی ہے لیکن جو اوصاف ایک درجہ مین پیدا ہون اور پہر اس درجہ سے ترقی کرکے دوسرے درجہ مین آئے تو وہ اوصاف قابل تربیت نہین رہتین - چنانچہ معدنی اجزا کی صفات نبات مین آکر اور نباتی اور حیوانی اجزا کی صفات حیوان اور انسان مین آکر ایسی مضبوط ہوئین کہ تربیت سے بدل نہین سکتین - بلکہ انسان مین دیکہا گیا ہے کہ ایک درجہ سے ترقی کرکے دوسرے درجہ مین آنے کی بہی ضرورت نہین اور صرف تہوڑے سے انقلاب سے اوصاف راسخ ہوجاتی ہین - کیونکہ قوم اور اسکی آئندہ نسلین انقلاب کے ایک درجہ یعنی نوع انسانی مین شامل ہین اور باوجود اسکے قومی خصائل انکے نطفون مین اگر جب دوسری نسل مین ظاہر ہوتے ہین تو انکو بدلنا دشوار ہوجاتا ہے اور اگر وقت سے کچھ اصلاح ہو بہی سکتی ہے تو قومی خاصہ کو بالکل فنا کرنا یقیناً محال ہوتا ہے اور جب یہ کیفیت ہے تو جس وقت دنیا مین آئندہ انقلاب ہوگا اور یہ نظام بدلکر کسی اور نظام سے پیدایش کا آغاز ہوگا اسوقت جو خاصے یہان کی مخلوق مین پیدا ہوچکے ہین وہ دوبارہ پیدا ہونے پر یقیناً راسخ اور نا قابل ترتیب ہونگے اور اسلئے نہین کہہ سکتے کہ یہان کی نیک اور بد عادتون کا جو نتیجہ ہے وہ وہان کی اصلاحی کوشش سے بدل سکیگا ۔

اور ابہی زمین کے آباد ہونے پر نباتی اور حیوانی پیدایش ضمنی انقلاب ہین اور دیکہا جاتا ہے کہ ان کے اثر سے ایک درجہ کی خاصیت دوسرے درجہ مین راسخ ہوجاتی ہے تو جب ان سے بہی بڑا انقلاب ہوگا اور زمین تباہ ہونے کے بعد دوسری شکل مین آباد ہوگی اس انقلاب کے اثر سے یہان کے خواص کا راسخ ہونا اور بہی ضروری ہوگا - چنانچہ ہم دیکہتے ہین کہ زمین سے جس قدر مخلوق پیدا ہوتی ہے اسکو اگرچہ حسب مصلحت بیشمار گوناگون شکلون مین پیدا کیا گیا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ تدویر نے ان سب شکلون پر ایسا اثر کیا ہے کہ کوئی شکل اس وصف سے خالی نہین - ذرات - کنکر پتہر اور معدنیات ہین تو ان مین کوئی مثلث یا مربع یا اور شکل کا نہین - اور ضعین لاکھون ہین مگر لمبا ہو یا چوڑا

سب مین گولائی کا اثر موجود ہے۔ درخت بنتے ہین تو ان کے ننہے اور شاخین کیسی ہی کھردری ہون پتے کیسے ہی مختلف ہون پھل کیسی ہی شکل کا ہو سب کسی نہ کسی حد تک گول ہوتے ہین اور چوکھونٹا یا تکھونٹا یا کوئی اور زاویہ دار شکل انکی نہین آتی۔ جاندار کے اندرونی اور بیرونی اعضا یا نہین ٹانگین۔ دھڑ اور سر۔ یا دل۔ جگر۔ تلی۔ گردہ سب مدور کی مختلف شکلین ہین۔ اور زاویہ دار کوئی بھی نہین۔ تو سبب کیا کہ زمین آبادی سے پہلے گول ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کی اجزا جب آیندہ انقلاب اور شکلون مین آئین تو اس اثر کو ایسی مضبوطی سے اپنے ساتھ لائین۔ کہ اب ہم لاکھ کوشش کرین کسی تربیت سے کوئی درخت یا کوئی حیوان یا کسی کا کوئی حصہ زاویہ دار نہین بنا سکتے۔ پس جب اس بڑے انقلاب مین اور ویرانی سے آبادی کیطرف آنے پر پہلے درجہ کی خاصیت دوسرے درجہ مین اصلاح پذیر نہ رہی اور ضمنی انقلابون مین جو ایک آبادی کے اندر واقع ہوئی یہی کیفیت نظر آئی تو جب یہی مادہ دوبارہ آباد ہوگا اس وقت بھی یہان کا نیک اور بد میلان جو ایک عمر کے غور و تامل اور اعمال و اشغال سے قائم ہو چکا ہے وہان جا کر ترغیب و تحریص سے نہ بدل سکیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ - (فاطر پارہ ۲۲ ع ۱۷)

کیا ہمنے تمکو ایسا زمانہ نہین دیا جسمین اصلاح پا سکتا ہے جو اصلاح پانا چاہے۔ پس اب (عذاب) چکھو کیونکہ ظالمون کا کوئی مددگار نہین ہو سکتا۔

باب چہار دہم

حشر روحانی اور تناسخ

حشر روحانی - بہشت اور اسکا سامان بہشتی عورتین - تناسخ - اختلاف حالات اور تناسخ - کوئی درجہ اختلاف سے خالی نہین ہوسکتا - روح جسم سے پہلے موجود نہین ہوتی - بعض پیدائشی میلان مختلف ہوتے ہین - اثر مدا ہونے کی صورتین - عام طور پر اثر کا تفاوت - انسانی خیالات کا اُتار چڑھاؤ - جذبات کا اثر نسل پر - دو نطفون کے اختلاف کے لئے موروثی اسباب ہوسکتے ہین - خدا کی خالقیت اور روح کی قدامت وغیرہ مسلمات سے تناسخ کا تعلق چاند سورج اور مادہ کے بار بار آنے سے تناسخ کا ثبوت - سقراط کی تین دلیلین تناسخ پر - تیسری دلیل سے تناسخ کو تعلق نہین - دوسری دلیل دو طرح سے ناقص ہے - ضد سے ضد کا پیدا ہونا عام قاعدہ نہین - ضد کا ضد کیطرف آنا - زندگی اور موت پر جاری نہین ہوسکتا - اس عالم مین روح کا دوبارہ جسم مین آنا خلاف عقل ہے - درجات کی ترقی سے اثر مین ترقی ہوتی جاتی ہے - مذہبی سزا کا اثر نیچے کے درجات سے فائق ہونا چاہئے - عبادت کا مقصد طریق - دعوی بے اعتدالی کو مذہب بھی عقل کیطرح برا کہتا ہے اسلئے کہ یہان کے کاروبار مذہبی ترقی کے وسائل ہین - مذہب کی خاص اپنی ترقی دنیوی نیک اطوار سے بالاتر ہے - مذہب کی خاص اپنی ترقی کا اثر بھی دیگر ترقیون سے بالاتر ہوگا - مرنے کے بعد قیامت کا انتظار باعث تکلیف نہین ہوسکتا -

حشر روحانی | جیسے ایک نادیدہ ہستی کا یقین انسانی فطرت مین داخل ہے اسی طرح آئندہ زیست کا اعتقاد بھی ہمیشہ سے انسان کا طبعی میلان رہا ہے اور جس طرح عقول بشری کی آمیزش سے نادیدہ ہستی کے متعلق کئی طرح کے عقیدے پیدا ہوگئے ہین اسی طرح آئندہ زیست کو بھی کئی شکل سے مانا جاتا ہے چنانچہ ان مین سے ایک مشہور عقیدہ جس کو فلسفیانہ اور معقول سمجھا جاتا ہے یہ ہے کہ آئندہ عالم مادی نہوگا بلکہ ارواح اپنی مجرد حالت مین ہمیشہ قائم رہینگی اور خدا سے قریب یا بعید ہونے کی وجہ سے یا کسی اور طرح ترقی و تنزل کرینگی گویا ان لوگون کے خیال مین مادی طاقتون کے ختم ہوجانے پر یا موجودہ

اصطلاح کے مطابق آفتاب کی انرجی صرف ہوجانے پر قوت کا کوئی اور سرچشمہ موجود نہیں جس سے نیا
کا سلسلہ جاری رہ سکے۔ اور جس طرح زمین کے سرد ہوجانے پر آفتاب کی حرارت نے اسکو دوبارہ بھی ترقی
دی تھی اس طرح تمام نظام شمسی کے سرد ہوجانے پر کوئی اور نور اسکو گرمانے کے قابل نہ ہوگا اور چونکہ
ہم مادی آفتاب سے نیز اثر کسی اور سرچشمہ کو دیکھ نہیں سکتے اسلئے گو یا یقین ہے کہ واقع میں یہی نور کا
صرف یہی سرچشمہ ہے۔ غرض اس خیال کے مطابق لازم آتا ہے کہ اس مادی عالم کی حرارت جب سے
مستقل طور پر اسی میں موجود ہے اور خدا کی طرف سے اس کا فیضان نہیں ہوا اسلئے جب یہ ذخیرہ
ختم ہوجائیگا تو مادہ کسی اور نور سے منور نہ ہوسکیگا۔ اور خدا کا تعلق اگر کچھ ہے تو وہ عالم ارواح
سے ہے اور اس لیئے ارواح خدا کے نور سے یا اپنی فطری قوت سے ہمیشہ قائم رہ سکینگی۔ غرض جو لوگ خدا
کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور صرف اسی عالم کو مانتے ہیں ان کے دلایل اس فرقہ کو ایسے مسلم ہیں کہ
وہ مادی حشر و نشر کو تسلیم کرنے کے لیئے آمادہ نہیں ہوتے اور اسلئے ایسے لوگوں کا مذہبی میلان
قابل تعریف ہے کہ اہل عقل کے مفروضہ عاقلانہ استدلال کو تسلیم کرنے کے باوجود مرنے کے بعد
روحانی طور پر موجود رہنے کے خیال سے تاہم عقیدے کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن
اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ اگر خدا موجود ہے اور اگر اس نے عالم کو موجود کیا ہے تو پھر مادی قوت صرف ہوجانے
کے بعد مادہ کے بیکار رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ جس طرح کسی ملک پر تصرف کرنے کے لئے پہلے
فوج کو جا بجا پھیلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور تصرف ہوجانے کے بعد اسکو مختلف چھاونیوں میں
ٹھیرا دیا جاتا ہے اور امن ہوجانے پر چھاونیوں کی تخفیف شروع ہوتی ہے حتی کہ اگر ملک میں تہذیب
و شائستگی عام اور کامل ہوجاوے تو ان وسائل کی ضرورت نہیں اور صرف مرکز سلطنت کی قوت
امن و انتظام کے لیئے کافی ہوسکتی ہے یہی صورت اس نظام کی نظر آتی ہے کہ اسکو عدم سے وجود
میں لانیکے لئے نور کو ہر جگہ منتشر کرنے کی ضرورت تھی اسلئے اس وقت تمام فضا میں انرجی کو پھیلا دیا
گیا اسکے بعد وجود کو ترقی دینے کیلئے نور کو مختلف مرکزوں میں جمع کرنے کی ضرورت تھی اور اس
لیئے ثوابت اور سیاروں کا سلسلہ جاری ہوا۔ اب جبکہ تمام بیرونی مرکزوں سے نور کو واپس لیا جائیگا

اور ایک مرکز وحدت کے سوا کسی قوت کا ظہور نہ رہیگا تو وہ وہی وقت ہوگا جبکہ ابتدائی مرحلے طے ہو چکینگے اور مرکز وحدت کے اثر سے مادہ اعلےٰ تر شکلین اختیار کریگا۔ اور دوسری جانب ہم دیکھ چکے ہین کہ جسم کے بغیر روح مجرد کے ترقی کرنے کی کوئی صورت نہین اور اسی لیے اس کو یہان جسمانی وسائل عطا کئے گئے ہین تو جس وقت آیندہ مادہ کی اعلےٰ تر شکلین موجود ہونگی اس وقت روح کا ان شکلون مین ظاہر ہوکر ترقی کرنا اور بھی سہل ہوگا اور اس طرح پر معلوم ہوا کہ روحانی حشر ماننے والے کا اندیشہ کہ مادہ بیکار ہو جائیگا بے بنیاد ہے اور انکا عقیدہ کہ روح مجرد ترقی کریگی بے ثبوت ہے اور اسکے خلاف جسمانی حشر کا عقیدہ نظام عالم کے مطابق اور قرین قیاس ہے۔

بہشت اور اسکا سامان | افسوس ہے کہ روحانی جزا و سزا ماننے والون کیطرف سے کوئی ثبوت دیکھنے مین نہین آیا تاکہ اسکی نسبت غور کیا جاتا اور انکی جس قدر قوت ہے وہ جسمانی حشر پر اعتراض کرنے مین صرف ہوتی ہے اور اعتراض بھی اگرچہ ظریفانہ مذاق کو پورا کرنے سے زیادہ قیمت نہین رکھتے مگر چونکہ اُن بزرگوارون کا یہی عطیہ ہے اسلئے ہمین بھی ان سے لطف اٹھانے مین دریغ نہین چنانچہ یہ دکھانے کے لیے کہ جسمانی حشر و نشر انسان کی اپنی طبیعت کا اختراع ہے۔ سوامی دیانند فرماتے ہین کہ

"عرب مین پانی کا قحط ہے اسلئے عربی پیغمبر نے اسا جنت ایجاد کیا جسمین محلون کے نیچے دریا بہتے ہون میرے وطن مین بکثرت سیلاب آنے ہوتے ہین اور پانی کی بہت افراط ہے اسلئے اگر مین یا یورپ والے بہشت کا خیال باندھے تو ایسی جگہ فرض کرتے جہان سالون مین کبھی ایک آدھ دفع بارش ہو"

اس اعتراض مین ظاہر کیا گیا ہے کہ جو آسائش کا سامان بہشت مین فرض کیا گیا ہے وہ خود دنیا مین آسایش کا موجب نہین چنانچہ جن کو اس سے سابقہ پڑا ہے وہ اسکی تکلیف سے تنگ ہین اسلئے بہشت مین جہان کوئی تکلیف نہ ہونی چاہیئے یہ صورت کیونکر موزون ہوگی؟ اور بیشک دریاؤن کی کثرت اور سیلابون کا زور جس ملک مین ہو وہان والون کیلئے ایسا ہی باعث عذاب ہے جیسے آتش فشانی یا زلزلہ اور ہمکو افسوس ہے کہ سوامی جی ایسی تکلیف مین رہے گئے۔ مگر حقیقت مین دریا اور چیز ہے اور نہر کا لفظ جو قرآن مین مذکور ہے اور معنی رکھتا ہے۔ دریا اس روانی کو کہتے ہین جو اختیار مین نہ ہو اور اپنے زور سے

جس طرف رخ کرے رکاوٹون کو دور کرتی ہوئی نکل جائے مگر اسکے خلاف نہر کی روانی اپنے اختیار مین ہوتی ہے اور اس کا پانی جہان ضرورت ہو اپنی مرضی سے پہنچایا جاتا ہے۔ اور یہی ترجیح کا ذرا سا تفاوت ہے جس سے مضمون کو بدنما کرنے مین کامیابی ہوئی ہے۔ چنانچہ دریا اگر اپنے گرد نواح کو فائدہ پہنچاتا ہے تو سیلاب کیوقت نقصان بھی بہت کرتا ہے مگر نہر سے کسی نقصان کا اندیشہ نہین ہوتا۔ بلکہ پانی بہم پہونچانے کی سب سے مکمل صورت ہی یہ ہوسکتی ہے اور موجودہ تہذیب نے اس طریقہ کو یہان تک ترقی دی ہے کہ صرف زمین مین نالیان کھود کر پانی کو نشیب کیطرف لانے کے علاوہ مشینون اور نلکون کے ذریعہ سے چھوٹی چھوٹی نہرین گھرون کے کونے کونے تک پہونچائی جاتی ہین اور جو راحت اور آسایش ان تدبیر سے پیدا ہوتی ہے وہ آبرسانی کے کسی اور طریق سے ممکن نہین اور سوامی جی کے وطن کی نسبت تو ہم کہہ نہین سکتے شاید وہان والون کو پانی کی جھلک بھی ناگوار ہو۔ مگر اور سب جگہ نہر کی یہ مختلف شکلین بالضرور راحت اور آسائش کا موجب ہین اور خود یورپ مین اس طرح کی نہرین کئی کئی منزل کے بالاخانون تک پہونچتی ہین اور جو لوگ ان کے فواید سے آشنا ہین اگر وہ اس حالت مین نہ رکھے جائین تو یقیناً اپنے تئین دوزخ مین سمجھین۔ غرض دنیا مین کوئی ملک ہو راحت اور خوشحالی کا سامان اس سے بڑھکر نہین ہوسکتا کہ عالیشان مکان ہون۔ پائین باغ ہون اور پانی ہر جگہ بآسانی میسّر آسکے اسلئے یہ اعتراض کہ بہشت مین جو سامان بیان کیا جاتا ہے وہ دنیا مین آسائش کا موجب نہین بالکل غلط ہے۔

رہی یہ بات کہ آیا بہشت مین بعینہٖ دنیا کے سے باغات اور نہرین ہونگی؟ سو اسکی یہ کیفیت ہے کہ بیشک جسمانی حشر ہے جس کو عقل تسلیم کرتی ہے اور جسمانی حشر ہے جس کا اسلام کو اعتراف ہے

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ (س ۲۳ ع ۵)	انسان کہتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیون کو کون زندہ کریگا کہدو وہی زندہ کریگا جس نے انکو پہلی بار پیدا کیا ہے۔

مگر اس عالم مین قوت بالواسطہ اور محدود و مقدار مین اور خاص سمت سے مادہ پر عمل کرتی ہے اور آیندہ عالم کا وہ وقت ہوسکتا ہے اور اسکو اسلام تسلیم کرتا ہے جبکہ غیر محدود قوت بیواسطہ اور بیسمت جلوہ گر ہوگی

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ۔ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ؕ (زمر پارہ ۲۴ ع)	اور زمین اپنے خدا کے نور سے چمکیگی۔ اور لوگون کا حق فیصلہ ہوگا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا ۔

اسلئے اس وقت کی تمام کیفیتین دنیوی فہم و ادراک سے بالاتر ہین ۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ؕ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۲)	کوئی شخص نہین جانتا جو راحت ان کیلئے مقدر ہے

اور انکی نسبت صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ جو سامان اس وقت کیلئے مطلوب ہوگا وہ وہان کی ترقی یافتہ مخلوق کو بافراط میسر آئیگا جس طرح یہانکی ترقی یافتہ مخلوق کو یہان کا سامان بافراط میسر ہے

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ؕ (زخرف پارہ ۲۵ ع ۷)	اس مین ان کو ملیگا جو دل چاہے اور آنکھ کو بھلا معلوم ہو

اس کے بعد جو باغات اور نہرون کا ذکر کیا جاتا ہے تو نہین کہہ سکتے کہ ایسے ترقی یافتہ عالم مین اسی قسم کی سی نہرین اور باغات ہونگے لیکن چونکہ وہ عالم ہوگا جسمانی اسلئے ضرور ہے کہ کسی نہ کسی شکل کے جسمانی لوازم وہان موجود ہون اور جسمانی ہونے کی وجہ سے یہان کے جسمانی لوازم سے یک گونہ مشابہت رکھین پس خواہ وہ نہایت اعلےٰ ہون اور یہ نہایت ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے ان کے لئے یہان کے الفاظ استعمال کرنے جائز ہونگے اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بہشت مین محل ہونگے باغات ہونگے اور ہر طرف نہرین جاری ہونگی ۔

ہم دیکھتے ہین کہ ہندوستان کے کسی دیہاتی کے سامنے جب یورپ کی وگنٹ اور فٹن اور موٹر وغیرہ سینکڑون قسم کی سواریون مین سے کسیکا ذکر کرنا ہو تو دیہاتی کی زبان مین چونکہ صرف ایک چھکڑے یا بہلی کا لفظ موجود ہے اور وہ یورپ کے مختلف الفاظ کو سمجھ نہین سکتا اسلئے اس کے سامنے تمام سواریون کے لئے گاڑی اور بہلی ہی کہنا پڑتا ہے خواہ اسوقت کوئی شوخ طبع یہ پھبتی اڑائے کہ وحشی ہونیکے سبب بہلی کے سوا اور کچھ دیکھا نہین اسلئے یورپ مین اسی قسم کی بہلیان فرض کرتا ہے مگر کہنے والیکو سننے والیکی استعداد کے موافق گفتگو کرنی ضرور ہے اور سننے والے کے دماغ مین

اور کوئی لفظ نہین اسلئے بہلی ہی کہنا پڑتا ہے۔ اور دیہاتی کی عقل یورپ کی سواریون کا خیال قائم کرنے سے جس قدر کوتاہ ہے یہان والون کی عقل آنجہانی کیفیت کو مشخص کرنیکے لئے اس سے بہت زیادہ ناقابل ہے پس اُن کیفیتون کو یہان والون کے سامنے جو باغات اور نہرون کے لفظ سے ادا کیاجاتا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ جس قدر بہلی سے یورپ کی گاڑیان اعلےٰ ہین یہان کے باغات اور نہرون سے وہان کا سامان اس سے بہت زیادہ برتر ہوگا اور یہ الفاظ کا قصور ہے جسکی وجہ سے صرف اتنے اظہار پر اکتفا کیاجاتا ہے۔

غرض اس موقع پر سوامی جی نے نہر کی بجائے دریا کا لفظ رکھکر اپنے لکچر کو ایک ظرافت آمیز فقرہ سے مزین کیا تو اچھا ہوا کہ قہقہ اور چیرز کی آواز سے جو مسرت ایک ظریف کو حاصل ہوا کرتی ہے وہ سوامی جی کو میسر آئی لیکن اگر انصاف پسندی کا ذوق ظرافت کے اشتیاق پر غالب ہوتا اور نہر کے لفظ کو واٹر ورکس اور پمپ سے ترجمہ کیاجاتا تو دیکھتے کہ عموماً محل اور باغ اور نہر اور پہر نہر کی بہتر قی یافتہ شکلین اس عالم کی سب سے بڑی ضرورتین ہین اور معلوم ہوتا کہ اسلامی بہشت مین نہرون کا ذکر اسلئے نہین کہ عرب مین پانی کا کال تہا بلکہ یہ شکل ہی ایسی ہے کہ بہشت کی اعلیٰ راحت کو ظاہر کرنے کے لیئے دنیوی سامان مین اس سے بہتر کوئی چیز نہین۔ اور اگرچہ اس ترجمہ پر چیرز کا شور بلند نہ ہوتا لیکن راست بیانی مین جو روحانی لُطف ہی وہ ضرور خوش وقت کرتا۔

بہشتی عورتین

اسی قسم کا وہ اعتراض جو کسی ستم ظریف نے بہشتی عورتون کی نسبت کیا ہے کہ انکی وجہ سے بہشت رنڈیون کا چکلہ معلوم ہوتا ہے۔ گویا عورتون کی وجہ سے بہشت نفسانی بداعتدالیون کے سوا اور کسی مصرف کا نہین۔ حالانکہ عورتین اس دنیا مین بہی پیدا کی گئی ہین اور پہر بہی دنیا ہے جسمین رہکر انسان نے ہزارون قسم کی جسمانی اور روحانی ترقیان کی ہین اور جو ترقی کرنے والے ہین اُن کے لیئے عورتون کی رفاقت کوئی مزاحمت نہین کرتی بلکہ ان کے جایز تعلقات اور بہی حوصلہ افزائی اور اطمینان کا باعث ہوتے ہین۔ بیشک ایک زمانہ تہا جبکہ عورتون کو محض نفسانی خواہش پوری کرنیکا آلہ۔ تمام بُرائیون کا سرچشمہ اور تمام انسانی

کمالات سی محروم سمجھا جاتا تھا اور اسلئے اُن وقتون مین جو لوگ کسیقدر فلسفیانہ دماغ رکھنے کے سبب نفسانی بے اعتدالیون کو بُری نظر سے دیکھتے تھی مگر وحشیانہ زمانہ کے اثر سے عورتون کی اصل قدر وقیمت نہین سمجھ سکتے تھے انکی تعلیم مین اکثر عورتون سے نفرت دلوائی گئی ہے اور اُن سی قطع تعلق کرنا باعث ترقی اور موجب نجات ٹھیرایا گیا ہے۔ اور یہی تعلیم ہے جو اگرچہ عملاً نہین مگر اعتقاداً اکثر لوگون کے دلون پر آجتک قبضہ کئے ہوئے ہی چنانچہ جو شخص یہی خیال رکھتا ہو اور عورت کے لفظ کو شرارت کا مرادف سمجھتا ہو وہ بیشک بہشت مین عورتون کے موجود ہونیسے اسکو رنڈیون کا چکلا سمجھنے مین مجبور ہے۔ مگر یہ اُسکے اپنے دماغ کا قصور ہوگا۔ اور ایسا وحشیانہ اعتقاد رکھنے سی واقع مین کوئی عالم عورتون کے وجود سے چکلا نہ بنجائیگا۔ کیونکہ حقیقت مین عورت کو بھی وہی دل و دماغ اور ہر طرح کے کمالات کی قابلیت دیگئی ہے جو مرد کو حاصل ہے۔ اور عورت مرد کے ہمدرد ہمراز اور تمام اغراض و رسبت مین بکلّی متحد الخیال ہونیکے سبب مرد کا عورت کی جائز رفاقت مین بدی مین مبتلا ہونا ایک طرف خود یہی رفاقت بدخیالات اور نامناسب خواہشون کو روکنے مین اور ہر طرح کی خوبی اور برتری حاصل کرنے مین ایسی مدد دیتی ہے جو مرد کے لیئے مرد کی رفاقت مین ممکن نہین اور اُسکی صحبت مین جس قدر بے اعتدالی اور کجروی کا اندیشہ ہے اُسکا الزام عورت کی ذات پر نہین بلکہ اُن بد عادتون پر ہے جنمین مرد بھی ایسا ہی مبتلا ہوتا ہے جیسے عورت۔ اور جہان یہ صورت نہو بلکہ پاکباز عورت کسی مرد کی ہمنشین ہو تو اسکے اثر سے مرد کو بھی بڑی حد تک پاکبازی کی ترغیب ہوتی ہے اور اگر دونوں نیک نہاد ہون تو اُن کے لیئے خود یہی دُنیا بہشت کا نمونہ ہے اور ایسا کُنبہ اخلاقی اور روحانی کمالات کے اس معراج کو پہونچ سکتا ہے جو تجرد مین بسر کرنیوالون کے امکان مین نہین۔ کیونکہ ایسے لوگون کے دلمین اکثر بدخیالات کا ہجوم رہتا ہے مگر نیک عورت کی رفاقت مین ایسے خیالات گذر نہین پاتے اور تمامتر قلبی توجہ روحانیت اور عالم بالا کے مشاہدہ و مراقبہ مین صرف ہوسکتی ہے۔

پس جبتک یہ کیفیت ہو اور عورت کا عنصر انسانی ترقی کیلئے ایسا ضروری ہے تو بہشت جولا انتہا

ترقی کا مگر ہے آمین عفیفہ عورتون کا وجود کیونکر نفسانی بے اعتدالیون کا باعث ہوگا اور کیا وجہ ہے
جس سے وہ چیکلا کہلانیکا مستحق ہے اور اگر کسی تاریک زمانے مین ایسا اعتراض صحیح سمجھا جاتا تھا تو آج
جبلہ زمانہ عورت کی قدر و قیمت کو بخوبی سمجھ چکا ہے اور

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط عورتین تمہارا لباس ہین اور تم ان کا لباس ہو

(بقرہ پا ۲ ع ۲۳)

کی آواز جو ایک عرصہ تک غیر مانوس سمجھی جاتی رہی ہے اب اُسکی صداقت سے کسی عاقل کو انکار نہین ہوسکتا
اس وقت عورتون کے وجود سے بہشت کو چکلے کا خطاب دینے والے نہین معلوم کس زمانے کی روح
اپنے جسم مین رکھتے ہین *

تناسخ | آیندہ زیست کے متعلق روحانی جزا و سزا کے بعد ایک اور احتمال قابل غور ہے اور وہ یہ کہ
یہان کی نیک و بد جزا و سزا کیلئے اسی جہان مین پیدا کئے جاتے ہین اور اپنے اعمال کے مطابق
نیک یا بد حالت مین رہتے ہین - اس احتمال مین حشر جسمانی فرض کیا گیا ہے اور جس طرح روحانیت
کے حامیون کو مادہ کی موجودہ شکل کے تباہ ہونے پر اسکی آیندہ ترقی سے انکار تھا اسی طرح ان لوگون
کو بھی یہ مسئلہ مسلم نہین ہے مگر روحانیت والے اس زیست کے بعد روحانی فضا مین ایسا بلند آڑتے
ہین کہ فہم و ادراک کی تمام گرفتون سے پرے نکل جاتے ہین اور یہ لوگ اپنی جگہ پر ایسے جکڑ بیٹھتے ہین کہ
آئندہ کے لئے ہی کہین اور جانا گوارا نہین کرتے اور ہمنے جوان دونون کے خلاف اس نظام کے
بعد ایک اور نظام کو قرین قیاس سمجھا ہے تو اسلئے کہ ہم مادہ کے انقلابون سے تسلیم کرتے ہین کہ ایک دن
یہ نظام ختم ہوجائیگا اور قوت کو مادہ مین حرکت کرتے ہوئے اور بتدریج اسکی بعض اجزا کو چھوڑتے
ہوئے اور مرکز کیطرف جاتے ہوئے دیکھ کر سمجھتے ہین کہ قوت اسی رفتار سے ایک دن اپنے اصلی
مرکز پر جاکر ٹھہر یگی اور مرکز اگر دائمی ہے تو اس وقت قوت کا فیضان بھی ایک حالت پر قرار پکڑیگا - اور
پھر ہم دیکھتے ہین کہ بعض اجزا سے قوت کے خارج ہوجانے پر اور مادہ کی حالت بدلنے پر واقع مین کوئی
تباہی واقع نہین ہوتی بلکہ مادہ آئندہ انقلاب مین پہلی صورت کے مناسب حال کوئی اور اعلیٰ شکل مین

جلوہ گر ہوتا ہے اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جس مادہ نے انسانی شکل تک ترقی کر لی ہے وہ آیندہ اس زیست کے مناسب حال اور لطیف تر شکل اختیار کریگا۔ اور اس سلسلہ خیال سے ہمنے سمجھا ہے کہ مذہب کیطرف سے جو جسمانی حشر و نشر کا دعوی پیش ہوا تھا اس کے لیئے دنیا مین قراین اور علامات موجود ہین اور چونکہ روحانی حشر کے لیے کوئی ایسا ثبوت پیش نہین ہو سکتا اس لئے ہمنے اس پر یقین کرنے سے معافی مانگی تھی۔ اب جو یہ دوسرا دعوی پیش کیا جاتا ہے تو اس پر بھی یقین جبھی ہو سکتا ہے کہ مناظر قدرت اسکی شہادت دین اور ضرور ہے کہ جو ثبوت پیش کیا جاتا ہے اُس مین غور کیا جائے اور چونکہ روحانی جزا و سزا کی نسبت ثبوت پیش نہین ہو سکتا تھا اسلئے اس کی نسبت فیصلہ بھی مختصر تھا مگر اس دوسرے احتمال کو ماننے والے اسکے ثبوت پر بہت کم زور دیتے ہین اس لئے روحانیت کی نسبت اسمین کسی قدر تفصیلی بحث ہو سکتی ہے۔

اختلاف حالات اور تناسخ چنانچہ مناظر قدرت مین سے انسانی حالت کا تفاوت ان لوگون کے نزدیک اس مسئلہ کا بین ثبوت ہے اور وہ کہتے ہین کہ بنی نوع انسان ایک دوسرے سے بہت مختلف اور متغائر حالات رکھتے ہین۔ بعض غریب ہین بعض امیر۔ بعض بیوقوف ہین بعض عقلمند۔ بعض مریض ہین اور بعض تندرست۔ اور یہ اختلاف حالت ضرور کسی نہ کسی بھلائی یا برائی کا عوض ہے ورنہ خدا تعالی ان حالات کا خالق سے ظالم ٹھیرتا ہے۔ اور ان مین سے وہ حالات جو بعد از سن رشد پیدا ہوتے ہین انکی نسبت گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اسی زندگی کے عملون کا نتیجہ ہین۔ مگر جو طفولیت مین پیش آتے ہین یا مادر زاد ہوتے ہین ان حالات کو اس زندگی کا نتیجہ نہین کہہ سکتے پس ضرور ہے کہ اس زندگی سے پہلے **کوئی اور زندگی** ہو گی جس کے اعمال کی جزا و سزا اس زندگی مین دی گئی اور اسی طرح اعمال حالت موجودہ کی مکافات کسی آیندہ زندگی مین ملیگی اور یون آمد و رفت کا ایک غیر متناہی سلسلہ ثابت ہوتا ہے۔

کوئی مدعا اختلاف سے خالی نہین ہو سکتا۔ اس دلیل مین فطری اختلاف کی علت تلاش کرنے کے لئے اس زیست سے پہلے اور زیست فرض کیگئی ہے اور چونکہ اس زیست کو بھی بغیر مختلف حالات کے تسلیم

نہین کر سکے اسلئے اس سے پہلے اور زیست مانی گئی ہے اور یون پیچھے کو مسلسل زندگیان مانتے
ہوئے جب یہ وقت پیش آئی کہ خود نہ مین اور یہ نظام قدیم ثابت نہ ہو سکا اور ایک وقت پر اُس کا آغاز
ماننا پڑا اور آغاز ماننے سے ایک وقت پر انسان کا اول دفعہ مختلف حالتون مین پیدا ہونا لازم آیا
تو اس دنیا سے پہلے اور عوالم فرض کئے گئے اور مانا گیا کہ اسی طرح کے انسانی آبادیان پہلے ہی ہوتی آئی
ہین جن کی روحین ان عوالم کے تباہ ہونے پر آیندہ عوالم مین آباد ہوتی گئین اور اختلاف کو اپنے ساتھ
لیتی آئین لیکن ایک مشکل امر کو واقعہ فرض کر لینے کے بعد جو اور دقتین پیش آتی ہین ان کے لیئے مشکل
سے مشکل تر دعوون کا بے ثبوت ماننا پڑا اور بات ہو رہ عقلی اور نیز مذہبی طور پر دیکھتے ہوئے قدیم
خدا کے سوا اور کوئی نہین - اور جن لوگون نے اپنی دنیا منی سے قدامت کے منصب کو تقسیم کرنا
چاہا ہے وہ بھی خدا کے ساتھ مادہ کو یا زیادہ سے زیادہ روح کو اس فخر مین شریک کر سکے ہین - اور ان تینون
کے سوا مادہ کی مختلف شکلین اور ارواح اور مادہ کے مختلف تعلقات خواہ کیسے ہی دیرینہ اور مسلسل
ہون مگر ان کے حادث ہونے مین شک نہین اور اول تو ان کا مرکب ہونا خود ہی حادث کی دلیل
ہے اور دوسرے روح اور مادہ کو قدیم مانکر خدا کی خدائی اور اس کا دخل و تصرف ہی صرف یہ ہے کہ مادہ
کو مختلف شکلون مین جلوہ گر کرے اور ارواح کو مادہ کے ساتھ ملا کر انواع و اقسام کی مخلوقات بنائے
اور اگر اس فعل کو بھی قدیم اور نا مخلوق مانا جاوے تو دنیا کو خدا سے کوئی تعلق نہین رہتا پس خواہ اس
عالم سے پہلے ہزارون بلکہ لاکھون اسی طرح کی انسانی آبادیان فرض کیجائین ایک وقت ضرور تسلیم
کرنا پڑتا ہے جبکہ خدا نے مادہ اور روح کو انکے قدیم سکون اور راحت سے نکال کر اس سلسلہ کو جاری کیا ہوگا
اچھا تو اس وقت جبکہ ارواح کو اجسام مین پہلی دفعہ آنیکا موقع ملا ہوگا چونکہ کوئی گذشتہ نہ تھا جسکی وجہ
سے وہ مختلف حالتون مین ظہور کرین اسلئے اُسوقت نہ غربت اور امارت کا تفاوت ہوگا نہ نادانی اور
دانائی کا اور نہ ضعف و توانائی کا بلکہ حیوانون کے اندر بھی چونکہ انسانی روحین مانی جاتی ہین جو دنیا مین
بداعمالی کے سبب ان جونون مین داخل کیگئی ہین اور اس ذلیل حالت کو بھگت رہی ہین اس لیئے اُس
وقت یہ کیفیت بھی نہ ہوگی اور تمام بری اور بحری حیوانات مفقود ہونگے اور چونکہ عورت مرد مین بھی

بڑا تفاوت ہے اور یہ فرقہ بھی بعض ایسی تکلیفین برداشت کرتا ہے جن سے مرد کو سابقہ نہین پڑتا -
اِسلئے اسوقت یہ تفاوت بھی نہ ہوگا - غرض یہ کہ اگر حالات کا اختلاف تناسخ کے سبب سے ہے
تو لازم آتا ہے کہ ابتدا سے آفرینش مین صرف عاقل تندرست - توانا اور صاحب ثروت مرد
پیدا ہوئے ہون گے - مگر یہ نتیجہ صریح غلط ہے اس لیے کہ اول تو علوم عقلیہ کی شہادت یہ ہے
کہ پیدائش کی ابتدا جب کبھی ہو حیوانات سے ہوئی ہوگی اور انسان سب کے بعد پیدا ہوا ہے اور
انسان مین ابتدا مین سب ہی ادنے حالت مین تھا - اور دوسرے یہ بھی یقین ہے کہ ایسی حالت مین
وہ مخلوق ہرگز قائم نہین رہ سکتی کیونکہ مختلف حالات کے ہونے سے ہی دنیا کے کاروبار چل نہین سکتے اور حیوانات کے
نہ ہونے سے لاتعداد فائدے اور ضرورتین مفقود رہتی ہین اور عورتون کے نہ ہونے سے آیندہ نسل جاری نہین ہو سکتی اسلئے ابتدا مین
اگر ایسی مخلوق پیدا ہوتی تو ضرور تھا کہ چند روز مین تباہ ہو جاتی مگر چونکہ ایسا نہین ہوا اور انسانون کا سلسلہ برابر جاری
رہا ہے اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ ابتدا سے یہ تمام اختلافات جو قیام اور ترقی کے لیئے ضرور مین موجود رہے ہونگے اور جب
ابتدا سے مین تو ضرور ہے کہ تناسخ کیوجہ سے نہین ہین -

روح جسم سے پہلے موجود نہین ہے

غرض ہم دیکھتے ہین کہ حالات کا اختلاف قیام عالم کے لئے ایسا ضروری
ہے کہ پیدایش کا کوئی وقت اِسکے بغیر فرض نہین کیا جا سکتا اور اسلئے اُسکو گذشتہ زندگی کا نتیجہ اور
انسان کے اپنے اعمال کا اثر نہین کہہ سکتے - اور اس موقع پر جو خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کے اپنے
عمل کے بغیر اسکی حالت کو بہتر یا بدتر بنانا ظلم ہوگا تو یہ خیال پیدا ہونے اور اسکی وجہ تلاش کرنے کی
ضرورت اسی لئے واقع ہوئی کہ پہلے اصول موضوعہ کے طور پر ارواح کو اور اجسام کو دو جداگانہ مشخص
چیزین مانکر ارواح کے وجود کو قدیم مان لیا گیا تھا اور پھر اکثر اجسام کو ناقص اور عمدہ زیست کے ناقابل
دیکھ کر خیال ہوا تھا کہ اِن ارواح کا کیا قصور ہے جو ایسے اجسام مین داخل کیگئین اور اُن ارواح مین
کیا خوبی ہے جو عمدہ اجسام رکھی گئی ہین - اور پھر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ شاید ارواح کے اپنے نیک اور بد
اعمال ہون گے جنکی جزا و سزا اِس شکل مین دی گئی اور چونکہ اعمال جسم مین داخل ہونے کے بغیر ہو نہین
سکتے - اس لیئے موجودہ زندگی سے پہلے اور جسمانی زندگیان فرض کیگئی تھین - مگر علاوہ اُن قباحتون

کے جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں حقیقت میں یہ اصول موضوعہ ہی غلط ہے اور بیشک جسم میں روح کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہ کہ وہ جسم سے پہلے موجود تھی یا یہ کہ قدیم ہے یہ عقل کا فیصلہ کے خلاف ہی۔ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قدیم ایک سے زیادہ ہو نہیں سکتے۔ رہا ارواح کا اجسام سے پہلے پیدا کیا جانا اور پھر جسم میں داخل کرنا اس کی نسبت امام غزالی علیہ الرحمۃ قرآنی آیت فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (حجر پارہ ۱۴ ع ۳) جب ہم اسے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی، کی تفسیر میں فرماتے[1] ہیں کہ

"ارواح اگر اجسام سے پہلے موجود ہوں تو یا وہ ایک ہی روح ہوگی یا بہت ہونگی۔ اگر ایک ہو اور وہی تمام اجسام سے تعلق رکھے تو چاہیئے کہ جو اوصاف و عادات زید میں ہوں وہی عمر میں ہوں حالانکہ یہ غلط ہے۔ اور اگر بہت ہوں تو اس صورت میں وہ یا ایک دوسری سے متشابہ ہونگی یا مغائر۔ لیکن کوئی دو چیزیں باہم مشابہ ہوں اور پھر دو ہیں یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے ان میں مغائرت بھی ہو۔ مثلاً ایک ہی مقدار کی سیاہی دو جسموں میں ہو تو اپنے مقدار کی جہت سے وہ ہم مثل ہے اور دو جسموں میں ہونے کے سبب دو سیاہیاں کہلاتی ہیں یا ایک ہی جسم میں ایک دفعہ ایک سیاہی موجود ہو اور دوسرے وقت میں دوسری تو سیاہی ہونے میں وہ دونو ہم مثل ہیں اور زمانہ کے اختلاف سے دو ہیں۔ یا ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پہ جو سیاہی موجود ہے اگر ہم ذہن میں اسکو تقسیم کریں تو سیاہی ہونے کی وجہ سے ہم مثل اور دائیں بائیں جانب واقع ہونے کی وجہ سے اسے دو ٹکڑے کہہ سکیں گے لیکن اگر کوئی چیز ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پہ موجود ہو اور تقسیم بھی نہ ہو سکے تو وہ کسی طرح دو نہیں ہو سکتیں۔ پس ارواح بھی اگر اجسام سے پہلے موجود ہونگی تو متعدد اسی صورت میں ہو سکتی ہیں کہ بالکل ہم مثل نہ ہوں اور کسی نہ کسی وجہ سے باہمدگر متفاوت ہوں۔ اب انکو باہمدگر متفاوت ماننا کو کہنا چاہیئے کہ تفاوت دو قسم کا ہے۔ ایک ماہیت اور نوع کا تفاوت ہے جیسے آگ اور پانی یا سیاہی اور سفیدی میں۔ اور ارواح میں یہ تفاوت ممکن نہیں کیونکہ زید اور عمر کی نوع اور ماہیت ایک ہے اور ایک سے اعراض کا

[1] کتاب المضنون الصغیر الموسوم بالاجوبۃ الغر المسائل الاخرویۃ +

تفاوت ہوتا ہے جو ماہیت مین داخل ہوں جیسے گرم اور سرد پانی ہین - اور ارواح مین یہ تفاوت
بھی نہین ہو سکتا کیونکہ ایک ماہیت پر مختلف عوارض اسی صورت مین آسکتے ہین کہ اسکے بیرونی
تعلقات مختلف ہون - مثلاً پانی کی ماہیت ایک ہی اور پھر کھاری یا میٹھا اور گرم یا سرد اور سفید
یا مصفر وغیرہ صفات جو اسکو عارض ہوتی ہین تو اسی لیئے کہ بیرونی اسباب اِس پر اثر کرتی ہین اسلئے
ارواح مین بھی جو عوارض کا اختلاف پیدا ہو سکتا ہے تو اسی وقت جبکہ وہ اجسام سے متعلق ہون
اور اجسام سے پہلے چونکہ کوئی تعلق موجود نہین اسلئے عوارض کا کوئی اختلاف بھی نہ ہوگا اور جیسا
ان کے اجسام سے پیشتر موجود ہونے کی تمام صورتین یعنے ایک ہونا یا متعدد ہونا اور متعدد ہوکر
ہم مثل ہونا یا متفاوت ہونا سب ناممکن ہین تو ارواح کا اجسام سے پیشتر موجود ہونا بھی ممکن
نہین - البتہ جسم مین رہکر چونکہ صفائی یا کدورت اور نیکی یا بدی وغیرہ عوارض پیدا ہوگئے ہین
اسلئے جسم سے مفارقت کرنے پر انکا متعدد ہوکر اور ان عوارض کے سبب باہم متغائر ہوکر موجود
رہنا ممکن ہے "

غرض یہ کہ زندہ جسم مین چونکہ روح کے نشانات پائے جاتے ہین اور اسکا جسم سے پہلے موجود
ہونا قرین قیاس نہین اسلئے یہی کہنا چاہئے کہ جس وقت کسی جسم مین زیست کی قابلیت پیدا
ہوتی ہے اسیوقت حکم ربانی سے اِس جسم کے حسب حال روح پیدا ہوجاتی ہے چنانچہ امام موصوف
فرماتے ہین کہ "حق یہ ہے کہ روح انسانی اسیوقت پیدا کیجاتی ہے جبکہ نطفہ اسکو قبول کرنے کے لئے مستعد ہو"
اور جب یہ کیفیت ہے تو جیسا کہ اہل وحدت شہود کا خیال ذکر کیا جا چکا ہے انسانی حالت کا بلکہ دیگر
تمام مخلوقات کا اختلاف اِسی لئے ہے کہ مادہ بتدریج عدم سے وجود کیطرف آرہا ہے اور اسکے تمام درجات
مین جس جس قدر عدم کا ظہور ہے اسی قدر نقص اور عیب پائے جاتے ہین اور جس قدر وجود مین
ترقی ہوئی ہے اسی قدر کمال اور خوبی کا ظہور ہورہا ہے -

چنانچہ اسکے رو سے اگر انسان امراض و تکالیف مین مبتلا ہوتا ہے تو اسی لئے کہ عدم ہونے کے سبب
کامل وجود اسکو حاصل نہین ہوا اور اگر کسی قوم مین مفلس اور اپاہج زیادہ ہوتے ہین تو اسی لیے کہ وہ دوسری

قوم کی نسبت کمال وجود مین اور بھی کم ہے اور ترقی یافتہ اقوام مین بھی بعض افراد بد حال و مصیبت زدہ موجود رہتے ہین تو اسی لیے کہ ایسا وجود جو عدم سے نکلا ہو ہمہ وجوہ کامل نہین ہو سکتا اور اگر بچے جوانوں کی نسبت زیادہ تباہ ہوتے ہین تو اسی لیے کہ وہ جوانون کی نسبت نور وجود سے کم منور ہین۔ اور اگر کوئی انسان دوسرے کو قتل کر کے نقصان پہونچاتا ہے تو اسی لیے کہ وجود کی جس قدر تکمیل نوع انسانی مین ہونی چاہیئے وہ ابھی اُس حد کو نہین پہونچا اور اسی طرح انسان سے کمتر درجات مین جو نقص اور عیب ہین تو اسی لیے کہ شاہراہ وجود مین وہ اور بھی پیچھے ہین۔ غرض جو کچھ نقص ہے وہ اپنی اصلیت یعنی عدم کا ہے اور خدا نے جو ہمکو پیدا کیا تو اسی لیے کہ خیر پیدا ہو کر ترقی کرے[۱]۔"

اور اِس بنا پر انسان اور حیوانات مین روح کو پیدا کرنا اور ناقص وجود کو ناقص اور اس سے کامل تر وجود کو کامل زیست عطا کرنا خدا کی طرف سے ظلم نہین بلکہ انعام ہے کہ جس جسم مین کسی قسم کی زیست حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہوئی اُسے اِسی قسم کی زندگی دیدی گئی یا بالفاظ دیگر اسمین اسی قسم کی روح پیدا کر دی گئی۔ ظلم جب ہوتا کہ مادہ مثلاً نباتیت سے ترقی کر کے حیوانی روح حاصل کرنے کے قابل بنتا مگر اسکو اس ترقی سے محروم رکھا جاتا اور جیسی روح اس درجہ مین پیدا ہو سکتی ہے وہ عطا نہ ہوتی۔ یا حیوانیت سے ترقی پا کر وحشی انسان بننے کے قابل ہوتا مگر اُسکا حیوانی درجہ سے بڑھنا جائز نہ رکھا جاتا۔ یا نطفہ مین قوت بینائی کے سوا اور تمام قابلیتین انسانی روح حاصل کرنے کی موجود ہوتین لیکن اِسکو نابینا انسان بنانے کی بجائے بیجان نطفہ رہنے دیا جاتا۔ یون کہنے کو تو اسوقت کہا جائیگا کہ نابینائی کی تکلیف اُٹھانے سے یہی بہتر تھا کہ وہ بیجان رہتا۔ مگر یہ خیالی فیصلہ ہے اور انسانی وجود کو خواہ کیسا ہی ناقص ہو بیجان مادہ سے بدتر سمجھنا غلط دعوی ہے اور ایسا خیال کرنیکے وقت اُس اندھے سے پوچھنا چاہیئے کہ وہ اپنی اس تکلیف پر موت کو ترجیح دیتا ہے جس کا جواب وہ یقیناً اپنی لاٹھی سے دیگا اور کبھی فنا اور موت پر راضی نہ ہوگا اور یہی حال اَبتر حالت والون کا ہے بلکہ حیوانات تک کوئی بھی اپنے موجودہ نقص کے سبب فنا پر رضامند

[۱] ملاحظہ ہو باب دہم کتاب ہذا عنوان "ان خیالات مین سے بعض کو بعض پر ترجیح ہے"۔

نہین ہوتا اور کیسی ہی تکلیف ہو اہین بسر کرنے کو موت سے بہتر سمجھتا ہے اور بات یہی ہے کہ خواہ اوروں کی نسبت کیسی ہی بری ہو مگر پھر بھی وہ اچھی چیز ہے جو مخلوق کو علےٰ قدر مراتب نام کی اور روح کے نام سے عطا ہوئی ہے۔

بعض پیدایشی میلان مختلف ہوتے ہین | سپیونوزٗ فگیئیے لکھتے ہین کہ[۱]

"اکثر انسانون مین بعض پیدایشی میلان اور رغبتین ہوتی ہین جو خواہ نیک ہون یا بد کسی تعلیم و تربیت اور کسی ترغیب و تحریص سے دور نہین ہو سکتین اور ان مین باہم اس قدر اختلاف ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے ہین۔ ایک علم و کمال کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ اور دوسرا جہالت اور بدی کا مشتاق ہے۔ پس اگر یہ زندگی ابتدائی زندگی ہے تو ایک ہی ملک مین ایک ہی قوم اور ایک ہی گھر مین ایک ہی قسم کی تعلیم و تربیت کے ہوتے مختلف میلان کیونکر پیدا ہو سکتے ہین اور ضرور ہے کہ یہ سب گذشتہ زندگی کے نتائج ہین۔"

اثر پیدا ہونیکی صورتین | یہ باتین تو وہی ہین جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے مگر مسیو فگیئیے اپنی معقول پسندی سے اختلاف حالات کو دیکھتے ہوئے اسباب کیطرف بھی توجہ کرتے ہین اور تلاش کے باوجود کوئی وجہ اختلاف موجود نہین پاتے اور بیشک اگر مادی سبب کوئی نہ ہو اور موجودہ صورتوں مین مادہ بہمہ وجوہ مکمل ہو تو پھر اختلاف کا موجود ہونا ضرور باعث تعجب ہے اور انہون نے ایک باپ کے دو بیٹون کی مثال بھی ایسی پیش کی ہے جسمین دو مختلف شکلین بظاہر یکسان مادہ سے اور ایک ہی قسم کے حالات مین پیدا ہوئی ہین اسلئے ہمین بھی غور کرنا چاہیئے کہ کیا واقع مین مادہ اور حالات گرد و پیش مین کوئی اختلاف نہ تھا اور کیا فی الحقیقت اختلاف عادت کے لیے تناسخ کے سوا کوئی وجہ نہین ہو سکتی؟

عام طور پر اثر کا تفاوت | لیکن چونکہ عادت بھی ایک قسم کا اثر ہے اسلئے پہلے ہمین دیکھنا چاہئے کہ عام طور پر دنیا مین اثر پیدا ہونے کی کیا صورت ہوتی ہے اور بیشک ہم دیکھتے ہین کہ آگ ٹھرکتی

[۱] کتاب دی ڈے افٹر ڈیتھ باب شانزدہم۔

ہے اسمین جو چیز ڈال دیجائے خاک سیاہ ہوجاتی ہے دھوپ تیز ہوتی ہے تر چیز رکھدو سکی سب سوکھ کر کھرنکھ ہوجاتی ہے۔ ایسے عام اور قوی اثر بھی ہوتے ہین مگر ساتھ ہی ایسے اثر بھی نظر آتے ہین جو بہت آہستہ عمل کرتے ہین۔ درخت مین پھل پھول اور پتہ وغیرہ کے اجزا باہم پیوستہ ہوتے ہین مگر درخت کے اندر کی لہرین اور بیرونی واقعات کا اثر ان تک پہنچتا ہے تو سب پر ایک عمل نہین کرتا بلکہ بعض ذرات پر کچھ عمل کرتا ہے اور ان کے ساتھ کے پیوستہ ذرون پر کچھ اور۔ ایک ذرہ شوخ سرخ رنگ کا ہے تو دوسرا اُس کے پاس ہی براق سفید یا گہرا سیاہ۔ کسی لہر نے بعض اجزا کو بگاڑ دیا ہے۔ عفونت۔ افسردگی بلکہ سمیت پیدا کردی ہے تو قریب کے ذرات جن تک وہ لہر نہین پہنچی اپنی خوشگواری اور صحت افزائی کی حالت پر قائم ہین ایک شخص ایسے پھل کا ایک حصہ کھالیتا ہے تو تکلیف اٹھاتا ہے اور دوسرا دوسرے حصہ سے لذت پاتا ہے اور آگ اور دھوپ کا عام اثر بھی جو ہم دیکھتے ہین وہ بھی حقیقت مین عام نہین۔ اسمین بھی یکسان جلنے والی چیز جلتی ہے اور یکسان خشک ہونیوالی خشک ہوتی ہے۔ ورنہ جن چیزون کی اجزا مین تری اور خشکی کا تفاوت ہو یا جو اجزا فاصلہ پر ہونے کے سبب آگ اور دھوپ کے کامل اثر سے متاثر نہین ہوتین وہ باوجود پیوستہ ہونیکے کبھی بالکل محفوظ رہتی ہین اور کبھی کم اثر قبول کرتی ہین اور جو تاثیر آگ اور دھوپ سے پیدا ہوتی ہے وہ بعض ذرات مین پورے طور پر نمایان ہوتی ہے اور بعض ذرات اس کے خلاف اپنا پہلا اثر قائم رکھتے ہین۔ چنانچہ آگ سے پکے ہوئے کھانے مین بعض اجزا قابل ہضم ہوجاتی ہین تو بعض کو کھانے سے ہیضہ تک نوبت پہنچتی ہے غرض یہ کہ تمام سلسلہ کائنات کا ذرا ذرا تفاوت اگر دیکھنے والیکو حقیر معلوم ہوتا ہے مگر قدرت کا عمل انہی تفاوتون سے بڑے بڑے نتائج پیدا کرتا ہے۔

انسانی خیالات کا اتار چڑھاؤ ان واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد چونکہ انسانی عادات وخصائل کا ذکر ہے اسلئے انسانی خیالات کے اُتار چڑھاؤ کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس کے دل مین مختلف اور بعض اوقات نہایت مخفی اسباب سے ایسے انقلاب ہوتے رہتے ہین کہ ابھی کوئی شخص رحم محبت

اور خوف خدا کے غلبہ سے کانپ رہا ہے اور آنجہانی خیالات مین محو ہو کر دنیوی لذائذ سے متنفر ہے اور ابھی فوراً دل مین کوئی ایسی لہر اُٹھی ہے کہ ایک طرف دنیا کا لالچ پیدا ہو گیا ہے دوسری طرف شہوانی خیالات نے غلبہ کیا ہے اور انسان ایسا مغلوب ہو گیا ہے کہ خدا کا دھیان اور آنجہانی غور و فکر سب بھول گئے ہین اور کوئی دھکیلنے والا اسے گناہ کیطرف دھکیلنے لگتا ہے اور ادھر کسی وقت رندی و سیاہ کاری کے خیالات مین غرق ہے مگر دفعتہً ایسی ہیبت طاری ہو گئی ہے کہ تہوڑی دیر کے لئے اس کا دل عابد صد سالہ سے بھی زیادہ منور ہو گیا ہے اور یہ انقلاب نہ صرف انہی لوگون کو پیش آتے ہین جو تہوڑی دیر کے لیے کسی خاص خیال مین مصروف ہوئے ہون بلکہ تمام عمر سیہ کاری مین بسر کرنیوالے اکثر اوقات ایک آن مین نیکی کیطرف راغب ہو جاتے ہین اور مدۃ العمر زہد و پارسائی کی مشق کرنیوالے دفعتہً اپنے اندر گناہ کا وسوسہ موجود پاتے ہین اور نہ صرف کبھی کبھار بلکہ ایسے جذبات دل مین پیدا ہمیشہ ہوتے رہتے ہین البتہ مدت تک ایک ہی قسم کی مشق کرنیوالون مین مخالف جذبہ کا عملی ظہور ضرور کسی بڑی قوت پر منحصر ہے اور کمتر واقع ہوتا ہے

جذبات کا اثر جسم پر — اور پھر ان جذبات کا اثر دوران خون اور دیگر جسمانی حرکات اور اعضا پر ایسا ہوتا ہے کہ کبھی تمام جسم کانپ اُٹھتا ہے اور کبھی لذت یا خوف کی لہر سر سے پاؤن تک جاتی معلوم ہوتی ہے کبھی عرق آتا ہے اور کبھی جسم گرم ہو جاتا ہے یا چہرہ تمتما تا ہے اور ایسے اثر کبھی زور سے ہوتے ہین کبھی ہلکے۔ اور کبھی یہ لہرین تمام جسم مین پھیل جاتی ہین اور کبھی خاص خاص حصون تک محدود رہتی ہین۔

جذبات کا اثر نسل پر — اور پھر انسانی خیالات کا اثر اُسکی نسل پر دیکھا جائے تو انواع و اقسام کی عادتین نہ صرف صلبی اولاد مین بلکہ اولاد کی اولاد اور اُنکی نسلون مین اور قومون مین راسخ اور قائم نظر آتی ہین جو کبھی تو کسی مورث کے قوی اثر سے اکثر فردون مین نمایان ہوتی ہین اور کبھی بعد کے اور اندرونی اور بیرونی اثرون سے مغلوط ہو کر کہیں کہیں اور کسی کسی شخص مین دکھائی دیتی ہین۔

دو تطفون کے اختلاف کیلئے موروثی اسباب ہو سکتے ہین — ان حالات کو مد نظر رکھنے کے بعد غور کرنا چاہئیے کہ جس شخص کے ان متعدد بیٹے

مختلف اوقات مین پیدا ہوئے ہین وہ شخص خواہ نیک ہو یا بد۔ مختلف جذبات اور وسوسون کا اسکے دل مین پیدا ہونا بھی ایسا ہی ممکن ہے جیسا کہ اور لوگون کے لیئے مین۔ اور ان جذبات کا کسی وقت ایسا قوی ہونا بھی ممکن ہے کہ دوران خون اور جسم کے دیگر حرکات پر کم و بیش اثر کرے۔ اور پھر ایسے اثرون کا اُس وقت پیدا ہونا بھی ممکن ہے جبکہ اسکے جسم مین کوئی نُطفہ تیار اور خارج ہونیکے قریب ہو بلکہ اُس وقت بھی ایسے جذبات کا غلبہ کرنا ممکن ہے جبکہ نطفہ اُسکے جسم سے خارج ہو رہا ہے۔ اور یہی کیفیتین اُس عورت کو پیش آسکتی ہین جس کے رحم مین نُطفہ قرار پاتا ہے اور جس کے رحم کے انڈے انسانی جسم کا بڑا حصہ بنتے ہین۔ بلکہ جس وقت تک نطفہ اُسکے رحم مین رہکر کمال کو پہونچتا ہے اس عرصے مین بھی کسی بڑے جذبہ کا پیدا ہونا اور اثر کا اسکے جسم پر اور جسم کے ساتھ جنین تک پہنچنا اور یہی ممکن ہے اور نہ صرف اسی عرصہ تک بلکہ ایام شیر خوارگی تک کے جذبات جو دودھ پلانے والی مین پیدا ہون شیر خوار تک اثر پہنچا سکتے ہین اور اس طرح ایک ولادت مین ایک اثر اور دوسری ولادت مین دوسرا اثر پیدا ہونا ممکن ہے۔

یہ تو وہ صورت ہے جبکہ ولادت کا زمانہ مختلف ہو اب اگر ایسی صورت فرض کیجائے جس مین دو توام بچے پیدا ہوتے ہین[۵] اور خواہ اسکے ساتھ یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ان دونو کے نطفہ نے ایک ہی نوبت مین قرار پکڑا ہے تاہم وہ دو ہین اور ایک انڈے اور ایک نُطفہ کے ذرات دوسرے انڈے اور دوسرے نُطفہ کے ذرات سے ممتاز ہین۔ اور جس وقت وہ دونو تیار اور خارج ہونیکے قریب ہین اس وقت خواہ انکے ذرات ایک دوسرے سے متصل واقع ہون مگر جس ظرف مین ہین اسکی کسی نہ کسی قدر فضا کو پر کرتے ہونگے اور علیٰحدہ جب دونو نطفے ماں کے رحم مین انڈون سے ملے ہونگے اس وقت بھی کچھ نہ کچھ فضا ان سے معمور ہوگی اور وہ دونو فضا مین

---

[۵] توام بچے پیدا ہونے کیلئے طبی طور پر کوئی خاص معین وجہ قرار نہین پائی اور جو کچھ علمای فزیالوجی تحقیق کر سکے ہین وہ یہ ہے کہ عموماً عورت کے بیضیون سے ہر مہینہ میں ایک انڈا حرکت کر کے رحم مین آتا ہے اور اگر اُس وقت مرد کا نطفہ اس سے ملجاتا ہے تو حمل قرار پاتا ہے۔ مگر کبھی کسی وجہ سے ایک بیضہ سے یا دونو بیضیون سے دو انڈے یا شاذ و نادر زیادہ بھی رحم مین آجاتے ہین اور اگر مرد کا نطفہ سب سے ملجاتا ہے تو متعدد بچے ایک حمل مین پیدا ہو جاتے ہین۔

دو نطفون کے ذرات کو گھیرنے کی وجہ سے دو حصون مین منقسم ہونگی اسلئے اس وقت بہی ممکن ہے
کہ مان یا باپ کے دل مین کوئی جذبہ پیدا ہوا جسم پر اثر کرے اور اسکی لہر وہان تک آکر ختم ہو جہان تک
غنچہ یا بین ایک نطفہ یا ایک انڈے کے ذرات موجود ہین اور دوسرے نطفہ یا دوسرے انڈے
کے ذرات تک وہ اثر بالکل نہ پہنچے یا کم پہنچے - اور اس کے علاوہ اگرچہ فرض کیا ہے کہ دو نطفے
ایک نوبت مین خارج ہوئے ہین مگر ایک نوبت مین خارج ہونیکی بہی جگہین متعدد ہوتی ہین اسلئے ایک حرکت مین
ایک نطفہ کے ذرات خارج ہونیکے بعد بہی ممکن ہے کہ دفعۃً کوئی نیک یا بد جذبہ غالب آ جائے کیونکہ جذبہ کا پیدا ہونا
ایک آن کا کام ہے اور اسمین کسی عرصہ کی ضرورت نہین اور یون دوسری حرکت کے وقت اس جذبہ کا اثر دوسرے
نطفہ پر عمل کرے اور اس وجہ سے ایک بچہ ایک خیال لیکر پیدا ہو اور دوسرا اس کے خلاف میلان رکھے ؛

پھر اسکے ساتھ اُن جذبات او میلانون کا خیال بھی کر لینا چاہئے جو پہلے کے آبا
واجداد مین پیدا ہو چکے ہوتے ہین اور انکی لہرین اپنی قوت و ضعف کے مطابق نسل مین چند یا کئی
پشتون تک پہنچتی ہین اور ان لہرون کے قوت و ضعف کے علاوہ یہ بہی ہوتا ہے کہ کسی شخص مین
بعد کے واقعات اور بیرونی اثر کسی وقت کسی جذبہ کو بڑہا دیتے ہین اور اس لئے ایسے شخص کی اسوقت
کی اولاد مین اسکے اپنے جذبہ کا بہی اثر ہوتا ہے اور جو اسی قسم کا جذبہ مورث اعلےٰ کیطرف سے سرایت کر چکا
ہے وہ بہی اثر کرتا ہے اور اسلئے ایسے شخص کا بچہ دو قوتون سے متاثر ہو کر اس جذبہ مین اور بہی پختہ
ہو جاتا ہے - اور یہ بہی ممکن ہے کہ باپ کا جذبہ کم طاقتور ہو اور تہوڑا اثر کرے لیکن ان تہوڑے سے
میلان کی وجہ سے مورث اعلے کا اسی قسم کا جذبہ اس اولاد مین دوسری کی نسبت زیادہ قوت سے
ظہور کرے ؛

پس جب یہ کیفیت ہے اور دنیا مین یہ اور اسی قسم کے اور ہزارون پیچ در پیچ اسباب کا سلسلہ
جاری ہے تو ایک مان باپ - ایک سوسائٹی اور یکسان تربیت کو دیکھکر غور کرنیوالون کو کیونکر یقین آتا
ہے کہ مان باپ سوسائٹی اور تربیت کے علاوہ اور کوئی اثر کرنیوالا سبب باقی نہین - اور کیون
نہین کہا جا سکتا کہ اسباب و علل کا دریا جو ابتدا سے جاری ہے ہر ایک ذرہ پر عمل کرتا ہے اور اس دریا

کی ایک لہر سے متاثر ہو کر ایک نطفہ تیار ہی ایسا ہوا تھا کہ اس کو پاکیزہ زندگی دیجائے۔ اور دوسری لہر نے دوسرے نطفہ کو بنایا ہے ایسا تھا کہ وہ ناپاک روح کا مسکن ہو اور عدم سے وجود مین لانیوالی اور مُردہ سے زندہ کرنے والی قوت ہر چیز مین جو قابلیت دیکھتی ہے اُسکے مناسب حال وجود اور زندگی کی کل عطا کرتی ہے ۔۔

اب رہا یہ سوال کہ علت و معلول کا یہ سلسلہ کیون جاری کیا گیا اور عدم سے وجود مین آنے کی تدریجی رفتار کیون رکھی گئی جس سے وجود کی ناقص اور مکمل شکلین مختلف پیدا ہوئین سو پہلے مفصل ذکر ہو چکا ہے کہ دُنیا کو موجودہ نظام سے پیدا کرنے کی وجہ یہی عقدہ ہے جو حل نہین ہو سکتا اور یہی ایک سوال ہے جس کا جواب نہ تناسخ کے عقیدہ سے ملتا ہے۔ نہ مہاتما بدھ کی تھیوری سے اور نہ روح اور مادہ کو قدیم ماننے اور نہ وحدت شہود کے استدلال سے۔ کیونکہ بدی اور عیب کی وجہ خواہ کچھ ہو اسکا ظہور اسی لیے ہوا ہے کہ دُنیا کو پیدا کیا گیا اور اگر ایسا نہ کیا جاتا اور خواہ مادہ اور روح موجود بھی ہوتین مگر انہین سکون کی حالت مین رہنے دیا جاتا تو سوائے عدم کے اور کوئی نقص موجود نہ ہوتا اور اگر خدا اسکے سوا اور کچھ نہین کر سکتا تو اسکی قدرت محدود ہو گی لیکن جبکہ کسی نہ کسی مصلحت سے ایک دفعہ یہ عمل شروع ہو گیا ہے اور مادہ کو بتدریج ترقی دینے کا سسٹم جاری ہو چکا ہے تو پھر اسکے بعد آئندہ واقعات کیلئے ان تمام احتمالات مین سب سے زیادہ قرین عقل وہی خیال ہے جو اہل وحدت شہود پیش کرتے ہین کہ اپنی رفتار مین مادہ جس جس حد تک ترقی کرتا گیا ہے اسی حد تک عمدہ شکلین اور نیک اثر ظاہر ہوتے جاتے ہین اور جس جس حد تک نقص باقی رہتا آیا ہے اسی حد تک عیب اور بدی کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ اور اس لئے شروع جس طرح پر کیا گیا ہے اسکی وجہ معلوم نہین لیکن بعد مین نہ کسی کے ساتھ رعایت ہی اور نہ کسی پر ظلم (ملاحظہ ہو باب دہم کتاب ہذا)

خدا کی خالقیت اور روح کی وحدت وغیرہ مسلمات سے تناسخ کا تعلق۔

دنیا مین انسانی حالت کا اختلاف ہی ایک ایسا واقعہ تھا جسے دیکھکر بعض غور کرنیوالون نے تناسخ کا احتمال قائم کیا اور ہمنے دیکھا کہ اس واقعہ کو غور سے دیکھنے پر ثبوت کا تناسخ کا نشان نہین ملتا اور اسکے علاوہ ان جن طریقون سے اس

دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان سے اگرچہ ثبوت کو کوئی واسطہ نہین مگر کہنے والے ان کو بہی دلائل قاطعہ کا خطاب دیتے ہین اسلئے دیکھ لینا ضرور ہے[1] چنانچہ کہا جاتا ہے کہ خدا کی صفت خالقیت قدیم ہے اور ادہر روح قدیم ہے اور اُسکے سب عادات وخصائل بہی قدیم ہین اور کام کرنا اُسکے خصائل مین داخل ہے۔ اور ایک اور موقع پر کہا گیا ہے کہ روح کا جسم کو دارن کرنا بہی عادت ہی۔ ان باتون کے ضروری ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہمیشہ ارواح کو مختلف اجسام مین داخل کرتا رہتا ہے۔

اس دلیل کے مقدمات مین سے ایک خدا کی خالقیت کا مسئلہ بیشک مسلم ہے اور کسی مذہب کو اس سے انکار نہین۔ مگر ایک تو کوئی صفت رکھنے سے یہ لازم نہین آتا کہ اسکا بالفعل ظہور بہی ہر وقت ہوتا رہے۔ مثلاً انسان مین نوشت وخواند اور گویائی کی صفت ہی لیکن ضرور نہین کہ وہ ہر وقت اس صفت کو ظاہر کرتا رہے بلکہ ایسی صفات کے ہونے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے اس خاصہ سے کام لے سکتا ہے۔ اسی طرح خدا کی نسبت بہی دوام صفت کے یہی معنی ہین کہ وہ جب چاہے اُن کا ظہور کر سکتا ہے کیونکہ وہ علاوہ اور صفات کے علم اور ارادہ کی صفت بہی رکھتا ہے اور کوئی کام مجبور ہو کر نہین کرتا اسلئے صفت خالقیت مین بہی وہ مجبور نہین کہ ہر لحظہ اور ہر وقت اسکا ظہور ہوتا رہی اور دوسرے اگر صفات کے دوام سے یہی معنے لیے جائین کہ ہر وقت ان کا بالفعل ظہور ضرور ہے تب بہی یہ لازم نہین آتا کہ بار بار ایک ہی روح کو مختلف اجسام مین داخل کرتا رہے بلکہ نئی نئی ارواح اور نئے نئے عالم پیدا کرتے رہنے سے صفت خالقیت کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

رہی روح کی قدامت اور اُسکی صفات کی قدامت اور صفات کے ہمیشہ ظہور کرنیکا دعوےٰ سو انمین سے کوئی ایک بہی ثابت نہین۔ قدیم سوائے ایک ذات کے اور کوئی ہو نہین سکتا۔ اور اگر مان بہی لیا جائے کہ ارواح اور انکی صفات قدیم ہین تو قدیم ہونے سے صفات کا دائمی ظہور ثابت نہین ہوتا چنانچہ رحم غضب عدل حلم وغیرہ ارواح کی صفات ہین اور اس مسلک کے مطابق قدیم ہونی چاہئین

---

[1] یہ دلیلین پنڈت لیکھرام پشاوری کی ایجاد ہین۔ کتاب ثبوت تناسخ۔

مگر دنیا مین کوئی شخص نہین جس سے یہ صفات ہر وقت ظاہر ہوتی رہین پس ارواح مین ان صفات کے ہونے سے یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ وہ اُنکو جب موقع ہو ظاہر کرسکتی ہین۔ اور اگر ان سب باتون سے قطع نظر کیجائے اور صفات ارواح کو قدیم اور ہمیشہ ظاہر ہونے ہوئے مان لیا جائے تب بھی جسم دھارن کرنیکو روح کی عادت قرار دینا یہی وہ دعوے ہے جس کو ثابت کرنے کیلئے دلائل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عادت جبھی ثابت ہوگی کہ اُسکا بار بار ضرور ہو اور روح کا بار بار ظہور کرنا اور روح کو جسم مین آنے کی عادت ہونی حقیقت مین ایک ہی دعویٰ ہے یعنی تناسخ۔ اور اسی کو ثابت کرنے کی ضرورت تھی۔ پس بار بار آنے کیلئے عادت ہونیکو دلیل گردانتا خود دعوے کو دعوے کیلئے دلیل ٹھیرانا ہے۔ اور پھر روح کا جسم مین آنا اگر عادت ہو تو ان کے مسلک کے مطابق وہ عادت قدیم بھی ہوگی اور جو چیز قدیم ہو اس کے لئے خالق کی ضرورت نہین اسلئے روح کے جسم مین آنیکے لئے بھی خالق کی ضرورت نہین اور یہ نتیجہ ہے جس سے خدا کی خدائی نابود ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مادہ اور روح قدیم ہے اور جب روح اور مادہ کی صفات اور روح کا مادہ مین داخل ہونا بھی قدیم ٹھیرا۔ تو پھر دنیا کے لئے کسی موجد کی ضرورت نہین رہتی۔ غرض تناسخ مانا تو اسلئے جاتا تھا کہ خدا سے ظلم کا الزام دور کیا جاوے اور تناسخ ماننے کیلئے جو مقدمات تسلیم کئے گئے انہون نے خدا کو موجود بھی نہ رہنے دیا۔

چاند سورج اور مادہ کے بار بار آنے سے تناسخ کا ثبوت۔

اور ایک دلیل دنیا کے دیگر واقعات سے تیار کی جاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ چاند اور سورج اور سیارے گاہ طلوع کرتے ہین اور گاہ غروب ہوتے ہین اور ان کو دیکھ کر جاہل کہتا ہے کہ اور سیارے آگئے حالانکہ جاننے والے جانتے ہین کہ وہی سیارے ہین اسیطرح ارواح بھی وہی بار بار آتی ہین اور نادانون کو معلوم ہوتا ہے کہ نئی ارواح پیدا ہوئین اور کبھی کہتے ہین کہ مادہ مکانات نباتات اور حیوانات وغیرہ مین بار بار ظہور کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح بھی اجسام مین بار بار ظہور کرتی ہے۔

یہان بعض اشیا مین ایک خاصہ فرض کیا گیا ہے اور پھر اسکو عام گردان کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ روح مین بھی وہی خاصہ موجود ہے۔ مگر اول تو جو خاصہ سیارگان وغیرہ مین دیکھا گیا ہے اسکی اور شکل ہے

اور روح کے لیئے اوشکل کا خاصہ فرض کیا جاتا ہے کیونکہ سیارگان جو طلوع غروب یا دورہ کی حرکت سے بار بار آتے جاتے ہین اسکی وجہ یہ ہے کہ حرکت کے سبب وہ ایک خاص مقام یعنے سطح زمین پر سے ہر وقت نظر نہین آسکتے ورنہ حقیقت مین وہ اسی دنیا پر اور اسی جسم مین موجود رہتے ہین اور ہمیشہ ایک دائرہ پر حرکت کرنے مین مصروف ہین - اور اسی طرح مادہ کے بار بار آنیکی یہ صورت ہے کہ وہ اجزا سے مرکب ہے اور اجزا کے جمع ہونے سے کبھی ایک شکل پیدا ہوتی ہے اور کبھی دوسری اور اس طرح اجزا ہمیشہ اپنے اجتماع کی وضع بدلتی رہتی ہین ورنہ مادہ کبھی کہین جا کر واپس نہین آتا جس سے کہا جائے کہ وہ بار بار آتا ہے بلکہ اسکی نسبت صحیح اظہار یہ ہے کہ وہ ایک ہی چیز ہے جو موجود رہتی ہے اور ہمیشہ اپنی شکلین بدلتی رہتی ہے - اور اسکے برخلاف روح کے بار بار آنے کی شکل مانی جاتی ہے کہ وہ ایک مستقل جوہر ہے جو کسی دوسری چیز یعنے مادہ کی چند اجزا کے ایک خاص شکل مین جمع ہونے پر ان مین ظہور کرتی ہے اور اجزا کے متفرق ہو جانے پر ان سے الگ ہو کر کسی اور مجموعہ مین جو اسی طرح کی خاص شکل مین جمع ہو گیا ہو ظاہر ہوتی ہے - اور سیارون سے مشابہت جب ہوتی کہ کسی دوسری چیز مین ظہور نہ کرتی اور نہ اس چیز کے تباہ ہونے پر غائب ہوتی بلکہ خود کسی قسم کی حرکت سے کبھی سامنے آجایا کرتی اور کبھی گم ہو جاتی - اور مادہ سے مشابہت اس صورت مین ہو سکتی تھی کہ خود صاحب اجزا ہوتی اور مادہ کیطرح اسکی اجزا کبھی ایک شکل مین ظاہر ہوتین اور کبھی دوسری شکل مین - اور جب یہ صورت نہین اور روح کے لئے جو خاصہ فرض کیا گیا ہے اسکی مثال دنیا مین نظر نہین آتی تو یہ قیاس عقلی طور پر کوئی وزن نہین رکھتا ؛

اور دوسرے اگر صرف یہی دیکھنا ہو کہ مادہ کا اور روح کا تعلق ہے اور مادہ پر ایسی حالتین طاری ہوتی ہین جنکی حقیقت خواہ کچھ ہو مگر اسکو بار بار آنے کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہین اسلئے مادہ سے تعلق رکھنے والے کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بھی بار بار آتا ہو گا اور پھر یہان بار بار آنے سے یہ خاص مطلب لینا چاہیئے کہ اسکا تعلق بار بار ہوتا ہے تو یہ صرف شاعرانہ استدلال ہو گا ورنہ تعلق کی کوئی صورت خیال مین نہین آتی جسکی وجہ سے اگر مادہ بار بار اپنی شکلین بدلتا ہو تو روح بھی ایک

ہی اسمین بار بار حلول کرتی رہے - کیونکہ اگر مادہ اور روح کا تعلق کارندہ اور آلہ کا ہے یعنی مادہ آلہ ہے اور روح کارندہ تو اس تعلق کے واسطے ضرور نہین کہ ایک کے دوبارہ موجود ہونے پر دوسرا بھی دوبارہ آئے - ہم دیکھتے ہین کہ ایک نجار مختلف تیشون سے کام لے سکتا ہو تو ایک ہی تیشہ مختلف نجارون کے ہاتھ مین بھی کام دے سکتا ہے اور اگر ظرف و مظروف کا تعلق ہے تو بھی دونو کا بار بار آنا ضرور نہین اور اگر ایک چیز مختلف برتنون مین رکھی جاسکتی ہے تو ایک ہی برتن مین ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری رکھہ سکتے ہین - اور اگر راکب و مرکوب کا تعلق ہے تو بھی ایک گھوڑے پر مختلف اشخاص اور ایک شخص مختلف گھوڑون پر سوار ہو سکتا ہے - اور اگر حاکم و محکوم کا تعلق ہے تو بھی ایک بادشا مختلف ملکون پر حکمران ہو سکتا ہے اور ایک ملک ایک بادشاہ کی حکومت سے نکل کر دوسرے اور اس سے تیسرے کے قبضہ مین جاسکتا ہے غرض دو چیزون کے ملنے پر جس قدر تعلقات سمجھہ مین آسکتے ہین انمین سے کسی پر یہ نتیجہ مرتب نہین ہوتا کہ اگر مادہ مکرر آئے تو روح بھی دوہ آئے - اور بوجہ ایک چیز کا خاصہ دوسری چیز مین مان لینا ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ چونکہ سم الفار مین زہر کی خاصیت ہو اسلئے دودہ بھی وہی اثر رکھتا ہو اور یہی حال سیارگان کی آمد و رفت اور روح کے تناسخ کا ہے کہ ان مین کوئی تعلق نہین جسکی بنا پر ایک امر کے ثابت ہونے سے دوسرے کا ثبوت لازم آئے کیا جسطرح سال کے بارہ مہینون مین ایک ہی سورج بار بار آتا ہے اور جس طرح مہینہ کے تیس دنون مین ایک ہی چاند بار بار نکلتا ہے اسیطرح سال کے بارہ مہینہ بھی ایک ہی مہینہ اور مہینہ کی تمام تاریخین ایک ہی تاریخ ہین ؟ اگر اسی طرح کی غیر متعلق باتین ایسی دلیلون سے ثابت ہوجائین تو بیشک سیارگان کے بار بار آنے سے ارواح کا بار بار ظہور کرنا بھی ثابت ہوجائیگا -

اور تیسرے اگر مان لیا جائے کہ مادہ کے بار بار آنے اور روح کے بار بار آنے کی ایک ہی صورت ہے تو بھی غور کرنے کی بات ہو کہ شکل مادہ سے براہ راست تعلق رکھتی ہو اور خود مادہ سے پیدا ہوتی ہے - اور روح کی حقیقت جو کچھ ہے ہم سمجھہ نہین سکتے مگر اتنا جانتے ہین کہ اس کا

تعلق شکل کے تعلق کے بعد ہوتا ہے یعنی اجزائے مادی شکل پہلے اختیار کرتی ہیں اور بعد میں جاندار بنتی ہیں - اور ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود مادہ کے بار بار آنے کے شکل جو اس سے سرارت پیدا ہوتی ہے اور روح سے پہلے تعلق پکڑتی ہے ایکدفعہ آکر ابداًلآباد تک دوبارہ نہیں آتی اور اجزا وہی ہوں مگر شکل ہمیشہ نئی سے نئی ہوتی ہے تو جو چیز شکل کے بعد تعلق پکڑتی ہے اسکی نسبت کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ وہ بار بار ضرور آنی چاہیے -

سقراط کی من دلیلیں تناسخ پر - حکیم سقراط کو جب زہر دیا گیا ہے تو اسکے عزیزوں اور شاگردوں کو اسکی مفارقت سے جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے مگر وہ فلاسفر تھا اور فلاسفر کی شان سے بعید ہے کہ ایسے افکار سے دل کو پریشان کرے اسلئے اس نے اپنا یہ وقت نہایت استقلال سے گزارا اور فلسفیانہ طرز سے اپنے ہمراہیوں کو تسلی دیتا رہا - چنانچہ اسکی اسوقت کی گفتگو سے جو اس نے اپنے شاگرد دسمیاز وغیرہ سے کی ہے تین دلیلیں تناسخ پر پیدا ہو گئی ہیں (کتاب پلیٹو) ان میں سے پہلی دلیل میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پیدا ہوتی ہے اور ضد کی طرف عود کرتی ہے - اور زندگی اور موت بھی باہم ضدین ہیں اسلئے وہ بھی ایک دوسری سے پیدا ہوتی رہیں گی اور موت کے بعد زندگی اور زندگی کے بعد موت کا چکر جاری رہیگا - دوسری دلیل میں وہ کہتے ہیں کہ ہم دو چیزوں کو دیکھ کر کبھی ان کو مساوی کہتے ہیں اور کبھی غیر مساوی اسلئے ایسی چیزوں کے علم اور انکی مساوات یا عدم مساوات کے علم سے پہلے ہمکو مساوات کا مفہوم معلوم ہونا چاہیے اور ان چیزوں کو ہم حواس سے دریافت کرتے ہیں اور حواس پیدا ہوتے ہی حاصل ہو جاتے ہیں اسلئے مساوات کا مفہوم جو ان سے پہلے حاصل ہے وہ پیدائش سے پہلے معلوم ہوا ہوگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح پیدائش سے پہلے موجود تھی اور تیسری دلیل میں کہتے ہیں کہ مرکبات کبھی نہ کبھی تحلیل ہو جاتے ہیں اور بسائط تحلیل ہونے سے پاک ہیں - اور مرکبات محسوس ہوتے ہیں اور بسائط حواس کی گرفت سے باہر ہیں اور انسان کے اندر ایک جسم ہے جو بدنی اور مرکب قسم سے ہے اور ایک روح ہے جو نابدنی اور بسیط ہے - اور جسم ترکیب کے قاعدہ کے موافق تحلیل اور فنا ہو جاتا ہے اسلئے چاہیے کہ روح حسب قاعدہ بساطت تحلیل

اور فنا نہ ہو۔ بلکہ مرنیکے بعد قائم رہے

تیسری دلیل سے تناسخ کو تعلق نہیں۔

یہ دلائل قابل قدر ہیں اسلئے کہ ایک بڑے فلاسفر کی مرنے وم کی یادگار ہیں اور حکیم فلاطون کا شکر گزار ہونا چاہیے جس کی قلم سے یہ تمام مکالمہ من وعن محفوظ رہ سکا۔ مگر دلائل کی حقیقت دیکھنے پر کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سے تیسری دلیل میں اگر ثابت کرنے کی کوئی چیز ہی تو یہ کہ انسان کے اندر ایک بسیط روح موجود ہے اور ہمنے دیکھا کہ اسی کو عالی قدر حکیم نے اصول علمیہ کے طور پر مان لیا ہے اور بات وہی آگئی پہلے جو لکھا گیا ہے کہ گو عقلی ثبوت کوئی نہ ہو مگر مذہبی جذبہ بالاتفاق انسان کے اندر ایک جوہر بسیط کو مانتا ہے۔ پس اگر وہ موجود ہے تو جو ہر مستدعی ہے جو اس کے قائم رہنے میں شک نہیں اور اسی قدر۔ اس دلیل سے بھی ثابت ہوا۔ اور اس سے زیادہ یعنی یہ کہ روح دوبارہ اسی دنیا میں آئیگی اس کا اس دلیل سے کوئی تعلق نہیں ؛

دوسری دلیل دوطرح سے ناقص ہے،

اور اسی طرح دوسری دلیل کو اگر تسلیم کیا جائے تو اس سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ روح پیدائش سے پہلے موجود تھی اور تناسخ کا ثبوت اس سے بھی نہیں ملتا۔ اور نیز اس دلیل کے مقدمات میں ہی بہت کچھ کلام ہے۔ کیونکہ پیدا ہوتے ہی حواس ظاہری کا کام کے قابل ہونا اور چیزوں کی مساوات کو پہچاننا اور غیر مساوات اور نامساوات کو معلوم کرنے سے پہلے مطلق مساوات کا علم ہونا سب باتیں قابل اعتراض ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ جب اپنے حواس سے کام لینے لگتا ہے تو پہلے چیزوں کو صرف دیکھنا شروع کرتا ہے اور انکی مساوات اور عدم مساوات وغیرہ ذہنی فیصلے ایک طرف وہ مدت تک انکی محسوس اوصاف میں بھی تمیز نہیں کر سکتا اور ایک شوخ لال رنگ کی چیز دیکھ کر جھپٹتا ہے وہ چیز چھپا دی جاتی ہے اور اس سے پھیکے رنگ کی بلکہ بسا اوقات اور رنگ کی چیز دیدی جاتی ہے اور بچہ اسلی چیز سمجھ کر خوش ہو جاتا ہے مدت کی مشق سے رنگ وغیرہ پہچاننے لگتا ہے تو بڑائی چھٹائی پھر بھی عرصہ تک محسوس نہیں ہوتی۔ ایک انڈا چھپا لینے کے بعد دوسرا انڈا جو اس سے کسیقدر چھوٹا یا بڑا ہو سامنے کرنے سے اکثر دھوکا

کہا جاتا ہے اور غور طلب بات کا طویل زمانہ درکار ہوتا ہے جسکے بعد چیزون کی مساوات اور عدم مساوات وغیرہ صفات
جو عقل سے تعلق رکھتی ہین پورے طور پر محسوس ہون اور پھر ان چیزون کی مساوات، عدم مساوات اور بہتری بدتری وغیرہ صفات
کو دیکھنے سے مطلق مساوات اور مطلق بہتری وغیرہ مفہوم ذہن نشین ہوتے ہین اور یہ ساتھ اسکے مساوات کا علم پہلے موجود ہونی
سے تی کی رفتار ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنا علم جزئیات سے شروع کرتا ہے اور ان سے انتقال کرتا ہوا کلیات کی طرف جاتا
ہے اور اس لئے مساوات کا علم رکھنے کیواسطے ضرور نہین کہ روح جسم سے پہلے موجود ہو۔

ضد سے ضد کا پیدا ہونا عام قاعدہ نہین۔

غرض یہ دلیلین ضعیف ہونیکے باوجود تناسخ سے کوئی تعلق نہین رکھتین
البتہ پہلی دلیل اگر صحیح ہو تو اس سے بیشک تناسخ ثابت ہوگا مگر اول تو
اسکا پہلا مقدمہ قابل غور ہے۔ بیشک ہم دیکھتے ہین کہ رات سے دن پیدا ہوتا ہے اور دن سے رات
یا بیجان سے جاندار بنتا ہے اور جاندار سے بیجان اور یہان ایک ضد دوسری ضد سے ظاہر ہوئی
مگر تمام دنیا کی صرف یہی شکل نہین بلکہ جو مثالین خود حکیم نے دی ہین ان ہی سے بعض کی اور
صورت ہے۔ وہ کہتے ہین کہ تیز سست سے پیدا ہوتا ہے اور سست تیز سے۔ مگر یہ خاصہ عام نہین اگر
بعض چیزون کی رفتار تیز اور پھر تیز سے سست ہو جاتی ہے تو بعض چیزین ایسی ہین کہ انکی رفتار
ہمیشہ ایک قاعدہ پر رہتی ہے مثلاً روشنی حرارت اور آواز کی رفتار اپنے مقدار اور فاصلہ کے
لحاظ سے جس طرز پر واقع ہے اس سے کبھی انحراف نہین کرتی اور ایسا نہین ہوتا کہ تیز سے سست
ہو تو پھر سست سے تیز ہو جائے۔ اسی طرح سیارون کی حرکت جس قاعدہ پر جاری ہے اس سے
تخلف نہین ہوتا۔ اور اگر جدید تحقیقات کو مدنظر رکھا جائے تو زمین کی محوری حرکت ایک صدی مین
ایک سکنڈ کی کسر کے برابر سست ہوتی جاتی ہے اور اسی قدر دن بڑھتا جاتا ہے مگر ایسا ہونیکا گمان
بھی نہین کہ پھر کبھی اسکی یہ حرکت تیز ہونے لگے۔ اور پھر کبھی تیزی سے سستی کیجانب عود کرے۔
اور اسی طرح اور مثالین جو وہ دیتے ہین کہ بہتر سے بدتر ہوتا ہے اور منصفانہ غیر منصفانہ۔ یہ چکر
بھی سمجھ مین نہین آتا۔ اگر محض بہتری و بدتری اور منصفانہ و غیر منصفانہ کو دیکھا جائے تو یہ اوصاف
ہمیشہ ایک حالت پر ہین اور بہتری بدتری اور بدتری بہتری کبھی نہین ہو سکتی۔ اور اگر ان افعال کو

دیکھا جائے جن کو یہ صفتین عارض ہوتی ہین تو بھی یہی حال ہے کہ جو افعال منصفانہ ہین مثلاً
فریادی کی فریاد کو سننا اور مجرم کے جرم کو غور و خوض سے تحقیق کرنا یہ افعال ہمیشہ منصفانہ
ہین اور کبھی غیر منصفانہ نہین ہو سکتے اور ان کے خلاف کرنا ہمیشہ غیر منصفانہ ہے اور کبھی منصفانہ
نہین ہو سکتا۔ اور اسی طرح جو افعال بہتر ہین مثلاً اپنے فائدہ مین حق سے تجاوز نہ کرنا اور دوسرے
کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرنا یہ امور ہمیشہ بہتر ہین اور ان کے خلاف ہمیشہ بدتر۔ اور اگر اشیا کو
دیکھا جائے جن کو بہتر یا بدتر کہہ سکتے ہین تو ان مین سے جو مرکبات ہین وہ چونکہ اس نظام مین فنا
و تحلیل کا نشانہ ہین اسلئے انکی صفات بھی بجا نہین رہتین۔ مگر پھر بھی ضرور نہین کہ جو بہتری اور
بدتری ایک دفعہ کی تحلیل مین نابود ہوئی ہے پھر وہی اجزا مرکب ہون اور وہی بہتری یا بدتری
عود کرے اور ضرور ایک ضد دوسری ضد کیطرف آئے۔ اور اُدھر جو بسائط یا عناصر ہین اُن مین
جو نیک و بد صفات قدرت کیطرف سے ودیعت ہین وہ ہمیشہ اپنے حال پر رہتی ہین اور کبھی ایک
ضد سے دوسری ضد کیطرف نہین جاتین +

رہا رات دن اور جاندار اور بیجان کا انقلاب سو گرچہ یہ قدرت کا بڑا کرشمہ ہے مگر اسکی وجہ دیکھی
جائے تو اُدھر ایک ہمیشہ چمکنے والا آفتاب ہے جو روشنی دیتا ہے اور ادھر ہمیشہ حرکت کرنیوالی زمین
ہے جو روشنی کو اخذ کرتی ہے۔ اور ایک کی سکون اور دوسری کی حرکت سے ایک یکسان رہنے والا قاعدہ
پیدا ہوتا ہے کہ ہمیشہ زمین کے نصف حصہ پر روشنی کا اثر پہنچے۔ اسلئے حقیقت مین روشنی تاریکی
سے پیدا نہین ہوتی بلکہ ایک حصہ روشنی کا ہے جو ہمیشہ زمین کے گرد گھومتا رہتا ہے اور اس کے
مقابل ایک حصہ تاریکی کا اسی طرح گردش کرتا رہتا ہے اور زمین کے ایک حصہ پر رہنے والے سامنے
کبھی روشنی آجاتی ہے اور کبھی تاریکی۔ اور جاندار کی بیجان سے اور بیجان کی جاندار سے پیدا ہونے
کی حقیقت بھی جیسا کہ جدید تحقیقات کا منشا ہے یہ ہے کہ جان ہمیشہ جان سے پیدا ہوتی ہے یعنی
ایک جاندار کیطرف سے بیجان کے اندر جان کا فیضان ہوتا ہے اور اس سے آگے اور بیجان پر یہ
اثر پہنچتا ہے اور ادھر بیجان اجزا اپنی تشکلون کو بدلنے سے ایک جسم کے بعد دوسرا جسم بناتی رہتی

ہین اوراس طرح جان کا سلسلہ جان دار سے جاندار کی طرف اور بیجان کا بیجان سے بیجان کی
طرف جارہا ہے ،،

اوران کے بعداور اشیا اوران کی بعض صفات ایسی نظرآتی ہین جو ہمیشہ ایک حال
پررہتی ہین اور ضد سے ضد کی طرف عود نہین کرتین - مثلاً مادہ اور دُنیا کا دوسرا عنصر یعنی قوت
اورانکی صفت وجود ایسی چیز ہے کہ جب سے ہاں ہمیشہ ایک حالت پر ہے اور کبھی وجود سے عدم اور
عدم سے وجود اُن پر طاری نہین ہوتا - اوراسکے علاوہ روح حکیم کی رائے کے مطابق ازل
سے ابد تک موجود ہے اور وجود و عدم مین انقلاب نہین کرتی - اور ویسے ہی روح اگر ہے تو
جب سے ہے ہمیشہ موجود ہے اور اگر عدم سے وجود کی طرف آئی ہے تب بھی آیندہ وجود سے
عدم کی طرف جانے کا احتمال نہین ؟

غرض ہمنے دیکھا کہ روشنی حرارت وغیرہ کی رفتار ہمیشہ ایک قاعدہ پر رہتی ہے اور سیارگان
کی حرکت مین اگر انقلاب ہے تو ہمیشہ تیزی سے سستی کیطرف یعنی ایک سمت کو - اور بہتری بدتری
یا منصفانہ و نامنصفانہ صفات اوران سے متصف ہونیوالے افعال ہمیشہ یکسان رہتے ہین - اشیاء
بسیط جوان سے متصف ہین وہ بھی ہمیشہ ایک حالت پر ہین - اور نہ مادہ اور نہ قوت کا وجود کبھی
ضد کی طرف نہین جاتا - اور نہ روح ضد کیطرف انتقال کرتی ہے - البتہ مرکبات ہمیشہ تحلیل و
ترکیب کا ہدف ہین اور انکی حالت بدلتی رہتی ہے اور حالت کیساتھ انکے نیک و بد صفات
مین انقلاب ہوتا رہتا ہے - مگر انکا انقلاب بھی ایسے ترتیب ہوتا ہے کہ اسکے لئے ضد سے ضد
کی طرف آنا یا مناسب سے مناسب کی طرف جانا کوئی ایک قاعدہ مقرر نہین کیا جاسکتا - کبھی کسی
انقلاب مین بدتری سے بہتری پیدا ہوتی ہے اور آیندہ انقلاب مین اس سے زیادہ بہتری
نظرآتی ہے توپھر کوئی ایسا انقلاب ہوتا ہے کہ بہتری کے تمام درجات معدوم ہوکر کوئی بڑے
درجہ کی بدتری پیدا ہوجاتی ہے - پھر کبھی بتدریج بدتری کیطرف اور کبھی بتدریج بہتری کیطرف
انتقال ہوتا ہے توکبھی دفعتہً بڑے درجہ کی بدتری سے بڑے درجہ کی بہتری پیدا ہوجاتی ہے

مثلاً درخت پیدا ہوا ہے اور مناسب آب و ہوا سے بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ پھل پھول لانے لگتا ہے یہ بہتری سے بہتری کیطرف ترقی ہے اور پھر سوکھنے لگتا ہے اور ایک دن فنا ہو گیا ہے یہ بہتری سے بدتری کی طرف تنزل۔ مگر لہلہاتے درخت پر کاٹنے والے کا تبر ایسا پڑتا ہے کہ ہمیں گلزار کی جگہ خاک اڑتی دکھائی دیتی ہے اس انقلاب میں دفعتہً بڑے درجہ کی بہتری سے بڑے درجہ کی بدتری پیدا ہو گئی ہے اور کبھی خشکی اور امساک سے کھیت تباہی کے قریب ہو جاتے ہیں کہ دفعتہً مناسب ہواؤں کے چلنے اور بروقت بارش کے برسنے سے سوکھی کھیتی ہری ہو جاتی ہے۔ اس وقت بڑی بدتری سے فوراً بڑی بہتری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی ایک ہی حالت دیر تک قائم رہتی ہے اور کبھی نیک و بد انقلاب جلدی جلدی ہونے لگتے ہیں۔ مدعا یہ کہ بسائط اور لطیف اشیاء مثلاً مادہ عناصر روشنی حرارت اور افعال نیک و بد وغیرہ خاص قوانین کے زیر اثر ہیں اور ان میں ضد سے ضد کی طرف آنا ثابت نہیں ہوتا۔ اور مرکبات اور ان کے حالات قوانین پر ایسے مختلف اور پیچیدہ عمل کرتے ہیں کہ ہر چیز اور ہر چیز کی ہر ایک حالت میں ہر آن کے اندر نئی سے نئی شان نظر آتی ہے اور ایک قاعدہ معین نہیں ہو سکتا ؁

ضد کا ضد کیطرف آنا زندگی اور موت پر جاری نہیں ہو سکتا

یہ دیکھنے کے بعد کہ ضد سے ضد کیطرف آنا قدرت کا عام قانون نہیں دلیل کے دوسرے مقدمہ یعنی زندگی اور موت کی ضدیت کو دیکھا جائے تو زندگی اور موت کی حقیقت دو چیزوں کا باہم ملنا اور جدا ہونا ہے۔ اور ان میں سے ایک چیز یعنی جسم مرکب ہے اور دوسری چیز یعنے روح بسیط ہے۔ اور جس وقت روح کا جسم سے فراق ہوا ہے اس وقت جسم چونکہ مرکب ہے ضرور ہے کہ وہ تحلیل ہو اور تحلیل ہونیکے بعد اسکی اجزا مرکبات کے قاعدہ کے موافق ضرور ہے کہ کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی شکل میں رہیں اور ان شکلوں کو بدلتی رہیں۔ اب اگر یہاں ضد سے ضد کیطرف آنیکا یہ مطلب لیا جائے کہ ایک وقت پر یہ اجزا پھر اسی شکل میں جلوہ گر ہوں تو یہ صورت ممکن نہیں معلوم ہوتی کیونکہ تحلیل ہونیکے بعد کچھ اجزا گیس بن کر اڑ گئی ہیں اور ہواؤں نے انکو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے اور کچھ اجزا زمین میں ملکر اسکی ہمشکل ہو گئی ہیں اور ان میں سے

کچھ ممکن ہے کہ قرن ہائے دراز تک اسی حالت میں پڑی رہیں اور کچھ نباتی شکل میں بدل جائیں
اور پھر نبات کے فنا ہونے پر ان میں سے اکثر گیس بنکر اڑ جاوینگی اور کچھ جانداروں کی خوراک میں
صرف ہونگی۔ اور اس طرح ان اجزا میں سے بعض کا کسی جاندار یا خود کسی انسان کے جسم میں آنا
ممکن ہے۔ مگر سب کے سب اسی شکل میں پیدا ہوں اور مرنیکے بعد انسان کی تمام اجزا کو پھر انسان
ہی بنایا جاوے اسکا امکان نہیں۔ اور اگر ضد سے ضد کی طرف آنے کو یہ مطلب ہے کہ جسم انسانی
کی اجزا تحلیل ہونیکے بعد کسی نہ کسی شکل میں مرکب ہونگی تو شک نہیں کہ ایسا ضرور ہوگا لیکن اسی
طرح کہ بعض اجزا کچھ شکل اختیار کرینگی اور بعض کچھ۔ اور بعض کبھی جاندار کے جسم میں آجاوینگی اور بعض
ممکن ہے کہ ابادالآباد تک بیجان حالت میں رہیں۔ اب روح کی نسبت جو ایک جسم سے الگ ہوئی
ہے غور کرنے کے وقت ہم دنیا کے تمام مرکبات اور بسائط کو دیکھ لیتے ہیں ان میں جسمانی مرکبات
کو دیکھا کہ ترکیب کے بعد تحلیل ہوتے ہیں تو پھر تحلیل کے بعد اسی پہلی ترکیب کی طرف عود نہیں کرتیں
مادی بسائط میں سے ایتھر اگر دیگر اجزائے مادی کے کسی مجموعہ میں داخل ہو بھی تو وہاں سے الگ
ہوکر ہمیشہ تک مجرد حالت میں رہ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ دنیا کے انقلابات سے متاثر نہ ہو۔ چنانچہ
اسی بنا پر زمین وغیرہ سیاروں کی اٹماسفیر یعنے کرہ ہوائی سے پرے اس کو تمام فضا میں پھیلا
ہوا مانا جاتا ہے۔ اسکے بعد غیر جسمانی بسائط کو لو تو بہتری و بدتری یا منصفانہ و نامنصفانہ حالت کی
جو فرد کسی ایک چیز میں ایک وقت پر موجود ہوتی ہے پھر خواہ اسی چیز پر اور ہزاروں طرح کے بہتر
اور بدتر حالتیں آئیں مگر وہ پہلی حالت کبھی موجود نہیں ہوتی۔ یہ دعوی سرسری نظر سے غلط معلوم
ہوگا کیونکہ برف پینے سے ہمنے ہزاروں دفعہ یکسان خنکی محسوس کی ہے اور آگ تاپنے سے بارہا ایسی
ہی گرمی۔ مگر جس کو ہم یکسان کہتے ہیں سائنٹفک طور پر وہ کبھی بھی یکسان نہیں۔ کوئی عالم کیمیا ہزار
دفعہ پوٹاشیم کلوریٹ سے آکسیجن یا سمندر کی ریت سے کلورین پیدا کرے کبھی دو دفعہ بھی ایک تجربہ
سب حیثیتوں سے برابر نہ ہوگا۔ پوٹاشیم کلوریٹ یا ریت کی جو مقدار ایک دفعہ لی ہے بالکل ٹھیک وہاں
سے اتنی ہی مقدار کبھی نہ لیجائیگی اور جو حرارت ایک وقت پر فضا میں موجود ہے یا مصنوعی طور پر

بہم پہنچائی گئی ہے۔ ٹھیک اتنی ہی حرارت کبھی مہیا نہ ہو سکیگی اور جس قدر وقت ایکدفعہ خرچ ہوا ہے ٹھیک اتنا ہی وقت پھر کبھی صرف نہ ہو سکیگا اور اسلئے جس قدر گیس ایک دفعہ پیدا ہوئی ہے بالکل اسیقدر کبھی پیدا نہ ہو سکے گی - اور چونکہ یا بدائنہ اس فعل سے ایک دفعہ پیدا ہوگا وہ پھر کبھی نہ ہوگا - اور یہی حال برف پینے اور آگ تاپنے کا ہے کہ مقدار اور وقت اور کیفیت ہر طرح سے ہر دفعہ دوسری دفعہ سے متفاوت ہوگی اور اس لئے جو بہتری یا بدتری کسی فعل سے ایک بار متعلق ہوئی ہے وہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکی اور کبھی ہاتھ نہ آئیگی - اور یہی حال شکل اور دیگر خواص کا ہے کہ ایک دفعہ تعلق پیدا کرنے کے بعد پھر وہی شکل اور وہی خاصہ کبھی پیدا نہیں ہوتا - غرض یہ کہ بسائط جس طرح کے ہمارے پاس موجود ہیں وہ ہمیشہ کے لئے اور ایک دفعہ تعلق پیدا کرنے سے بعد آئندہ کیلئے الگ رہ سکتے ہیں اور مرکبات کی اجزا اگرچہ شکلیں بدلتی رہتی ہیں مگر سب اجزا پھر ایک جگہ جمع ہوں یہ ممکن نہیں اور بعض اجزا ہمیشہ کیلئے جاندار میں نہ آئیں ممکن ہے - تو روح جو بسیط ہے اس پر بساطت کا قاعدہ جاری کرو تو اور ترکیب کا قاعدہ جاری کرو تو اس کیلئے یہ فیصلہ کہ ایک دفعہ تعلق پیدا کرنیکے بعد بار بار جسم میں آتی رہے گی اور زندگی اور موت کا چکّر ہمیشہ جاری رہیگا ایسا دعوی ہے جو بساطت اور ترکیب دو نو حیثیتوں سے غلط ہے اور عدم کا ضد سے پیدا ہونا دنیا کا عام قانون ہے اور نہ زندگی اور موت میں جاری ہو سکتا ہے -

اس عالم میں روح کا دوبارہ جسم میں آنا خلاف عقل ہے

غرض تناسخ کے بارہ میں جہاں تک غور کیا گیا ہے یہ مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ روحیں جسم سے مفارقت کرنے کے بعد پھر اسی زندگی کو دوبارہ حاصل کرتی ہیں بلکہ شکل اور دیگر صفات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایسا ہونا ممکن بھی نہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ابھی سراغ آگے چلتا ہے اور نتیجہ اس سے بھی زیادہ قوی پیدا ہوتا ہے - یہاں کے طریق تحلیل و ترکیب کو پھر غور سے دیکھنا چاہیے - چنانچہ نظام قدرت کے جو قوانین دریافت ہوئے ہیں ان میں ایک اثر شیا یعنی قانون استمرار بھی ہے

اور اسکا مقتضا یہ ہے کہ جس چیز کو حرکت دی جائے اسمین حرکت کا میلان ایسا پیدا ہوتا ہے کہ اگر خارجی مزاحمتین نہ ہون اور سطح زمین یا ہوا کے تصادم سے رکنا نہ پڑے تو حرکت ہمیشہ ہمیشہ تک جاری رہ سکتی ہے۔ اور اُدھر جب سکون پیدا ہو تو وہ سکون بھی خارجی محرک اسباب سے دور ہوتا ہے ورنہ ممکن ہے کہ چیز تا ابد ساکن رہے۔ پس جب کوئی مرکب تحلیل ہوتا ہے اور اُسکی اجزا باہر کو حرکت کرنے لگتی ہے یا جب متفرق اجزا کسی سبب سے جمع ہو کر سکون حاصل کرتی ہین تو تحلیل کے بعد اجزا کی حرکت اور ترکیب کے بعد اُن کا سکون دور اسی لیئے ہوتا ہے کہ خارجی اسباب اِس حرکت اور اِس سکون کی مزاحمت کرتے ہین اور اِس وجہ سے مرکبات یکے بعد دیگرے شکلین بدلتے رہتے ہین اور اگر کسی مرکب پر یا بعض اجزاے متفرقہ خارجی اسباب اثر نہ کرین تو ایسی اجزا اور ویسے مرکب کا ہمیشہ تک ایک حالت پر رہنا ممکن ہے۔

حکیم سقراط تو بہت قدیم زمانے مین تھے ان کے بعد بھی بہت عرصہ گذر ا ہے جسمین قدرت کے اِس قسم کے قاعدے دریافت نہ ہوے تھے اور اس لئے اُس زمانے مین رات دن کی گردش اور جاندار اور بے جان کی پیدایش کو دیکھ کر یہ خیال ہو گیا ہو گا کہ ضد اپنی ضد سے پیدا ہوتی ہے اور ضرور ہے کہ پھر ضد کیطرف عود کرے۔ مگر اب اس ایک قانون کو دیکھنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ضد کا ضد کیطرف میلان رکھنا غلط ہے اور چونکہ ہر طرح کے انقلاب حرکت و سکون کی مختلف شکلون سے ہوتے ہین اور حرکت و سکون مین قانون استمرار جاری ہے اسلئے ثابت ہوتا ہے کہ ہر حالت اپنے تئین قائم رکھنے کا میلان رکھتی ہے اور کوئی بھی ضد کیطرف جانا نہین چاہتی اور جو انقلاب پہلی حالت کو بدلتا ہے اسکے لئے کوئی نہ کوئی خارجی سبب ہوتا ہے۔

اور خارجی اسباب جو یہان متحرک کو ساکن اور ساکن متحرک کرتے ہین وہ اگرچہ نہایت کثرت سے اور بہت پیچیدہ ہین مگر انکا اصل الاصول یہ ہے کہ آفتاب کی حرارت اور روشنی اور دوسری قسم کی کرنین عمل کرتی ہین اور اس عمل سے کہین حرارت کہین بخار کہین ہوا کہین بارش پیدا ہوتی ہے اور گوناگون لہرون کے پیدا ہونے سے اجزا کسی جھنڈ سے الگ ہوتی ہین اور تقانون

استمرار انکی حرارت جاری رکھتا ہے اور باہر کی مزاحمتین حرکت کو روکتی رہتی ہین - اس کشمکش مین وہ اجزا
کہین چھوٹے چھوٹے اور کہین بڑے بڑے جھنڈون مین جمع ہوتی جاتی ہین اور سکون پیدا
ہونیکے بعد پھر قانون استمرار ان کو ساکن رکھنا چاہتا ہے اور باہمی کشش انفصال جس حیثیت
کی ہوا اتنی ہی قوت سے اجزا کو پیوستہ کرنے کی کوشش کرتی ہے - چنانچہ کچھ کچھ مجموعے پیوستہ
ہوکر ٹھوس ہو جاتے ہین اور ان مین سے جو نمو کی طاقت رکھتے ہین وہ اور اجزا کو جو وہان جمع ہو
جائین جذب کرتے رہتے ہین اور ساتھ ہی ان پر متفرق کرنیوالی طاقتین اپنا عمل شروع رکھتی ہین اور
جس قدر اجزا کو ممکن ہوتا ہے جدا کرتی رہتی ہین اور اس طرح تمام نظام مین ہمیشہ جمع و تفریق کا عمل
جاری رہتا ہے -

اس سلسلہ کو دیکھنے کے بعد یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ عمل کیلئے عامل کا زبردست اور معمول کا کمزور
ہونا بھی ایک قانون قدرت ہے اور جہان کہین دو مقابل قوتین باہم مساوی واقع ہوتی ہین وہان
دونون کا عمل باطل ہو جاتا ہے اور پھر غور کرنیکی بات یہ ہے کہ یہان عمل کرنیوالی طاقتین اگرچہ خود
جسم نہین رکھتین مگر اجسام سے ظہور کرتی ہین اور ادھر شکل وغیرہ صفات بھی گو بسیط اور غیر جسمانی ہین
مگر وہ بھی اجسام سے ظاہر ہوتی ہین اسلئے عمل کرنیوالی قوتین اور صفات قوت مین برابر ہین اور اس
لیے ایک کو دوسری پر تسلط ہونا چاہیئے - مگر کسی جسم کی ترکیب سے پہلے اسکی شکل اور دیگر صفات
معدوم ہین اور عمل کرنیوالی قوتین موجود اسلئے اس وقت عمل کرنیوالی قوتون کو ان پر ایک درجہ فوقیت
حاصل ہے اور اسی سلئے ان قوتون کے اثر سے شکل اور دیگر صفات پیدا ہو جاتی ہین اور پیدا ہونے
کے بعد اگرچہ یہ قوت مین ان کے برابر ہو جاتی ہین مگر پھر بھی صفات ہین اور موصوف کے بغیر قائم نہین
رہ سکتین اور ادھر عمل کرنیوالی قوتون کا تسلط اجزاے مادی پر ہمیشہ باقی رہتا ہے اسلئے قوتین اجزا
کو تبدیل کرتی ہین اور تبدیل کے ساتھ پہلی شکل اور دیگر صفات معدوم ہو جاتی ہین - اور پھر جو شکل
وغیرہ صفات کبھی بعینہ پیدا نہین ہوتین تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اجزا پر قوتون کا تسلط ہے مگر اب
قوی تسلط نہین کہ اجزا کو متفرق کرنے کے بعد ہر ایک جزو جہان پہلے موجود تھی ٹھیک اسی جگہ پر

دوبارہ رکھی جائے اور جو اجزا اسکے ارد گرد تھین انکو بالکل اسی تناسب سے جگہ دی جائے بلکہ ہمیشہ ایک ترکیب کے بعد دوسری ترکیب مین خواہ بعینہ وہی اجزا ہون بعینہ پہلی وضع سے مرکب نہین سکتے ہین اور اسی لیے پہلی شکل اور دیگر صفات بھی موجود نہین ہوتین -

اب اسکے بعد جو ہم روح کی نسبت غور کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ روح اگر قدیم سے موجود ہوتی تو بسیط ہونے کے سبب جسمانی قوتون کو اس پر کبھی تسلط نہ ہوتا اور وہ جسم سے پیوستہ نہ ہوسکتی - مگر جیسا کہ اوپر امام غزالی رح کی تحقیق سے ثابت کیا جا چکا ہے بات یہی ہے کہ روح جسم سے پہلے موجود نہین ہوتی اور اُسکے عدم ہی کا نقص ہے جس کے سبب سے عامل قوتون کو اس پر ترجیح ہوتی ہے اور انکے عمل سے جسم کے مرکب ہونے پر روح پیدا ہو جاتی ہے اور پھر جسم سے مفارق ہونے کے بعد جیسا کہ مذہبی جذبہ کا بالاتفاق فیصلہ ہے اگر وہ باقی رہتی ہے اور شکل وغیرہ صفات کیطرح اپنے قیام کے لیئے جسم کی محتاج نہین تو پھر قانون استمرار کے مطابق وہ اس حالت کو ہمیشہ تک قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے او بسیط ہونے کے سبب جسمانی قوتون سے مغلوب نہین ہوسکتی - اسلیے جبتک تحلیل و ترکیب کا عمل ان جسمانی قوتون کی وساطت سے ہوتا رہیگا ممکن نہین کہ روح دوبارہ جسم مین لائی جائے - اور گو یہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو پیدا کرنیکی طاقت ہو پیدا ہونے کے بعد وہی قابو مین نہ رہے مگر امر واقع ہے اور ہم دیکھتے ہین کہ آفتابی حرارت کا ایک حصہ زمین پر آ کر اسکی تری اور خشکی سے بخار پیدا کرتا ہے لیکن وہی بخار پیدا ہو کر ایسا قوی ہو جاتا ہے کہ قابو مین رہنا ایک طرف بارش کی شکل مین خود پیدا کرنی والی حرارت کو دبا لیتا ہے - اسی طرح روح بھی اگرچہ پیدا انہی قوتون کے عمل سے ہوتی ہو مگر پیدا ہونے کے بعد اپنی بساطت کے سبب ان قوتون کی گرفت مین نہین رہ سکتی - مگر اس سے نتیجہ کیا نکلا؟ یہی کہ جس وقت یہ نور جسمانی وسائط سے آزاد ہوتا ہوا اپنے غیر جسمانی مرکز پر پہونچیگا اور تمام نظام موجودہ فنا ہوکر وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا کے مطابق زمین و آسمان خدائی نور سے براہ راست منور ہوگا اُس وقت غیر جسمانی قوت اپنی غیر محدود کشش سے غیر محدود اثر پیدا کریگی اور اُس وقت غیر جسمانی او بسیط روحین مجبور ہونگی کہ دوبارہ اجسام سے پیوستہ ہو کر جو خواص اس دُنیا سے اپنے ساتھ لے گئی ہین ان کے

نتائج ظاہر کرین ٭

درجات کی ترقی سے اثر مین ترقی ہوتی جاتی ہے۔

اور دوسرے یہ امر بھی غور کے قابل ہو کہ موجودات مین جو انقلاب ترقی کی جانب ہوئے ہین انکا اثر بہی درجہ بدرجہ متفاوت ہوتا گیا ہے مثلاً اجزاے زمین یا معدنیات ترقی کی ابتدائی درجہ مین ہین اور ان کے ذرات مین اس حرکت کے سوا جو براہ راست آفتاب سے پیدا ہوتی ہے کوئی اندرونی حرکت نہین اسلئے اس ترقی مین حسب حالات اچھی اور بری یا مضر اور مفید شکلین پیدا ہوگئی ہین مگر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے بچنے کی کوئی قابلیت ان مین موجود نہین۔ درخت چونکہ ان سے ترقی یافتہ ہے اسلئے اپنے ذرات کو پھیلانے اور بیرونی ذرات کو جذب کرنے سے فائدہ حاصل کرنے کی قابلیت اسمین پیدا ہوگئی ہے لیکن نقصان سے بچنے کی قابلیت جیسی اجزائے زمین مین معدوم تہی ویسی ہی اسمین بہی مفقود ہے اور اس کے علاوہ یہ نقص بہی موجود ہے کہ درخت کا تمام وقت اپنی خوراک جاذب کرنے مین صرف ہوتا ہی اور اگر چند لحظہ کیلئے بہی درخت کی تمام جڑون کو زمین سے نکال لیا جائے اور جو مدد زمین سے پہنچتی ہے وہ کچھ دیر کے لئے بند کر دی جائے تو درخت فوراً اس نقصان کا اثر محسوس کرتا ہے۔ درخت کے بعد حیوان پیدا ہوا تو جو ترقی درخت نے کی تہی اسکے ساتھ حیوان مین علےٰ قدر مراتب نقصان سے بچنے کی قابلیت بہی پیدا ہوگئی ہے اور دوسرا نقص بہی کسیقدر رفع ہوا ہے یعنی اسکا کچھ وقت خوراک حاصل کرنیکی کوشش سے بچ کر دوسرے کامون مین بہی صرف ہونے لگا ہی اور اگرچہ تنفس کے ذریعہ سے وہ بہی فضا کی اجزا کو پیہم جذب کرتا رہتا ہے جس طرح درخت اپنے مسامون سے متواتر کام لیتا ہے مگر بڑا حصہ خوراک کا کہانے کی شکل مین اور نباتات مین زمین کے اندر جسم مین داخل ہوتا ہے اسمین یہ تفاوت ہوگیا ہو کہ درخت اسکو بہی پیہم جذب کرتا رہتا تہا مگر حیوان کی اسی خوراک کیلئے خاص اوقات مقرر ہوگئے ہین اور وہ باقی وقت دیگر کاروبار مین صرف کرسکتا ہے اور ان اوقات مین جو کام اس سے جبری طور پر انسان لینے لگا ہے ان کامون سے بیشک اسکی نشو ونما اور جسمانی طاقتون کو نقصان پہنچتا ہے اور اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ پالتو جانور جنگلی جانورون جیسے قوی

اور حیوانات نہیں ہوتے لیکن حیوان طبعی طور پر بھی اکثر خوراک لینے کے فعل کو بند کر کے تلاش خوراک یا تناسل کے افعال میں مصروف ہوتا ہے اور ان کاموں سے اسکو جسمانی نقصان نہیں پہنچتا۔ حالانکہ درخت خوراک جذب کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کر سکتا ؛

اب انسان کو دیکھیں تو اسمیں اور حیوان میں یہ تفاوت نظر آتا ہے کہ حیوان اپنی کوششوں سے صرف موجودہ ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے اور موجودہ نقصان سے بچ سکتا ہے اور اگرچہ وہ درخت کی طرح اپنا تمام وقت کھانے میں صرف نہیں کرتا لیکن پھر بھی اسے بہت سا وقت خوراک کی تلاش میں صرف کرنا پڑتا ہے اور اس تمام کوشش کے باوجود صرف موجودہ حالت کیلئے اپنا یا اپنے بچوں کا پیٹ پال سکتا ہے مگر اسکے خلاف انسان جسمانی طور پر حیوان سے کمزور اور جسمانی آلات سے محروم ہونیکے باوجود نہ صرف موجودہ ضرورت اور موجودہ تکلیف کیلئے اہتمام کرتا ہے بلکہ ہزاروں طرح کی تدبیروں سے اپنے لئے اپنے کنبہ کیلئے اور اس سے بڑھ کر اپنے ملک اور قوم کیلئے موجودہ اور آیندہ بڑی حد تک پیش بندی کر سکتا ہے۔ اور جس قدر وقت صرف کرنے پر حیوان محض اپنی جان کو بقدر ضرورت فائدہ پہنچاتا ہے انسان اس عرصہ میں اپنے لئے اور غیروں کے لئے ضرورت سے بہت زیادہ عیش و آرام اور تکلف کے وسائل بہم پہنچاتا ہے ۔

یہ وہ ترقی ہے جو انسان نے عقل و شعور کی مدد سے حاصل کی لیکن ایک نقص اب بھی موجود ہے وہ یہ کہ اگرچہ اسکا وقت کھانے میں اور موجودہ ضرورتوں کو پورا کرنے میں اس قدر صرف نہیں ہوتا جس قدر حیوان کو کرنا پڑتا ہے۔ مگر تاہم دنیا میں رہکر وہ دنیوی کاروبار اور خوراک اور دیگر اسباب معیشت کے اہتمام سے بےفکر نہیں ہو سکتا اور خواہ کوئی شخص یا کوئی قوم کیسی ہی بام ترقی پر چڑھ جائے اپنی ضروریات کے لئے ایسا انتظام نہیں کر سکتی کہ ہمیشہ کیلئے یا کم از کم کچھ عرصہ کے لئے فرصت اور بیکاری میں بسر کر سکے کیونکہ ایسا کرنے پر دوسرے لوگ جو زندگی کی دوڑ میں تیز قدم ہوتے ہیں آگے بڑھ جاتے ہیں اور انکی عقل و شعور اور تہذیب و تمدن کی ترقی سے کچھ تو پیچھے رہنے والوں کا تہذیب و تمدن جو اپنے وقت پر مفید ہوتا ہے اس وقت غیر مفید ہو جاتا ہے اور کچھ وہ لوگ اپنے غلبہ سے ایسے لوگوں کو

بجا و بیجا نقصان پہنچانے کے قابل ہوجاتے ہین اور یون اپنے سامان معیشت پر بھروسہ کرنا خواہ وہ کیسا ہی عظیم الشان ہو ضرور تباہی و بربادی کا موجب ہوتا ہے اسلئے دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ عقل و شعور سے بہرہ ور ہین وہ جس قدر ترقی کرتے ہین اسی قدر سامان معیشت کی فراہمی مین زیادہ سرگرم ہوتے ہین اور اُدھر جو لوگ نادانی سے دنیوی کاروبار مین تساہل روا رکھتے ہین وہ خواہ اپنے خیال مین روحانی اور مذہبی ترقی مین منہمک ہون مگر اس معرکۂ زیست مین ضرور شکست کھاتے ہین اور نادانی کے ساتھ طرح طرح کے روحانی اور جسمانی امراض اور صعوبتون مین مبتلا رہکر ذلیل زندگی بسر کرتے ہین یا معدوم ہوجاتے ہین۔

مذہبی ترقی کا انتیجے کے درجات سے فائق ہونا چاہئے

غرض ہمنے دیکھا کہ دنیوی ترقی کے ہر درجہ مین موجودات نے پہلے درجہ کی نسبت زیادہ فائدہ حاصل کیا ہے اور بیشتر نقصان سے رہائی پائی ہے اور عقل و شعور تک پہنچکر جلب منفعت اور دفع مضرت مین اور کسی درجہ کی مخلوق انکی برابری نہین کرسکتی۔ البتہ ابھی تک کاروبار دنیا کے دردسر اور اسباب معیشت کے اہتمام سے فراغت نہین ہوئی اب انسانی ترقی کا ایک درجہ اور یعنی مذہب اور معرفت ربانی کا جذبہ باقی ہے پس اگر جذبہ مین ترقی اور تنزل کرنیکا وہی نتیجہ ہو جو اہل تناسخ مانتے ہین کہ ترقی کرنیوالون کو اسی دنیا مین خوشحال اور تنزل کرنیوالون کو بدحال پیدا کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ درجہ مین ترقی ہو مگر اثر مین پہلے درجات کی نسبت کوئی تفاوت نہ ہو کیونکہ اس سے پہلے درجات یعنی عقل و شعور وغیرہ کا بھی یہی اثر تھا کہ ان مین ترقی کرنے سے حسب مدارج خوشحالی اور تنزل کرنے سے بدحالی نصیب ہوتی ہے اور اُدھر افکار معیشت سے فراغت نہ عقل کی ترقی سے ہوسکتی ہے اور نہ مذہبی ترقی پر روح کو اسی جہان مین پہنچنے سے میسر آسکتی ہے۔ اور عقل چونکہ دنیا کی طرف لگائی جاتی ہے اسلئے اُس کا دنیوی افکار سے رہائی نہ پانا اقرب قیاس ہے لیکن توجہ ہو خدا کی طرف اور ترقی ہو معرفت ربانی مین اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ پھر اسی دنیا مین آکر انہی افکار مین بسر کرین اور ایسے خیالات مین محو رہین جو خدا سے غافل کرنیکا موجب ہون ایسی اعلیٰ کوشش پر یہ انجام ہرگز زیبا نہین۔ اسلئے چاہئے کہ مذہبی ترقی اور تنزل کا اثر عقل و شعور

کی ترقی و تنزل سے زیادہ ہوتا حسب قاعدہ ایک درجہ سے دوسرا درجہ فائق اور برتر قرار پائے

عبادت کا مفید طریق

لیکن ایسا اثر کیا ہوگا؟ اسکو تلاش کرنے سے پہلے ایک شبہ کو حل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دنیوی تکالیف جو عقلی کوتاہی سے پیش آتی ہین مذہبی طرز گفتگو مین انکو بھی گناہ کی سزا کہا جاتا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ مذہب کے نزدیک یہ تکالیف بھی مذہبی تنزل کا اثر ہین اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے مذہب کا اصلی مدعا اگرچہ نادیدہ ہستی کی تلاش اور خدا کا وصال ہے لیکن اِس غرض تک پہنچنے کیلئے وسائل کی ضرورت ہے اور وسائل مین اگرچہ ذکر شغل اور مراقبہ و مشاہدہ یعنی مختلف طریقہ ہائے عبادت بھی ایک ضروری عنصر ہین۔ مگر ایک تو انسان اس دنیا مین رہکر ہمہ تن اُدھر مصروف نہین ہوسکتا اور دوسرے عبادت مین ایسا مصروف رہنا کہ دیگر فرائض انسانی کو یک لخت ترک کردیا جائے اس غرض کیلئے بالعموم مفید بھی نہین۔ کیونکہ انسان کی طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ایک خیال کو ہمیشہ کے لئے اپنے دل مین قائم نہین رکھ سکتا اور اگر تمام وقت اوراد و نوافل مین بسر کرے تو ایسے وقت کا بہت سا حصہ ظاہرا عبادت مین اور در حقیقت غفلت ملال یا نفسانی خواہشون کی کشمکش مین صرف ہوگا اور وہ چند لمحظے ہونگے جو خالص یاد آلہی مین گذرین۔ بیشک بعض نفوس قدسیہ ایسے ہوسکتے ہین جو مستثنے طور پر اپنا تمام یا اکثر وقت ایک خیال مین اور خدا کی یاد مین بسر کرین لیکن یہ محبت کا انتہائی درجہ ہے اور سب انسان اس درجہ تک پہنچنے سے قاصر ہین۔ اس لئے یہ طریق بھی باستثنائے بعض سب کیلئے مفید نہ ہوگا۔ اور اگر فرائض دنیوی کو بھی ادا کیا جائے مگر انکی بجا آوری مین یہ خیال رہے کہ کوئی فعل اپنی جائز حدود سے باہر نہ ہو اور جلب منفعت اور دفع مضرت مین وہی روش اختیار کی جائے جو قوانین قدرت اور منشا خداوندی کے مطابق ہو۔ اور یون بالواسطہ خدا کا شوق اور یاد آلہی کی صلاحیت پیدا کرتے ہوئے خاص اوقات مین کسی خاص طریق عبادت سے بیواسطہ خدا کی طرف توجہ ہو تو اس طریق سے جس قدر عرصہ دنیوی کاروبار مین صرف ہوگا اسمین یاد خدا اس طرز سے دل مین رہیگی کہ ملال نہ ہو اور جو تہوڑا سا وقت خالص عبادت مین صرف ہوگا اسمین کچھ تو پہلے

خیالات کی وجہ سے اور کچھ عبادت کے مختصر ہونیکے سبب خدا کی طرف دھیان لگانا آسان ہوگا اور اسوقت خدا کی طرف کامل توجہ رکھنے کے بعد پھر دنیوی کاروبار میں مصروف ہونے پران کے بجا اور بیجا ہونیکا خیال اور بھی پختگی سے جاگزیں رہیگا اور یوں عبادت سے کاروبار اور کاروبار سے عبادت کیطرف آمدورفت رکھنے سے یاد الٰہی رفتہ رفتہ دلمیں گھر کرتی جائیگی اور سالک ایسے بڑے فوائد اور اس جلدی سے حاصل کریگا کہ نہ تمام وقت عبادت میں صرف کرنے سے میسر ہوسکیں اور نہ ہمیشہ دنیوی کاروبار میں مصروف رہنے سے حاصل ہوں۔ اور ہم لوگ جو اکثر شکایت کرتے ہیں کہ عبادت میں لطف نہیں آتا۔ اور دنیوی خیالات خدا کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے۔ یا یہ کہ گوشہ نشین اور زاہد فرقہ اکثر اخلاقی طور پر نہایت کمزور ثابت ہوتا ہے تو وجہ یہی ہے کہ ہم دنیادار دنیا کے کاموں میں بجا اور بیجا یا خدا کی خوشنودی و ناراضی کا خیال نہیں رکھتے اور بالواسطہ یاد خدا کی صلاحیت پیدا نہیں کرتے اور دن رات کا بیشتر حصہ کامل غفلت میں گذارنے کے سبب نماز کے وقت بھی اسی غفلت کا شکار رہتے ہیں اور اُدھر تارک الدنیا فرقہ صرف ہاتھ کو تسبیح پر اور زبان کو خدا کے نام پر جاری رکھتا ہے ورنہ ایک ہی کام کرنے رہنے سے جو تکان اور ملال پیدا ہوتا ہے اس سے بیہودہ خیالات اور بھی ترقی کرتے ہیں اور قلبی نور وجلا جو ہونا چاہیئے پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ ہمارا اپنا قصور ہے ورنہ مذہبی تعلیم میں یہ نکتے ظاہر کردئے گئے ہیں اور فرمایا ہے کہ کسی طرف مُنہ کرنا یا کسی سمت خاص سے آنا جانا یا قربانی و کفارہ وغیرہ درحقیقت نکوکاری نہیں ہے بلکہ نکوکاری خدا کی اطاعت۔ کاروبار میں اتقا اور حسن سلوک پر منحصر ہے اور سب سے بڑا مدعا خدا کی یاد ہے لیکن خاص طریق عبادت یعنی نماز کا یہ فائدہ ہے کہ اس وقت کی توجہ سے کاروبار میں برائی سے بچنے کی عادت پختہ ہوتی ہے۔ اور نیز حکم دیا گیا ہے کہ نماز سے فارغ ہوکر دنیوی کاروبار میں مصروف رہو اور بیواسطہ ذکر خدا کرنے کے بعد بالواسطہ یاد خدا کو ترقی دیتے ہو ارشاد ہے

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ	عبادت کے وقت مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنا کوئی نیکی نہیں ہے نیکی یہ ہے کہ خدا پر قیامت پر الہامی کتابوں پر اور انبیاؤں پر ایمان لاؤ

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۲)

اور باوجود مال کی محبت کے رشتہ دارون کو یتیمون کو مسکینون کو مسافرون کو اور مانگنے والون کو دو اور غلامون کو آزاد کرنے مین خرچ کرو۔ اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ جب عہد کرو تو عہد کو پورا کرو اور حرف تکلیف اور لڑائی کے وقت صبر سے کام لو۔ جو ایسا کرے وہی سچا نکوکار ہے اور وہی متقی ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)

(عربی جاہلون کی طرح خاص اوقات مین) گھرون کی پشت سے داخل ہونا نیکی نہیں بلکہ نیکی تقوی ہے تم دروازون کی راہ آؤ مگر پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۔ (ہود پارہ ۱۲ ع ۹)

دن اور رات کے خاص وقتون مین نماز پڑھو کیونکہ نیکی برائی کو دور کرتی ہے اور یہ نصیحت ان کیلئے ہے جو یاد رکھین۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (حج پارہ ۱۷ ع ۵)

قربانی کا گوشت اور خون خدا تک نہیں پہنچتا بلکہ خدا تک تمہاری پرہیزگاری پہنچاتی ہے

اُتْلُ مَآ اُوْحِىَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۔ (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۵)

جو کتاب تم پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھو اور نماز پر قائم رہو کیونکہ نماز بےحیائی کے افعال اور بدکاریون سے روکتی ہے اور خدا کی یاد سب سے بڑی چیز ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (جمعہ پارہ ۲۸ ع ۲)

جب نماز ختم ہو تو زمین پر پھیل جاؤ اور خدا کا فضل یعنی معیشت کا سامان تلاش کرو اور خدا کو بہت یاد رکھو تا تم فلاح پاؤ۔

دنیوی بے اعتدالی کو مذہب بھی عقل کیطرح بُرا کہتا ہے اسلئے کہ یہاں کے کاروبار مذہبی ترقی کے وسائل ہین۔

غرض مذہب کا مدعائے نظر اگرچہ دُنیا سے پرے اور خیال و قیاس سے باہر ہے مگر اس تک پہونچنے کے وسائل ہین بہت تھوڑا حصہ دُنیا سے الگ رہنے کا ہے اور زیادہ تر دُنیا اور دُنیا کے کاروبار ہین۔ اور اس لئے مذہبی تعلیم مین جہان خدا کی طرف بُلایا جاتا ہے وہان ساتھ ہی دُنیاوی کاروبار کے اصول بھی بتلائے جاتے ہین اور یہی اصول دُنیوی زیست کی خوبی اور بدی پر بھی اثر کرتے ہین اسلئے مذہبی تعلیم کا یہ حصہ عقل کے دائرۂ اقتدار مین بھی داخل ہے۔ چنانچہ قواعد صحت کی پابندی حصول منفعت ہین اور دفع مضرت ہین میانہ روی اور بندگان خدا کے حقوق کی نگہداشت مذہب کے نزدیک باعث نجات ہین تو عقل کے نزدیک بھی یہی امور انسانی ترقی اور بہبودی کیواسطے ضروری ہین۔ اور ناپاک معاشرت۔ شہوانی اور غضبی خواہشون کا غلبہ اور اتلاف جان و مال مذہب کے نزدیک باعث ہلاکت ہین تو عقل کے نزدیک بھی یہی باتین سوسائٹی کو مضر ہین۔ غرض ان امور کی نسبت فیصلہ کرنے مین عقل اور مذہب متحد ہین اور صرف یہ تفاوت ہے کہ عقل کی نظر اسی زندگی تک محدود ہے اور وہ اعتدال پسندی کو اسلئے اچھا کہتی ہے کہ افراط و تفریط سے گو فوری راحت و مسرت حاصل ہو مگر انجام مین خود اپنے تئین تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے اور مذہب یہ بھی دیکھتا ہے کہ افراط و تفریط سے اپنی تکلیف کے علاوہ دوسرون کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور وہ بھی اُسی خدا کی مخلوق ہین اس لیئے ایسا کرنا اسکی رضامندی کے خلاف ہوگا اور اس صورت سے دُنیوی کاروبار مین جس قدر اہتمام عقل کو ہے مذہب ان کو اس سے بھی زیادہ مُہتم بالشان سمجھتا ہے اور اسلئے دنیوی کاروبار کے لیئے جو مفید اصول ہو سکتے ہین انکی تعمیل اور عدم تعمیل کے اثرون کو جس طرح عقل کیطرف منسوب کر سکتے ہین اور کہہ سکتے ہین کہ یہ اثر عقل کی اطاعت یا عدم اطاعت سے مرتب ہوا ہے اسی طرح ان اعمال کو مذہب کیطرف بھی منسوب کیا جا سکتا ہے اور ان کے اثر کو مذہبی جزا اور سزا کہہ سکتے ہین چنانچہ حرامکاری حرام خواری۔ صداقت کی خلاف ورزی اور صداقت پسندون کی ایذا رسانی سے جو نقصانی ارتکاب کرنیوالون کو پہنچتے ہین ان کو عاقلانہ طرز کلام مین اصول معاشرت

کی خلاف ورزی کا نتیجہ اور مذہبی رنگ مین خدا کا غصہ اور گناہ کی سزا کہا جاتا ہے ۔

مذہب کی خاص اپنی ترقی دنیوی نیک اطواری سے بالاتر ہے

غرض ہمنے دیکھا کہ دُنیا کے نیک اصول خدا تک پہنچانے کا ذریعہ ہین اور دُنیا مین خوشحال رہنے کا مدار اور اسلئے یہان تک مذہبی اور عقلی اغراض متحد ہین اور اِسی سلئے ان افعال کا اثر دونو کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ مگر دونو کا باہمی سفر یہین تک ختم ہوجاتا ہے اور عقل چونکہ دُنیا کو اسی زندگی کے تعلق سے دیکھتی ہے اِسلئے ایسے اصول دریافت کرنے جس سے یہ زندگی عمدگی سے گذرے عقل کے لئے معراج ہے اور آئندہ کے لئے نہ اسکی کوئی ترقی باقی ہے اور نہ اُس کا کوئی اثر اور اگر ہے تو صرف یہ کہ جس طرح نشوونما کیطرف متوجہ ہونے سے نشوونما مین اور حرکت ارادی کی طرف متوجہ ہونے سے حرکت ارادی مین ترقی ہوتی ہے اسی طرح عقلی طور پر معاملات دُنیا مین غور کرنے سے عقل مین ترقی ہوتی ہے اور ادھر مذہب دُنیا کو اس نظر سے بھی دیکھتا ہے کہ وہ خدا کی مخلوق ہے اور اسکے ساتھ نیک یا بد سلوک کرنے سے خدا کی خوشنودی یا نارضامندی حاصل ہوگی اور اس سے خدا کا قرب یا بعد حاصل ہوگا اِسلئے مذہب کیواسطے دُنیا کو درست کرنے کے بعد آئندہ بے انتہا ترقی کا موقع ہے اور اسی سلئے اُسکے آثار بھی آئندہ بے انتہا ہونگے چنانچہ نشوونما۔ حرکت اور عقل کیطرح ایک اثر تو یہین نظر آتا ہے کہ مذہبی طور پر معاملات دنیا مین غور کرنے سے مذہب مین ترقی ہوتی ہے اور یہی وہ درجہ ہے جہان سے عقلی اور مذہبی ترقی کا اثر مختلف ہونا شروع ہوتا ہے چنانچہ جو لوگ دنیا کو عقلی طور پر دیکھتے ہین اور مختلف قوانین قدرت کو معلوم کرنیسے معاشرت کے عمدہ اور راحت بخش اصول دریافت کرتے رہتے ہین ان کے اِس فعل سے عقل کو بیحد ترقی ہوتی ہے لیکن ایسے لوگ مذہب کیطرف توجہ نہ کرین تو ممکن ہے کہ مذہبی ترقی سے بالکل محروم رہین ۔ اور ایسا ہی جو لوگ عقل سے بالکل محروم ہون اور غور و فکر کا مادہ نہ رکھین لیکن مذہبی تعلیم سے زہد و اتقا اور حسن و سلوک پر کاربند رہین انکی مذہبی ترقی کا یہ اثر ضرور ہوگا کہ یادِ خدا دل مین جگہ کرتی جائیگی اور وصال ربانی کی قابلیت پیدا کرینگے مگر اس فعل سے عقلی ترقی ہرگز پیدا

نہ ہوگی اور وہ لوگ سائنٹسٹ اور فلاسفر نہ ہوسکینگے۔

مذہب کی خاص اپنی ترقی کا اثر بھی دیگر ترقیوں سے بالاتر ہوگا۔

یہان تک تو مذہبی اور عقلی ترقی کے وہ اثر تھے جن کے بارہ مین اختلاف نہین۔ اب مذہب کی اپنی ترقی کا وہ اثر رہا جو اس زندگی کے بعد پیدا ہونے کو ہے اور جسکی نسبت اہل تناسخ مانتے ہین کہ وہ دوبارہ اسی دنیا مین اعلیٰ قدر مراتب پیدا کرنے سے ظاہر ہوگا لیکن جب ہم دیکھتے ہین کہ جس درجہ سے عقل اور مذہب کے اغراض مختلف ہوئے ہین اس درجہ سے جو اثر اسی زندگی مین پیدا ہونا شروع ہوا ہے وہ باہمدگر مختلف ہی یعنی عقل کا اثر عقلی ترقی اور مذہب کا اثر مذہبی ترقی ہے تو جو اثر اس سے بھی ایک درجہ آگے بڑھنے اور خدا کی معرفت حاصل کرنے یا اسکی ذات سے بعید ہونے پر پیدا ہوگا اور جس کے لئے اس زندگی کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کی ضرورت ہو وہ بھی چاہئے کہ ترقی کے تمام ابتدائی درجات سے ممتاز ہو۔ اور جو اثر بیجان مادہ کی ترقی سے ہوتا ہے کہ اُسکے ناقص اجزا سے ناقص اور کاملتر اجزا سے کاملتر شکلین پیدا ہوتی ہین اور اچھے ہون یا بُرے سب حوادث کے اثر سے فنا ہو جاتے ہین۔ اور جو اثر نباتی اور حیوانی ترقی سے پیدا ہوتا ہے کہ اُن کے ناقص اور کامل افراد حسب حیثیت منفعت حاصل کرتے ہین لیکن جلب منفعت اور دفع مضرت مین اپنے سے بالاتر درجات کی نسبت کمتر رہتے ہین اور جو اثر عقلی ترقی سے پیدا ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے سے خوشحالی اور بدحالی نصیب ہوتی ہے لیکن خوشحالی مین افکار معیشت سے فراغت کبھی نہین ملتی اور بدحالی مین راحت و مسرت سے بالکل محرومی کبھی نہین ہوتی۔ ان سب سے اعلےٰ اثر مذہبی ترقی پر مرتب ہونا چاہئے اور وہ یہی ہوسکتا ہے کہ مادہ مین عقلی ترقی کی قابلیت پیدا ہونے پر پیدائش کی شکلین اس سے پیشتر کی شکلون سے اعلےٰ ہونے لگی تھین مذہبی ترقی کا اثر ہونے پر اس سے بھی اعلےٰ ہون اور حوادث کا اثر قبول نہ کرین۔ تا مادی ترقی سے امتیاز ہو۔ اور عقلی ترقی کیوقت دفع مضرت اور جلب منفعت کے وسائل مین ترقی ہوئی تھی مذہبی ترقی کے وقت اِن وسائل کے اور بھی اعلےٰ اشکل ہوتا نباتی اور حیوانی ترقی سے فوقیت ظاہر ہو۔ اور پھر عقلی ترقی و تنزل سے

برتر ہونے کے سبب مذہبی حالت کی ترقی و تنزل دونو نامحدود ہوں تا اسکا درجہ تمام ماتحت
ترقیوں سے بالا رہے اور چونکہ ایسا اثر اس دُنیا مین اور اس آفتاب کے زیر اثر ہو نہین سکتا اسلئے
یہ اسی وقت ہوگا جبکہ مادہ ترقی کرکے بالواسطہ نور سے مستغنی ہو جائیگا اور آفتاب وحدت کا نور بیواسطہ
جلوہ گر ہوکر تمام تنزل اور ترقی کی شکلوں کو اُنکی مکمل حالت مین ظہور بخشیگا۔ اور چونکہ مذہب غیر
محدود اور مکمل نور کی تلاش کرتا ہے اِسلئے غیر محدود نور ہی اسکا اثر ظاہر کریگا اور اُس سے جو شکل
بنیگی مکمل ہوگی اور جو اثر ظہور کریگا غیر محدود ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ مذہب مین جو لوگ ترقی کرینگے
وہ بیشک اعلیٰ زندگی پائینگے۔ مگر جو تنزل کرینگے اور خدا سے دور رہینگے وہ اعلیٰ زندگی کے
مستحق نہ ہونگے اور دوبارہ اِسی دُنیا مین بھیجے جائینگے تو یہ احتمال بھی یہان کی شہادت سے
غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہان جو انسان اپنی انسانی ترقی کو چھوڑتے ہین اور عقل و شعور مین
تنزل کرتے ہین وہ اور ان کی نسل انسانی درجہ سے اُتر کر گھوڑے اور بیل کی شکل اختیار نہین
کرتی۔ بلکہ رہتے انسان کی شکل مین ہین اور اِن تکلیفون مین مبتلا رہتے ہین جو عقل و شعور کو ترک
کرنیکا نتیجہ ہین۔ اِسی طرح آئندہ انقلاب مین جو لوگ مذہب مین تنزل کرینگے وہ یہی چاہئے کہ اپنے
درجہ سے اُتر کر دنیوی حالت کی طرف نہ آئین اور اسی درجہ مین رہکر اُن سعادتون سے محروم رہین
جو مذہبی ترقی پر مرتب ہین۔

غرض یہ کہ مذہب کا مدعا دنیا سے بالاتر قرار دینا اور پھر اسکی جزا و سزا کیلئے اسی دنیا اور
اسکی محدود شکلون اور ترقیون کو معراج ٹھیرانا مذہب کو اُسکے اپنے مدعا سے جدا کرنا اور اپنے درجہ سے
نیچے گرا دینا ہے اور مختصر یہ کہ دُنیا کی مختلف شکلین اور یہان بہتری یا بدتری کا ظہور دنیوی قوانین
کے مختلف مظاہر اور اُنکی پابندی یا خلاف ورزی کے اثر سے ہوتا ہے اور ان اثرون کو مذہبی
قرار دینا صرف اِس وجہ سے درست ہے کہ یہان کے کاروبار اس ترقی کے لئے وسائل کا کام دیتے
ہین ورنہ دراصل مذہبی ترقی یا تنزل جس طرح دنیا سے پرے ایک بالاتر ہستی کی نسبت سے ہے اِسی طرح
اسکا اثر بھی دُنیا سے باہر اور اس بالاتر ہستی کے بیواسطہ جلوہ پر منحصر ہے۔ فنا کسی چیز کو نہین اور مادہ فنا

نہ ہو مگر منجمد برف کا تودہ بن کر پڑا رہے قوانین قدرت کے خلاف ہے۔ اور یہاں کا ایک ذرہ بہی کبہی بیکار نہ ہوگا۔ اِسلئے یہ سب کچھ بہی کام آئیگا اور اُدھر ارواح جو پیدا ہو چکی ہین وہ بہی کام دینگی اور نور جو مرکز کیطرف جارہا ہے مرکز پر ٹہیر کر ان سب کو وہ نور بخشیگا جو ابدالآباد تک قائم رہے ⁂

مرنیکے بعد قیامت کا انتظار باعث تکلیف نہین ہوسکتا

حشر و نشر کا حال جہان تک مقصود تہا لکہا جا چکا ہے۔ اب صرف ایک سرسری سے اعتراض کا ذکر اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ جزا و سزا کو ایک خاص وقت تک موقوف رکھنے سے ارواح کو بہت سا وقت انتظار مین بسر کرنا پڑیگا۔ اور وہ وقت بہی مختلف ہوگا کیونکہ جو روحین ابتداے آفرینش مین جسم سے الگ ہو چکی ہین وہ بہت بڑے عرصہ تک انتظار مین رہینگی اور جو آخر زمانے مین فوت ہونگی انکو نسبتہ کمتر وقت لگیگا لیکن یہ اعتراض موجودات بسیطہ کو مرکبات پر قیاس کرنے سے پیدا ہوا ہے حالانکہ ان دونو کی حالت جدا گانہ ہے۔ مرکبات پر بیشک زمانہ کا اثر ہوتا ہے اور کسی وقت کوئی راحت پیدا ہوتی ہے جس کا زمانہ گذرتا ہوا محسوس نہین ہوتا اور کبہی کوئی تکلیف پہنچی ہے جس کا وقت بہت دراز معلوم ہوتا ہے اور کبہی کوئی وقت بیکاری اور انتظاری مین گذرتا ہے تو اجزائے جسمانی اور قوائے دماغی خارجی اسباب سے متاثر ہو کر حرکت کرنا چاہتی ہین اور انتظار کے سبب انکو رکنا پڑتا ہے اسلئے کسل اور بے چینی محسوس ہوتی ہے مگر یہ سب اسی وقت تک ہو کہ جسمانی ترکیب قواعد ترکیب کے موافق کام کرسکتی ہو۔ ورنہ جب کسی سبب سے جسمانی ترکیب مین خلل واقع ہو اور اُسکا اثر بڑھتا ہوا دماغی قوتون تک پہنچے اور انکو معطل کردے تو ایسی حالت مین دیکہا جاتا ہے کہ بہت بہت عرصہ بیکاری اور غفلت مین گذر جاتا ہے اور ہوش آنے پر وہ ایک آن کے برابر بہی معلوم نہین ہوتا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تہا جبکہ روح جسم سے متعلق تہی اور صرف قوائے جسمانیہ کو بیکار کر دیا گیا تہا تو جس وقت روح کو جسم سے بالکل مفارقت ہو جائیگی اس وقت بسیط اور مجرد ہونے کے سبب اس پر حوادث کا اثر ہوگا اور نہ انتظار و ملال کا گذر۔ روح یہان سے تاریک ہو کر گئی ہو یا روشن جس حالت مین ہوگی اُس پر کروڑ ہزار برس اور ایک آن برابر ہے ⁂

اختتام

کفّارہ اور نجات دہندہ کی ضرورت - خدا تک پہنچنے کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہے - پاکیزگی دل کی ہونی چاہئے - توبہ سے دل صاف ہونے مین شک نہین - گناہ کی لذت کو ترک کرنا اور پارسائی کی تکلیف اٹھانا کفارہ ہے - دوسرے کی تکلیف سے دل صاف نہین ہو سکتا - خدا خود کھینچنا چاہے تو اسے کفارہ بنکر تکلیف اٹھانیکی بھی ضرورت نہین - دنیا مین ہادی کی ضرورت ہے - مدد بیشک باہر سے اور اوپر سے آتی ہے مگر مقامی استعداد کے اختلاف سے اُسکے ظہور مختلف ہوتے ہین - اختلافات کو دیکھنے کا نتیجہ - نتیجہ کے بعد کا فرض -

کفارہ اور نجات کی ضرورت - ریورنڈ اڈون گریوس ایک مضمون انسان کی مذہبی ضرورتون پر لکھتے ہین[۱] چنانچہ اُن کے نزدیک جس طرح انسان کی اور فطری ضرورتین ہین اسی طرح مذہبی جذبہ کے متعلق بھی چند ضرورتین اُسکی فطرت مین داخل ہین - چنانچہ ایک جانب اسکو کمال تک پہنچنے کی ضرورت - کسی کے ساتھ دائمی وصال حاصل کرنیکی ضرورت اور بقائے دوام کی ضرورت ہے اور دوسری جانب گذشتہ جرائم اور اُن کے نتائج سے نجات پانے کی اور کسی نجات دہندہ کی ضرورت ہے - پہلی قسم کی ضرورتون کو جس طرح پر وہ ثابت کرتے ہین اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ انسان مین یہ خواہشین فطرةً ودیعت ہین اور اُسکے دل سے خود بخود یہ آواز اُٹھتی ہے کہ مجھے کامل بننا چاہئے اور ایسے عزیز کی رفاقت حاصل کرنی چاہئے جس سے مفارقت نہ ہو اور فنا نہ ہونا چاہئے - ان تینون ضرورتون کو مفصل لکھنے کے بعد دوسری قسم کی ضرورتون کا یون ذکر کرتے ہین کہ

"لوگ اکثر گذشتہ جرمون کی پروا نہین کرتے اور کہتے ہین کہ اپنی حالت کو درست کر لینے کے بعد گذشتہ گناہون کے لئے کفارہ کی ضرورت نہین رہتی اور توبہ کرنے کے بعد گناہ کی سزا کو ضروری سمجھنا خدا کو صفت انتقام سے متصف کرنا ہے" ہم سوقت اس مہتم بالشان سوال سے کہ "آیا گناہگار کے لئے

[۱] رسالہ ہندوستان ریویو - الہ آباد - مجریہ جنوری ۱۹۰۸ء

کفارہ ضروری ہونیکے بعد اصلاح حال ممکن ہے" قطع نظر کرکے دیکھتے ہین کہ کیا واقع مین کفارہ کا مطالبہ
خدا کو منتقم بناتا ہے۔ اب اگر دنیا مین ایک طرف خدا اور دوسری طرف گنہ گار صرف یہی دونو
موجود ہوتے تو بیشک اس خیال مین قوت ہوتی۔ لیکن واقع مین یہ کیفیت نہین ہم یقین رکھتے
ہین کہ کفارہ کا مطالبہ اسلئے نہین کہ اسکے بغیر خدا کا غصہ فرو نہین ہوتا۔ یا اسکا جلال قائم نہین
رہتا۔ بلکہ وہ اسلئے ہے کہ خدا کی اخلاقی حکومت فضا جیسی وسیع اور زمانہ جیسی طویل ہے۔ مکافات
یا انتقام وغیرہ الفاظ کو بحث مین لانے سے اکثر واقعات کو سمجھنے مین غلطی ہوتی ہے بلکہ سزا کا لفظ
بھی جبتک کہ وہ صرف ایک پہلو کو ظاہر کرے اور وہ پہلو بھی کچھ زیادہ مہتم بالشان نہو یعنی گناہ کے
بدلے کی تکلیف۔ اس حال مین اس لفظ سے بھی غلط فہمی واقع ہوتی ہے جبکہ ہم سزا دیتے ہین تو
تکلیف یا رنج کو مصنوعی طور پر گناہ کے ساتھ وابستہ نہین کرتے بلکہ تکلیف اور رنج لازمی نتیجہ
ان اخلاقی قوانین کو توڑنے کا ہے جن کو خدا نے عالم کے انتظام اور بہتری کیلئے قائم کیا ہے۔ اور
درستی اور نظام کو قائم رکھنے کیلئے ضرورت ہے کہ گناہ کے لازمی بدانجامی ظاہر کیجائے اور انسان کے
لیئے اس نکتہ کو سمجھنا اور خیال مین رکھنا ضروری ہے اور اسی سے کفارہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے
پس بدی پر تکلیف کا مرتب ہونا خدا کے انتقام کا نشان نہین بلکہ اسکے رحم اور خوبی کو ظاہر کرتا ہے
دنیا کا کیا حال ہو اگر گناہ کو بے سزا اور بے مزاحمت چھوڑا جائے"

اسکے بعد وہ سوال کرتے ہین کہ آیا کسی گنہ گار کیلئے بیگناہ کا تکلیف اٹھانا کفارہ ہو سکتا ہے؟
اور جواب مین لکھتے ہین کہ

"ایسا دنیا مین ہر جگہ دیکھا جاتا ہے اور نیک اور محب وطن مرد اور عورتین دوسرون کے لیئے
تکلیف برداشت کرتے اور انکو تکلیف سے بچاتے نظر آتے ہین" (پھر فرماتے ہین کہ) "ممکن ہے
کہ خدا خود انسان کے گناہ کا کفارہ بنے اور اپنے ربانی رحم کے ساتھ اسکو اپنی طرف کھینچے۔ اس سے
یقینًا اسکی حقیقی عظمت کم نہ ہوگی وہ رحم اور محبت کا خدا ہے اس لئے یہ فعل اسکی صفات سے بالکل
متناسب ہوگا" (پھر لکھتے ہین کہ) "اگر گذشتہ اعمال کیلیے کفارہ ممکن ہو تو بھی اس سے کامل نجات

حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ گذشتہ گناہوں سے انسان ایسا کمزور ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں کو روکنے اور راستی کے راہ پر چلنے کے ناقابل ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو کچھ مجھے بننا چاہئے میں نہیں بن سکتا بلکہ اکثر حصول بھی جاتا ہے کہ مجھے کیا بننا چاہئے۔ اور اس طرح نہ صرف اپنے مدعا تک پہنچنے میں ناکام رہتا ہے بلکہ وہ رستہ بھی اسکی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور اسلئے انسان کو گذشتہ گناہوں سے نجات پانے کی ضرورت ہے تو گناہوں کے ان نتائج سے بھی نجات پانے کی ضرورت ہے اور اس سے نجات دہندہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگرچہ اس ضرورت سے اکثر کو انکار ہے لیکن منطقی طور پر ہرگز نہیں۔ کیونکہ جو لوگ خود اپنے تئیں اپنا نجات دہندہ مانتے ہیں انکے اصول کا نقص جو انکو کسی نہ کسی نجات دہندہ کا قائل بنانا ہے جو انہیں نجات حاصل کرنے میں مدد دے۔ اور عجیب بات ہے کہ ربانی نجات دہندہ سے انکار کرنے والوں کا رہنما خواہ وہ گوتم بدھ ہو یا شنکر آچاریہ یا محمد صلعم کبھی نہ کبھی خدا کا اوتار یا عنایت خداوندی کا خاص الخاص ذریعہ مانا جاتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے تئیں بغیر تعلیم۔ کفارہ یا روحانی مدد کے بچا نہیں سکتا اور ضرور ہے کہ مدد باہر سے آئے اوپر سے آئے "

خدا تک پہنچنے کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہے۔

پادری صاحب نے یہ مضمون نہایت قابلیت سے لکھا ہے۔ اور بیشک مذہب اگر کوئی چیز ہے تو اسکی حقیقت ایک بالاتر ہستی کو ماننے کے سوا اور کچھ نہیں اور اسکو ماننا انسان کے دل میں خودبخود یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس ہستی کا وصال سب سے بڑی نعمت ہے اور سب سے بڑا کمال ہے اور اس خیال اس نعمت و کمال کو حاصل کرنیکی آرزو پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی دل میں یہ عقیدہ بھی فطرۃً ودیعت ہے کہ اس ہستی کو ملنے یا اس کمال کو حاصل کرنیکا موقع اس زندگی اور اسکے علائق سے نجات پانیکے بعد ہوگا اور اس طرح کمال تک پہنچنا اس ہستی کیساتھ دائمی وصال حاصل کرنے اور ہمیشہ کے لئے باقی رہنا یہ آرزوئیں مذہبی جذبہ سے پیدا ہوتی ہیں اور اس لئے ان کو مذہبی ضرورتیں کہنا بجا ہے مگر دنیا میں جس قدر مذہبی اختلافات موجود ہیں وہ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے وسائل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور پادری صاحب کا منشا اسی اختلاف کو دور کرنے اور خاص وسائل معین فرمانے کا ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ گنہ گار اور ناپاک زندگی بسر کرنے والے

کمال اور وصال ربانی کو حاصل نہین کر سکتے اسلئے پاکیزگی کی ضرورت ہی اور پاکیزگی اُن کے خیال مین یونہی
پیدا ہو سکتی ہے کہ ناپاکی کا عوض اور کفارہ ادا کیا جائے اور نیز ناپاکی کا زنگ دور کرنے کے لیے کوئی
خدائی طاقت رکھنے والا ہادی ہو اسلئے اُن کے نزدیک یہ چیزین مذہب کی دوسرے درجہ کی ضرورتین
ہین اور چونکہ مذہب عیسوی مین اِن ضرورتون کا اہتمام کیا گیا ہے اس لیے اُنکا ضمنی دعویٰ ہے
کہ یہ مذہب تمام مذاہب سے فائق ہے اور بیشک اگر کفارہ اور نجات دہندہ کی ایسی ہی ضرورت ہو
جیسی وہ ظاہر کرتے ہین اور اگر واقعہ مین خدا کبھی اُن گناہگارون کیلئے خود کفارہ بن گیا ہو
جو اُنکی بادشاہت مین داخل ہونیکا اعتراف کرتے ہین اور اِس غرض کے لئے اُس نے کبھی نجات دہندہ
کی شکل مین ظہور کیا ہو تو پھر مذہب عیسوی کی فوقیت مین کلام نہین مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سب باتون
مین کلام ہے اور مسلّم صرف اس قدر ہے کہ انسان کو خدا سے ملنے کیلئے دل کو صاف کرنا ضرور ہے
اور اسی صفائی کو حاصل کرنے کے وسائل وصال ربانی کے وسائل ہو سکتے ہین۔ مگر اس مقدمہ کو
بھی عام طور پر تسلیم کر لینا اور بات ہی اور جس وجہ سے وہان تک پہنچنے کیلئے صفائی کی ضرورت ہی اسکو
تلاش کرنا اور ہے چنانچہ وجہ دریافت ہونیکے بعد وسائل کو معین کرنا چاہئے۔

پاکیزگی دل کی ہونی چاہئے

اب اگر خدا کوئی جسم ہوتا اور کسی خاص مکان مین موجود ہوتا تو ایک تو وہان جانیکیلئے
وسائل نقل و حرکت کی ضرورت ہوتی یا اگر وہ جسمانی ہونیکے ساتھ لطیف مزاج اور عالی دماغ بھی ہوتا تو کسی
حد تک جسمانی پاکیزگی اور ظاہری نمود کی حاجت ہوتی۔ اور دوسرے ایسے کام کرنے کی ضرورت ہوتی
جس سے اسکو راحت یا فائدہ پہنچے اور وہ خوش ہو کر ہمارے جانے پر پیش قدمی کرے۔ مگر دل مین صفائی ہوتی
یا نہ ہوتی اور کسی سے کینہ ہوتا یا محبت ان باتون کا وہان جانے نہ جانے پر کچھ اثر نہ ہوتا لیکن مشکل یہ ہوئی
کہ مذہب نے خدا کو جسم سے پاک جسمانی اوصاف سے منزّہ اور تمام حاجتون سے بے نیاز بتایا اور اس تک
جانے کی ضرورت اس لیے بتائی کہ خود انسان کو اس سے ملنے پر کمال حاصل ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے نہ انسان
کو جسمانی طور پر کہین آنے جانے کی ضرورت رہی اور نہ وسائل نقل و حرکت کی یا خدا کو راحت پہنچانیوالے
افعال کی حاجت رہی۔ اب رہگیا دل و دماغ اور دیکھا گیا کہ انکو ہم کس طرف لگا سکتے ہین اسلئے ماننا پڑا کہ دل کو

اس طرف لگانا ہی وہ ذریعہ ہے جس سے غیر جسمانی ہستی تک رسائی ہوسکتی ہے۔ اور دلی توجہ کی یہ صورت ہے کہ جس طرف اسے لگایا جائے اس طرف ترقی ہوتی جاتی ہے اور اسکے خلاف سے غفلت ہونے لگتی ہے اور اُدھر خدا کامل صداقت اور راستی ہے اسلئے سمجھا گیا کہ دل مین صداقت کی محبت اور عقائد اور اعمال دونون مین صداقت کا لحاظ رکھنے سے ترقی کرتے ہوئے کامل صداقت تک رسائی ہوسکیگی اور اسکا خلاف کرنے سے اس طرف سے غفلت پیدا ہوگی۔ چنانچہ اس طرح عبادت۔ صداقت۔ عدالت وغیرہ اوصاف خدا تک پہنچنے کے وسائل اور کار ثواب قرار پائے۔ اور انکے خلاف افعال خدا سے دور کرنیوالے اور گناہ سمجھے گئے۔

توبہ سے دل صاف ہونے مین شک نہین۔

وسائل کے بارہ مین اس حد تک کسی مذہب کو انکار نہین مگر اب انسانی حالت کو دیکھا گیا اور بہت سے لوگون کو گناہ مین مبتلا پایا گیا اور سوال ہوا کہ یہ لوگ خدا کو کس طرح پا سکتے ہین۔ بالعموم یہ جواب ملا کہ ان افعال کو چھوڑکر صداقت اختیار کرنے سے۔ اور ایک طرف سے آواز آئی کہ یہ کافی نہین بلکہ کفارہ بھی ضرور ہے۔ اس کہنے والے نے کہا تو یہان تک ہے کہ عقلی طور پر کفارہ کے بغیر اصلاح حال ممکن ہی نہین۔ گویا حد ہوگئی۔ مگر پھر بھی دیکھنا تو چاہیئے شاید اصلاح حال کی کوئی صورت نکل سکے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہین کہ گناہ وہ افعال ہین جن مین حق اور صداقت سے غفلت ہوتی ہے اب اگر کوئی شخص انمین مبتلا ہے اور وہ انکو چھوڑنا بھی نہین چاہتا اور خدا تک پہنچنے کی خواہش نہین رکھتا تو جب تک اسکی یہ حالت ہے کوئی مذہب اس کیلئے تدبیر کار نہین نکال سکتا لیکن اگر اس کے دل مین وصال ربانی کی خواہش پیدا ہو اور اسوقت اپنے تئین اُن افعال مین مبتلا دیکھے جو اس کی محبت کے خلاف ہین تو اس صورت مین اسے بیشک افسوس ہوگا۔ مگر یہ افسوس کیا ہے؟ ہم کسی چیز کو یاد رکھنا چاہتے ہین مگر بھول جاتے ہین۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا خیال آتا ہے اور بھول جانے پر افسوس ہوتا ہے تو جس قدر افسوس زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس وقت اُس چیز کی یاد دلپر نقش ہوتی ہے۔ اسی طرح یہان محبت کی خواہش ہے۔ اور محبت کو کم کرنیوالے افعال پر افسوس ہے اسلئے جس قدر افسوس زیادہ ہوگا اسی قدر محبت کا جوش ترقی کریگا۔ اور اگر اس افسوس سے ان افعال کو

ترک کرنیکا اور آئندہ کیلئے محبت کو بڑھانیوالے افعال پر کاربند ہونیکا عزم ہوگیا ہے اور اس عزم کے موافق عمل بھی ہونے لگا ہے یعنی سچی توبہ میسّر ہوئی ہے تو پھر جو محبت پیدا ہوگی اسمین ترقی نہ کرنیکے معنی؟ اور اصلاح حال ناممکن ہونیکی کیا وجہ ؟

گناہ کی لذت کو ترک کرنا اور پارسائی کی تکلیف اٹھانا کفارہ ہے۔

رہا یہ کہ کفارہ کی بھی ضرورت ہے۔ سو بیشک اس قدر مسلم ہے کہ جو تکلیف پارسائی پر کاربند ہونے سے پیش آئے اسے برداشت کرنا اور جو لذت یا راحت گناہ سے حاصل ہوتی ہے اسے ترک کرنا ضرور پڑتا ہے اور اس کے بغیر وصال ربانی کا خیال وہم سے زیادہ نہین اور اسلئے کہہ سکتے ہین کہ اسوقت کی تکلیف کفارہ ہے اس راحت کے لیئے جو اس نے گنہ گاری کی حالت مین حاصل کی ہے۔ اور بیشک ایسے کفارہ کے بغیر اصلاح حال ممکن نہین لیکن اگر کفارہ سے یہ مطلب ہو کہ خدا کو بھلانیوالے افعال سے لذت ہم حاصل کرین اور کسی اور کے تکلیف اُٹھانے سے اس لذت کا کفارہ ہوجائے اور اس شخص کی ایسی جفاکشی سے ہمارا دل خدا کی محبت سے معمور ہو تو اس دعوٰے کو عقلی طور پر سمجھانے کی کوشش فضول ہے۔

دوسرے کی تکلیف سے دل صاف نہین ہوسکتا

وہ کہتے ہین کہ دنیا مین نیک بدون کیلئے تکلیف اُٹھاتے اور انکو تکلیف سے بچاتے نظر آتے ہین۔ بیشک ایسا ہوتا ہے مگر انہی افعال مین جن کو محض جسم سے تعلق ہے یعنی کہین آگ لگتی ہے اور گھر والون کی کسی نادانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نیک دل اُس مین کود پڑتے ہین۔ آگ کو بجھاتے ہین۔ جہانتک ممکن ہوتا ہے اسباب کو جلنے سے بچاتے ہین اور جو کچھ جل چکتا ہے باہمی امداد سے اسکی تلافی کرتے ہین۔ یا کوئی ملک اپنی جہالت یا سستی کے سبب کسی ظالم کی دست برد سے مغلوب ہوجاتا ہے اور محب وطن اشخاص اپنی جان جوکھون مین ڈالکر اسے ستبر دے محفوظ رکھتے ہین جس طرح یہ مدد پہنچ سکتی ہے۔ اسی طرح اس صورت مین بھی مدد کا پہنچنا ممکن تہا جبکہ خدا جسم ہوتا اور لوگ اسکی طرف جانیکی بجائے خلاف سمت کو چل پڑتے تو نیک بندے بھی اپنے سیدھے رستہ سے ہٹ کر ان کے پیچھے دوڑتے انھین پکڑتے۔ ہاتھ پاؤن باندھکر کندھون پر ڈالتے چھکڑون مین لادتے اور گھسیٹتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچا دیتے مگر اسمین تو دل کا معاملہ ہے۔ وہ سیہ ہوچکا ہے اور محبوب کا نقش جو اس پر کندہ

ہونا چاہئے مٹا ہوا ہے اسوقت ضرورت ہے تو اس آئینہ کو صیقل کرنے کی اور اگر کفارہ ہے تو وہ رگڑ جو خود اسکو چھیلے۔ مگر اسکی بجائے چھیلا جاتا ہے کسی اور آئینہ کو جو پہلے ہی صاف ہے اور سزا دی جاتی ہے اس ہستی کو جو جرم سے پاک ہے اسلئے کیونکر ممکن ہے کہ ایسے غیر متعلق فعل سے گنہ گاروں کے دل کی سختی دور ہو اور خدا کی محبت ترقی کرے

خدا خود کھینچنا چاہے تو اُسے کفارہ بنکر تکلیف اُٹھانے کی بھی ضرورت نہین

وہ کہتے ہین کہ ممکن ہے خدا خود کفارہ بنے اور اپنے رحم سے بندہ کو اوپر کھینچے۔ اسمین دو سرا جملہ بیشک صحیح ہے اور خدا کا رحم بندون کو کھینچنے کیلئے کافی ہے۔ مگر اول تو سب موجودات کا نظام باواز بلند کہتا ہے کہ ہر مسبب کے لیئے سبب ہوتا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو اپنی لامحدود قدرت سے سب افراد کو ایک سطح پر رکھتا مگر اُسکا قانون ہے کہ جس قدر صلاحیت ہو اسی قدر انعام ملتا ہے اور دوسرے اگر وہ بندون کے افعال اور اُن کے نتائج کے قانون کو توڑ کر اپنے لامحدود رحم سے کھینچنا چاہے تو اس قانون کی بھی ضرورت نہین کہ خود اُن کیلئے تکلیف اُٹھائے اور کفارہ بنے۔ اور اگر خدا کو کفارہ بنایا جاتا ہے تو گویا تسلیم کیا جاتا ہے کہ رحم کو استعمال کرنیکے لیئے کسی ضابطہ کی ضرورت ہے اور نجات دینے کیلئے کوئی سبب ہونا چاہئے اور جب کسی ضابطہ اور سبب کی ضرورت ہے تو ضابطہ وہی قرار دینا چاہیئے جو دُنیا کے دیگر ضابطون سے مشابہ ہو اور سبب وہی ماننا چاہیے جو مسبب کے مناسب حال ہو یعنی یہ کہ اگر گناہون سے پشیمانی ہوگی تو محبت بڑھیگی اور محبت بڑھیگی تو وصال ہوگا۔ نہ یہ کہ سبب تلاش ہی کیا جائے اور پھر ایسے سبب کو مانا جائے جس کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو یعنی ایک سزا پائے اور دوسرے کا دل صاف ہو۔

دنیا مین ہادی کی ضرورت ہے

اسی طرح ایک نجات دہندہ کی ضرورت جو پادری صاحب کو محسوس ہوتی ہے اس سے اگر یہ مطلب ہو کہ ایسے نجات دہندہ کی ضرورت ہے جس مین خدا خود ظہور کرے اور وہ خدائی طاقتون سے انسان کو اپنی طرف کھینچے تو اسکی ضرورت مسلّم نہین کیونکہ گو تمام دُنیا خدا کیطرف سے ہے اور یہان کے تمام واقعات اسی کی قدرت سے ہوتے ہین مگر اُسکا قانون ہے کہ اُسنے تمام واقعات کو ایک دوسرے پر مرتب کیا ہے اور اس سلسلہ مین جب نوبت انسان کی پیدائش تک پہنچی ہے تو اسمین ہر قسم کی ترقیون کیلئے یہی دستور رکھا گیا ہے کہ ایک خواہش سب کے دل مین موجود ہوتی ہے اور چند افراد یہ قابلیت رکھتے ہین کہ اس خواہش کو ترقی دیکر کسی ایجاد تک پہنچین اور پھر اُنکی رہنمائی سے وہ لوگ جو ویسی ہی خواہش رکھتے ہون اس قابلیت کو تعلیم و تعلم سے حاصل کرین۔ غرض یہ کہ دُنیا

میں خدا بیواسطہ اور خود ظہور کر کے کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ ابتدائی خواہش سب کے اندر اور ایجاد و دریافت کی قابلیت بعض میں ودیعت کر کے مختلف علوم و فنون کو ترقی دیتا ہے پس مذہب کے لئے اس عام قانون قدرت کے خلاف کسی خاص شکل میں خود ظہور کرنا اور اپنی خدائی طاقت سے لوگوں کو کھینچنا بقول پادری صاحب "منطقی طور پر" تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر پادری صاحب کا یہ مدعا ہو کہ کسی انسانی رہنما کی ضرورت ہے تو یہ بیشک درست ہے اور فی الحقیقت انسان نفسانی خواہشوں سے ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ جو خواہش دل میں نیکی کی جانب جانیکے لئے ودیعت ہے اکثر اسے کھو دیتا ہے اور نیز خواہش موجود ہو جب بھی اکثر اپنے خبث باطن سے بدی کو نیکی سمجھ لیتا ہے اور جس نور کا فیضان جناب باری کیطرف سے ہو رہا ہے اسکو قبول کرنیکی صلاحیت ضائع کر دیتا ہے اور ہمیشہ ایسے ممتاز اشخاص چند ہوتے ہیں جو اپنے دل کو آلائشوں سے پاک رکھ سکتے ہیں اور وہ نور جو ہر شخص کی فطرت میں ودیعت ہے ان لوگوں میں ترقی پا کر دلکو ایسی جلا دیتا ہے کہ آئندہ اور نور ربانی کو اخذ کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور اپنی اپنی استعداد کے موافق جلوہ ہائے معرفت کے تجربوں یا بالفاظ دیگر وحی و الہام سے نیکی اور بدی میں تمیز کرنے اور وصال ربانی کے طریق دریافت کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور انکی وساطت سے عوام کو اس منزل کی شناسائی اور راہ روؤں کی صعوبتوں اور کامیابیوں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے

مدد بیشک باہر سے اور اوپر سے آتی ہے مگر مقامی استعداد کے اختلاف سے اسکے ظہور مختلف ہوتے ہیں۔

غرض ہمکو پادری صاحب سے اس بارہ میں اتفاق ہے کہ ایسے رہنماؤں کی ضرورت ہے اور یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ جلوہ ہائے معرفت ایک بالاہستی کا تجربہ ہے اور اسلئے جیسا کہ اپنے مقام پر ذکر ہو چکا ہے اس فعل میں فاعلی حرکت خدا کی طرف سے ہے اور انسان کا فرض صرف انفعالی قابلیت کو پیدا کرنا ہے اور اسلئے پادری صاحب کا یہ قول بالکل سچا ہے کہ "ضرور ہے کہ مدد باہر سے آئے اوپر سے آئے" لیکن اس قدر ماننے سے کسی مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسے نفوس قدسیہ بہت سے گذرے ہیں اور ہر مذہب کسی نہ کسی ایسے ہی رہنما کی پیروی کرتا ہے اور ان میں جو اختلاف ہے وہ اسلئے ہے کہ کچھ تو جلوہ ہائے معرفت کو قبول کرنیکی استعداد میں مختلف رہی ہیں اور جیسا کہ عام طور پر ترقی کا قاعدہ ہے یہاں بھی معرفت بتدریج ناقص سے کامل ہوتی گئی ہے اور مذہبی تعلیم میں مختلف اقسام کے نقص رہ جانے سے مذہبوں کی شکلیں مختلف ہو گئی ہیں اور کچھ بعد میں انکی تعلیم کو پورے

طور پر محفوظ نہ رکھنے سے یا اپنی نفسانی خواہشون کو ملا دینے سے اصلی تعلیم پر کئی طرح کے پردے پڑتے گئے ہین پس اب ایک تعلیم کو دوسری پر ترجیح دینے کیلئے اسکے سوا کوئی سبیل نہین کہ عقل کو معیار گردانا جائے اور تعلیم کو فطرۃ اللہ سے مقابلہ کرکے کامل غور وتدبر سے غلط آمیزشون کو نکالا جائے - اور چونکہ مذہبی جذبہ خدا کی طرف بلاتا ہے اور نیز اس زندگی کے بعد آئندہ بقائے دوام کا یقین دلاتا ہے اسلئے مذہب مین غور کرنیکے لئے یہی تدبیر مناسب ہے کہ خدا کی نسبت جس قدر مختلف خیالات مذاہب نے پیش کئے ہین یا معاد کے متعلق جس قدر عقاید پیدا کئے گئے ہین انکو دیکھا جائے کہ عقل کے نزدیک ان دونو عقیدون مین کونسا احتمال قرین قیاس ہے اور کس کی نسبت عقل سلیم اور قوت استدلال ناممکن یا غیر اغلب ہونیکا فیصلہ کرتی ہے -

اختلافون کو دیکھنے کا نتیجہ

چنانچہ اس تحریر مین اس موضوع کے متعلق جس قدر غور ہوسکا ہے اس سے نتیجہ یہ پیدا ہوا ہے کہ ایک علیم وقدیر ہستی قدیم سے موجود ہے اور اس نے اپنے علم وقدرت سے اس کائنات کو نیست سے ہست کیا ہے اور اسمین وجود اور اسکی ترقی کا وہ سلسلہ قایم کیا ہے جو اگر اسکی مشیت ہو تو ابدالاباد تک جاری رہیگا - اور جس چیز مین جس حد تک استعداد ہے وہ اسمین لامحدود ترقی کریگی - اور اس ترقی کی ایک صورت ہے جس پر چلنے سے اس ہستی کا قرب اور قرب کی نعمتین حاصل ہونگی اور دوسری صورت پر کاربند ہونے سے اس سے بُعد اور بُعد کی تکالیف پیش آئینگی اور یہ نتیجہ ان قوانین قدرت کو مطالعہ کرنیسے پیدا ہوا ہے جو اس کائنات مین جاری ہین - اور جو اقوال مذہبی قدرت کیطرف منسوب کئے جاتے ہین انہین سے انہی کو مستند مانا گیا ہے جو قدرت کے افعال سے مطابقت رکھتے ہون - اور اثنائے تحریر مین اکثر بزرگوارون کے موافق ومخالف اقوال سے بحث کی گئی ہے اور اب آخر مین پادری صاحب کی وجہ سے اس کوشش کا تجربہ کیا گیا ہے جو ایک بڑے مذہب کیطرف سے بعض غیر ضروری عقائد کو ثابت کرنیکے لئے کیجاتی ہے - اور دیکھا گیا ہے کہ ایسی کوشش کیلئے خواہ کیسے ہی قابل ہاتھون سے کام لیا جائے مدعا کو ثابت کرنا دشوار ہے - البتہ جو کچھ پادری صاحب کی تحریر سے ثابت ہوسکتا ہے اور جسکی نسبت اس تحریر مین پہلے بھی بہت کچھ غور ہوچکا ہے وہ یہ ہے کہ اس ہستی کا قرب حاصل کرنیکے لئے قلبی پاکیزگی کی ضرورت ہے اور قلبی پاکیزگی ظاہر ہے کہ صداقت سے ہوسکتی ہے اس لئے قرب خداوندی کیلئے صداقت کی ضرورت ہے اور اعتقاد ہو یا عمل - قول ہو یا فعل - ہر امر مین راستی ہی وہ لوازمہ ہے

جو دل کو روشن کرتا ہی اور ناراستی اور غلطی کسی شکل مین ہو وہ زنگ سے ہے جو آئینہ دل کو مکدر اور جلوہ ربانی کے ناقابل بناتا ہے۔

نتیجہ کے بعد کا فرض

پس اگرچہ نتیجہ۔ اگر گذشتہ تحریر کو بنظر انصاف دیکھا جائے تو نہایت واضع اور ناقابل اشتباہ ہی۔ مگر آہ! اس نتیجہ پر پہنچکر نظر علی حالت کو تلاش کرتی ہی اور اپنی ہوا و ہوس اور اعمال ناشائستہ سے بد نتیجہ مرتب ہونیکا خوف ہوتا ہی۔ اور اگر یہی حالت رہی تو ہلاکت مین شبہ نہین۔ قدرت کے قوانین محکم ہین اور کوئی جانکر کنوئین مین گرے یا غلطی سے جان پر مصیبت آنی ضرور ہی بلکہ جانکر گرنے مین پہلے سی ہلاکت کا خوفناک دیو نظر آنے لگتا ہے پس کاش یہ علم نہ ہوتا! تاجو مصیبت آنیکو ہے اسکے علاوہ اپنی حالت کا افسوس کم از کم اس زندگی مین سوہان روح نہ ہوتا مگر اپنے افعال اپنی ساتھ کچھ بھی سلوک کرین اسمین شبہ نہین کہ نجات راستی پر کاربند ہونے اور ناراستی کو بہمہ وجوہ ترک کرنے پر منحصر ہے۔ اور ہوا و ہوس کا ایک طوفان اور ناواجب خیالات کا ایک دریا ہے جسکو کاٹکر ساحل مقصود پر پہنچنا ہو گا۔ اور اب جبکہ فضائے عدم سی تنگنائے وجود مین قدم رکھا ہی تو جو واقعات پیش آئین انہین برداشت کرنے سی مفر نہین۔ رستہ معلوم ہونے پر افسوس کرنا نعش کا دہوکا ہے۔ ورنہ عمل کی بنیاد علم ہے۔ اگر جاذبہ ربانی مدد کرے تو کیا عجب ہے کہ نشانہائے راہ منزل تک پہنچانے مین مدد دین اور اسکی رحمت سی اس طوفان کو عبور کرنے مین سہولت ہو۔ خدا کا نام لیکر سفر زندگی کو نشانہائے ہدایت کے موافق طے کرنیکی کوشش ضروری ہے۔ اور یہان سے چلنا اور وہان تک پہنچنا اس کے فضل و کرم پر موقوف ہ

درین طوفان بے پایان - درین دریائے موج افزا
دل افگندیم - بسم اللہ مجریہا و مرسا ہا

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ

تمت بالخیر

نام کتاب	تعداد صفحات	نام مصنف	قیمت
کتاب المحبت والشوق مصنفہ امام غزالیؒ	۱۱۳	مترجمہ نواب محسن الملک مرحوم	۸/
الصلوٰۃ والسلام	۲۴۰	قاضی محمد سلیمان	عہ/۴
تہذیب اللسان	۱۴	مولوی محمد امام الدین	۱/
سوانح سلطان حیدر علی	۴۰۸	مولانا اشہری مرحوم	۱۳/
سوانح ٹیپو سلطان	۲۳۶	”	۸/
تاریخ التاریخ	۵۰	مولانا محمد مرتضیٰ	۳/
صلۂ رحم	۳۴	مولانا عبدالحی	۴/
روح کی بیداری	۸۴	مولانا فدا علیخان ایم اے	۴/
معیار الاخلاق	۴۸	خواجہ غلام الحسنین	۶/
تفسیر السموات	۱۲۰	سر سید احمد مرحوم	۸/
الایمان	۱۱۶	مولانا محمود علی پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ	۶/
خطبات احمدیہ معہ تصویر سر سید	۷۶۰	سر سید مرحوم	عہ/۸
ادلۃ الکرام فی اثبات عقاید الاسلام	۱۸۲	منشی عطا محمد	عہ/
الاسلام	۱۶۸	مولوی فتح محمد	۸/
حقیقۃ السحر	۴۸	اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم	۳/
دین الفطرۃ	۵۸	علامہ شیخ محمد عبدالعزیز شاویش مصری	۶/
اسلام کی حقیقت	۳۲	منشی عطا محمد	۴/
اسلام کی دنیوی برکتیں	۱۳۶	اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم	۸/
تقلید و عمل بالحدیث	۱۳۴	نواب محسن الملک مرحوم	۸/
شہادۃ الفرقان علی جمع القرآن	۱۳۰	شیخ عطاء اللہ پلیڈر	۸/
الدین یسر	۴۰	مولانا حالی	۳/

NOT TO BE ISSUED

نام کتاب	تعداد صفحات	نام مصنف	قیمت
تطبیق مذہب و سائنس	۴۸	مترجمہ مسٹر عبداللہ مہناس	۳ر
کانشنس	۲۰	سرسید مرحوم	۱ر
فطرت اور قانون فطرت	۶۴	نواب محسن الملک مرحوم	۳ر
تہذیب	۴۸	مولانا حالی	۲ر
یورپ اور قرآن	۴۴	مولوی چراغ علی مرحوم	۳ر
تحقیق اناجیل ہر دو حصہ	۲۹۵	ڈاکٹر صادق علی خان	عہر
حضرت ہاجرہ	۳۶	مولانا عنایت رسول و مولوی چراغ علی مرحوم	۲ر
تاریخ القرآن	۱۰۵	اسلم جیراجپوری	عہ
حضرت عیسیٰ	۲۰	مولوی چراغ علی مرحوم	۱ر
مہدی آخر الزمان	۴۰	سرسید مرحوم	۲ر
سلیمان علیہ السلام	۶۸	مولوی چراغ علی مرحوم	۴ر
تمدن اسلام حصہ اول و دوم	۵۱۶	جرجی زیدان	ۓ
اسلام اور سوشیل ریفارم	۶۲	محمد رفیق بک مصری	۸ر
المراۃ المسلمہ	۱۸۰	علامہ فرید وجدی	۸ر
مسلمانوں کی تہذیب	۶۴	نواب محسن الملک مرحوم	۴ر
مسلمانوں کی ترقی اور ان کے تنزل کے اسباب	۱۲۸	” ” ” ”	۴ر
فطرۃ الاسلام	۲۴۸	صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن	عاب ۴ر
معرکہ مذہب و سائنس	۵۲۰	ظفر علیخان بی اے	ۓ
فلسفۃ القرآن	۳۶	مولانا عبداللہ العمادی	۲ر
فلسفہ ابن عربی	۲۰	” ” ”	۲ر
صناعۃ العرب	۵۲	” ” ”	۳ر

مفصل فہرست معہ سوانح عمری نواب محسن الملک مرحوم ارکے ٹکٹ آنے پر مفت ارسال کی جاتی ہے

المشتہر

مینیجر مطبع روز بازار امرت سر

روزمرہ دیکھتے تھے خدا کی قدرت کا نتیجہ نہین نکال سکتے تھے اس لیئے وہ اوستاد اپنی روحانی طاقتون کے کرشمے دکھا کر ان کو خدا کی طرف متوجہ کرتے تھے اور چونکہ توجہ الی اللہ کی برکت اور جسمانیات سے روکش ہونے کے سبب اُن کی روحانی طاقت اُن جادوگرون اور فسون سازون سے زیادہ ہوتی تھی جو مصنوعی طور پر اس طاقت کی مشق کرتے تھے اِس لیئے ان لوگون کی قدرت اُن کے تمام ہمعصر قدرت والون پر غالب آجاتی تھی - اور وہ بچون جیسی ناسمجھ قوم اپنی عجائب پرستی اور بڑی قدرت والون کا دامن پکڑنے کی عادت کے سبب اُنکی ہدایت سے فائدہ اُٹھاتے تھے - پس نہ صرف قرین قیاس بلکہ امر واقع ہی کہ مخفی طاقتون کے کسی نادر نظارے سے ایسے لوگ قدرت خداوندی کے معترف ہوئے ہیں اور یہ کہ جس قوم اور جس ملک مین عجائب پرستی کی عادت زیادہ ہوئی ہے اُسی قوم اور ملک مین ان لوگون کی طرف سے جن کی تعلیم اپنے زمانہ کے موافق توجہ الی اللہ اور مذہبی اصول سے معمور ہے معجزات بھی کثرت سے ظاہر ہوئے ہین -

پس ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ روحانی طاقتون کا ظہور ہر جگہ تبوت نبوت کے لیئے ناکافی ہے جبکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ نہ صرف معجزات کا آنکھون سے دیکھنا بلکہ اُن کا قابل وثوق اور معتبر اشخاص کی زبان سے سننا بھی اکثر انسانون کو تسکین دینے کا باعث ہوتا ہے چنانچہ آج تک لکھوکھا مردم اپنی اپنی مذہبی ہدایتون پر اس لیئے قائم ہین کہ وہ اپنے پیشواؤن سے معجزات کا ظہور سنتے آئے ہین - یہ ضرور ہے کہ ایسے لوگ جہان ایسی طاقتون کا ظہور دیکھ کر ہدایت کی طرف آجاتے ہین وہان کسی گمراہ اور دھوکے باز کی طرف سے کوئی کرشمہ دیکھ کر نہایت جلدی اُس طرف بھی جُھک جاتے رہے ہین چنانچہ سامری کے شعبدے نے خود موسیٰ علیہ السلام کے زمانے مین بہت لوگون کو بہکا دیا -

بنی اسرائیل کی کمزوری اور اسکی وجہ اور اس کے علاوہ بھی بنی اسرائیل اکثر اپنے پیشواؤن اور پیغمبرون سے برگشتہ ہوتے رہے ہین اور اکثر انبیاء اُن کے ہاتھ سے قتل بھی ہوئے - ڈاکٹر مل مذہب کی برکتون سے انکار کرتے ہوئے بنی اسرائیل کی اس عادت کو نظیر مین پیش کرتے ہین اور کہتے ہین +

+ ایسیسے ع۲ خلاصہ صفحہ ۸ - ۱۸۷۳ء

"اگر مذہب میں نیک اخلاق اور عادات پیدا کرنے کا وصف ہوتا تو بنی اسرائیل جنکی نسبت سب سے زیادہ براہ راست خدائی حکومت کے زیر اثر ہونیکا دعوی کیا جاتا ہے مذہبی احکام سے ایسے برگشتہ نہ ہوتے کہ اُن کی نسبت اُن کے پیغمبر اور مورخ ہمیشہ شکایت کرتے رہے ہیں کہ اُنھون نے مذہبی ہدایتون کی طرف سے اپنے کان بہرے کر لیے ہین"

ڈاکٹر مل چاہتے ہین کہ مذہب کی برکت کو جب مانیں کہ مذہب کا اقرار کرتے ہی انسان فرشتہ بنجاے اور کفر کو چھوڑتے ہی ایسی کایا پلٹے کہ ایک دم مین تمام جسمانی خواہشین انسانی فطرت سے نابود ہوجائین حالانکہ نہ مذہب بے وجہ اور بے سبب کسی چیز کے وجود مین آنے کا دعوی کرتا ہے اور نہ عقل ہی کسی واقعہ کا بے سبب پیدا ہونا تسلیم کرسکتی ہے البتہ مذہبی عبارت اور نیز عام انسانی محاورہ ایسا واقع ہوا ہے کہ اکثر افعال سبب اول کیطرف منسوب کر دیے جاتے ہین اور درمیانی معنون کو ذکر نہین کیا جاتا مثلاً کہتے ہین کہ بادشاہ نے فلان ملک فتح کیا حالانکہ بادشاہ محض سبب اول یعنی حکم دینے والا ہے اور فتح کرنے کے لیے اس کی فوج سبب قریب ہے جس کو ذکر نہین کیا گیا مگر سننے والا سمجھ لیتا ہے۔ اسی طرح ہم بیشک دعوی کرتے ہین کہ مذہب انسان کو بُرائیون سے روکتا ہے مگر اسی صورت سے کہ وہ انسان کو نیک و بد افعال سے آگاہ کرتا ہے اور جن امور سے روح روشن اور مجلّی ہوتی ہے انکی مشق کرنے کا حکم دیتا ہے تاریکی بخشنے والے اعمال سے روکتا ہے اور جن لوگون کی طرف مذہب بھیجا جاتا ہے پہلے اُن کو فطری ہدایت طلبی کے سبب اور اگر وہ کسی قوم مین روحانی امراض سے نیم مردہ ہوچکی ہو تو عقلوالون کو نظام کائنات سے اور جہلا کو غیر معمولی مظاہر قدرت دکھا کر مذہب کا یقین دلوایا جاتا ہے پھر تعلیم مذہبی کے موافق مشق کرنے سے روح مین جس قدر نور پیدا ہوتا جاتا ہے اسی قدر انسان کو بُرائیون سے نفرت اور نیکی کی رغبت ہوتی رہتی ہے حتّٰی کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ انسان خیر مجسم ہوجاتا ہے اور بُرائی سے ایسی ہی نفرت کرنے لگتا ہے جیسی پہلے رغبت کرتا تھا اور اس وقت اور اس انسان کی نسبت کہہ سکتے ہین کہ مذہب کی برکت مکمل ہوئی - اور اس سے پہلے جس قدر روح کی صفائی مین کمی ہے اسی قدر بُرائیون سے بچنے کی خاصیت بھی نامکمل ہے - اور اسی طرح علمی حالت پیدا ہونے سے پیشتر جس قدر یقین حاصل کرنے کے ذرائع مین اختلاف ہے اسی قدر نور حاصل کرنے کی استعداد مختلف ہوتی ہے - چنانچہ جو لوگ

فطرت سلیم کی رہنمائی سے مذہب کو قبول کرتے ہیں اُن میں نور حاصل کرنے اور بدی سے بچنے کی استعداد نہایت قوی ہوتی ہے۔ اس سے دوسرے درجہ پر وہ لوگ ہیں جو عقل سلیم کو کام میں لاکر اور نظام کائنات سے کاربردازی قدرتوں کو دیکھ کر اُسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان سے کمتر وہ لوگ ہیں جو صرف گاہ گاہ پیدا ہونے والے غیر معمولی واقعات کو فعل خدا و ندی سمجھ کر ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ نظام کائنات کو عقل سلیم سے دیکھنے والے گو ویسے راسخ العقیدت نہ ہوں جیسے وہ لوگ جن کے دل خود بخود مذہب کی طرف راغب ہیں مگر پھر بھی چونکہ وہ قدرت کے تمام مظاہر کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور خدا کے کاموں سے خدا کے احکام کی مطابقت اور مقابلہ کر کے مذہبی فرامین کی صحت و سقم کو پرکھ سکتے ہیں اس لیئے اُنکا اعتقاد بھی میلان قلب سے پیدا ہوتا ہے اور وہ محبت کے اصول پر ایمان لاتے ہیں۔ برخلاف عجائب پرستوں کے کہ وہ ایک بڑی طاقت کو دیکھ کر اس سے مجبور ہو جاتے ہیں اور ان کا اعتقاد خوف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور اسی لیے اُن کے اعمال میں وہ محبت اور شوق نہیں ہوتا جو روحانی جلا کے لیے ضروری اور اس کو جلدی پیدا کرنے والا ہے اور اسی لیے ایسے لوگوں کو مذہب کی برکت کم میسّر آتی ہے اور بنی اسرائیل اسی قسم کے لوگ تھے کہ ایک عرصہ دراز کی جہالت۔ فراعنہ مصر اور شاہان نینوا کے سامنے غلامانہ حالت میں رہنا اور ساتھ ہی خاندان نبوت میں ہونے کا بیجا فخر اور مقرب خدا اور عذاب الٰہی سے آزاد ہونے کا غلط اعتقاد۔ غرض یہ یا ایسے ہی چند اور اسباب سے ان میں نہ وہ فطری شوق اور میلان ہی باقی رہا تھا جو مذہبی برکات کے لیے ضروری ہے اور نہ عقل سلیم رکھتے تھے جس سے صحیح نتیجہ تک پہنچ کر اپنے اعتقاد کو درست کریں اسلئے اُنکی ہدایت کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ یعنے مخفی طاقتوں کا رعب و داب رکھا گیا تھا جو اُن کے پیشواؤں نے استعمال کیا۔ اور جیسا کہ اس ذریعہ کا خاصہ ہے ان میں وہ پختگی نہ پیدا ہوئی جو فطرت سلیم یا عقل قویم سے پیدا ہوتی ہے اور اسی لیے اُن سے اکثر اپنے رہنماؤں کے خلاف شورش اور فساد سرزد ہوتا رہا۔

مگر اس علت و معلول کے سلسلہ میں جکڑی ہوئی دنیا کے اندر اُس وقت اور اُس قوم کے لیے کوئی اور ذریعہ ہدایت کا نہ تھا اور گو تمام قوم نے اور قوم کی سب نسلوں نے راہ راست نہ پایا یا اس پر قایم نہ رہے مگر پھر بھی ان میں سے اکثر افراد اور اکثر نسلیں راہ راست پر آئیں اور مذہبی برکتوں سے فیضیاب ہوئیں

اِس لیے کہا جاسکتا ہے کہ مخفی طاقتوں کا ظہور بھی بعض قوتوں میں اور بعض قوموں کے لیے ہدایت اور ثبوت نبوت کا ایک ذریعہ ہے گو دوسرے وقت میں اور دوسری قوم کیلیے اُس سے بہتر کوئی اور ذریعہ بھی ہو۔ اور چونکہ یہ ذریعہ کم درجہ کا ہے اور اس کا قوی اثر رہتا بھی اُسی وقت تک ہے کہ معجزہ دکھلانے والا اور دیکھنے والے زندہ رہیں اس لیے ایسے مذاہب جنکی بُنیاد محض معجزہ پر ہو دائمی نہیں ہو سکتے اور نیز ایسے وقت میں انبیا بھی پیہم اور بکثرت آتے رہتے ہیں تا کہ اپنی معجزہ نمائی سے قوم کو تنبیہ کرتے رہیں

دائمی مذہب کے لیے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہیے

لیکن جو مذہب ہمیشہ کیلیے اور تمام دُنیا کے واسطے ہدایت کا مدعی ہو اُس کو بیشک معجزہ پر انحصار نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ دُنیا میں عالم و جاہل ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں سے عقلا کے لیے گھاس کا ایک پتہ اور خاک کا ایک ذرّہ بھی قدرت خدا کا ویسا ہی عجیب کرشمہ ہے جیسا مسیح کا مُردہ کو زندہ کرنا اور کرشن کا ایک وقت میں تین سو ساٹھ مکانوں میں موجود ہونا۔ اور جہلا کے دل پر معجزہ کا اثر کامل طور پر اسی وقت تک رہ سکتا ہے کہ وہ اُس کو بذات خود ملاحظہ کریں۔ اور مذہبی روایتوں میں معجزہ کا ذکر بیشک کسی قدر مفید ہے مگر انہی لوگوں کے مزید اطمینان کیلیے جو پہلے سے اُس مذہب اور اُس کے بیان کرنے والوں پر ایمان رکھتے ہوں ورنہ اُن لوگوں کے لیے جن کو کفر سے ایمان کی طرف لانا ہو ان روایتوں کا اثر اور خصوصًا ایسی حالت میں کہ ہر مذہب ان روایتوں سے معمور ہے کوئی اثر پیدا نہیں کرتا۔ پس دائمی مذہب کے واسطے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہیے یا یوں کہیے کہ ایسا معجزہ ہونا چاہیے جو ہمیشہ ثبوت مدّعا کے لیے کافی ہو۔ اور یہ ثبوت تعلیم کی خوبی اور نظام کائنات سے اُس کی تطبیق کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ شہادت خود مذہب کے اندر موجود ہونی چاہیے اور عقل سلیم اس کو پرکھنے والی ہو۔ چنانچہ اسلام میں بار بار مظاہر قدرت پر ایمان کا مدار رکھا گیا ہے مثلاً ارشاد ہے

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ○

(انبیاء پ۱۷ ع ۳)

کیا مذہب سے انکار کرنیوالے نہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین باہم ناملتا پر تھے ہمنے اُن کو جدا جدا کر دیا اور ہر چیز کی زندگی پانی پر منحصر رکھی پس کیا وہ ایمان نہیں لاتے۔

اورمعجزہ گویا ثبوت نبوت کی عقلی دلیل جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ ایسی تعلیم کا بے نظیر اور سب سے فائق ہونا ہی

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (البقرہ پارہ ۱ ع ۳)

اور اگر تم کو شک ہو اس کلام کے بارہ میں جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی ہو تو اس جیسی ایک ہی سورہ لاؤ اور خدا کے سوا جو تمھارے مددگار ہیں ان کو بھی بلالو اگر تم اس شک میں راستی پر ہو۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰٓى اَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (اسرا پارہ ۱۵ ع ۱۰)

کہدو کہ اگر تمام جن اور انسان اتفاق کریں کہ اس قرآن کی نظیر پیدا کریں تو وہ اس جیسا نہ لاسکیں گے خواہ بعض بعض کی مدد کریں ۔

اور اگرچہ بہت سی مخفی طاقتوں کے ظہور بھی پیغمبر علیہ السلام کی ذات بابرکات سے ارادةً یا بے ارادہ صادر ہوئے ہیں مگر وہ شہادت کے طور پر پیش نہیں ہوئے۔ بلکہ جب مخالفین نے معجزات طلب کئے ہیں تو جواب میں کہا گیا ہے کہ بیشک گذشتہ زمانے میں انبیاء نے معجزات کو دعوی نبوت کے ثبوت میں پیش کیا اور جو کچھ تم کہتے ہو ظاہر ہوا مگر نتیجہ یہی ہوا کہ معجزہ لانیوالوں کو ساحر کہا گیا اور انبیا قتل ہوئے غرض یہ کہ وہ شہادت پورے طور پر مفید نہ ہوئی ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۹)

بیشک جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ہم سے عہد کیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ایسی قربانی نہ دکھاے جسکو آسمانی آگ آکر کھا جاے انکو کہدو کہ مجھ سے پہلے رسول تمھارے پاس معجزات لیکر اور جو تم کہتے ہو وہ نشان لیکر آئے پس اگر تم سچے ہو تو تم نے انکو کیوں قتل کیا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ

پس جب انکے پاس ہماری طرف سے سچی (قرآن) آئی تو انہوں نے کہا کہ انکو ایسے معجزے کیوں نہیں دیگئے جو موسی کو دیے گئے تھے مگر کیا اس سے پہلے موسی کے معجزات سے لوگوں نے کفر نہیں کیا

سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلٍّ كَافِرُونَ ۝

(قصص پارہ ۲۰ ع ۵)

اور کہا یہ دونوں جادو ہیں ایک دوسرے کے مددگار اور ہم کسی کو بھی نہیں مانتے۔

اور اسی طرح معجزہ طلب کرنے پر ہمیشہ انکار کیا گیا ہے اور کہیں کہا گیا ہے کہ یہ کتاب دیکھو جس میں تمام انبیاء سابقین کی شریعت کا خلاصہ ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ

(طٰہٰ - پارہ ۱۶ ع ۸)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص ہمارے پاس اپنے خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں لاتا۔ لیکن کیا ان کے پاس ایسی کتاب نہیں لایا جو گذشتہ کتابوں کی تشریح کرنے والی ہے۔

اور کہیں فرمایا گیا ہے کہ ہر ایک نبی اپنے اپنے وقت کے مناسب ذریعہ ہدایت لیکر آیا کرتا ہے چنانچہ یہ نبی بھی اپنے زمانہ کے موافق (عام مناظر قدرت سے) لوگوں کو سمجھانے اور ڈرانے آیا ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

(رعد پارہ ۱۳ ع ۷)

کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اترا۔ مگر بات یہ ہے کہ تم بھی ایک پیغمبر ہو اور ہر قوم کے لیئے جدا جدا ہادی ہوتے ہیں۔

فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۝ مَا آمَنَتْ قَبْلَهُم مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا ۖ أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝ . لَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

(انبیاء پارہ ۱۷ ع ۱)

(وہ کہتے ہیں کہ) یہ شخص ہمارے پاس نشان لائے جس طرح پہلے انبیاء لائے ہیں مگر ہم نے جن بستیوں کو ہلاک کیا ہے ان میں سے کوئی ایمان نہیں لایا پس کیا یہ لے آئینگے . . . . ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیئے نصیحت ہے پس کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

عقلی ثبوت پر اعتراض اور اس کا جواب

غرض اسلام نے اپنی صداقت کا مدار اپنی تعلیم کی خوبی پر رکھا ہے مگر ڈاکٹر ملِ اسپر اعتراض کرتے ہیں [۱]

"اندرونی شہادت بیشک بہت مہتم بالشان ہے لیکن اسکی عظمت اصولی طور پر منفی پہلو رکھتی ہے یعنی اندرونی شہادت کسی مذہب کو چھوڑنے کیلیئے تو بیشک وہی وجہ ہو سکتی ہے لیکن کسی تعلیم کو خدا کی طرف سے

[۱] ایسیے نمبر ۳ صفحہ ۲۱۶ سنہ ۱۸۷۴ء

ماننے کے واسطے کافی نہیں۔ اگر کسی الہامی مذہب کی اخلاقی تعلیم بُری اور راستی سے دور ہے تو
خواہ کسی کیطرف سے ہو ہم پر اس کو ترک کرنا فرض ہے۔ کیونکہ ایسی تعلیم کسی حکیم و خبیر ہستی کیطرف سے
نہیں ہو سکتی۔ لیکن اخلاق کی عمدگی ہم کو مستحق نہیں گردانتی کہ خواہ اسے کسی فوق العادت
شخصیت کی طرف منسوب کریں۔ کیونکہ اس امر کی کوئی دلیل قوی موجود نہیں کہ جس خوبی کو دیکھنے کی قابلیت
انسان میں موجود ہے اس خوبی کو دریافت کرنے کی قابلیت اُس میں موجود نہ ہو۔"
مسٹر مل کی یہ دلیل جس قدر قوی ہے اُسی قدر بڑا دھوکا بھی اس میں موجود ہے کہ اُنھوں نے آجکل کے
مذاق کے موافق مذہب کو عین اخلاق سمجھا ہوا ہے اور محض اخلاقی خوبیوں سے مذہب کو پرکھنا چاہتے
ہیں اور چونکہ فلسفۂ اخلاق انسان کے باہمی برتاؤ سے پیدا ہوتا ہے اور جس جس رویّہ کے نقص معلوم
ہوتے جاتے ہیں ان کو چھوڑ چھوڑنے سے اخلاق کی ایک مکمل شکل پیدا ہو سکتی ہے اس لیے اُن کو گمان
ہوا ہے کہ عمدہ اخلاقی تعلیم خود انسان کے دماغ سے پیدا ہو سکتی ہے اور اس لیے اسکو خدا کی طرف
سے ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور یہ دھوکا اس تعلیم سے پیدا ہوا ہے جو مذہب کی شکل میں مسٹر مل
کے گرد و پیش پھیلی ہوئی ہے کیونکہ مذہب عیسوی پر نہ معلوم کیا اُفتاد پڑی ہے کہ اب اس میں جو کچھ
خوبی موجود ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ اخلاق کے کچھ عمدہ اصول مانے جاتے ہیں اور اسی کو اپنے
مذہب کی ترجیح میں پیش کرتے ہیں ورنہ مذہب کا اصلی عنصر یعنے ذات و صفات خداوندی کا اعتقاد
ان میں نہایت بھدّی شکل میں رکھا گیا ہے اور ایک عاجز انسان کو اُس میں شریک گردان کر اور اسی پر
نجات کا مدار رکھ کے مذہبی خوبی کو بالکل نیست و نابود کر دیا ہے۔ اس لیے مسٹر مل کو جب غور کرنے کا
موقع ملا تو اُن کو جو چیز اچھی معلوم ہو سکتی تھی وہ اخلاق ہی تھے چنانچہ انھوں نے اسی کو مذہب سمجھا اور
اسی اصول پر جو تردید کر سکتے تھے کی۔ حالانکہ یہ اصول ہی غلط ہے اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے
اخلاق مذہب کا پروردہ اور اُس کا خادم ہے عین مذہب نہیں۔ بلکہ مذہب کی حقیقت ایک نادیدہ
ہستی کو ماننا ہے اور ذکر ہو چکا ہے کہ اُس چیز کی تلاش انسان کی فطرت میں داخل ہے اور سوائے
خاص موقعوں کے جہاں کہ یہ جذبہ خارجی اسباب سے مُردہ یا نیم مردہ ہو گیا ہو ہر جگہہ تمام بنی نوع اس

تلاش مین سرگرم ہین - اور پھر یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ اس تلاش و تجسس مین جو کچھ دریافت ہوا ہے حقیقت مین اس کا مدار محض اُن تجربون پر ہے جو وقتاً فوقتاً انسان کے دل کو جلوہ ہاے معرفت کی صورت مین ہوتے رہے ہین اور پھر تجربہ کا عام قانون یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ ہمیشہ بالاتر ہستی کی فاعلیت اور کمتر کے انفعال سے ہوا کرتا ہے پس خدا کا تجربہ ہی اسکی حرکتِ فاعلی اور انسان کی استعداد انفعالی سے حاصل ہوتا ہے اس لیے ہر ایک حضوری اور ہر ایک وحی خواہ وہ کیسی بدنما سے بدنما شکل مین ہو ممکن نہین کہ انسان کی محض اپنی کوشش سے اور بغیر ذات باری کی فاعلانہ مداخلت کے ہوا ہو اگر انسانکی استعداد انفعالی مین باہم تفاوت نہ ہوتا اور اگر سب کے دل نفسانی کدورتون سے پاک ہوتے تو جو توجہ ذات باری کیطرف سے وحی کی شکل مین جلوہ گر ہوتا ہے وہ یکسان رہتا اور مذہب کی یہ مختلف شکلین پیدا نہ ہوتین مگر چونکہ استعدادین مختلف ہین اور ہر زمانے مین ترقی کرتی رہی ہین اس لیے وحی کی شکلین یکے بعد دیگرے مختلف اور باہدگر ممتاز ہوتی آئی ہین - اب اگر انسان کے اپنے نفسانی جذبات احکام وحی کے ساتھ ملکر اسکی شکل بدل نہ دیا کرتے اور انسان مین خود رائی اور اصرار کی عادت نہ ہوتی تو ہر ایک ترقی جو تجربہ معرفت مین ہوتی بالعموم تسلیم کی جاتی اور ایک ہی مذہب ترقی کرتا ہوا چلا آتا اور ہر شخص کی طرف سے اپنے مذہب کو دوسرے پر ترجیح دینے کا دعوی پیش نہ ہوتا - مگر اب جبکہ بدقسمتی سے اختلاف کی یہ شکل موجود ہے تو اس وقت جو کام تعلیم کی اندرونی خوبی اور معیار عقلی سے لیا جا سکتا ہے وہ تجربہ ہاے معرفت یعنی وحی والہام کے گرد و پیش کے حشو و زوائد کو دور کرنا اور مذہب کی اصلی شکل پر سے پردہ اُٹھانا ہے - غرض یہ کہ مختلف الہامون کی تعلیم کو عقل سے پرکھ کر یہ ثابت ہی نہین کیا جاتا کہ فلان خدا کی طرف سے ہے اور فلان اسکی طرف سے نہین بلکہ صرف یہی دیکھا جاتا ہے کہ ان مین سے حقیقی خوبی کس مین ہے اور خدا کی ذات و صفات کے متعلق قابل تسلیم عقیدہ کون پیش کرتا ہے جب کوئی مذہب ایسا ثابت ہو جائے تو پھر ضرور نہین کہ اُس کا خدا کیطرف سے ہونا بھی ثابت کیا جاوے کیونکہ ایسا الہام اور دوسرے تمام غلط الہام بھی خدا کے فاعلانہ توجہ سے اور غلطی جو کچھ موجود تھی وہ کچھ قصور استعداد کے سبب تھی اور کچھ بعد مین دیگر نفسانی خیالات کی آمیزش سے -

عقل مختلف مذاہب کی نزاع میں فیصلہ دی سکتی ہے۔

پروفیسر ولیم جیمس ایک طولانی لکچر میں ثابت کرتے ہیں[1] کہ مذہب ایک وجدانی امر ہے اور اسکی پیدائش عارفانہ الہاموں سے ہوتی ہے یا اس فطری خواہش سے جو انسان میں ودیعت ہی۔ اور یہ کہ خشک عقلی دلایل مذہب کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مذہب کے پیدا ہونے کے بعد اسکی تائید میں پیدا کیئے جاتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ اس طرح پر

"عقل کا یہ کام رہا ہے کہ مذہب کو ناگوار پوستہ دگی سے نجات دے اور کار فرماس کے لیے قابل تسلیم بنائے"

اور آگے پرنسپل جان لیئرڈ کی کتاب فلاسفی آف ریلیجیئن کا اقتباس لکھتے ہیں کہ

"مذہب حقیقت میں ایک دل کی چیز ہے لیکن اسکو باطنیت اور بیرو یقینی کی فضا سے نکالنے کے لئے اور نیز حق و باطل مذہب میں تمیز کرنے کیلیئے ضرور کسی ظاہری معیار کیطرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور جو چیز دل پر قابض ہے یعنی مذہب۔ تو اسے نہ سے دیکھنا پڑتا ہی کہ کیا وہ حق ہی اور کیا اسکو ایسا استحقاق حاصل ہے؟ کہ ہماری وجدان پر قابض ہو اور کیا اسکو ایسا معیار گردانا جائے؟ جس سے وجدان کو پرکھ سکیں پس کسی شخص یا قوم یا فرقے کے مذہبی خیالات کا اندازہ لگانے میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کا دلی میلان کس طرف ہی بلکہ یہ کہ اس نے کیا سوچ سمجھ کر ان باطنی احساسات پر اعتبار کیا ہی۔ اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے مذہبی عقائد کیسے راسخ ہیں اور ان میں کس قدر جوش اور دارفتگی ہے بلکہ یہ کہ خدا یا اپنے معبود کی نسبت اسکے کیا خیالات ہیں جن سے ایسا رسوخ اور جوش پیدا ہوا ہے۔ دلی میلان بیشک مذہب کا ضروری عنصر ہے لیکن کسی مذہب کی خوبی اور قدر و قیمت جاننے کے لیے صرف میلان قلب کی قوت و ضعف کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اسکی عقلی بنیاد کو دیکھا جاتا ہے"

پھر اسی لکچر کے آخر میں یہ ثابت کرنیکے بعد کہ اگر تجربہ ہائے معرفت نہ ہوتے تو محض عقل سے مذہب کو پیدا کرنا یا ثابت کرنا ناممکن تھا۔ لکھتے ہیں کہ۔

"مگر فلسفہ کی نسبت صرف یہی منفی نتیجہ نکال کر خاموش ہو جانا میرے نزدیک فلسفہ پر ظلم کرنا ہی اسلئے مجھے بیان کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ مذہب کی کیا خدمت کر سکتا ہی۔ پس میں کہتا ہوں

[1] کتاب ورائٹیز آف ریلیجس اکسپیرینس لکچر ۱۸

کہ اگر فلسفہ اپنے قیاس و استقرا سے الٰہیات میں دخل نہ دے اور حقیقت ذات دریافت کرنے کے بجائے خدا کے عوارض و صفات میں غور کرے یعنی خود کو بجائے فلسفہ مذہب کہلانے کے علم مذہبی کا لقب دے تو بہت کچھ مفید ہو سکتا ہے۔"

"انسان کا ذہن جبکہ اپنے گرد و پیش کی ترغیبوں سے آزاد کیا جائے تو وہ اپنے معبود کی ویسی ہی تعریف کریگا جیسی اس کے سابقہ مسلمات عقل کے مناسب ہو پس فلسفہ ان تعریفوں سے واقعی و فضول اجزا کو تمیز کر سکتا ہے اور عقائد و عملیات دونوں کے غیر ضروری حصہ کو الگ کر سکتا ہے اور مذہبی عقائد کو علوم یقینیہ کے ساتھ مقابلہ کر کے اُن اصول کو جدا کر سکتا ہے جو عالمانہ نظر میں بیہودہ اور مہمل ہوں۔ اس طرح بیہودہ ناقابل خیالات کو نکال کر تصورات کا ایک ایسا حصہ باقی چھوڑیگا جو کم از کم ممکن ہو۔ پھر ان تصورات میں سے ہر ایک کو ایک جداگانہ قیاس فرض کر کے اُس کا امتحان کریگا جس طرح مختلف قیاسوں کا امتحان کیا جاتا ہے اور جس قیاس کو زیادہ قابل اعتراض پائیگا اس کو نکال کر تعداد کم کرتا جائیگا اور پھر تا بہ کسی ایک کا حامی بنجائیگا جس کو بالکل ثابت یا قابل اثبات پائیگا۔ پھر اس قیاس یا رای کی تعریف میں اصلاح کریگا اور اس میں جو اجزا محض تمثیل کے واسطے ہونگے یا نفس عقیدہ سے غیر متعلق سمجھے جائینگے اُن کو تعریف کے اصلی اور ضروری اجزا سے جدا کریگا۔ نتیجہ یہ کہ وہ مختلف عقاید یا اہل عقاید میں منصف کا کام دیگا اور مذہب میں الحاق اور رنگ آمیزی جدا کرنے میں ممد ہوگا۔ اور اسکو جس قدر کامیابی ابھی اس کوشش میں ہو گی اسی قدر وضاحت کے ساتھ مذہب کے ذاتی عناصر اور عام اور ضروری اجزا معائنہ ہوتے جائیں گے۔"

"میں نہیں جانتا کہ ایک ایسا علم جس کا موضوع مذہب کی نکتہ چینی اور اس باغ کی سربرائی ہو وہ کیوں نہ ویسی ہی تسخیر عام حاصل کریگا جو علوم ظاہری کو حاصل ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس صورت میں وہ لوگ بھی جو مذہبی طبیعت نہیں رکھتے ایسے فلسفہ کے نتائج سے انکار نہ کر سکینگے۔ جیسے نابینا آدمی علم مناظر کے مسائل سے انکار نہیں کر سکتا لیکن جیسا کہ علم مناظر و مرایا بینا لوگوں کے تجربوں سے پیدا ہوا ہے اور اُنہی کے تجربوں سے اس کے مسائل ثابت ہوتے ہیں اسی طرح علم مذہبی کا ابتدائی

عنصر بھی لوگوں کے ذاتی تجربے (وحی والہام) ہوں گے - اور یہی آئندہ نکتہ چینی اور رد و قدح
میں تحقیق و تدقیق کا سنگ بنیاد ٹھیرینگے - غرض علم عالی حالت سے باہر جائیگا اور محض خالی فضا میں نہ اڑیگا
اور ہمیشہ اُس کو وہی اعتراف کرنا پڑیگا جو دوسرے علوم کرتے ہیں کہ مظاہر قدرت کی حقیقت ہماری سمجھ سے
باہر ہے البتہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اقرب بصواب ہے فلسفہ صرف الفاظ میں رہتا ہے اور صداقت و حقیقت
ہمارے دل میں ایسے طور سے در آتی ہے کہ لفظی قاعدوں سے بری ہوتی ہے۔"

غرض یہ کہ جو لوگ مذہبی تجربوں یا جلوہ ہاے معرفت کی لذت سے آشنا نہیں ہیں وہ اگر محض اپنی راے
سے دوسرے لوگوں کے تجربوں کا لحاظ کرنے کے بغیر کوئی مذہب قائم کریں تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی
اندھا بنا لوگوں سے پوچھنے کے بغیر بینائی کے قواعد مرتب کرے پس اس حالت میں ایسے لوگوں کی عقل
مذہب کے بارہ میں کچھ مفید نہیں ہوسکتی - البتہ اگر روایات معرفت کو پیش نظر رکھ کر جو عقاید و مسائل ان روایتوں
کی بنا پر پیدا کئے گئے ہیں یعنے جو یقین اہل الہام نے پیش کی ہیں اُنکو عقلی معیار سے پرکھا جائے اور جو نقص
اہل الہام کے معصوم سے عمداً یا معتقدین کی نفسانی خواہشوں سے وحی کے ساتھ مل گئے ہیں اُنکو الگ
کیا جائے تو اس صورت میں عقل مذہب کی شناخت اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے میں بہت کچھ
مفید ہوسکتی ہے - بلکہ جن لوگوں کو معرفت کا کوئی جلوہ نظر آیا ہے وہ بھی اسی طرح اپنے دیکھے ہوئے جلوہ
کی نسبت فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا ان کے اپنے ذاتی میلان اور نفسانی خواہش کی کسقدر آمیزش ہے
اور خالص جلوہ ربانی اور حکم الٰہی کس قدر ہے -

مثلاً جلوہ ہاے معرفت کی جو مثالیں اوپر پروفیسر ولیم جیمس کی کتاب سے نقل کی گئی ہیں اُن
میں ایک شخص خدا کا جلوہ ایسی صورت میں دیکھتا ہے کہ اُسکو کوئی بھرنے کا گمان کرتا ہے - دوسرا خیال کرتا
ہے کہ میں خدا ہی میں رہتا ہوں اور ایک اور شخص اُسکی حضوری ایسے طور پر محسوس کرتا ہے کہ نہ اس کے لیے
سمت ہے اور نہ کوئی رنگ اور مزہ - ان میں سے پہلا شخص چونکہ زیادہ تر جسمانی خیالات میں مبتلا ہے اس لیے
اُس کو خدا کی نسبت بھی جسمانی صفات کا خیال ہوا ہے پس اگر اس کے خیالات میں ترقی نہ ہو اور نیز
اگر اس طرح کا جلوہ بھی اُس کو پیہم نظر آتا رہے اور وہ اس بنا پر ایک مذہب قائم کرنا چاہے تو ایسے مذہب میں ضرور

خدا کو مجسم اور گرفت مین لینے کے قابل مانا جائیگا اور غالبًا اسی قسم کی غلطیون سے بعض قدیم مذاہب مین خدا کو مجسم مانا گیا ہے۔ اور اسیطرح دوسرا شخص چونکہ خدا کے مطلق اور غیر محدود ہونے کو دنیا کے عام اور وسیع خیالات سے مشابہ سمجھتا ہے اس لیے اسکو فضا کی طرح اپنے رہنے اور چلنے پھرنے کا ظرف تصوّر کرتا ہے اور تیسرا شخص چونکہ اعلیٰ خیالات مین ان سے ممتاز تھا اسلیے ایسے توہمات مین مبتلا نہین ہوا پس عقل اس قسم کے مختلف خیالات مین منصف بن سکتی ہے اور علوم یقینیہ کی تطبیق سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان مین سے کونسا خیال قابل تسلیم ہے۔

مگر یہ سب کچھ اسی صورت مین ہو سکتا ہے کہ نظام کائنات اور عام مناظر قدرت مین غور و فکر کرنے سے انسان مین ذہن سلیم اور فکر صائب پیدا ہو جائے اور سنت اللہ یعنی قوانین قدرت کا مطالعہ کرتے کرتے حق و باطل مین تمیز کرنے کی صلاحیت حاصل ہو چکی ہو اور یہ سب قابلیتین ظاہر ہے کہ ابتداے آفرینش سے موجود نہ تھین بلکہ قانون ترقی کے موافق رفتہ رفتہ اور نہایت طویل زمانے مین پیدا ہوئی ہین پس اسی قدر زمانہ گذرنے کے بعد انسان کو کائنات کے مطالعہ سے مذہب کو تحقیق کرنے کرنے کی استعداد میسّر آئی ہے۔ ورنہ گذشتہ زمانے مین جبکہ انسان وحشی حالت مین تھا اس وقت کے رہنماؤن کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ کسی بڑے ممتاز نظارہ قدرت یعنی معجزہ سے لوگون کو خدا کی طرف بلائین اس لیے اس وقت کے لیے وہی عجیب باتین آیۃ اللہ اور برہان قویم تھین اور انکے برخلاف عقل و شعور کے زمانے مین ذرّہ سے لیکر آفتاب تک ہر چیز اس کی طرف بلانے کے لیے زبان گویا کا حکم رکھتی ہے۔

عقل ترقی سے مذہب کو استحکام ہوتا ہے

بلکہ انسانی علوم جس قدر ترقی کرتے جائینگے اور قوانین قدرت کی پیچیدگیان جس قدر کھلتی جائینگی اسی قدر خدا کی قدرت کو ماننے کا سامان زیادہ مہیا ہوتا جائیگا۔ بیشک خدا کی بڑی قدرت ہے کہ اس نے حرکت کرنے کے لیے ہاتھ پاؤن اور دلی خیالات ظاہر کرنے کیلیے زبان اور قلم کو مہیّا کیا۔ مگر سٹیم سے حرکت کا سامان اور بجلی سے نامہ و پیام کی سہولت دیکھکر اس سے بھی زیادہ قدرت ثابت ہوتی ہے اور اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جس نے ہلکے سے

غبار میں لاکھوں من بوجھ لیجانے کی اور غیر محسوس برقی رو میں ہزاروں کوس طے کرنیکی طاقت رکھی ہے اور اس کیلئے خاص قاعدے اور قانون مقرر کئے ہیں اور جس نے انسان کو یہ عقل دی ہے کہ وہ ان قاعدوں کو دریافت کرے اور ان طاقتوں سے کام لے۔ وہ حکیم و خبیر خدا بڑی قدرت اور عظمت کا مالک ہے اور بیشک خدا کے خوف سے ڈرنے والے وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو اسکی بے انتہا قدرت کا پتہ لگاتے ہیں۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۔ بیشک بندگان خدا میں سے اسکے خوف سے ڈرنیوالے علما ہی ہیں

اور ان قوتوں کو پہچانتے ہیں جو پہاڑوں کو ہلا سکتی ہے زمین کو چکر میں رکھتی ہیں اور آفتاب یا مہتاب سے کو ایک خاص نظام میں جکڑے ہوئے ہیں اور پھر بھی مانتے ہیں کہ ابھی اسکی قدرتوں کی کوئی حد نہیں اور بقول نیوٹن اعتراف کرتے ہیں کہ حقیقت کے ناپیدا کنار سمندر کے صرف ساحل پر کھڑے ہیں۔

اور تو اور ڈاروِن کی وہ تھیوری جس کو مذہب کی بیخ و بنیاد اکھاڑنے والی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے رو سے انسان و حیوان اور ان کی آنکھ ناک وغیرہ اعضا کسی خاص ہستی نے ابتدائً پیدا نہیں کئے بلکہ تمام جاندار ایک ہی نسل سے ہیں جس کے ناقص اور بیکار اعضا یکے بعد دیگرے معدوم ہوتے ہوتے انسان جیسی مخلوق بصورت ہستی موجود ہو گئی ہے۔ اس تھیوری سے بھی مذہب کے نابود ہو جانے کا خوف اب توہم ہو چلا ہے۔ پہلے ہمارے دل اسی صنعت کو دیکھکر عش عش کیا کرتے تھے کہ ایک ناچیز قطرہ کیسے کیسے عجب طور پر پرورش کیا جاتا ہے کہ وہ جمادی حالت سے ترقی کرتے کرتے ایک سرو قامت گلعذار اور عقل و فہیم انسان بنجاتا ہے۔ اب اگر ڈارون صاحب کا خیال درست ہو تو اسکی قدرت کا کرشمہ اور بھی عجب ہو جاتا ہے کہ پانی کے ایک کیڑے کو ایسی استعداد و ملکہ بخشا ہے کہ وہ نہ صرف اپنی موجودہ بے حس و حرکت زندگی کو قائم رکھنے کے قابل ہے بلکہ ترقی کی ایسی قابلیت رکھتا ہے کہ بڑھتا ہے۔ اپنے ناقص اور بیکار اعضاء کو بدلتا ہے۔ کچھ سے کچھ اور کچھ سے کچھ ہوتا ہوا رینگنے والے کیڑے سے شہ زور اور طاقتور حیوان بنتا ہے اس سے آگے بڑھتا ہے بشیعوسی کی حالت سے ڈارون جیسے ہزاروں سال پیشتر کی باتیں جاننے والے انسان کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ پس کیڑے کو ایسی استعداد دینے والا کیا کچھ قدرت نہ رکھتا ہوگا۔

اور ابھی تک صرف حیوانات کو ایک خاندان فرض کیا گیا ہے اور نباتات کو غالباً ایک جداگانہ سلسلہ مانا جاتا ہے لیکن اگر کبھی یہ رد ہ بھی کھل جائے اور معلوم ہو کہ نبات بھی ترقی کرتے کرتے حیوان اور حیوان سے انسان بنجاتی ہے تب بھی خدا کی قدرت پر کوئی حرف نہ آئیگا۔ بلکہ مٹی کے ایک ذرہ میں نبات حیوان اور انسان بننے کی قابلیت پیدا کرنے والا اہل دل کے لیے اب سے زیادہ حمد و ثنا کے لائق ہوگا۔ غرض واقعات عالم کے ذرائع اور اسباب خواہ کتنے ہی معلوم ہوتے جائیں اور انسان ان اسباب کے قاعدے دریافت کرکے سب چیزوں سے حسب منشا کام لینے کے قابل ہو جائے تو جو وات تمام عالم کا سرچشمہ ہے اسکی قدرت زیادہ سے زیادہ ثابت ہوتی جائیگی۔ علم و حکمت کے متوالے طبقات زمین کی تحقیق کرتے ہوں یا اجرام سماوی کی حرکات دیکھتے ہوں قانون مقناطیس سے پیش از وقت زلزلہ کی اطلاع پائیں یا آفتاب کے داغوں سے موسمی تغیر کو پہچانیں ہر حال میں اگر دماغ کے ساتھ دل بھی رکھتے ہیں تو ہر ذرہ سے خدا کا نام سنینگے اور ہر واقعہ سے اسکی شہادت پائینگے اور انکو اعتراف کرنا پڑیگا کہ اے پیدا کرنے والے تو نے ایسا عجیب نظام محض رائیگان نہیں بنایا اور ضرور ہمکو کسی مدعا کیلئے پیدا کیا ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۚ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ

(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۰)

بیشک آسمان زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے تغیرات میں عقلمندوں کے واسطے نشان ہیں۔ مگر کون عقلمند؟ جو خدا کو بیٹھے اُٹھے اور لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے پروردگار تو نے اس نظام کو رائگان نہیں بنایا تو پاک اور برتر ہے۔ ہمکو آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

ختم نبوّت

جلوہ ہاے معرفت کی دو قسمین ہین۔ بظاہر ختم نبوّت ممکن ہے۔ فیضان وحی بالواسطہ اور بیواسطہ۔
اگر ترقی کرنے والے ابھی حد امکان تک پہنچ گئے ہیں تو آیندہ کے لئے ارتقا کا بند ہو جانا ممکن ہے۔
انسانی علم صرف تعلقات تک رہا ہے۔ مذہب بھی محض خالق و مخلوق کے تعلقات بتانے کا مُدعی ہے۔
مذہبی ترقی کثافت سے لطافت کی جانب ہے۔ ختم نبوت اور سپنسر۔ ختم نبوت اور پیمانہائے اعلیٰ
اخلاق کیا ہو سکتے ہین؟۔

ذکر یہ تھا کہ جس طرح پر خاص انسانون کو علوم جسمانی مین بعض اوقات مین خاص نکتے سُوجھتے ہین اور اِس طریق سے انسانی عقل ترقی کرتی ہے اِسی طرح خاص بندون کو خاص اوقات مین نکات معرفت معلوم ہوتے رہتے ہین اور یون مذہب ترقی کرتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ مذہب بالاتر ہستی کا تجربہ ہے اس لیے اُس مین انسان کی طرف سے انفعال اور خدا کی طرف سے فاعلانہ قدرت کا ظہور ہوتا ہے اور اِسی کو وحی کہتے ہین۔ اِس ضمن مین معراج اور معجزہ کا ذکر ایک جملہ معترضہ تھا جسکی اہمیت اور نیز اسکے خلاف غلط اعتراضون کی کثرت کے سبب مضمون کو معمول سے زیادہ طول دینا پڑا۔ اب نفس مضمون کی طرف رجوع کرتا ہون۔

جلوہ ہاے معرفت کی دو قسمیں ہین

جلوہ ہائے معرفت جو خدا کے نیک بندون کو نظر آتے ہین انکی مختلف شکلون کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجربے دو قسم کے ہین۔ ایک کسی خاص وقت مین یا بعض خوش قسمتون کو اکثر کوئی حضوری ہوتی ہے جو ان کے ذاتی افکار مین یا سلوک معرفت کی وقتون مین سہولت اور اطمینان کا باعث ہوتی ہے لیکن اس سے کسی مشکل مسئلہ کا حل یا جدید عقیدہ کا انکشاف نہین ہوتا اور اسکو اصطلاح مین کشف کہتے ہین اور جس شخص کو یہ حاصل ہو اگر وہ پہلے سے بالکل درست اعتقاد رکھتا ہو اور اُس کے کشف مین کوئی نفسانی آمیزش نہ ہو تو ولی کہلاتا ہے اور اگر ایسا نہین تو صاحب استدراج نام پاتا ہے۔ اور دوسری قسم

کے وہ تجربے ہین جن سے کسی سابقہ نقص اور غلط فہمی کی اصلاح ہوتی ہے اور سلسلہ عقائد اور ذرائع وصال ربانی یعنی عبادات و معاملات کے متعلق خدائی احکام دریافت ہوتے ہین اور خاص اسی قسم کے تجربے ہین جن کو اصطلاح مذہب مین وحی کہتے ہین اور یہی تجربے ہین جن سے مختلف مذاہب پیدا ہوئے ہین اور جن کے لانیوالون کو پیغمبر کہتے ہین۔

بظاہر ختم نبوت ممکن نہین

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح پہلے سے ہوتا آیا ہے آیا اسی طور پر آئندہ بھی کشف اور وحی کا سلسلہ جاری رہیگا یا کسی وقت اس کا بند ہو جانا بھی ضرور ہے۔ اور چونکہ عقلی ترقی محدود نہین ہے اور کوئی وقت ایسا خیال مین نہین آسکتا کہ انسان آئندہ قوانین قدرت کو دریافت نہ کر سکے اس لیے اس پر قیاس کرتے ہوئے کشف و وحی کے بارہ مین آسان جواب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ سلسلہ بھی کبھی منقطع نہ ہوگا مگر اس جواب کو صحیح سمجھنے سے پہلے کسی قدر اور بھی غور کر لینا چاہئے۔

فیضان وحی بالواسطہ اور بے واسطہ

کشف مین چونکہ نئی تعلیم نہین ہوتی اور محض سالک کے سفر کو آسان کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے اس کا فائدہ دوسرون تک نہین پہونچتا بلکہ اکثر اہل تصوف حالات کشف کو مخفی رکھنا ضروری جانتے ہین تاکسی طرح تکبر اور رعونت نہ پیدا ہو۔ اسکے برخلاف وحی سے نہ صرف صاحب وحی کو بلکہ عام خلق اللہ کو فائدہ پہونچتا ہے اور غلطیون کی اصلاح ہوتی ہے اور اسلیے انبیا پر فرض ہوتا ہے کہ اپنی تعلیم کو شائع کرین۔ پس یہ پیغام جو خلق اللہ مین شائع کرنے کے لیے القا ہوتے ہین۔ ان کی انسان تک پہونچنے کی دو صورتین ہین۔ ایک جب کوئی صاحب استعداد موجود ہوتا ہے تو خدا کی طرف سے اسکو وحی کی جاتی ہے۔ اور دوسری صورت یہ کہ جب تک کوئی شخص منصب نبوت کے لائق نہ پیدا ہو وہ نکات اور احکام جو کسی نبی پر اتر چکے ہین ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہونچتے رہتے ہین۔ پہلی صورت کو لا آف ایوولیوشن یا قانون ارتقا کہنا چاہیئے۔ اور دوسری صورت کو لا آف ملٹی پلی کیشن یا قانون توارث۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کے دیگر معاملات مین قانون ارتقا اور قانون توارث کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے یا کبھی کسی وجہ سے اس کا انقطاع بھی ہو سکتا ہے اور اسی طرح پر غور کرنے سے جو قاعدہ ان کے جاری رہنے یا بند ہونے کے واسطے دریافت ہوگا اسی کی مدد سے وحی کی نسبت بھی فیصلہ ہو سکیگا۔

ارتقا

توارث

اگر ترقی کرنے والے اپنی حد امکان تک پہونچ گئے ہین تو آئندہ فاقون ارتقا کا بند ہوجانا ضروری ہے

زمین اور اُسکی پیدایش یعنی موالید ثلاثہ کی نسبت اِس قدر تو یقینی اور بدیہی بات ہے کہ آبادی کے قابل ہونے پر پہلے اسمین نباتات کا ظہور ہوا ہوگا یا بعض ایسے حشرات الارض کا جن کو نباتی غذا کی ضرورت نہین۔ نباتات مین اگرچہ بعض ایسی بھی دریافت ہوئی ہین جو جانورون کو غذا بناتی ہین مگران کو جانورو کے بعد کی مخلوق ماننا مگر بھی نباتات کا بڑا حصہ حیوانی غذا سے بے نیاز اور حیوانون سے پہلے موجود ماننا پڑتا ہے۔ ان کے بعد ایسے حیوانات پیدا ہوئے ہونگے جو نبات سے غذا لیتے ہین اور ان کے بعد وہ حیوان جو گوشت کھاتے ہین اور انسان کے لیے چونکہ تمام قسم کی نباتات اور ہر قسم کے حیوانات کی ضرورت ہے اس لیے یہ سب کے بعد دُنیا مین آیا ہوگا۔ اس سلسلہ کو یقینی ماننے کے بعد اب احتمالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جنمین سے قدیم خیال یہ ہے کہ ہر ایک نبات اور ہر ایک جاندار مجرّدًا پیدا ہوا ہے۔ اور ایک خیال علمی دُنیا مین اب حکومت کر رہا ہے کہ سوائے ابتدائی آبی کیڑے کے اور کوئی جاندار ابتداءً معرض وجود مین نہین آیا بلکہ اسی کیڑے کی نسل سے بدلتے بدلتے ہر قسم کے حیوانات بن گئے ہین حتےٰ کہ وہی نسل بڑھتے بڑھتے بندر۔ بن مانس اور انسان ہوگئی ہے۔

ان دونون احتمالون کو آپس مین کُشتی لڑتے ہوئے اور ایک دوسرے کو پٹکنے کا شانہ زمین پر لگاتے ہوئے چھوڑکر جو امر مشترک دونون مین پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام نبات خوار اور گوشت خوار حیوانات ایک ہی وقت مین پیدا نہین ہوئے بلکہ پہلے مدتیک کسی طرح کے کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہون گے کیونکہ ایسے جاندار اب بھی دیکھے جاتے ہین کہ کسی متعفن جگہ یا گندہ موسم مین نہایت جلد پیدا ہوجاتے ہین۔ پھر انکی نسل بڑھنی شروع ہوئی ہوگی حتی کہ جب وہ وقت آیا ہوگا کہ ان سے بڑا کوئی اور جانور بھی زندہ رہ سکے تو وہ موجود ہوگیا ہوگا۔ خواہ کیڑے مین ہی یہ استعداد آگئی ہو کہ وہ مینڈک مچھلی کی شکل حاصل کرے یا سطح زمین مین یہ قابلیت ہوگئی ہو کہ اُس مین سے بڑے جانور کا ظہور ہوسکے۔ پھر حسب معمول کچھ مدّت اِس جانور کی نسل چلی ہوگی اور ایک وقت پر اس جانور کی یا سطح زمین کی استعداد کامل ہونے پر کوئی تیسری شکل ظاہر ہوئی ہوگی اور یونہی سلسلہ جاری رہا ہوگا کہ کچھ عرصہ ایک ہی جانور نسل در نسل چلا آتا ہوگا اور

کسی وقت مین کوئی نئی صورت پیدا ہوتی رہی ہو گی حتٰے کہ ایک وقت پر ان سب کا دربار آراستہ ہونے کے بعد حضرت انسان کا جلوس شاہی نمودار ہوا ہو گا۔

اور اس طرح ہم دیکھتے ہین کہ جب تک انسان کی ایک نوع مین یا سطح زمین مین دوسری شکل پیدا کرنیکی استعداد نہ موجود ہو یا ناقص ہو تو قانون توارث عمل کرتا ہے اور ہرن کا بچہ ہرن اور بکری کا بچہ بکری پیدا ہوتا ہے یعنے قدرت کا اثر باپ کی وساطت سے بیٹے تک پہونچتا ہے اور جب یہ استعداد کامل ہو جاتی ہے تو قانون ارتقا قانون توارث کی جگہ لیتا ہے اور ایک اور حیوان کی شکل دکھنے مین آتی ہے یعنی قدرت براہ راست عمل کرتی ہے اور بیٹے مین وہ بات پیدا ہوتی ہے جو باپ مین نہ تھی۔

لیکن اب انسان کو وجود پذیر ہونے پر اگر مادّہ مین ہمین تک ترقی کرنے کی استعداد ودیعت تھی یا اگر خدا کا ارادہ دُنیا مین اسی نوع تک پیدا کرنے کا تھا تو کہنا چاہیئے کہ آئندہ اس سلسلہ مین قانون ارتقا کا خاتمہ ہو گیا اور اب قانون توارث سے انسان کا بچہ انسان ہی پیدا ہوتا رہیگا۔ اگرچہ ایک اور سلسلہ مین یعنی انسان کی عقلی قابلیت مین قانون ارتقا اب بھی عمل کر رہا ہے مگر اس وقت ہم حیوانی شکل و صورت کے سلسلہ کو دیکھ رہے تھے جس کے بدلنے سے نوع حیوانی کا نام بدل کر بلّی کے بعد شیر اور بندر کے بعد بن مانس کہنے لگتے ہین اور عقلی ترقی سے ایسا تغیّر پیدا نہین ہوتا بلکہ افریقہ کا وحشی اور یورپ کا فلاسفر دونون کا نام انسان ہی رہتا ہے۔

اچھّا تو شکل و صورت یا انواع حیوانی کے سلسلہ مین قانون ارتقا کی نسبت سوال ہونے پر یہ عام جواب کہ "قانون ارتقا کبھی بند نہ ہو گا" بالکل غلط ہے بلکہ سچّا جواب یہی مشروط جواب ہو گا کہ اگر مادّہ اپنی واقعی شکل تک پہونچ گیا ہے تو قانون ارتقا ختم ہو گیا اور یہ ہمکو معلوم ہے کہ مادّہ کی انتہائی شکل انسان ہے اس لیے یون بھی جواب ہو سکتا ہے کہ اگر انسان مادّہ کی واقعی شکل ہے۔ تو قانون ارتقا ختم ہو گیا۔

اب جی سکے بارہ مین قانون ارتقا کے بند یا جاری رہنے کا سوال ہو تو اس کی نسبت بھی یہی عام

فیصلہ غلط ہوگا اور سچا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ انسان کے لیے جہان تک خدا کو پہچاننا ممکن ہو اگر وحی کے تجربے اُس حد تک پہونچ چکے ہیں تو اس سلسلہ مین بھی قانون ارتقا کی گنجایش نہین - اور معرفت کا یہ مسئلہ جو ایک دفعہ قانون ارتقا کے روسے قدرت کے براہ راست عمل کرنے سے کسی انسان پر منکشف ہوا ہے آئندہ قانون توارث کے روسے ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہونچتا رہیگا جس طرح پیدایش کا سلسلہ کسی خاص حیوان تک پہونچنے کے بعد قانون ارتقا سے انسان پیدا ہوا ہے اور آئندہ صرف قانون توارث کے روسے انسان سے انسان پیدا ہوتا رہتا ہے اور اب کسی حیوان سے یا زمین سے انسان پیدا نہین ہوتا +

مگر آگے یہ دقت پیش آتی ہے کہ سلسلہ حیوانی مین مادہ کی انتہائی صورت یقیناً معلوم تھی کہ وہ انسان ہے ورنہ مذہبی سلسلہ مین خواہ تاریخی طور پر وحی کی انتہائی صورت معلوم ہو سکتی ہو مگر دنیا مین وحی کا جھوٹا دعوے کرنے والے بھی ہوتے آئے ہین اس لئے ثبوت وغیرہ سے پہلی کسی شکل کو انتہائی کہنا غلط ہوگا پس جیسا جواب حیوانی سلسلہ مین دیا جا سکتا ہے کہ "اگر انسان مادہ کی واقعی شکل ہے تو قانون ارتقا ختم ہو گیا" اس قسم کا جواب مذہب کے بارہ مین نہین ہو سکتا بلکہ اسکی جگہ یون کہنا پڑے گا کہ اگر مسئلہ وحدت وجود خدا کا واقعی جلوہ ہے جس تک انسان پہونچ سکتا ہے تو جس شخص نے سب سے پہلی اس مسئلہ کی تعلیم دی ہے وہ خاتم الانبیا ہوگا اور پیچھے آنے والے سب اسی کے خوشہ چین ہون گے اور اگر خدا کا انسان کی شکل مین حلول کرنے کا باپ بیٹے کی شکل مین آنے کا مسئلہ خدا کا واقعی جلوہ ہے تو اسکی تعلیم لانے والا سب سے آخری نبی ہے - یا اگر خدا کی نسبت واقعی علم یہ ہے کہ وہ بغیر مادہ اور روح کے دنیا کو پیدا نہین کر سکتا تو اس مسئلہ کو ظاہر کرنے والا آخر المرسلین ہے اور اسی طرح دنیا کے ہر ایک مذہب کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس کو واقعی کشف ہو گیا ہے تو پھر خدا کی طرف سے کسی اور نبی پر وحی مسئلہ القا کرنے کی ضرورت نہین اور آئندہ محض اسی انسان کی وساطت سے واقعی تعلیم رائج ہو سکتی ہے - اب آگے عقل کی وساطت سے یا جس طرح بھی ممکن ہو یہ تلاش کرنا انسان کا فرض ہے کہ ان صورتون مین سے کونسی صورت ہے جسکو خدا کا واقعی جلوہ کہا جائے +

انسانی علم صرف تعلقات تک رہتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ چونکہ خدا غیر محدود ہے اِسلئے اسکی حقیقت تک پہونچنا محدود انسان کے لیے ناممکن ہے مگر یہی صورت مادّی علوم میں پیش آتی ہے (انسان مادہ کی حقیقت کو دریافت نہیں کر سکتا اور اس کا مبلغ علم صرف اس قدر ہے کہ اس کے بعض اوصاف اور تعلقات سے واقف ہو اور اس کے علم کی صحت یہ ہے کہ اُن تعلقات اور اوصاف تک پہونچ جائے جو واقعی مادہ کے اندر موجود ہیں اور غلطی یہ ہے کہ ایسے تعلقات اور اوصاف کا یقین کیے جو اس میں نہیں ہیں مثلاً ہم سنکھیا کو دیکھتے ہیں اور چاہے ہم اُس کو کیسا ہی تحلیل و تحلیل کرنے کے قابل ہو جائیں اسکی حقیقت سے ناآشنا رہیں گے اور صرف اُس کے بعض اوصاف معلوم کر سکینگے مثلاً یہ کہ وہ بسیط ہے یا مرکب ہے اور اُس کے اندر اس قدر اجزا ہیں پس اگر ہم نے سنکھیا کے وہی اوصاف دریافت کئے ہیں جو واقع میں اُسکے اندر ہیں مثلاً یہ کہ اُسکو ایک خاص وزن تک کھانے سے انسان مرجاتا ہے تو ہمارا علم صحیح ہے اور اگر اسکے خلاف کوئی اور یقین پیدا ہو گیا ہے مثلاً یہ کہ اسکو اناج کی طرح کھانے سے غذا کا کام لے سکتے ہیں تو ہمارا علم غلط ہے۔ ڈاکٹر سپنسر کہتے ہیں[1]۔

"سائنس کی ترقی یہاں تک بھی ہوا ہے صرف اندرونی اور بیرونی تعلقات کی تکمیل ہوتی ہے (اسکی مثال یوں دیتے ہیں کہ) ایک تیتری کسی نبات کی خاص خوشبو سے اُسے کھانے لگتی ہے تو اُس وقت اُس کے اندر خوشبو کا تصوّر ایک حرکت پیدا کرتا ہے یعنی خوشبو جو بیرونی چیز ہے اس سے تیتری کے دل میں ایک تصور پیدا ہوتا ہے اور جیسا خوشبو کو درخت سے تعلق ہے ویسا ہی اس تصور کو کھانے سے تعلق ہے۔ اور اسی طرح تیتری کے قد و قامت رنگ ڈھنگ اور قرب و بعد کی نسبت کو دیکھ کر چڑیا کے دل پر ایک اثر ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اُسکو کھانے کو دوڑتی ہے اور اسی طرح عقاب چڑیا کو دیکھ کر چڑیا کے اندرونی حرکات سے زیادہ پیچیدہ اعصابی اور جسمانی حرکات کے ساتھ چڑیا پر جھپٹتا ہے۔ اور ان سب کے اوپر شکاری ہے جو عقاب کی شکل اور اسکے قرب و بُعد وغیرہ کے علاوہ معدنیات کے اثر اور مختلف کام کرنیوالے قوانین قدرت کے اوضاع و اطوار سے متاثر ہو کر بندوق مارتا ہے"

[1] کتاب فرسٹ پرنسپلز باب نمبر ۴ خلاصہ صفحہ ۸۲ وغیرہ ۱۸۸۴ء۔

اور بار ود بھر کر اور اسکے اثر کا قانون دریافت کر کے عقاب کو مارنا چاہتا ہے۔ پس چونکہ زندگی اپنے تمام مظاہر میں بشمول قوت عقلیہ مادرجہ غایت اندرونی اور بیرونی تعلقات کے ایک مسلسل مطابقت اور درستی کا نام ہے اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری علم کو محض تعلقات سے تعلق ہے اسکی بہائت سادہ شکل یہ ہے کہ اندرونی حالات اور بیرونی وسائل کا کسیقدر علم ہو جیسے مرغی کو چونچ سے دانا اور کھانے کے تعلق کا علم ہے اور اس سے اعلےٰ ساخت ذرا اور پیچیدہ اندرونی اور بیرونی تعلقات کو معین کرلیا ہے جیسے انسان نے عقاب۔ لوہا اور بارود کو دیکھ کر جانور کو مارنے کا طریقہ معلوم کرلیا۔ پس عقل وذہانت کی یہ کارروائی کیسی ہی اعلےٰ ہو صرف تعلقات دریافت کرنے تک محدود ہے اور اس سے آگے نہ اندرونی حالات کو جان سکتی ہے اور نہ بیرونی وسائل کو۔ صرف اتنا جانتی ہے کہ کونسی چیز کس کے ساتھ ہوتی ہے (مثلاً خوشبو کے ساتھ مٹھاس) یا کس چیز کے بعد کونسی چیز آتی ہے۔ (مثلاً بندوق چلانے کے بعد جانور کا مرنا) پس صداقت صرف یہی ہے کہ ہم تعلق کو ٹھیک دریافت کرلیں اور غلطی یہ ہے کہ تعلق کو ٹھیک دریافت نہ کریں۔ غرض عقل چونکہ تعلق دریافت کرنے کا نام ہے اسلئے کوئی قوت متفکرہ تعلق سے آگے نہ بڑھ سکیگی "

مذہب بھی محض خالق و مخلوق کے تعلقات بتانے کا مدعی ہے۔

غرض جب ہماری کل کائنات تعلق ہی کو دریافت کرنا ہے تو خدا کے لامحدود ہونے کو اور دریافت حقیقت ممکن نہ ہونے کو بہانہ بنا کر تلاش معرفت سے پہلو تہی کرنا انسان جیسی عقیل ہستی کی شان نہیں اور جب ہم حقیقت کسی چیز کی بھی دریافت نہیں کرسکتے تو جس طرح مادی علم میں صرف مادہ کے تعلقات پر قناعت کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی خدا و مخلوق کے تعلقات کو دریافت کرنا ہی انتہائی نظر ہوگا اور مذاہب انہی تعلقات کو دریافت کرنے کا دعوے کرتا ہے ایک کہتا ہے کہ مخلوق اور خالق کا تعلق یہ ہے کہ ایک ہی ہستی مختلف مظہروں میں جلوہ کر رہی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ ایک نے دوسری کو نیست سے ہست کیا ہے اور تیسرا دعوی کرتا ہے کہ ایک نے دوسری موجود چیز کو مختلف شکلیں عطا کی ہیں۔ اسی طرح ایک کہتا ہے کہ جب تک وہ کسی خاص محسوس شکل میں جلوہ نہ کرے انسان اس تک نہیں پہونچ سکتا اور دوسرا کہتا ہے کہ اس تک پہونچنا ہو تو تمام

خاص چیزون سے پرے دیکھو - اور یہ تمام تعلقات ہین حقیقت دریافت کرنیکا دعوی ان مین سے کسی مین بھی نہین اور انہی تعلقات مین غور کرنا اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ہمارا فرض ہی - اِس تحقیق مین اگر ہم اس نتیجہ تک پہونچ جائین کہ فلان تعلق واقعی تعلق ہے تو اسی کی تعلیم دینے والے کو خاتم المذاہب کہینگے اور اگر بالفرض کسی تعلق کو بھی واقعی نہ کہہ سکین تو اس صورت مین بیشک مذہب کی آئندہ ترقی کا احتمال باقی رہیگا - مگر اس صورت مین بھی مذہب سے بالکل اعراض کرنا یا بالکل بے سوچے سمجھے کسی ایک پر کاربند ہونا غلط ہوگا بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ ان مین سے واقعی غلط کون ہی اور فریب بصداقت کون - اور خود فریب بصداقت ہون ان مین سے سب سے ترقی یافتہ اور بالاتر کون ہے اور پھر سب کو چھوڑ کر سب سے بالاتر پر عمل پیرا ہونا ہوگا - کیونکہ جب تک عقل کو معلومہ قوانین قدرت سے بالاتر قوانین دریافت کرنے کی استعداد نہین ہوتی عقل کا فرض ہوتا ہے کہ موجودہ معلومات مین جو سب سے برتر ہون ان پر کاربند ہو اور اُس سے پہلے کے معلومات کو جو غلط ثابت ہو چکے ہین ترک کرے - مثلاً جب تک انسان پانی اور ہوا وغیرہ کو تحلیل نہین کرسکا اربعۂ عناصر پر یقین کرتا رہا اور جب ان چیزون کے اجزا دریافت ہو گئے تو اب اگرچہ ان اجزا کے تحلیل کا احتمال بھی باقی ہے مگر جب تک وہ وقت نہ آئے انسان کا فرض ہے کہ آگ اور پانی وغیرہ کو عنصر کہنے پر اصرار نہ کرے اور جو اجزا دریافت ہوگئے ہین اُن کو عنصر مانکر اپنی عالمانہ نتائج اور مختلف فنون اور صنعتون کی بنیاد اسی اصول پر رکھے - اسی طرح کسی مذہب کو سب سے ترقی یافتہ تسلیم کرنیکے بعد ہمارا فرض ہوگا کہ اس سے کمتر مذہب پر اصرار نہ کرین اور اس بالاتر مذہب کو مانکر اپنی عارفانہ رفتار مین اسکی ہدایتون پر کاربند ہون ؁

غرض ہم ختم نبوت کے نتیجہ پر پہونچیں یا بحالت موجودہ سب سے بہتر مذہب کو معلوم کرین دونون حالتون مین عملی نتیجہ ایک ہی ہوگا - اور ہاتھ پاؤن توڑ کر بیٹھے رہنے یا ہر کس و ناکس کے دروازہ سے بھیک مانگنے کی بجائے کوشش کرنا اور ایک دروازہ تک پہونچنا ضرور ہوگا - مگر اس کوشش مین معیار بھی جلوۂ معرفت ہونا چاہئیے - کیونکہ مذہبی جذبہ خدا کی طرف بلاتا ہے - اِس لیے خدا کی شناخت ہی اس کے نتائج کا معیار ہوسکتی ہے ؁

مذہبی ترقی کثافت سے لطافت کی جانب ہے

اب خدا کی شناخت کو ختم نبوت یا ترجیح مذہب کا معیار گردانکر واقعی جلوۂ معرفت تلاش کرنیکے لیے اُن استدلالوں کے علاوہ جو بیرونی شہادت سے پیش کئے جائیں خود مذاہب کے اندرونی تغیّر وتبدّل اور ترقی کی روش سے بھی استدلال ہوسکتا ہے۔ کیونکہ سب سے ابتدائی مذاہب جو دُنیا مین پائے جاتے ہین اُن مین کبھی بالکل محسوس اور معیّن چیز کو اور اکثر اوقات ایسی کئی کئی چیزون کو معبود گردانا گیا ہے اور اِس طرح خدا کو محسوس۔ محدود۔ منقسم۔ ناقص۔ فانی اور متغیر سمجھا گیا ہے[1]۔ اور چونکہ یہ سب سے ابتدائی شکل ہے اسلئے اس کے علاوہ اور جس قدر شکلین مذہب مین پیدا ہوئین اُن سب کو اِس شکل سے ترقی یافتہ اور صداقت سے قریب تر سمجھنا چاہیئے اور پھر جب ان شکلون کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مین خدا کی محدودیت اور نقصان وغیرہ مین زیادتی نہین کی گئی بلکہ درجہ بدرجہ اسکو غیر محدود و مطلق۔ کامل۔ دائم اور نامتغیر مانا گیا ہے۔ مثلاً درخت پتھر سے ترقی کی ہے تو اگرچہ خیال دنیوی چیزون کی طرف ہی گیا ہے مگر درخت پتھر سے لطیف تر یعنی پانی اور ہوا وغیرہ کو خدا مانا ہے۔ اس سے آگے اس سے لطیف تر یعنی پانی اور آگ کے موکل اور دیوتا فرض کئے ہین اور اس کے بعد بتدریج بڑھتے بڑھتے اور دنیوی چیزون کا لطیف سے لطیف درجہ فرض کرتے کرتے تمام دُنیا کا مجموعہ اور پھر اس سے آگے تمام دُنیا کا امر انتزاعی یعنے درجۂ اطلاق خدا مانا گیا ہے اور پھر دُنیا سے پرے اور تمام اشیا سے برتر اور اعلیٰ ہستی تک پہونچے ہین اور مانا ہے کہ خدا تمام اشیا سے بالا ہے تمام کثافتون سے پاک۔ تمام لطافتون سے متصف اور عقل و قیاس سے برتر ہے۔ مگر نہایت کثیف درجہ یعنی محسوسیت سے آغاز کرکے ایسے لطیف درجہ تک آنا اور اس کو پورے طور پر دل مین جگہ دینی آسان

---

[1] یہ پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ مذہب کی تکمیل خدا کی طرف سے نہین ہوسکتی بلکہ اسکی طرف سے پہلے جذبۂ مذہبی پیدا کیا گیا ہے اور اس جذبہ کے اثر سے جب انسان نے تلاش شروع کی تو سب سے پہلے وہ محسوسات ہی کیطرف جھکا پس یہ ایک آمیزش ہے جو انسان کے تصور بشری سے الہام ربانی کے ساتھ ہوگئی اور علیٰ ہذا القیاس اس کے بعد جبکہ کسی نبی نے تعلیم دی کہ خدا تمہارا بیس ہے بلکہ تغیر وغیرہ کا خالق ہے تو جن طاقتون میں انہون نے جمادات اور نباتات میں تغیر ہوتا دیکھا انکی طرف جھک گئے۔ اور اسی طرح آخر تک ایک صادق وحی سے مذہبی ترقی اور ایک غلط قیاس سے غلط آمیزش ہوتی گئی۔

آسان کام نہ تھا چنانچہ جب پہلے پہل اس درجہ تک پہونچے ہیں تو اس عقیدے نے واقعی شکل میں زبان
سے دل تک آنے اور عملی حالت پر اثر کرنے میں بہت وقت صرف کیا اور خدا کو واقعی سب سے برتر کہنے کے
بعد کسی نے نیتی نیتی[1] یعنی خدا نہ یہ ہے نہ وہ ہے کہتے کہتے نقائص سے پاک ماننے کے علاوہ اسکی تمام
صفات کاملہ کو بھی اُڑا دیا۔ اور اگرچہ فلسفیانہ چھان بین کے وقت ہم کسی چیز کی ذات کا خیال اور اُس کی
صفات کا خیال جدا جدا ذہن میں لا سکتے ہیں اور اس طرح ذات کے مرتبہ کو تمام صفات سے معرّا تصور کر سکتے ہیں
یہ محض ذہنی عمل ہوگا ورنہ خارج میں کوئی چیز ایسی موجود نہیں ہو سکتی جو کوئی صفت نہ رکھتی ہو کیونکہ
اِس کو موجود مانکر کم از کم وجود کی صفت ضرور لاحق کرنی پڑتی ہے پس خدا کو نیتی نیتی کہہ کر تمام صفات
سے معرّا کرنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ موجود بھی نہیں اور صرف ذہن نے دیگر موجودات کو دیکھ کر
اسکا تصور قائم کر لیا ہے پس گویا اس مذہب نے موجودات عالم کو تحلیل کرتے کرتے اُس کے آخری
درجہ یعنی حالت اطلاق تک پہونچ کر اس کو خدا مان لیا ہے اور مذہبی جذبہ جو خدا کو موجود اور ہر حال
میں ہر چیز کا حامی و ناصر ماننے کا تقاضا کرتا ہے اور نیز جلوہ ہائے معرفت جنمیں بالعموم خدا کا دیدار بطور
ایک موجود فی الخارج کے ہوتا ہے ان دونوں کو اس مذہب سے تعلق نہیں ہے اور بقول ولیم جیمس گویا یہ
علم مناظر کا ایسا حل ہے جو بصارت والوں کے تجربہ پر مبنی نہیں ہے۔ اور اسی طرح اور مذاہب نے اگرچہ زبان
سے خدا کو برتر از قیاس کہا مگر عملاً اِس اعتقاد کی تردید کی اور جب اس کے برتر از قیاس ہونے کو دل میں
نہ جا سکے تو کبھی کسی بُت کو اُس کا خاص جلوہ گاہ فرض کیا اس کے بعد کبھی کسی انسان میں اُسکا ظہور مانا
اور اس طرح پر خدا کو اُس کے درجہ سے نیچے لا کر عبادت ایسی چیز کی شروع کی جو محدود و متقید اور ہر طرح
سے ناقص ہے نہ وہ برتر از خیال و قیاس ہستی۔ اور پھر کبھی اسکی ذات کو برتر مانا مگر اسکی صفات کو برتر
ماننے کیلئے تیار نہ ہوئے اور اسکی قدرت کا انسانوں کی قدرت پر قیاس کر کے خالقیت وغیرہ میں
اُس کو مادّہ کا محتاج ماننے لگے۔ ان سب کوششوں کے بعد معرفت کا وہ درجہ ہے جس میں خدا کو برتر
از احساس (لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ط انعام پارہ ۷ ع ۱۳) برتر از قیاس (لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ط طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۶)
تمام مثالوں سے بالا (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ط شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۲) تمام صفات کمال سے متصف

[1] یہ سوامی شنکر اچاریہ مشہور حامی ویدانت کا مذہب ہے جس کو وہ اپنشدوں سے استخراج کرتے ہیں۔

(وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اعراف پارہ ۹ ع ۲۲) سب سے بے نیاز (اَللّٰهُ الصَّمَدُ پارہ ۳۰ اخلاص) ذات وصفات میں یکتا (رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْكَ لَهٗ انعام پارہ ۸ ع ۷) اور تنہا لائق عبادت (لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ انعام پارہ ۷ ع ۱۳) اور ہر چیز کا خالق (خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ انعام پارہ ۷ ع ۱۳) مانا گیا اور اس وقت وہ ترقی جو معرفت کے بارہ میں کثافت سے لطافت کی طرف شروع ہوئی تھی ختم ہوئی کیونکہ دائرہ کے ایک نقطہ سے عین مقابل نقطہ تک اور بالکل کثیف سے کامل لطیف تک پہونچ گئی ہے اور یہی انتہائے ترقی اور کمال معرفت ہے۔ اس کے بعد کہدینا آسان ہے کہ آئندہ معرفت کی وحی ہوتی رہیگی مگر صرف گمان پیدا کر لینا اور ہے اور کوئی معقول وجہ پیدا کر کے آئندہ کی امید باندھنی اور ہے بیشک خدا غیر محدود ہے اور انسان اسکا احاطہ نہیں کرسکتا مگر انسان کے واسطے کمال معرفت بھی یہی تھا کہ اس کو تلاش کرتا ہوا اس یقین تک پہونچ جائے کہ وہ سب سے بالا ہے اور اپنی صفات کمال میں کسی چیز کا محتاج نہیں اور ہم اسکی ذاتی اور صفاتی کنہ تک نہیں پہونچ سکتے اور نہ صرف زبان سے اپنے عجز کا اعتراف کریں بلکہ عملاً بھی کسی اور ناقص چیز کو خدا کا مظہر یا اس کا شریک نہ مانے اور عبادت کرنے کے وقت محدود تہا پر دھیان نہ جمائے بلکہ عبادت بھی اس برتر ہستی کی اسی برتر حیثیت سے کرے اور جب اعتقاد اور عمل کے اس درجہ تک رسائی ہو جائے تو آئندہ انسان کیلئے کوئی درجہ باقی نہیں اور مذہب اور وحی اور نبوت ختم ہو گئی۔ البتہ دوسرے قسم کے جلوہ ہائے معرفت جو انسان کو سلوک معرفت میں اطمینان بخشنے والے اور قرب وصال کی خوشخبری دینے والے ہیں ہمیشہ انسان کی اپنی حیثیت کے موافق ہوتے رہیں گے کیونکہ ان کے بغیر سالک کو منازل طے کرنے میں کامیابی کا یقین نہیں ہو سکتا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱۱)

جو لوگ ایمان لائیں اور متقی ہوں اس کے لئے بشارتیں ہیں دنیوی زندگی میں اور آخرت میں۔

عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ مِصْرَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَقَالَ مَا سَأَلَنِیْ اَحَدٌ عَنْهَا غَیْرُكَ اِلَّا رَجُلٌ

قبیلہ مضر میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس آیت قرآنی کے بارہ میں پوچھا کہ لہم البشرٰی الخ ابو درداء نے کہا کہ جب سے میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وَاحِدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
مَا سَأَلَنِي عَنْهَا اَحَدٌ غَيْرُكَ مُنْذُ اُنْزِلَتْ
هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ
اَوْ تُرٰى لَهٗ ۔

(ترمذی - ابواب الرؤیا)

سے اس آیت کا مطلب پوچھا ہے مجھ سے تجھ سے پہلے
ایک شخص کے سوا اور کسی نے نہیں پوچھا اور جس معنی جناب
رسالت مآب سے پوچھا ہے تو آپ نے یہی فرمایا تھا کہ جب یہ
آیت اتری ہے مجھ سے تیرے سوا کسی نے اسکا مطلب نہیں
پوچھا۔ بُشریٰ سے مراد نیک خواب ہے جو مسلمان دیکھتا ہے
یا اس کے بارہ میں کسی اور مسلمان کو نظر آتا ہے۔

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ
اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ
الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ (بخاری باب المبشرات)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ نبوت میں سے مبشرات کے
سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ مبشرات
کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ نیک خواب۔

ختم نبوت اور سپنسر

ھربرٹ سپنسر اپنی فلسفیانہ نظر سے موجودہ درجۂ معرفت سے آگے ایک اور درجہ کو دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں[1] کہ ایک وقت پر خدا کو ایسا مطلق سے مطلق اور برتر سے برتر سمجھا جائیگا کہ اسکی طرف کوئی صفت منسوب نہ ہوسکیگی اور انسان ہر ایک حیثیت سے اوس کو ناقابل فہم تسلیم کریگا۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر طرح کا کمال اور حسن جو آج انسان خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اور وہ ہر طرح کی امداد اور اعانت جو اسکی طرف سے پہنچنے کا یقین کرتا ہے یہ سب خیالات دور ہو جائینگے اور صرف خدا کا اقرار ہوگا اور کچھ نہ ہوگا اور ان کے نزدیک ترقی اس وقت ختم ہوگی۔

انصاف کی نظر مسٹر سپنسر کی اس ترقی کو دیکھ کر ویدانت[2] والوں کی فلسفیانہ باریک بینی کا اعتراف کرتی ہے کہ انہوں نے بہت عرصہ پہلے سے خدا کی نسبت اسی قسم کے خیالات قایم کئے ہوئے ہیں فرق اگر ہے تو اس قدر کہ عموماً وحدت وجود کو ماننے والے اور غالباً ویدانت فلاسفی کے پیرو بھی فرق مراتب کو مانتے ہیں اور ان کے نزدیک مرتبہ ذات بحت (خالص) سب سے اول ہے اور اس مرتبہ

[1] کتاب فرسٹ پرنسپلز آخر باب پنجم۔

مین ذات کے ساتھ کسی صفت کا انتساب نہین ہوتا اور پھر مرتبہ احدیت اور واحدیت وغیرہ کے بعد مرتبۂ صفات مانا جاتا ہے اور اس درجہ مین ہر طرح کے صفات کمال اسکی طرف منسوب ہو سکتی ہین مگر مرتبون کا یہ تمام امتیاز اور تفریق صرف ذہن مین ہو سکتی ہے اور خارج مین جو ذات موجود ہے اس مین تمام مراتب متحد ہوتے ہین اور مسٹر سپنسر خدا کے وجود خارجی کو تمام مراتب سے معرّا اور محض ذات بحت کا درجہ مانتے ہیں۔

مگر حقیقت مین جیسا کہ مین ذکر آیا ہون ویدانت کی منتہی اور سپنسر کا ان نوابل دونون عقیدے فلسفہ کی پیدائش ہین۔ جذبۂ مذہبی کی ترقی کا نتیجہ نہین ہین۔ کیونکہ جذبہ مذہبی نے جس رستہ پر ترقی کی ہے اسمین خدا کو بیشک کتنی ہی لطیف مانتا چلا گیا ہے مگر ساتھ ہی اُس کو حسن و کمال مین بیشتر از بیشتر مانتا آیا ہے۔ پس اس طرز کی ترقی کا اختتام اسی درجہ پر ہوتا ہے جہان اُس کو ہر طرح کی لطافت اور ہر طرح کے حسن و کمال مین ایسا اونچا مانا ہے کہ عقل اُس تک پہونچ نہین سکتی۔ اب اسکے آگے اگر اسکی طرف صفات کو منسوب کرنے سے بھی انکار کیا جائیگا اور انکار مین صفات حسنہ بھی منفی ہو جائنگی تو یہ ترقی نہ ہوگی بلکہ دائرہ کی ایک قوس سے آگے بڑھکر نیچے کی طرف اترنا ہوگا۔ اور بیشک اگر مادیت کی ترقی مذہب کی طرف سے بے پروائی اور جذبۂ مذہبی کو دبانے کی کوشش جو آجکل ہو رہی ہے اسی طرح جاری رہی تو مذہب اور خدا سے انکار کرنے کا پہلا زینہ یہی ہوگا کہ اگر خدا ہے تو وہ حسن و خوبی کا خدا نہین ہے بلکہ محض درجہ اطلاق اور ہستی موہوم ہے اور اس کے بعد اس رستہ پر ترقی کرنے کا اختتام یون ہوگا کہ نہ صرف صفات بلکہ خود ذات بھی کوئی چیز نہین ہے اور اس وقت دائرہ مذہب کی عروج اور نزول دونون قوسین ختم کرکے انسان اُسی نقطہ پر پہونچ جائیگا جہان سے ابتدائے وحشت مین چلا تھا۔ اور ہم مانتے ہین کہ اس نقطہ پر پہونچنے والا شخص اگر اسکو نبی کہا جائے تو مذہب کو نابود کرنے والے انبیا مین خاتم المرسلین ہوگا مگر مذہب کو ترقی دینے والے نبیون مین خاتم الانبیاء وہی ہے جس نے مذہب کو موجودہ ترقی تک پہونچایا۔

مسٹر سپنسر اپنی ایجاد کردہ معرفت مین اتنا نقص تسلیم کرتے ہین کہ بحالت موجودہ انسان

اس کو ماننے کے لئے تیار ہے اور نہ اس کو ماننا اس وقت انسان کی اخلاقی حالت کو درست کرنیکے
قابل ہوگا بلکہ اس کے برخلاف نہایت ناگوار نتائج مرتب ہون گے کیونکہ آجتک کی تہذیب مین
انسان اور اسی خیال سے قائم رہ سکتا ہے کہ کوئی خدا ہے جو اسکو نیکی بدی کا پھل دیتا ہے
اور اپنے تعلقات وداد وستد سے اس پر ہر وقت تصرف رکھتا ہے اور اگر خدا کو تمام صفات سے
معرا مانا جائے تو جزا و سزا اور تعلقات وداد وستد بھی چونکہ صفات ہین اس کیطرف منسوب نہ ہوسکینگے
اور انسان بالکل آزاد ہوجائیگا۔ مگر یہ کہتے ہین کہ جس وقت انسان تمدنی حالت کے کمال تک پہونچ
جائیگا اور سمجھ لیگا کہ نیک و بداعمال کے نتائج بے انتہا پھیلے ہوے چلے جاتے ہین اور خود بخود ظاہر
ہوتے ہین تو اس وقت خدا کی نسبت ایسا بلند عقیدہ مناسب ہوگا۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ انسان ایسا مہذب ہوجائے تو اس وقت بھی ایسے خدا کا اقرار کیا فایدہ دیگا
کیونکہ جب نیک و بداعمال کا اثر خود بخود پہونچنا تسلیم ہوجائیگا اور صفات خداوندی کی نفی سے انسان
کے ساتھ اُس کا کسی طرح تعلق ہی نہ مانا جائیگا تو اس وقت ایسے خدا کو ماننے کی کیا ضرورت ہوگی۔
پس جیسا کہ مین کہتا ہون یہ اعتقاد خدا کو نہ ماننے کا پہلا زینہ ہوگا اور یہ درجہ مذہبی تنزل کی ابتدا
ہوگی نہ اُسکی ترقی کی انتہا۔ البتہ ڈاکٹر سپنسر کی تقریر سے جس کا خلاصہ مینے نقل کیا ہے یہ نتیجہ نکل سکتا
ہے کہ اگر انسان ترقی کرتا ہوا نیک و بدنتائج کے سلسلہ کو چشم عقل سے دیکھنے کے قابل ہوجائے تو
اُس وقت خدا کو ماننے کے بغیر بھی اخلاق قایم رہ سکتے ہین۔ مگر اول تو یہ صورت جب خیال مین
آسکتی ہے کہ ہر فرد بشر عقل و غرور مین سپنسر ہوجائے جو ایک امید موہوم سے زیادہ نہین اور دوسرے
یہ بحث کہ اخلاق خدا کے بغیر بھی قائم رہ سکتے ہین ہمارے اس موضوع سے باہر ہے کیونکہ یہان
جذبہ مذہبی اور اُسکی ترقی کا ذکر ہے نہ جذبہ اخلاقی اور اُس کے وجود و عدم کا اور جذبہ مذہبی کی نسبت
ہم دیکھتے ہین کہ وہ خدا کو مانتا ہے اور اپنے خدا کو مانتا ہے اور مسٹر سپنسر کا خدا خدا تو شاید ہو مگر اپنا
خدا نہین ہے اس لیے یہ جذبہ مذہبی کا تنزل ہوگا نہ ترقی۔

ختم نبوت اور پارکر

مسٹر ٹی پارکر اگرچہ ختم نبوت کے لفظ سے گھبراتے ہین مگر ایبسولیوٹ یعنی

مکمل مذہب کی تلاش ان کو بھی ہے چنانچہ اُس کے لیے ایک معیار قائم کرتے ہیں اور پھر اس معیار کے مطابق تعلیم دینے والے مذہب تک پہونچتے ہیں اور اپنے نزدیک اس مذہب کو سب سے مکمل اور اُس کے اصول کو دائمی ثابت کرتے ہیں چنانچہ معیار قایم کرتے ہوے فرماتے ہیں کہ[۱]

"مذہب اور محبت کی قسم ہمیشہ ایک ہی رہی ہے گویہ دونوں اُن ولولوں کے لحاظ سے جو اُن کے ساتھ ہوتے ہیں اور نیز اس چیز کے لحاظ سے جو ان دونوں کا مقصود رہا ہے بہت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے رہے ہیں مثلاً محبت کا ولولہ کبھی کمزور ہوتا ہے کبھی زبردست۔ کبھی جاہلانہ کبھی عاقلانہ کبھی خودغرضی کے ساتھ کبھی اخلاص کے ساتھ۔ یہ تو محبت کرنیوالے کے اوصاف ہیں اور پھر ایسا ہی اختلاف اُس چیز کے متعلق نظر آتا ہے جس کی محبت کی جائے یعنی محبت اولاد کی ہوتی ہے یا بیوی کی یا دوست کی یا اسکے سوا اور۔ اسی طرح مذہب کے مختلف عنصر میں یعنے مذہب کبھی عقیدت کے ساتھ ہوتا ہے کبھی خوف کے ساتھ۔ کبھی دانائی کے ساتھ کبھی جہالت کے ساتھ۔ کبھی محبت سے اور کبھی ڈر سے۔ اور اسی طرح مذہب کا مطلوب کبھی ایک چیز ہوتی ہے کبھی بہت چیزیں اور کبھی تمام چیزیں۔ اور ایسا ہی کبھی اُسکو بالکل مکمل مانا جاتا ہے اور کبھی محدود کبھی ظالم کبھی متلون اور کبھی ناقابل اُلفت"

اور پھر آگے چل کر مکمل مذہب کی تعریف کرتے ہیں کہ

"مکمل مذہب خدا کے قانون کی کامل اطاعت کرنا۔ جسم کے ہر ایک عضو اور روح کی ہر ایک طاقت کے مناسب استعمال اور تکمیل اور ترتیب سے خدا کی عبادت بجالانا اور خدا اور انسان کے ساتھ کامل محبت رکھنا ہے جس سے زندگی میں انسان کی تمام طاقتیں جہاں تک کر سکیں ہم آہنگی اور تناسب سے کام کریں"

یہ معیار قائم کرنیکے بعد وہ مسیحیت کو سب سے مکمل مانتے ہیں کیونکہ اُس کے اصول میں داخل ہے کہ

"تمام انسانوں سے ایسی محبت کرو جیسی اپنے آپ سے اور خدا کے ساتھ سب سے اوپر"

مسٹر پارکر کی پہلی تقریر سے جسمیں اُنہوں نے مذہب کی مختلف شکلیں بیان کی تھیں گمان ہوتا تھا کہ وہ واقعی نتیجہ تک پہونچینگے کیونکہ اسمیں مذہب ماننے والے کے مختلف ولولے اور مدعائے مذہب

---

[۱] اے ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجن مقالہ سوم۔ باب اول صفحہ ۳۱ ۱۸۷۲ء

یعنی خدا کی معرفت کے مختلف مدارج دونوں باتوں کو پیش نظر رکھتے ہیں جس کا اثر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ عبد اور معبود دونوں کی مکمل حالت کو مکمل مذہب کی تعریف میں مد نظر رکھا جاتا۔ گو حیرت ہے کہ وہ تعریف کرتے کے وقت مذہب ماننے والے کی سب سے اعلیٰ خواہش کا تو خیال رکھتے ہیں اور اس مذہب کو مکمل مانتے ہیں جس کی بنیاد کامل محبت پر ہو۔ لیکن مدعائے مذہب یعنی معرفت خدا کی سب سے اعلیٰ شکل کا ذکر تک نہیں کرتے اور اس وجہ سے جو تعریف مکمل مذہب کی اُن کی قلم سے نکلی ہے وہ اس صورت پر بھی صادق آسکتی ہے جب کوئی شخص بہت سی محسوس اشیا کو خدا مانتا ہو اور تمام انسانوں سے محبت رکھتا ہو

کاش اگر مسٹر بارکر کو تعریف کرتے وقت یہ سہو نہ ہو جاتا اور وہ تکمیل معرفت کا بھی خیال رکھتے تو مسیحیت کے کمال کا نتیجہ نہ نکال سکتے۔ کیونکہ جس مذہب میں خدا کی تقدیس و تنزیہہ کی طرف بالکل توجہ نہیں کی گئی حتّٰے کہ اُسکی ذات کا شرک۔ ولدیت۔ جسمانیت اور حلول وغیرہ ناموزون صفات سے پاک ہونا بھی صاف لفظوں میں بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کو باپ کے لفظ سے پکار کر ایسا اشتباہ ڈالا گیا جسکی بنا پر تعلیم پانے والوں نے خود اسی کو خدا کا بیٹا مان لیا جو خدا کی بادشاہت کی خوشخبری دینے آیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک کا تین ہونا اور مجرد کا جسم میں حلول کرنا۔ ایسی قباحتوں کی بنیاد پڑی وہ مذہب کبھی دعوی نہیں کر سکتا کہ اس نے کامل معرفت کی تلقین کی ہے۔

یہ ہمارا ایمان ہے کہ نبی کی زبان سے بصراحت یہ عقائد بھی نہ نکلے ہوں گے جو اُن کے شاگردوں نے اُنکی نسبت قائم کیئے مگر اتنا ضرور ہوا کہ اس وقت کی استعداد کے موافق یا کسی اور وجہ سے وحی کو ایسے گول الفاظ میں بیان کیا گیا جس سے کامل معرفت پیدا نہ ہو سکی۔ اور اگر اس کے بعد خدا کی رحمت جوش میں نہ آتی اور وافی جلوہ معرفت سے خدا کی تنزیہہ و تقدیس پر صاف الفاظ میں وہ زور نہ دیا جاتا جو زور دینے کا حق ہے اور سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ (نسا پارہ ۶ ع ۲۳) کا غلغلہ فضائے عالم میں نہ پھیل جاتا تو مسیحیت میں یہ یونی ٹیرینٹ (موحد) وغیرہ فرقے اور یہ مسٹر بارکر جیسے موحد دیکھنے میں نہ آتے۔ بلکہ وہی حضرت پوپ کی خدائی حکومت اور انسانوں بلکہ تصویروں کی پرستش جاری رہتی اور دنیا کامل خدا کی تقدیس سے آشنا نہ ہوتی۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے

کہ ایسے مذہبوں میں بھی جو ہزاروں خدا مانتے تھے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ط کے غلغلہ سے بہت ہی موحد فرقے پیدا ہو گئے ہیں گو وہ اس سرچشمہ کا اعتراف نہ کریں جس سے نامعلوم طور پر ان کے لب تر ہوئے ہیں +

اعلیٰ اخلاق کیا ہو سکتے ہیں غرض مسیحیت میں جو کچھ کمال ہے وہ اُن چند اخلاقی اصول کا ہے جن کو مسٹر پارکر مذہبی کمال سمجھتے ہیں اور اُن کو اس سہو کی وجہ بھی یہی ہوئی ہے کہ خدا کی تقدیس کے متعلق اُن کو اس تعلیم میں کوئی زرین اصول نظر نہ آیا ورنہ ضرور مدعاے مذہب یعنی معرفت کے کمال کو وہ تعریف میں داخل کرتے - اور اگر غور سے دیکھا جائے تو گو تمام انسانوں سے اپنی جیسی محبت کرنا نہایت اعلیٰ اخلاق ہے لیکن اسکی تشریح میں جو فروگذاشت ہوئی ہے اور اس کا مطلب جس طرح پر سمجھا گیا ہے اُس نے اسی وقعت سی بہت دور کر دیا ہے کیونکہ جیسا مسٹر پارکر بیان کرتے ہیں کہ اگر دشمن ستر بار دشمنی کرے تب بھی اسکو معاف کر دینا چاہئے اور جیسا کہ انجیل کا ترجمہ کرنیوالوں کی عبارت سی سمجھا جاتا ہے (کیونکہ اصلی انجیل غالباً دُنیا کے پردہ پر موجود نہیں ہے) یہ اصول خاص خاص حالات میں اور خاص خاص مردان خدا کے لیے بیشک انکی رفعت درجات کا باعث ہی لیکن اسکو شرعی حکم قرار دینا اور معتقدین کے لیئے فرض ٹھیرانا کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپیڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دو" ایک ایسی فروگذاشت ہے کہ اگر یہ حکم صرف کاغذ پر نہ رہتا اور عیسائی قوم عملاً اس پر کاربند ہوتی تو دُنیا کے تختہ پر اُن کا نام باقی رہنا مشکل ہو جاتا - کیونکہ جب لوگوں کو یقین ہو جائے کہ انتقام ہرگز نہ لیا جائیگا تو جن لوگوں کی طبیعتیں بدی کی طرف راغب ہیں اور جن کو ایسے نفوس قدسیہ کی جان اور مال اور آبرو لینے میں کچھ فائدہ ہوگا وہ کبھی ایذا دہی سے باز نہ رہینگے -

غرض یہ اصول جنرل رول یعنے عام قاعدہ بننے کی ہرگز قابلیت نہیں رکھتا اور یہی وجہ ہے کہ کبھی اس پر عمل نہیں ہوا اور غالباً مسٹر پارکر نے اس نقص کو دیکھ لیا ہے اور اسی سلیئے وہ پسند کرتے ہیں کہ —

* اصول کی خوبی کو دیکھنا چاہیئے خواہ اصول کو پیش کرنے والا بھی اس پر کاربند نہ رہا ہو'

مگر یہ اُن کی غلطی ہے۔ اکثر اخلاقی اصول کی شناخت ہی یون ہو سکتی ہے کہ وہ قابل عمل ہے یا نہین۔
کون نہین جانتا کہ تعلقات زناشوئی کی خواہش یا مال کی خواہش ہی وہ جذبات ہین جن سے دُنیا مین
ہزارون طرح کے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہین لیکن باوجود ان فتنون کے عورت اور مال کی خواہش کو
بالکل دبانے اور مجرد او مفلس رہنے کا حکم اسی لیے نازیبا ہے کہ وہ قابل عمل نہین۔ یہی حالت اس
اصول کی ہے کہ وہ زبان اور قلم سے نکلتا ہوا نہایت خوبصورت اور دلکش معلوم ہوتا ہے مگر عمل کرنے
کے وقت ثابت ہوتا ہے کہ کس قدر ناموزون ہے۔

اور اگر مذہب کی خوبی یہی ہے کہ بظاہر خوشنما اصول پیش کئے جائین تو عیسائیت سے زیادہ کمال
اُن مذہبون مین ہے جو کسی جاندار کو بھی ستانا جائز نہین سمجھتے خواہ وہ کیسا موذی ہو بلکہ سانپون کو
دودھ پلاتے ہین مُنہ پر پٹی باندھتے ہین۔ جوتی نہین پہنتے صاف پانی نہین پیتے اور دوسرون کے
برتنون کا دھوون استعمال کرتے ہین تا غیر محسوس جاندار جو ہر جگہ پھیلے ہوئے ہین ان کے ہاتھ سے ضائع نہون
اور قتل و خونریزی سے اس قدر نفور ہین کہ اس مذہب کے پابند کو بادشاہ بننا بھی جائز نہین کیونکہ حکومت
کے لیے جنگ و جدل لازمی ہے مسیحیت صرف انسانون سے محبت رکھنے پر کمال کا دعوے کرتی ہے
مگر جو تمام مخلوق سے ایسا برتاؤ کرتے ہین جو اپنے آپ سے بھی نہین کر سکتے۔ وہ مسیحیت سے زیادہ مکمل کیون نہون
لیکن یہ غنیمت ہے کہ اس اصول کے پورے پابند صرف چند تارک الدنیا گوشہ نشین ہوتے ہین ورنہ اور
تو اور دُنیا مین سانپ ہی اس کثرت سے ہوتے کہ زمین سکونت کے قابل نہ رہتی۔

اور اگر اخلاق کی خوبی یہ ہونی چاہئے کہ اس سے بدی کا استیصال ہو اور امن و رحمت اشاعت
پائے تو چاہئے کہ درشتی اور نرمی دونون اپنے اپنے موقعون پر جائز ہون تا بد کو بدی کرنے اور نیکبختون
کو ستانے کا موقع نہ ملے اور خلق اللہ دین و دُنیا کے کام اطمینان سے بجا لائے۔ اور حقیقت مین
تمام انسانون سے محبت کرنیکا امر بھی یونہی ظاہر ہو سکتا ہے کہ صبر کرنے کا حکم ہو اور اُسکو انتقام سے بہتر
قرار دیا جائے مگر انتقام بھی جائز ہو اور اس کے ساتھ شرط ہو کہ سزا جرم کی حد سے نہ بڑھے ؛

لَتُبْلَوُنَّ فِیٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ	تم ضرور اپنے مال اور جان کے متعلق ستائے جاؤ گے

مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ط

(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۹)

اور اہل کتاب سے اور مشرکین سے بہت ہی ایذا کی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کو شعار بناؤ تو یہ اعلیٰ ہمتی کا کام ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ۔

(نحل پارہ ۱۴ ع ۱۶)

پس اگر تم سزا دو تو اسی قدر سزا دو جس قدر تم کو تکلیف پہونچی ہو اور اگر اس پر بھی صبر کرو تو صبر کرنے والوں کیلئے بہتر ہے۔

جنگ و جدل میں پیش دستی ممنوع ہے۔ مگر جب کوئی شخص اور محض اسوجہ سے مارنے کے لئے آمادہ ہو کہ ہم ایک خاص طرز مذہب کے پابند ہیں تو جواب دینا بھی فرض قرار پائے مگر اس وقت بھی حد سے بڑھنا جائز نہ ہو۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ط

(بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)

اور خدا کے رستہ میں ایسے نفسانی اغراض کے بغیر ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں مگر زیادتی نہ کرنا خدا زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا

اور ہر حال میں عدل و احسان کا حکم اور صبر و مغفرت کی ترغیب ہو اور ظلم و ستم کی ممانعت۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ط یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ط

(نحل پارہ ۱۴ ع ۱۳)

حکم خدا دیتا ہے عدل کا احسان کا قرابت داروں سے سلوک کرنے کا اور روکتا ہے بے شرمی برائی اور بغاوت کے کاموں سے اور وہ تم کو نصیحت کرتا ہے تاہم باز آؤ۔

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ط وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْهِمْ

اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے پس جو شخص معاف کرے اور صلح کرے تو اس کا اجر خدا پر ہے بیشک ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو شخص مظلوم ہونے کے بعد بدلا لے

مِنْ سَبِيْلٍ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)

اس پر کوئی مواخذہ نہین بیشک مواخذہ اُن لوگون پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر ناحق فساد مچاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کرے تو یہ کام اعلیٰ ہمتی کا ہے۔

غرض یہ ہے وہ اخلاق جس سے صبر اور مغفرت کی وجہ سے جبکہ ایسا کرنے کی ہمت اور نیز اقتضائے وقت ہو درجات کی بلندی میسر ہوتی ہے اور انتقام جائز ہونے سے بلکہ کسی کے بوجہ قاتلانہ حملہ کرنے کے وقت اگر تاب مقابلہ ہو تو انتقام فرض ہونے سے بدمعاشون کو بدی کرنے اور نیکبختون کو ستانے کا موقعہ نہین ملتا اور اس کے برخلاف اگر بدون کو سزا دینے سے روکا جاوے تو نہ نیک راحت پاسکینگے اور نہ بد بدی کو چھوڑینگے اور یہ دونون کے حق مین یعنی تمام انسانون کے حق مین دشمنی ہوگی نہ تمام انسانون سے اپنے جیسی محبت۔ اسی لیے انتقام کی تحریک مین کہا گیا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)

اور فتنہ قتل سے زیادہ برا ہے۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (انفال پارہ ۱۰ ع ۱۰)

اگر تم جہاد نہ کروگے تو زمین پر فتنہ اور بہت فساد برپا ہوگا۔

پس معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کے لحاظ سے بھی مسٹر پادر کو مکمل مذہب تلاش کرنے مین کامیاب نہین ہوسکے اور اسی قسم کی تکمیل بھی انہی لوگون کا حصہ ہے جو دنیا مین تلوار پکڑنے کے لیے بدنام ہین +

مختلف مذاہب پر نظر

دنیا کی موجودہ صورت۔ کیا یہ صورت ہمیشہ سے ہے؟ مادہ کی ابتدائی شکل۔ وہ خیال جو مہاتما بدھ کی طرف منسوب ہے۔ ہیگل اور سپنسر کی بحث۔ مادہ کا خود بخود عمل کرنا۔ وحدت وجود مادی۔ ایک سے زیادہ جزوں کا قدیم ہونا۔ وحدت وجود روحانی۔ عالم کا ہر ایک تغیر کسی مصلحت پر مبنی ہے۔ یک نا یک کیوں ہوا مطلق علیت کے سلسلہ میں نہیں علم بغیر تغیر کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ وحدت وجود کے لئے کیا تشبیہیں ہو سکتی ہیں۔

اگرچہ مکمل مذہب یا خاتم المذاہب تلاش کرنے کیلئے جو اصول قرار دیا گیا ہے اس سے اس مسئلہ پر بہت کچھ روشنی پڑ سکتی ہے لیکن کسی خاص مذہب کو اس درجہ پر ماننے کے بغیر کم از کم اس قدر تو ہر شخص تسلیم کر سکتا ہے کہ جس مذہب میں خدا کا انکشاف اس حد تک پہونچ گیا ہے جہاں تک انسانی دل و دماغ کی رسائی ہو سکتی ہے وہ مذہب سب سے اعلیٰ ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص صاف لفظوں میں اس کا اعتراف نہ کرے تب بھی معلوم ہوتا ہے کہ عملاً سب مذاہب اس اصول کو مانتے ہیں اور اسی لیے ہر ایک مذہب کی طرف سے اپنی تعلیم کو خدا کا واقعی انکشاف ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پس اس موقع پر اس امر کی نسبت غور کرنا بھی ضرور ہے کہ کونسا مذہب ہے جسکی تعلیم اصول عقلیہ کے مطابق دیگر مذاہب سے زیادہ قرین قیاس ہے مگر سر دست صرف اسی حیثیت سے غور کیا جائیگا کہ معرفت ربانی اور تعلق خالق و مخلوق کی نسبت کون سے عقائد برتری کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جہانتک میں سمجھتا ہوں مذہب کا اصول اور سب سے مہتم بالشان مسئلہ معرفت اور بندہ و خدا کا تعلق ہے اور اس کے علاوہ اخلاقی تعلیم اور اصول عبادت وغیرہ دوسرے درجہ پر اور اس اصول اولیٰ کو تقویت دینے والے ہیں۔

اور اگرچہ آجکل عقلاء زمانہ کا رحجان اِس جانب ہے کہ موجوداتِ عالم سے خدا کو ثابت نہیں کیا جاسکتا اور بقول پروفیسر ولیم جیمس آجکل اس قسم کی تحریروں کی نسبت کتب قانون کو خاک سی بھر دیا بہتر سمجھا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عقل کے خزانہ میں دولت ہی اس قدر ہے اور انسان کو آنکھ کھول کر محسوسات کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اسی لیے مذہبی اصول کو عقلی طور پر پرکھنے کے لیے بھی موجوداتِ عالم ہی کو معیار گردانا ہوگا۔ اور جہاں تک بن پڑے یہیں کے قاعدے قانون سے دیکھنا ہوگا کہ اس سے پرے کے حالات ہم کہاں تک سمجھ سکتے ہیں۔ اور جب قدرت نے ہماری عقل کو سرمایہ ہی یہ دیا ہے تو کیا بعید ہے کہ اسی دریا کی غوطہ زنی سے کسی وقت گوہرِ مقصود بھی ہاتھ لگ جائے۔ اس لیئے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب　　آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

اور جیسے کہ اوپر مفصل طور پر ذکر ہو چکا ہے کہ عقل اگرچہ مذہب کو پیدا نہیں کر سکتی۔ مگر وحی و الہام سے خدا اور مذہب کی نسبت یقین پیدا ہونے کے بعد جو اختلاف معرفت خدا اور پیدائش عالم متعلق اقوام عالم میں پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف سے نجات پانے اور کسی ایک تعلیم پر یقین کرنے کے لیے دلائل عقلیہ بہت کچھ مفید ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ہم بھی اس مضمون کے لیے اصول عقلیہ سے کام لینے کی جرأت کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کونسی تعلیم ان کے رو سے قابل تسلیم ثابت ہوتی ہے۔

دنیا کی موجودہ صورت

انسان جن چیزوں کو اپنے گرد و پیش دیکھتا ہے انمیں سے بعض اس کو اپنی چھوٹی سی عمر میں کئی طرح کی حالت بدلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ کمال کو پہونچتا ہے۔ پھر زوال شروع ہوتا ہے اور ہوتے ہوتے ایک دن مر جاتا ہے۔ وہ کھیت میں دانہ ڈالتا ہے روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ بڑھکر اپنے وقت پر پھل لاتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے وہ مکان بناتا ہے پہلے صاف میدان ہوتا ہے۔ پھر اینٹ مٹی کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ عمارت اٹھنی شروع ہوتی ہے۔ سر بفلک محل بنکر تیار ہو جاتا ہے۔ کچھ مدت میں بوسیدہ ہونے لگتا ہے اور ایک وقت منہدم ہو جاتا ہے۔ مگر ان کے علاوہ اکثر چیزیں اسے ایسی نظر آتی ہیں جن کو اسکی جسمانی آنکھ تمام عمر یکساں دیکھتی رہتی ہے۔ وہ زمین کو دیکھتا ہے کہ ہزاروں طرح کی مخلوق اس میں سے پیدا ہوتی ہے اور اسی میں سما جاتی ہے

مگر وہ جیسی بچپن میں دیکھی تھی ویسی ہی مرتیکے وقت تک نظر آتی ہے۔ وہ پہاڑوں کو دیکھتا ہے کہ جس طرح سے وہ کالے دیو بچپن میں دوڑنے کے وقت اِس کے سدراہ ہوتے تھے اسی طرح بڑھاپے کے وقت رفتار کو روکتے ہیں۔ وہ چاند سورج اور ستاروں کو دیکھتا ہے کہ جس قاعدے سے وہ روشنی دیا کرتے تھے اُسی قاعدے پر چلے جا رہے ہیں بلکہ ان کے علاوہ وہ بعض بڑے درختوں کو بھی تمام عمر دیکھتا رہتا ہے کہ ایک ہی قاعدے سے کبھی پھل لاتے ہیں اور کبھی پتے گراتے ہیں۔

کیا یہ صورت ہمیشہ سے ہے؟

اب سوال ہوتا ہے کہ کیا یہ قرین قیاس ہے کہ دُنیا کو اسی طرح پر مانا جائے کہ اسکی بعض چیزیں بدلتی رہتی ہیں اور بعض ازل سے ایک ہی حالت پر ہیں اور یہ دسترخوان ہمیشہ سے یونہی چنا ہوا ہے؟ عقل جواب دیتی ہے کہ نہیں یہ عقیدہ دماغ میں جگہ پانے کے قابل نہیں کیونکہ اگرچہ جسمانی آنکھ بڑے درختوں کو اور زمین اور دیگر کواکب کو ایک حالت پر دیکھتی ہے لیکن عقل کی آنکھ اُن کے تغیرات کو دیکھ رہی ہے اور وہ جانتی ہے کہ نہ صرف درخت بلکہ پہاڑ اور زمین اور چاند سورج سب اپنے اپنے وقت پر پیدا ہوئے ہیں اور نباتات وحیوانات کی طرح اپنے طفولیت، شباب اور پیری کا زمانہ گذارتے ہوئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ جہاں تک زمین کے پہاڑوں اور دیگر سخت طبقات کا تعلق ہے عقل کو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ہمیشہ سے اس شکل پر نہیں تھے اور وہ جانتی ہے کہ کیونکر ابتدائی حالت سے رفتہ رفتہ اس موجودہ شکل تک پہنچے ہیں۔ مگر اس سے پرے اگرچہ اسکی نظر بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی لیکن پھر بھی یقین ہے کہ سخت ہونے سے پیشتر جو حالت ہوگی وہ بھی ہمیشہ سے نہیں ہے اور اپنے موجودہ تجربوں سے عالمانہ اصول کے مطابق اسکی پہلی حالت کا خاکہ بھی کھینچا ہوا ہے اور فیصلہ کر چکی ہے کہ زمین کی جداگانہ ہستی بھی ایک محدود عرصہ سے معرض وجود میں آئی ہے اور نہ صرف زمین بلکہ تمام سیارے اور خود آفتاب بھی اسی تدریجی رفتار سے اس درجہ تک پہونچے ہیں ورنہ پہلے ایک وقت پر جداگانہ وجود کسی کا بھی نہ تھا۔ چنانچہ طبقات الارض کے مشہور عالم ڈاکٹر سر آرچبالڈ گیکی لکھتے ہیں [1]

---

[1] کتاب کلاس بک آف جیالوجی باب ستارہ وہم۔

اگر زمین کی تاریخ کا پتہ محض اس شہادت سے لگایا جاوے جو خود زمین کے اندر مہیا ہے تو ہم اُن قدیم تر اجزاء زمین سے آگے نہیں بڑھ سکتے جو ہماری دسترس کے اندر ہیں تاہم ہمیں کوئی شک نہیں کہ اس کرہ کے موجودہ منجمد اجزا کے ظاہر ہونے سے پہلے بھی اس پر تاریخ کا ایک لمبا زمانہ گذر چکا ہے اور یہ خیال ہم پر بھی ارتقا اور تکمیل کے اُن نشانات سے یقین تک پہونچ جاتا ہے جو عالمان ہیأت نے اجرام سماوی میں دیکھے ہیں اور چونکہ زمین بھی اُن ستاروں میں سے ایک ہے جو آفتاب کے گرد گردش کرتے ہیں اس لئے اس کی جداگانہ ہستی کے ابتدائی مدارج بالکل وہی ہوں گے جو تمام نظام شمسی میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے زمین کی ابتدائی تاریخ تلاش کرنے کے لئے عالم طبقات الارض کو عالمان ہیأت کی تحقیقات کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے"

"زمانہ حال میں تحقیقات کے صحیح تر طریقوں سے اور خصوصاً اجرام سماوی کی تحقیق میں دوربین کے استعمال سے وہ خیال صحیح ثابت ہوتا ہے جس کو نیبیولا کا عقدہ کہتے ہیں۔ اس عقدہ کے موافق اجرام سماوی کا یہ سلسلہ جس کو نظام شمسی کہتے ہیں ایک زمانہ میں جو کہ بہت ہی پرانا ہے نیبیولا یعنی تمام مادے کا ایک بادل کا سا مجموعہ تھا[1]۔ جیسے کئی مجموعے آجکل بھی فضا میں (کہکشاں کی شکل کے) مشاہدہ کئے جاتے ہیں اور یہ بادل اسوقت میں کم از کم اتنا ہی پھیلا ہوا تھا جتنی دور تک آجکل آفتاب کے گرد ستاروں کا ہجوم ہے اور اس بادل میں یا تو بالکل گلیا ہوا بخار ہوگا یا تیز حرکت کرتے ہوئے پتھروں کے بادل ہونگے جس طرح کے پتھر اب بھی گاہ گاہ شہابوں کے ساتھ ہماری فضا میں آتے اور زمین پر گرتے ہیں اور یہ پتھر تیز حرکت کرتے ہوئے رگڑ کھا کر بخار بن گئے ہونگے جیسا کہ غالباً دمدار سیاروں کی دم بخار بن کر اڑجاتی ہے۔ غرض کچھ بھی ہو پھر اُس بادل کا مادہ کثیف ہونا شروع ہوا ہوگا اور اس حالت میں کچھ کچھ حلقے جدا ہوتے گئے ہونگے جس طرح کا حلقہ اب بھی زحل کے گرد موجود ہے اور اس بادل کی دوری حرکت کے سبب یہ حلقے بھی اس کے گرد حرکت کرنے لگے ہوں گے اور جس قدر وہ بادل سکڑتا گیا ہوگا یہ حلقے نکلتے آئے ہونگے۔ لیکن اِن کے ٹکڑے

---

[1] ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ (حم سجدہ پ ۲۴ ع ۲) کیا عجب ہے کہ اسی کی طرف اشارہ ہو۔

اِس زور سے باہم نہ ٹکراتے ہوں گے کہ حرارت پیدا ہو کر پھر بخار بن جائیں اور آخر کار یہ حلقے بھی
ٹکڑے ٹکڑے ہو کر سیارے بن گئے ہونگے اور ان میں سے بعض کے کثیف ہونے سے پھر حلقے بن گئے ہونگے
جو کسی کسی میں اب تک موجود ہیں اور کسی میں وہ بھی کثیف ہو کر ان کے مددگار سیارے یا چاند بنگئے
اور جس قدر بھاری مادہ بادل کے وسط میں رہگیا وہ وہیں کثیف ہوگیا اور اسکی حرارت عرصۂ دراز
تک قائم رہنے کے قابل ہوگئی۔ پس آفتاب وہی بادل کا درمیانی حصہ ہے جس کی حرارت اس نظام کی
بعید ی مقامات تک پہونچتی ہے۔''

مادہ کی ابتدائی شکل

غرض عالمانہ نظر کسی قدر یقین اور کسیقدر استدلالی عمل سے زمین و آسمان
کو حادث مانتی ہوئی اُس بادل تک پہونچی ہے جس میں سے تمام اجرام سماوی پیدا ہوئے ہیں[1]
اور اگرچہ سائنس کی تحقیق ابھی تک اس سے آگے نہیں بڑھ سکی لیکن کیا آیندہ کے لیے کوئی سوال
بھی پیدا نہیں ہوتا اور کیا ہماری سمجھ کو اس سے تسکین ہو سکتی ہے کہ جہان کی ابتدا محض یہی بادل
ہے ؟ تحریک نیچری کے بڑے مہربان سٹریڈ[2] کا ایسا سوال کرنے سے روکتے ہیں اور فرماتے ہیں :-
'' ضرورت ہی کیا ہے کہ دُنیا کی اصلیت کو خیال میں لانے کی کوشش کی جائے ''

---

[1] دُنیا کا بادل سے شروع ہونا ایک تھیوری ہے جو ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ممکن ہے کہ اس کے سوا کوئی اور صورت
ہو اور حال ہی میں جو ریڈیم ایک حد مد دھات دریافت ہوئی ہے اس نے یہ خیال پیدا بھی کر دیا ہے کہ شاید آفتاب
میں اسی دھات کی بڑی مقدار موجود ہے اور اس لئے وہ بغیر سکڑنے کے حرارت اور روشنی پہونچا رہا ہو اور اس بیان پر
اسکا بادل کی شکل سے سکڑ کر موجودہ شکل میں آنا غلط ہو غرض خواہ کوئی صورت ہو سکڑنے کے علاوہ اور بھی کئی طرح کے تغیرات
عقل کو اور ریزہ دور میں کو نظر آتے ہیں جو آفتاب اور دیگر ستاروں میں ہو رہے ہیں اور اس لیے یقین ہے کہ یہ سب موجودات حادث
ہیں اور ضرور ہے کہ دنیا کی اس سے پہلی کوئی اور صورت ہوگی اور کسی طرح ممکن نہیں کہ جو شکل اس وقت موجود ہے ہمیشہ سے
یہ شکل اسی طرح پر چلی آتی ہو اور موجودہ صورت کیلئے اسی قدر ثابت ہونا کافی ہے ۔

[2] تھیوسوفی ٹیکسٹ بک صفحہ ۱۱۰ سنہ ۱۸۵۳ء

لیکن کیا واقعہ میں انسان کا دماغ اس سوال کو پیدا نہیں کرتا ؟ اور کوئی عام انسان تو خیر دیوانہ بھی ہو سکتا ہے اور اُس کے سوال کو دیوانہ پن کہہ سکتے ہیں۔ مگر کیا عالمانہ دماغ ضرور اس سوال سے خالی رہتا ہے ؟ ڈاکٹر سیمون نیوکوم ایل ایل ڈی جن کی نسبت سر رابرٹ بال ایل ایل ڈی لکھتے ہیں کہ :۔[۱]

" وہ نہ صرف امریکا میں تمام دنیا کے علما ہیئت اور دیگر علوم کے لحاظ سے مقدم لشن ہیں "

غرض ایسا عالم تو یہ سوال پیدا کرتا ہی اور کہتا ہے کہ[۲]

" نیبولا کے عقیدے کو مان کر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبیولا یعنے بخار کا بادل کیونکر پیدا ہوا اور اس کا آغاز کیونکر ہوا۔ لیکن اب ہم ایسی حد پر پہونچ گئے ہیں جہاں سائنس سوال تو پیدا کر سکتی ہے مگر اسکا جواب نہیں دے سکتی ۔ "

غرض معلوم ہوا کہ تحقیق کی حد پر پہونچ کر عقل پوری تسکین نہیں پاتی اور نہ عام عقل بلکہ سائنس کی عقل بھی سوال پیدا کرتی ہے۔ البتہ ڈاکٹر نیوکومہ ہمکو سائنس کیطرف سے کسی جواب کی امید نہیں دلاتے اور واقع میں ہونا بھی یہی تھا کیونکہ خواہ کسی زمانے میں سائنس اس بادل کو چیر کر دیکھ لے اور اسکی ساخت کا پتہ لگا سکے لیکن جس شکل کو اس سے پہلے فرض کیا جائیگا اسکی نسبت پھر بھی سوال ہوگا اور آخر سائنس کو پھر بھی سوال ہوگا اور آخر کار سائنس کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ اب اُسے کچھ معلوم نہیں۔ پس یہی وہ حد ہے جہاں سے مذہب کی حکومت شروع ہوتی ہے اور مذہب کی ضرورت کی بھی ایک بڑی دلیل ہے کہ آخر میں سائنس ایسا سوال پیش کرتی ہے جس کا جواب نہیں دے سکتی۔ گویا اس وقت تک وہ خود عقل کی رہنما تھی اور اب ایک جگہ ٹھیر کر دور سے مذہب کی طرف انگلی کا اشارہ کرتی ہے اور عقل کو اُسکے پیچھے دوڑا کر الگ ہو جاتی ہے ڈاکٹر سپنسر کہتے ہیں[۳] ۔

---

[۱] دیباچہ کتاب اسٹرانومی فار ایوری باڈی۔

[۲] کتاب مذکور حصہ سیوم آخر باب دوئم۔

[۳] فرسٹ پرنسپلز۔ باب اول۔ خلاصہ۔

جبکہ علم تمام ممکن حالات کا حاوی نہیں ہوسکتا اور انکشاف کبھی ہی دور تک جاوے سوال باقی رہتا ہے کہ اس سے پرے کیا ہے۔ سائنس میں جس قدر ترقی ہوتی ہے وہ اسی نامعلوم حالات سے اور زیادہ قریب کرتی جاتی ہے۔ پس جب علم تمام وقعت کا اجارہ دار نہیں بن سکتا اور جب تک مانع کے لئے ہمیشہ ممکن ہوگا کہ موجودہ علم سے بالاتر معلومات کے ساتھ تعلق پیدا کرے تو کبھی ایسا نہ ہوگا کہ مذہب جیسی چیز کے لئے کوئی موقع ہی نہ رہے اور چونکہ مذہب انہی تمام اشکال جنبا اور انسانی علمی رہ اور جہاں رہے آئے اسکا موضوع بھی تجربہ کی حدود سے بالا تر ہوگا۔

غرض یہ کہ اگرچہ سائنس اسوقت تک بخار کے بادل تک پہونچی ہے لیکن | وہ خیال جو بہا ماہا کی طرف منسوب ہے

اس سے آگے بھی جہاں تک تجربہ کی ترقی کا احتمال ہے وہ ملک سائنس کی موجودہ قلمرو میں نہیں تو اس کے زیر اقتدار ضرور ہے اور ان حدود تک مذہب کی حکومت مسلم نہیں اور واقع میں مذہبی خیالات اسی جگہ سے شروع ہوتے ہیں جہاں مادہ کی ابتدائی حالت مانی جائے پس وہ ابتدائی شکل خواہ یہی بخار کا بادل ہو یا کچھ اور اسکی نسبت سوال ہوتا ہے کہ آیا وہ خود بخود موجود ہے اور خود بخود عمل کرتا ہے یا اس پر کوئی اور مخفی طاقت حکومت کر رہی ہے اور یہی سوال ہے جس کا جواب مذہب کی طرف سے دیا گیا ہے اور بدقسمتی سے اس جواب کا مطلب سمجھنے میں بہت کچھ اختلاف پیدا ہوگیا ہے اور چونکہ سوال مادہ کی ابتدائی شکل کے متعلق ہے اس لیے پہلا اختلاف خود مادہ کے وجود کی نسبت ہے۔ چنانچہ ایک احتمال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ روح اور خدا ایک طرف خود مادہ بھی موجود نہیں ہے[1] اور دنیا میں یہی تغیرات اور اوصاف موجود ہیں جو نظر آتے ہیں اور لہروں کی طرح بدلتے رہتے ہیں۔ اور ان لہروں کا بند ہوجانا ہی نجات ہے چنانچہ اس احتمال کو پیدا کرنے والے کہتے ہیں[2] کہ جو تغیرات ہم دیکھتے ہیں اُن کے لیے اوصاف کا وجود کافی ہے پس اوصاف کے

---

[1] کتاب گیان یوگ مصنفہ سوامی ویکانند باب ہفدہم صفحہ ۳۳۰ طبع دوم۔

[2] جن لوگوں کی طرف یہ خیال منسوب کیا جاتا ہے یعنی پیروان بدھ افسوس ہے کہ مجھے کوئی اُن کی اپنی تصنیف دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور بہاتما بدھ کے متعلق جو کچھ دیکھنے میں آیا ہے وہ غیار کی تحریریں ہیں جو اس مذہب کو نہیں مانتے اور گو وہ لوگ کیسی ہی صفائی سے ان خیالات کو لکھتے ہوں مگر میرے دل کو اس پر ایسا یقین نہیں جیسا خود صاحب مذہب کی

ساتھ ذات کو بھی موجود ماننا ایک سبب کے لیے دو سببون کا یقین کرنا ہے جو غیر منطقیانہ طریق اور فضول اعتقاد ہے۔ اس خیال کو خواہ کیسے ہی شاندار الفاظ مین ظاہر کیا جاوے مگر بالعموم عقل پر قبضہ کرنے کے لیے کافی نہین اور اگرچہ ہماری نظر صرف تغیرات یا ان سے آگے اوصاف تک محدود ہے مگر یہ جسمانی نظر ہے جو ایسی ضعیف واقع ہوئی ہے ورنہ عقل کی آنکھ دیکھتی ہے کہ تغیرات اور اوصاف عارضی چیزین ہین اور قائم نہین رہ سکتین جب تک کوئی ذات ان کے پیچھے سہارا دینے والی نہو۔ اور چیزون کے لیے تو یہ فیصلہ صرف عقل ہی کرتی ہے مگر انسان کے اپنے وجود مین اس کا تمام تر تجربہ شہادت دیتا ہے کہ اس کے جسمانی اور روحانی ہزارون قسم کے تغیرات مین جو اس کے رنگ روپ۔ قد و قامت اور دیگر اوصاف کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک بدل دیتے ہین مگر یہ خود ایک چیز ہے جو تمام مختلف حالات مین قائم رہتا ہے اور ایک بچہ بوڑھا ہوکر اور ایک تندرست بیمار و نزار ہوکر یقین رکھتا ہے کہ مین وہی ہون جو پہلی حالت مین موجود تھا۔ پس اگر محض تغیرات اور اوصاف ہی موجود ہوتے تو ان کے بدل جانے پر ایک انسان فنا ہو جاتا اور دوسرا پیدا ہوتا اور اس طرح پر بچپن سے بڑھاپے تک کا زمانہ ہزارون انسانون کا ایک سلسلہ ہوتا نہ وہی ایک انسان۔

ہیریسن اور سپنسر کی بحث سوامی ویکانند نے اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک بحث مسٹر ہیریسن اور مسٹر سپنسر کی لکھی ہے[1] مسٹر سپنسر مانتے ہین کہ تغیرات کے اندر ایسی چیز موجود ہے جو غیر متغیر ہے مسٹر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۹

تحریر سے پیدا ہو سکتا ہے اور بالخصوص جبکہ مین ذاتی تحریری دیکھتا ہون کہ اسلام کے متعلق جو تحریرین اغیار کی طرف سے شائع ہوئی ہین ان مین خواہ کیسی ہی صداقت اور نیک نیتی سے لکھنے کا دعوی کیا جائے۔ اسلام کے چہرہ کو بدنما کرنے میں شاذونادر ہی کوتاہی ہوئی ہے اور اصلیت پر بالعموم پردہ ڈالا گیا ہے۔ پس جس پیالہ سے اسلام کو ملایا جاتا ہے کیوں ممکن نہین کہ اسی پیالہ سے اورون کی تواضع ہو۔ اور دوسرے بدھ مذہب کی نسبت ان تحریرون کے مفہوم مین بھی اختلاف ہے چنانچہ بعض جگہ سے خدا کو ماننے کا خیال بھی سمجھ مین آتا ہے۔ مگر چونکہ اس وقت ان اختلافات سے بحث بدھ مذہب کے متعلق پیدا ہو سکتی ہین اس لئے یہ خیال خود مہاتما بدھ کا ہو یا کسی اور کا ہمین اسکی قوت اور ضعف کو دیکھنا چاہیئے۔

[1] کتاب گیان یوگ باب پانزدہم صفحہ ۲۶۲ طبع دوئم

ھابرٹ سپنسر کہتے ہیں کہ ہم صرف تغیرات کو دیکھتے ہیں اور انہی کو معلوم کر سکتے ہیں۔ غیر متغیر کا ہم کو علم نہیں اور نہ ہو سکتا ہے مسٹر سپنسر کی طرف سے بھی انسان کی نظیر پیش کی گئی ہے کہ میں کھاتا ہوں۔ چلتا ہوں سوتا ہوں۔ یہ سب کام ہوتے رہتے ہیں لیکن میں موجود رہتا ہوں۔ پس وہ "میں" تغیرات کو برداشت کرنے والا مادہ ہے۔ اور دوسرے یہ کہ تغیرات پیش آئے ہیں اور میں ان کو یاد رکھتا ہوں۔ پس وہ یاد رکھنے والی روح ہے۔

سوامی جی اعتراض کرتے ہیں کہ "میں" اور کھانے والا کیسے میں جدا ہو سکتے ہیں مگر جس وقت کھانے والا موجود ہے اس وقت "میں" اور کھانے والا ایک چیز ہے اور اسی طرح جب چلنے والا موجود ہے اس وقت "میں" اور چلنے والا ایک چیز ہے" گویا کھانے کے وقت بھی ایک ہی چیز موجود ہے اور چلنے کے وقت بھی ایک ہی چیز موجود ہے۔ اور محاورہ زبانی ہیں ان دونوں چیزوں کو ان کے موجود ہونے کے وقت "میں" کہا جاتا ہے جس سے لازم نہیں آتا کہ دونوں وقتوں میں چیز بھی ایک ہی موجود ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ دو چیزوں کے لئے ایک مشترک لفظ یعنی "میں" استعمال کیا جاتا ہے اور دوسرے کبھی انسان کو بعض باتیں یاد نہیں رہتیں یا بعض امراض میں کچھ بھی یاد نہیں رہتا بلکہ انسان اپنے تئیں پتھر یا حیوان سمجھ لیتا ہے۔ پس کیا اس وقت وہ غیر متغیر "میں" فنا ہو گیا ہے؟

مگر سوامی جی کے دونوں اعتراض ہمارے خیال میں مسٹر سپنسر کی دلیل کو کمزور نہیں کر سکتے کیونکہ اگرچہ کھانے کے الفاظ میں وہی "میں" ہے مگر جو شخص صرف تغیر کو جانتا ہے آیا وہ کھانے والے کے چلنے یا سونے کے وقت یقین کرتا ہے؟ کہ کھانے والا نہیں رہا اور اب اور چیز چلنے والی پیدا ہو گئی ہے۔ اور نیز جو شخص کہتا ہے کہ میں کھانا کھاتا تھا اور اب میں سیر کر رہا ہوں اور میں مکان پر جا کر سو رہوں گا۔ وہ لفظ "میں" کو اس طرح استعمال نہیں کرتا جیسے کوئی مشترک نام دو شخصوں پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی وہ اس وقت نہیں سمجھتا کہ ایک "میں" کھاتا تھا اور کوئی اور "میں" سیر کر رہا ہے اور کھانے والا میں فنا ہو گیا۔ بلکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ ایک ہی "میں" ہے جس کی تینوں حالتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور جو لوگ صرف متغیر کو مانتے ہیں وہ بھی اپنے تمام معاملات میں اس طرح "میں" کا استعمال کرنے والے کو سچا جانتے ہیں اور جس شخص نے

خون کیا ہے اس کو اس واقعہ کے بعد کھانا کھانے کی حالت مین بلاکر سزا دینا جانتے ہیں پس جس حاسہ سے اس وقت یہ لوگ کھا ہوا لیکو چلنے والا اور قاتل کو گھر مین چھپنے والا کہہ رہے ہیں وہی حاسہ قائم رہنے والے مادہ کو محسوس کرتا ہے۔

اور اسی طرح سوامی جی کے دوسرے اعتراض سے بھی کوئی نقص ثابت نہین ہوتا کیونکہ خواہ بعض باتین بھول جاتی ہون یا انسانون کو سب کچھ بھول جاتا ہو لیکن پھر بھی بہت سی باتین یاد رہتی ہین اور بہت سے انسانون کو یاد رہتی ہین پس جیسے بعض دفعہ انسان بالکل مدہوش ہو جاتا ہے یا بعض انسان بالکل عقل سے بے بہرہ ہوتے ہین لیکن عام طور پر عقل کے موجود ہونے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان مین عقل کا جوہر ودیعت ہے۔ اسی طرح اکثر باتون کے یاد رہنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ تغیرات سے پرے کوئی یاد رکھنے والی ہستی موجود ہے۔ اور جس طرح ہم کہہ سکتے ہین کہ اگر جوہر عقل انسان میں ودیعت نہ ہوتا تو کوئی انسان بھی عقل کا حصہ نہ پاتا اسی طرح کہہ سکتے ہین کہ اگر صرف تغیرات موجود ہوتے اور ان کے پیچھے غیر متغیر ہستی موجود نہ ہوتی تو ضرور تھا کہ ایک حالت کے بعد دوسری حالت مین کچھ بھی اور کسی کو بھی یاد نہ رہتا۔ بلکہ یہان تو بہت سی باتین یاد رہتی ہین حالانکہ صرف کسی ایک بات کا یاد رہنا بھی غیر متغیر مادہ کو ثابت کرنے کے لیئے کافی تھا۔ اس لئے اب بعض اشخاص کو یاد نہ رہنے کی وجہ سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ اس وقت ذات کی صفت حافظہ دور ہو جاتی ہے نہ یہ کہ خود ذات معدوم ہو جاتی ہے۔

مادہ کا خود بخود عمل کرنا

غرض صرف تغیرات کے موجود ہونیکا احتمال جو نہ ہی ارشاد سمجھا جاتا ہے ایک معلول کو ماننا ہے اور اسکی فاعلی اور مادی کسی علت کو نہین ماننا اور معلول کا بغیر علت کے پیدا ہونا ایسا دعویٰ ہے جس کو سمجھنے کے لیئے عقل انسان کسی طرح تیار نہین ہوتی۔ اس سے اس کو چھوڑکر اور تغیرات کے اندر کسی مادہ کو موجود مانکر دوسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ مادہ کے اجزا ایک وقت پر خود بخود حرکت کرنے لگے ہین اور حرکت سے انکا تکاثف شروع ہو گیا ہے۔ یا اگر انکی حرکت دائمی ہوگی تو کسی وقت خود بخود جمع ہونے لگے ہین اور اس اجتماع سے آفتاب اور ستارے پیدا ہونے لگے اور ہوتے ہوتے دنیا کی یہ صورت بن گئی +

اس احتمال کو اگرچہ ایک فرقے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ان کا نام اسے تھی اسٹ یا دہریہ رکھا جاتا ہے مگر یقین نہیں آتا کہ کوئی عقلمند اس عقیدے کا قائل ہوا ہو کیونکہ دنیا کو مادّہ کی ابتدائی شکل سے موجودہ صورت میں آنے تک خواہ کیسا ہی بڑا اور طویل زمانہ صرف ہوا ہو مگر تاہم وہ زمانہ محدود ہوگا۔ اور خواہ ہم اس زمانے کے سال اور صد ہا ان بتانے کے لیئے تمام تر نوم ہندسیہ کو جہان تک ضرب دے سکتے ہوں دے لیں مگر پھر بھی اس زمانے سے پہلے مادّہ کا اپنی سادہ حالت میں موجود رہنے کا زمانہ غیر متناہی باقی رہیگا۔ پس اس قدر عرصہ تک مادّہ کا بے حس و حرکت اور بغیر اجتماع کے موجود رہنا اور آخر میں ایک وقت پر تکوین عالم کا سلسلہ شروع کر دینا ایسا فعل ہے جس کی کوئی علّت مانی نہیں جاتی اور مسبّب کا بغیر سبب کے موجود ہونا سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی عقلمند کے دماغ نے کیونکر تسلیم کیا ہوگا۔

وحدت وجود مادّی　مادہ کو موجود مانکر اور کسی وقت اتفاق سے خود بخود پیدائش کا عمل شروع ہو جانے کو نامعقول سمجھ کر وہ احتمال پیدا ہوتا ہے جس کو وحدت وجود مادّی یا کاسموتھی ازم یعنی الوہیت عالم کہتے ہیں[1] اور اس کے رو سے محض مادہ کو قدیم مانا جاتا ہے اور سلسلہ تکوین کو نہ اتفاق بلکہ مادّہ کے مقررہ قوانین کا اثر تسلیم کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مادّہ دائماً حرکت کرتا رہتا ہے اور اپنے غیر متبدل قاعدوں سے اپنی حالت کو بدلتا رہتا ہے اور اسی طرح گویا موجودات عالم سے پہلے اسکی ہزاروں شکلیں بن کر بگڑ چکی ہیں اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہیگا۔

اس احتمال میں تسلیم کیا گیا ہے کہ مادّہ ایک شکل اختیار کرتا ہے مثلاً آفتاب ماہتاب اور سیارے بنجاتے ہیں اور پھر خود بخود اس شکل کو توڑنے لگتا ہے اور واپس لوٹتا ہوا اپنی اصلی حالت پر جا کر پھر دوسری شکل میں نمودار ہونے لگتا ہے اور یونہی کبھی بنتا اور کبھی بگڑتا چلا جاتا ہے۔ مگر ہم جو صرف اسی عالم کو دیکھ سکتے ہیں مادہ کی انہی طاقتوں کا یقین کر سکتے ہیں جو اس عالم میں مشاہدہ ہوں

---

[1] یہ خیال ستراطو اور دیمقراطس وغیرہ چند حکمائے یونان کی طرف منسوب ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب اے ڈسکورس آف میٹر نیو ٹیننگ ٹو ریلیجن باب پنجم۔

اور اس عالم میں کسی چیز کے اندر اس دوگانہ بننے اور بگڑنے کی طاقت کا تجربہ نہیں بلکہ اس کے خلاف مادہ میں انرشیا کے نام سے یہ طاقت ثابت ہوئی ہے کہ وہ اگر متحرک ہو تو اس کی حرکت ہمیشہ تک جاری رہسکتی ہے اور اگر ساکن ہو تو سکون ہمیشہ تک قائم رہسکتا ہے اور دنیا کی چیزیں جو متحرک سے ساکن اور ساکن سے متحرک ہوتی ہیں تو اس لیے کہ اور بیرونی قوتیں اُن پر عمل کرتی ہیں اور حالت کو بدل دیتی ہیں - مثلاً اگر کوئی درخت اجزا کے مجتمع ہونے اور تکمیل کو پہونچنے کے بعد سوکھنے لگتا ہے اور اجزا پراگندہ ہونے شروع ہوتے ہیں اور اگر ایک جاندار جوان ہوکر بڑھاپے اور موت کی طرف لوٹتا ہے تو اس انقلاب میں زمین و آسمان کی ہزارہا بیرونی طاقتیں عمل کررہی ہیں اور انھی کے اثر سے بننے والی چیز بنی ہے اور انھی کے اثر سے اسکا زوال ہوتا ہے -

اور اس کے علاوہ جب عام طور پر تمام مادے کے میلان کو دیکھا جاتا ہے تو اس میں بھی بننے اور بگڑنے کی دُہری طاقت کا ثبوت نہیں ملتا - بلکہ ایک خاص سمت ہے جسکی طرف چلا جارہا ہے چنانچہ علمی تجربہ جہاں تک پہونچ چکا ہے اس کا فیصلہ ہے کہ اس سلسلہ کی ابتدا بخار کے بادل سے ہوئی ہے اور آیندہ کے لیئے وہ اجزاے منتشرہ جمع ہوتے جاتے ہیں اور اب وقت آرہا ہے جبکہ یہ تمام کائنات ایک منجمد تودہ بنجائیگی۔ جان سٹوارٹ مل لکھتے ہیں[1] کہ :-

"جن لوگوں نے نکوس عالم کا موجودہ روشنی سے مطالعہ کیا ہے وہ یقین رکھتے ہیں کہ نظام شمسی ایک بخار کے بادل سے شروع ہوا ہے اور ایسا عمل کررہا ہے جس سے ایک وقت یہ سب کچھ ایک ٹھوس مادے کا ڈھیر ہوجائیگا اور جو برودت اس کو چھائیگی وہ قطب شمالی کی سردی سے بھی زیادہ ہوگی"۔

اور چونکہ احتمالات مذہبی کی تحقیق کے لیے نظام عالم سے پرے کی شہادت مسلّم نہیں اس لیے دنیا کی اس رفتار کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ جب اس تمام سفر میں مادہ کا میلان صرف انجماد کی جانب ہے تو جب وہ برف کی مانند جم جائیگا اس وقت کے لیے کس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ مادہ اپنے میلان کو چھوڑکر خود بخود پیچھے کو لوٹنا شروع کریگا اور اجزا کو منتشر کرتا ہوا بخار کی شکل اختیار کرلیگا - بلکہ اگر محض مادہ کو موجود مانا جائے اور اُس کے اوپر کوئی اور طاقت حکمران نہ ہو تو اس کی رفتار سے عقلی نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ انجماد

[1] ایسیسے مذہب حصہ دوئم -

پر مادہ کی کارروائی ختم ہو جائیگی اور اجزا مین سکون پیدا ہونے سے آئندہ خلق و تکوین کا سلسلہ جاری نہ رہے گا۔

مگر ایسا افسوسناک انجام مانا جب آغاز کو دیکھا جاتا ہے تو محض مادہ کا وجود اور وقت پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ بخار کی حالت جو ابتدا مین تسلیم کی گئی ہے اس سے موجودہ صورت پیدا ہونے کی کیفیت یون ثابت ہوتی کہ[۱]:-

"ہر چیز موجودہ عالم کے ایک محدود عرصہ کو ثابت کرتی ہے کیونکہ اسکی جو شکل اب ہے وہ ایک مدت مین نہ تھی اور اسکی حالت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اس لیئے اسکا آغاز کہین نہ کہین سے فرض کرنا پڑتا ہے اور اس سبب سے ہم مجبور ہین کہ اصول موضوعہ کے طور پر اس دُنیا کے آغاز مین بخار جیسی غیر متور حالت کو فرض کرین جس کے ذرات مع اپنی قوائے جاذبہ و دافعہ کے ایک دوسرے سے الگ ہون گے اور یکسان طور پر منقسم نہ ہون گے۔ کیونکہ اگر ذرات یکسان پھیلے ہوئے ہوتے تو قوت جاذبہ اُن اجزا کو ایک انبار کی صورت مین جو ہمیشہ کروی شکل مین ہے کسی عام مرکز ثقل کیجانب کھینچ لاتی اور یوں یہ اجزا کے باہمی رگڑ سے متحرک ہو کر اور حرارت بنکر بغیر کوئی نتیجہ پیدا کرنے کے ایتھر میں سے گذر جاتی پس اسوقت مین ضرور ہے کہ ان اجزا کی وضع اور اطوار با ہم کر مختلف ہونگے اور وہ اجزا خاص خاص مرکزوں کی طرف کھچے جا رہے ہونگے اور ان انبارون کی مقدار اور اُنکی حرکتون کی مقدار مین بے انتہا تبدیلیاں ہوئی ہونگی۔ اور اس طرح جمع کرنے والی قوتون اور پھیلانے والی طاقتون کی وساطت سے بار بار ذرات کی ترتیب بدلنے سے دنیا کے یہ انقلاب واقع ہوتے رہے ہون گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو چیز بظاہر یکسان تھی (یعنی بخار کا بادل سا) اس سے ترقی ہو کر وہ اجسام پیدا ہونے لگے جو حقیقت مین ایک دوسرے کے مشابہ نہین ہین اور جو چیز بے شکل تھی وہ شکلدار ہو گئی اور سادہ چیز مرکب و مرکب بنتی گئی حتے کہ یہ ترکیب جاندار مخلوق میں اعلے سے اعلیٰ درجہ تک پہنچ گئی۔"

---

[۱] کتاب دی سسٹم آف کری ایشن حصہ دوم مکتب ششم مصنفہ مسٹر اڈورڈ کلاڈ۔

اس طرح جو ترکیب بخار سے اجسام بننے کی بیان کی گئی ہے اسمین تسلیم کرنا پڑا ہے کہ وہ ایک محدود زمانے سے موجودہ حالت تک پہنچ گئی ہے اور وہ زمانہ خواہ کیسا ہی بڑا ہو لیکن قدامت ایسی چیز ہے کہ اُس کا عرصہ اس زمانے سے پہلے بھی غیر محدود و باقی رہتا ہے - اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس غیر محدود و قدیم زمانے مین مادہ کے ذرات ہمیشہ سے اسی طرح مختلف مقدار کے ابعاد مین حرکت کر رہے تھے یا اُس کے خلاف کوئی اور صورت تھی - اگر مانا جائے کہ ہمیشہ سے مادہ انھی مختلف ابعادون کی شکل مین تھا تو چونکہ اس شکل مین ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ قوا سے جاذبہ اور حرارت عمل شروع کرین اور ان کے عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ مادہ مین انقلاب ہوتے ہوتے موجودہ شکل تک پہنچ جائے اس لئے ضرور ہے کہ جو عمل اب چند ارب سال سے شروع ہو کر موجودہ شکل تک پہونچا ہے وہ عمل قدیم سے ہوتا اور اب اس کو ختم ہوئے اور مادہ کو موجودہ حالت سے گذر کر برف کا تودہ بننے غیر محدود زمانہ گذر جاتا - اور اسی طرح اگر کہا جائے کہ اگرچہ مادہ قدیم سے مختلف ابعادون مین جمع نہ تھا مگر قدیم سے اُسکی وہ صورت تھی جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مادہ کے ابعاد متفاوت ہو جائین تو بیشک اس طرح پر دُنیا کی بناوٹ کا زمانہ اور زیادہ دراز ماننا پڑیگا لیکن جس طرح بخار سے اجسام بننے کا زمانہ محدود ہے اسی طرح بخار کے متفاوت بادلون سے پہلے خواہ لاکھ شکلین اور زمانی جائین انکا زمانہ بھی ضرور محدود ہوگا اور ان تمام طویل سے طویل زمانون کو نکال کر بھی قدامت کا زمانہ غیر محدود و باقی رہتا ہے اسلئے اگر قدیم سے مادہ کی وہ شکل تھی جسکا نتیجہ ابعادون کا متفاوت ہونا ہے تب بھی آج تک اس عمل کو ختم ہوئے غیر محدود زمانہ گذر جاتا - اور حقیقت یہ ہے کہ تغیرات چاہے کیسے ہی طویل در طویل مانے جائین اور خواہ اُنکی حرکت بھی بخار سے انجماد کی جانب ہو یا کسی اور طرز پر - وہ سب ایک محدود زمانہ چاہتے ہین اور قدیم نہین ہو سکتے اس سبب سے اگر مادہ قدیم ہے تب بھی ضرور ہے کہ وہ پہلے بالکل سادہ شکل مین ہو-

کیا مذہب سے انکار کرنے والے نہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین باہم ملے ہوئے تھے ہمنے انکو الگ جدا جدا کر دیا-	اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (انبیا پارہ ۱۷ ع ۳)

پس اگر مادہ کے سوا کوئی اور طاقت موجود نہین تو لازم آتا ہے کہ مادہ اپنی سادگی کے لامحدود زمانے کو ختم کر کے ایک وقت پر بغیر کسی علت کے وہ شکلین اختیار کرنے لگا ہے جن کا نتیجہ دنیا کی موجودہ حالت ہے

غرض علمی مشاہدہ سے جس قدر ثبوت مہیّا ہو سکتا ہے اس کا یہ نتیجہ یقینی ہے کہ محض مادّہ واقعات عالم کو پیدا کرنے کے لیئے بالکل ناکافی ہے اور ایسا خیال کرنا معلول کو بغیر علّت کے ماننا ہے جو قابل تسلیم نہین ٭

ایک سے زیادہ چیزون کا قدیم ہونا

یہان تک جن احتمالات کا ذکر ہوا ہے وہ اُن لوگون کے دماغ کا نتیجہ ہے جنھون نے موجودات عالم کو دیکھا مگر اُن کی دلچسپیون مین اس قدر محو ہوئے کہ اپنے خیال کو دنیا سے پرے تک نہ لیجا سکے اور اس لیئے ابھی تک مذہبی عنصر یعنے نادیدہ ہستی کا اعتراف نہین پایا گیا لیکن آگے بڑھکر جو احتمالات پیدا کیئے گئے ہین وہ باختلاف مدارج اس غیر محسوس کا اعتراف کرتے ہین چنانچہ ان مین سے ایک وہ احتمال ہے جسمین کائنات کو ایک بالاتر ہستی سے وابستہ کیا ہے لیکن موجودات عالم کی عظمت بھی دل مین جاگزین رہی ہے اور خدا اور مخلوق دونون کو قدیم مانکر خدا کو اس مملکت پر قابض تسلیم کیا گیا ہے اور اسی طرح پر کبھی خدا اور مادّہ ۔ کبھی خدا اور شیطان اور کبھی خدا مادّہ اور روح تینون کو غیر مخلوق اور قدیم ہونے کی عزت دیگئی ہے[۱] ۔

اس احتمال کی نسبت فیصلہ کرنے سے پہلے چند قوانین قدرت کو دیکھنا ضرور ہے جو واقعات عالم سے ثابت ہوتے ہین ۔

اوّل یہ کہ جب کوئی چیز کسی دوسری چیز کی ذات مین داخل ہوتی ہے تو دوسرے کا وجود یعنے پہلی چیز کا وجود ہوتا ہے یعنی ممکن نہین ہوتا کہ دوسری چیز موجود ہو اور جو اسکی ذات مین داخل ہے وہ موجود نہو لیکن جو چیز کسی اور چیز کی ذات مین داخل نہین اسکو اس چیز کے ساتھ موجود کرنے کے لیئے فاعل کو جدید فعل کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ ممکن ہے کہ دونو باہم موجود نہ ہون مثلاً ہیڈروجن اور آکسیجن پانی

---

[۱] خدا اور مادّہ کی قدامت افلاطون کی طرف منسوب ہے اور خدا اور شیطان کی قدامت ایرانی فلاسفر مانی کیجانب [illegible] آف ملل ۱۱۱) اور اکثر یہی خیال زردشت کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے گو حال کے خیال پارسی اسکو غلط کہتے ہین اور اسے توحید کا قائل بتلاتے ہین (دیکھو مسٹر دادا بھائی نوروجی) اور تین قدما کا خیال ہندی فلاسفر سوامی دیانند جی اپنی مذہبی کتاب وید کی طرف سے پیش کرتے ہین اور آجکل اہل ہند کی ایک جماعت اس خیال کی سخت حامی ہے ٭

کی ذات مین داخل ہین یعنے دونون اُس کے عناصر ہین اسلئے پانی کا موجود ہونا بعینہٖ ہیڈروجن اور آکسیجن کا موجود ہونا ہے۔ اور ممکن ہمن کہ پانی موجود ہو اور ہیڈروجن اور آکسیجن موجود نہ ہو۔ لیکن پانی کی روانی اور پانی کا رنگ پانی کی ذات مین داخل نہین بلکہ ایک عارضی صفت ہے اور اس لیے ممکن ہے کہ پانی موجود ہو اور اس مین روانی یا رنگ نہ ہو۔

دوئم۔ دو چیزون کا کسی ایک ذاتی خاصہ مین مشترک ہونیکا یہ مطلب ہو کہ ان دونو کی ذات مین وہ مشترک عنصر موجود ہے مثلاً زنگ آہن اور پانی جو آکسیجن کی صفت مین مشترک ہین تو اس کا یہ مطلب ہو کہ دونو مین آکسیجن کا عنصر موجود ہے۔

سوئم۔ جو دو چیزین ایک دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز ہین ضرور ہے کہ ان مین سے ہر ایک اپنی ذات مین ایک ایسا عنصر رکھتی ہے جو دوسری چیز مین موجود نہین۔ ورنہ دونون جداگانہ چیزین نہ ہوتین مثلاً پانی اور زنگ آہن جو ایک دوسرے سے علیحدہ ہے تو اسی لیے کہ پانی مین آکسیجن کے ساتھ ہیڈروجن اور زنگ آہن مین بجائے ہیڈروجن کے لوہے کا عنصر موجود ہے اور اگر ہیڈروجن اور لوہے کا اختلاف نہ ہوتا اور دونون مین ایک ہی قسم کے عناصر ہوتے تو دو جداگانہ چیزین ہرگز موجود نہ ہوتین یا پانی ہوتا یا زنگ آہن بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ جن دو چیزون مین مادی عناصر بالکل ایک ہین اُنکی ذات مین بھی کوئی غیر مادی عنصر ایسا موجود ہے جن سے وہ دونون چیزین ممتاز اور علیحدہ شمار ہوتی ہین مثلاً الماس اور کوئلا مادی عناصر مین بالکل متحد ہین لیکن انرجی یعنے طاقت کا دوسرا عنصر دونو مین مختلف ہے اور اسی سے وہ دونون باہمدگر ممتاز ہین اور جب کبھی دونون کی طاقت کو یکسان کرنے مین کامیابی ہوئی ہے تو امتیاز معدوم ہو گیا ہے اور اس عمل سے کوئلا بعینہٖ الماس بنگیا ہے۔

چہارم۔ جو چیز دو چیزون سے مرکب ہوتی ہے وہ ضرور حادث ہوتی ہے اور اس کے وجود سے پہلے اسکی اجزا کا موجود ہونا ضرور ہوتا ہے اور نیز ایسے مرکب کو ترکیب دینے کے لیے کسی فاعل کا وجود بھی لازم ہے مثلاً پانی جو آکسیجن اور ہیڈروجن سے مرکب ہے اُس کے وجود سے پہلے آکسیجن اور ہیڈروجن کا وجود ضروری ہے اور کوئی ایسی طاقت بھی ضرور موجود ہوگی جس نے دونون عنصرون سے پانی کو تیار کیا۔

ان مقدمات کو پیش نظر رکھنے کے بعد کہ سکتے ہین کہ اگر خدا اور مادہ اور روح یا کوئی سی دو چیزین قدیم ہون تو ضرور ہے کہ قدامت انکی ذات مین داخل ہوگی کیونکہ اگر قدامت اُن کے لئے ایک عارضی صفت ہو تو پہلے قاعدے کے مواقف ممکن ہوگا کہ وہ چیزین موجود ہون اور قدامت اُن کے ساتھ نہ ہو اور نیز ضرور ہوگا کہ اس صفت کو لاحق کرنے کے لیئے کوئی فاعل موجود ہو پس جس چیز کو قدیم مانا گیا تھا وہ اس صورت مین قدیم نہ ہوگی بلکہ حادث ہوگی۔ پس جبکہ قدامت دو یا تینون چیزون کی ذات مین داخل ہے اور وہ سب اس ذاتی وصف مین شریک ہین تو دوسرے قانون کے رو سے ضرور ہے کہ قدامت کا عنصر اُن سب کی ذات مین موجود ہو۔ اور چونکہ وہ سب ایک دوسری سے علیحدہ اور ممتاز ہین اور اسی لیے اُن کو دو یا تین کہا جاتا ہے تو تیسرے اصول کے مطابق ضرور ہے کہ ہر ایک مین کوئی ایسا عنصر موجود ہے جو دوسری چیز مین نہین اور اس تحقیق کے رو سے ماننا پڑتا ہے کہ خدا اور مادہ اور روح تینون مین ایک عنصر قدامت کا مشترک ہے اور ہر ایک مین ایک ایک عنصر ایسا موجود ہے جس سے خدا کی خدائی اور مادہ کی مادیت اور روح کی روحانیت ایک دوسرے سے ممتاز ہے پس وہ تینون دو دو عنصرون سے مرکب ہونگے اور چوتھے قاعدے کے رو سے ماننا پڑے گا کہ تینون حادث ہین اور ان سے پیشتر ان کے عناصر کا وجود ماننا پڑیگا اور نیز ان عناصر سے ترکیب دینے کے لیے کسی اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ جن تین چیزون کو قدیم مانا گیا تھا قدامت ہی کے اشتراک سے وہ سب اس صفت سے محروم ہو جائینگے اور ترکیب دینے کے لیے فاعل کی ضرورت پیش آئے گی پر چونکہ اس مذہب والے ان تینون کے سوا کسی اور چیز کو موجود نہین مانتے لازم آئیگا کہ مرکب جو معلول ہے بغیر علت کے پیدا ہوا ہے اس لیے اس احتمال مین بھی بالآخر وہی دقت پیش آئی جو پہلے احتمالون مین موجود تھی یعنے قانون علت و معلول کا باطل ہونا جس سے یہ احتمال نا قابل تسلیم ہو جاتا ہے۔ ہربرٹ سپنسر لکھتے ہین[1]:۔

"اگر بہت سے قدیم ہون تو اُن مین ضرور کوئی چیز مشترک ہوگی جو ایک سے زیادہ قدما کو ضرور ثابت کرے پس وہی مشترک عنصر قدیم ہوا نہ کہ وہ بہت سے مانے ہوئے قدما۔ اور نیز چونکہ بہت سے

[1] فرسٹ پرنسپلز باب چہارم صفحہ ۹۷ سنہ ۱۸۸۶ء

اس لئے وہ ایک دوسرے سے محدود ہوگئے پس غیر محدود نہ رہینگے اور سب وہ سب مطلق نہ ہونگے کیونکہ ایک دوسرے سے انکو تعلق ہے۔"

وحدت وجود روحانی

اِس خیال کے بعد اس احتمال کا درجہ ہے جس کو وحدت وجود روحانی کہتے ہیں اور جسمیں مادہ کے وجود سے بالکل انکار کیا گیا ہے اور محض ایک غیر محدود و مطلق ہستی کو موجود مانا گیا ہے اس خیال کو ماننے والے مختلف اقوام عالم میں کثرت سے ہیں چنانچہ ملا حسن اس کی تقریر[۵۱] یوں کرتے ہیں

"اس عالم کون میں صرف ایک بسیط ذات موجود ہے جو نہ کلی ہے اور نہ جزئی یعنے نہیں کہہ سکتے کہ وہ درحقیقت کثرت کو قبول کر سکتی ہے اور نہ یہ کہ کثرت کو ہرگز قبول نہیں کرتی۔ بلکہ اُس ذات سے متمائز مختلف اور واقعی شانیں ظاہر ہوتی ہیں اور اسکی ہر شان پر مختلف آثار اور احکام مرتب ہوتے ہیں۔ پس وہ معین شان جو نظر آتی ہے ممکن کہلاتی ہے اور اس تعین سے قطع نظر جو ذات موجود ہے وہ واجب الوجود اور خدائے قادر ہے۔"

مسٹر بارکر اس مسئلہ کا ذکر یوں کرتے ہیں[۵۲]:۔

"وحدت وجود روحانی روح کی ہستی کو مانتی ہے اور عملاً نیز یا کنایۃً مادہ کے وجود سے انکار کرتی ہے اُس کے نزدیک وہ روح خدا ہے جو ہمیشہ یکساں رہتی ہے مگر ہمیشہ نئی شکلیں بدلتی رہتی ہے۔ اس کے رو سے خدا ایک مکمل ہستی ہے اور دو صفتیں رکھتی ہے علم اور وسعت۔ انسان میں آکر اُس کو اپنی ذات کا علم ہے اور اس سے پہلے حیوانات وغیرہ میں شعور سے خالی ہے۔ جو کچھ خدا کے سوا ہے وہ تنے ہونے سے محروم ہے اور موجود نہیں۔ محض ظاہر میں نظر آتا ہے اور اس کی ہستی محض اسکا نظر آنا ہے۔"

سوامی ویکانند لکھتے ہیں[۵۳]:۔

---

۵۱ شرح سلم العلوم مصنفہ ملا حسن مرحوم بحث علم باری تعالیٰ۔

۵۲ اے ڈسکوری آف مسٹر زینٹنک ٹو ریلجین باب نہم۔

۵۳ کتاب گیان یوگ باب ستائیسواں۔

"سوامی شنکر آچاریہ کے نزدیک خدا مادّہ بھی ہے اور فاعل بھی ہے۔ مگر بظاہر ورنہ درحقیقت خدا یہ دنیا نہین بنگیا۔ بلکہ دنیا نظر آتی ہے کیونکہ خدا اُسکی بناوٹ ہے"

غرض الفاظ اور طرز ادا اگرچہ مختلف ہے مگر مدعا سب کا یہ ہے کہ ایک مطلق ہستی اسی طرح مختلف شکلون مین ظاہر ہو رہی ہے جیسے دریا اپنی روانی مین مختلف لہرون کی شکل مین ظاہر ہوا کرتا ہے پس جس طرح پر لہرون کو اُن کے ظاہر ہونے پر جداگانہ نام اور تشخص حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ حقیقت مین لہر کوئی جداگانہ ہستی نہین ہے بلکہ وہی دریا اس شکل مین ظاہر ہوا ہے۔ اِسی طرح سے اس ہستی مطلق کے مختلف مظہرون کو آسمان زمین انسان حیوان وغیرہ جداگانہ نامون اور تشخصون سے نامزد کرتے ہین ورنہ حقیقت مین یہ چیزین جداگانہ ہستی نہین ہین اور اسی ایک ذات کے مختلف ظہور ہین۔ پس جس وقت یہ مظہر موجود ہین چونکہ اُنکی ذات جداگانہ نہین ہے اس لیے کہہ سکتے ہین کہ وہی ایک ذات موجود ہے اور چونکہ ان کی شکلین جداگانہ ہین اور وہ ذات شکلون سے پاک ہے اِس لیے بعض ان شکلون کو اُس کا غیر کہہ سکتے ہین لیکن چونکہ یہ شکلین محض اعراض ہین اس لیئے اِن کا وجود ایک اعتباری وجود ہوگا اور حقیقی اور ذاتی وجود پھر بھی ایک ہی رہیگا۔

عالم کا ہر ایک تعیّن کسی مصلحت پر مبنی ہے

اس عقیدے مین بیشک یہ خوبی ہے کہ موجود اور قدیم محض ایک چیز کو مانا گیا ہے اور چیز بھی ایسی جو خود ہی اپنے مظاہر کی علت ہو لیکن اس خیال کو دل مین جگہ دینے سے پہلے اس ظاہر ہونے والی ذات کا ایک اور خاصہ بھی پیش نظر آجاتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے جس قدر مظاہر دیکھے جاتے ہین وہ چھوٹے ہون یا بڑے معلوم ہوتا ہے کہ ان مین سے ہر ایک کسی بڑے مدّعا اور فایدے کو مدنظر رکھ کر پیدا کیا گیا ہے۔ آفتاب ہے تو اُس کو بنایا ہی اس طرز پر گیا ہے کہ سیارون کے ایک بڑے انبوہ کو اپنے ساتھ وابستہ رکھ سکے اور ان سب مین روشنی اور حرارت اور حرکت دینے والی شعاعون کو پہونچائے۔ زمین ہے تو اسکی ترکیب اسی قسم کی ہے کہ لاکھون طرح کے جاندار اور بے جان مخلوق کو پیدا کر سکے اور ان کی بقا اور تناسل کا سامان بہم پہونچائے۔ اسی طرح حیوانات اور دیگر موجودات مین سے ہر ایک کو اسی طرز پر پیدا کیا ہے کہ اس غرض اور مدعا کو باحسن وجوہ پورا کر سکے

جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے اور پھر ہر ایک مخلوق کے اجزا اور اعضا کو وہی ساخت دی ہے جس سے وہ اپنے غرض پورے طور پر ادا کر سکے۔ اگر درخت کی رگیں ہیں تو انکی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ خود بخود خوراک اور سامان زیست کو جذب کر سکیں اور بقائے شخص و بقائے نوع کا سامان مہیا ہو۔ اگر جاندار کی آنکھ کان وغیرہ اعضا ہیں تو ان کے اجزا کو ترتیب ہی اس طرز پر دیا ہے کہ خود بخود اُن کے افعال سرزد ہوتے رہیں۔ غرض ایک ذرے سے لیکر بڑی سے بڑی کوہ تک کسی چیز کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو کسی مفاد اور مدعا سے خالی ہو اور اس ذات کے تمام مظاہر سے یہ ایک عام اور کلیہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ اس کا کوئی فعل عبث نہیں بلکہ ہر چیز کو کامل علم و شعور سے کسی مصلحت پر مبنی کیا گیا ہے اور کسی کہنے والے کا یہ خیال بالکل غلط معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذات انسان بننے سے پہلے بے شعور تھی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان میں ظہور کرنے سے پیشتر جس قدر مظہر مادہ کی مختلف شکلوں میں ہوئے ہیں ان حالتوں میں یہ مادہ بیشک بے شعور ہے اور نہ صرف بے شعور ہے بلکہ تمام حالتوں میں کثیف ہے۔ محدود ہے۔ محسوس ہے گو کثافت محدودیت اور محسوسیت کے مدارج مختلف ہوں اور نیز بعض حالتوں میں بے حس ہے بعض میں بے حرکت ہے اور بعض حالتیں غلاظت اور دیگر عیوب بھی ظاہر کرتی ہیں۔ اس لیے اُس ایک ذات کو ہر ایک شان میں ظاہر ہوتے ہوئے مانکر طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس غیر محسوس۔ مطلق۔ پاک اور بے عیب ذات نے یہ مظاہر کیوں اختیار

پاک ناپاک کیوں ہوا

کئے جو محسوس۔ مقید۔ ناپاک اور عیب دار ہیں اور جب اس ذات کا عام خاصہ ہے کہ وہ ایک ذرہ کو بھی عبث اور بے وجہ پیدا نہیں کرتی تو خود اپنی ذات کو جو ہر طرح کا کمال رکھتی تھی کس مصلحت سے ان نجاستوں میں جلوہ گر کیا۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ زمین اور زمین کی پیداوار یکے بعد دیگرے کثیف سے لطیف ہوتی جاتی ہے۔ معدنیات بالکل بے حس و حرکت تھے نباتات میں حرکت نے ظہور کیا حیوانات میں مختلف حواس کی تکمیل ہوئی انسان سب سے بڑھکر عقل و شعور اور دیگر کمالات میں ترقی کرتا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مظاہر کی رفتار لطافت کی جانب ہے اور اس لیے یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ذات کثافت کی طرف آنے کو کمال سمجھتی ہوگی۔ کیونکہ

اگر غیر محسوس سے محسوس ہو جانا کمال ہوتا اور اس کمال کو حاصل کرنا اُس ذات کی غرض و غایت قرار دیا جاتا تو ضرور تھا کہ موجودات عالم کی رفتار لطافت سے کثافت کی جانب ہوتی اور اسی طرح ایک پیداوار سے دوسری پیداوار کثیف تر ہوتی جاتی مگر جب اس کے خلاف نظر آتا ہے اور دنیا کی چیزوں کا کمال اسی لطافت کی جانب ترقی کرنا سمجھا جاتا ہے جس لطافت سے اُس نے ان سے تنزل کر کے کثافت کا جامہ پہنا ہے تو اس فعل کا عبث اور بے سبب ہونا اور بھی ولتین ہو جاتا ہے۔

مطلق علیت کے سلسلہ میں نہیں | سوامی ولکیانند اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں[1]:-

"غیر محدود محدود اور مقید کیوں ہوا؟ یہ بہت مشکل سوال ہے مگر اس کا حل یہ ہے کہ کیوں کا سوال دُنیا کی چیزوں پر ہوتا ہے جو علت کے سلسلہ میں مقید ہیں اور مطلق علت ار زمانہ و قضا سے بالاتر ہے اسلئے اسکی ذات کی نسبت کیوں سے سوال نہیں ہو سکتا۔"

علم بغیر نظیر کے پیدا نہیں ہو سکتا | لیکن حقیقت یہ ہے کہ مطلق بیشک بالاتر ہے مگر سوال کی تحریر یہ ہے کہ ہم اس عالم اسباب میں مقید ہیں اور ہمارے استدلال عقلی کی انتا وہ یہ واقع ہوئی ہے کہ جب کسی نامعلوم چیز یا واقع کی نسبت غور کرتے ہیں تو اس کے لئے ایسا ہی نتیجہ یا عقیدہ قرار دیتے ہیں جسکی نظیر واقعات معلومہ میں پائی جاتی ہو اور اس کے برخلاف کبھی ایسا دعوی نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں جس کی نظیر ہمکو معلوم نہ ہو۔ مثلاً جب ہم کوئی نامعلوم آواز سنتے ہیں اور خیال کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کیونکر پیدا ہوئی تو جو طریق آواز پیدا ہونے کے ہمکو معلوم ہیں اُن میں غور کرتے ہیں کہ ایک آواز انسان کی ہو سکتی ہے جو کچھ بات کرتا ہو اور ایک آواز حیوان کی ہوتی ہے جو اپنی عادت کے موافق بولتا ہے اور ایک آواز بادل کے گرجنے کی یا بجلی کڑکنے کی ہوتی ہے اور اسی قسم کی آوازیں جہاں تک ہمارے علم میں ہوں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نامعلوم آواز ان میں سے کس سے مشابہ ہے اور اس طرح پر جو تشبیہ ہمکو اغلب معلوم ہوتی ہے اسی کے مطابق اُس آواز کی نسبت رائے قائم کرتے ہیں اور کبھی ایسا احتمال قائم نہیں کرتے جسکی نظیر سننے دیکھنے میں نہ آئی ہو۔ یا مثلاً جب[2] چاند کے داغوں کو دوربین سے دیکھا گیا تو داغوں

[1] کتاب گمیان یوگ باب پنجم۔

[2] ملاحظہ ہو کتاب آسٹرانومی مصنفہ پروفیسر نیوکمب حصہ سیوم۔ باب چہارم۔

کا مقام روشن جگہ کی نسبت کسی قدر ہموار معلوم ہوا چنانچہ اس وقت کے ذخیرہ معلومات کی بنا پر داغون کی نامعلوم کیفیت معلوم کرنیکے لیے نظر کی تلاش ہوئی اور دیکھا گیا کہ زمین پر پانی کی سطح خشکی کی نسبت ہموار ہوتی ہے اِس لیے خیال ہوا کہ چاند کا یہ مقام بھی سمندر ہے۔ اس کے بعد دوربینون مین ترقی ہونے پر جب داغ زیادہ صاف نظر آئے تو خود اُس کے اندر بھی نشیب و فراز معلوم ہوئے اب چونکہ پانی مین نشیب و فراز ہونے کی کوئی نظیر موجود نہاین اور اس کے برخلاف اُن داغون کو موجودہ علم کی بنا پر پہاڑ کے غارون سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اس لیئے دوسرا احتمال قائم ہوا کہ چاند مین سمندر نہین ہین بلکہ بڑے بڑے غار ہین جو داغ کی شکل مین نظر آتے ہین بلکہ اب جبکہ قریب قریب کے سیارون کا ایک دوسرے پر عکس ڈالنا معلوم ہوا اور نیز چاند کا وہ عکس بھی دیکھا گیا جو ایک اُس کے قریب ستارہ پر ہمیشہ پڑتا ہے اور اسمین دیکھا گیا کہ پانی کا کہین نشان نہین پایا جاتا تو نتیجہ نکالا گیا کہ کم از کم چاند کے بالائی سطح پر کوئی دریا یا خلیج موجود نہین ہے اور یہ اسی لیئے کہ پانی موجود ہوا اور اُسکا قریب تر ستارے پر عکس نہ پڑے اسکی کوئی نظیر موجود نہین۔

ڈاکٹر سپنسر لکھتے ہین[1]:—

"مِل سل اور سر ولیم ہملٹن نے جو شرطین علم کی لکھی ہین میرے نزدیک اسکے علاوہ ایک اور بھی شرط ہے یعنی مناسبت۔ ہم جس چیز کو معلوم کرتے ہین اس کا اتنا ہی علم حاصل ہوتا ہے جتنا اور چیزون کا علم پہلے سے ہوتا ہے مثلاً ہم کسی جانور کو دیکھتے ہین تو اگر اسی قسم کا جانور پہلے دیکھا ہو اس حالت مین اُسے پورے طور پر معلوم کر لین گے اور اگر نہین دیکھا تو جو باتین اس مین پائی جاتی ہین جن جانورون مین اسی قسم کی باتین پائی جائین ہم جانینگے کہ یہ جانور اُن جانورون کی قسم کا ہے اگر چار پیر رکھتا ہو تو چوپایوں کی قسم سے کہین گے۔ بڑے دانت رکھتا ہوگا تو درندہ سمجھین گے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو مطلق جاندار کہین گے۔ یا زندگی کا نشاں بھی نہ ہو تو نباتات یا اس سے اتر کر جمادات وغیرہ کی قسم سے کہین گے۔ غرض اسی حدتک علم حاصل ہوگا جس حدتک پہلی معلومات سے پیدا ہو چکا ہے۔"

غرض ہمارا علم محض نظائر اور مناسبات کی وساطت سے ترقی کرتا ہے اور اس بنا پر صحیح علم وہ ہوگا جسمین مناسبت کا

[1] فرسٹ پرنسپلز باب چہارم۔

کامل لحاظ رکھا گیا ہے اور جہان تک مشابہت اور نظیر کی تعیین مین غلطی کی گئی ہے اُسی تک علم بھی غلط ہوگا اور اس قاعدے کے موافق جب ہمنے تغیرات عالم کو دیکھا اور اُن کے آغاز کی نسبت غور کرنا شروع کیا تو چونکہ محض تغیرات کو۔ محض مادّہ کو یا مادّہ اور خدا دونون کو قدیم مانکر دیکھا کہ معلول کا بغیر علّت کے پیدا ہونا لازم آتا ہے اور اپنے ذخیرۂ معلومات مین اسکی کوئی نظیر موجود نہ تھی کہ معلول خود بخود اور بغیر علّت کے پیدا ہوجائے اس لیئے ان خیالات کو غلط مانکر ہم اس عالم سے پرے کسی ایسی ہستی کی تلاش کرنے لگے اور یہان تک ہماری رفتار بالکل دُرست تھی لیکن اب ایک غیر مادّی ہستی کو مانکر جب یہ خیال قائم کیا گیا کہ وہی ایک ذات اپنی پاک اور کامل حالت کو ان ناپاک اور ناقص حالتون مین بدل رہی ہے تو لامحالہ سوال پیدا ہوا کہ اُس کا فعل کس مصلحت پر مبنی ہے اور چونکہ کوئی فائدہ قرار دیا نہین جاسکتا اس لیئے اگر اُس کے دیگر افعال مین جو روزمرّہ ہم دیکھتے ہین کوئی ایسی نظیر ملجاتی جو بالکل عبث اور بے وجہ ہوتی تو بیشک اس عقیدے کو ماننے کی گنجایش ہوسکتی لیکن حال یہ ہے کہ اس دُنیا مین اُس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا فعل بھی عبث نہین ہے اس لیئے یہ خیال ہرگز قرین قیاس نہین کہ اُس کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام یعنی ان تمام تغیرات کو موجود کرنا عبث اور سلسلہ علّیت سے خارج ہوگا۔ غرض پہلے احتمالون مین کسی ذات کا بغیر علّت کے پیدا ہونا لازم آتا تھا اور اس احتمال مین ذات اگرچہ قدیم ثابت ہوئی مگر اُس کا سب سے بڑا انقلاب جس مین غیر محسوس محسوس اور غیر محدود محدود ہوگیا بے علت رہا۔ قصہ مختصر اس عالم کا وجود ہر احتمال مین معلول بے علت ثابت ہوا اس لیے یہ احتمال بھی اگرچہ پہلے احتمالون سے بالاتر ہے مگر اس نقص کے سبب قابل تسلیم نہین ٭

سوامی ویکانند ایک اور موقع پر بھی یہی سوال پیدا کرتے ہین[۵] کہ جب ایک ہی ہستی سب ظہور کرتی ہے تو وہ تکلیف کیون اُٹھاتی ہے اور ذلیل و ناپاک کیون ہوتی ہے؟ اور جواب دیتے ہین کہ آفتاب یکسان چمکتا ہے لیکن کسی کے نقصان بصارت سے جو تاریکی یا مختلف رنگ نظر آتے ہین وہ آفتاب پر عیب نہین لگاسکتے اسی طرح وہ مکمل ہستی جسمانی نقصون سے عیب دار نہین ہوسکتی اور اسی طرح ایک اور

[۵] کتاب گیان یوگ باب ہشتم ۱۲

جگہ لکھتے ہیں[1] کہ وحدت کثرت کیوں ہو گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں اب بھی وحدت ہی موجود ہے اور کثرت صرف بیرونی طور پر ہے۔

لیکن آفتاب کی نظیر سے اور کثرت کو محض نمائشی ماننے سے یہ عقدہ اسی صورت میں حل ہو سکتا ہے کہ اس لطیف ہستی کے سوا کوئی کثیف ذات موجود ہو جس پر اس کا نور وحدت چمکے اور دوسری ذات کی کثافت اور کثرت کے سبب سے وہ ظاہر میں کثیف اور کثیر معلوم ہو۔ حالانکہ اس عقیدے کے رو سے عالم کی یہ صورت نہیں ہے بلکہ ذات ہر حال میں ایک ہی موجود مانی گئی ہے اور جسم یا اُن کے خیال کے مطابق مایا کوئی ذاتی وجود نہیں رکھتی اور اس لیے کثرت یا عیب جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب اعراض یا صفات ہیں اور ظاہر ہے کہ عرض یا صفت بغیر کسی ذات کے موجود نہیں ہو سکتی اسلئے یہی ایک ذات ہو گی جو پہلے غیر محدود و غیر محسوس وغیرہ صفات سے متصف تھی اور اب محدود و محسوس اور ہر طرح کی ناقص صفات سے موصوف ہے۔ غرض ذات ایک مانکر صفات بیرونی ہوں یا اندرونی اُن کا محل ہر حال میں وہی ذات ہو گی اور آفتاب کی نظیر اس پر صادق نہ آئیگی کیونکہ یہاں جن چیزوں پر آفتاب کی شعاع پڑتی ہے وہ آفتاب سے علیحدہ ہیں اور اسی لیے انکا نقص آفتاب کے نور کو عیب دار نہیں کرتا۔ البتہ اگر محض آفتاب موجود ہوتا اور اس حالت میں اُس کی شعاع کبھی نورانی اور کبھی تاریک ہو جاتی تو بیشک ایک نظیر موجود ہوتی لیکن اس صورت میں شعاع کا تاریک ہونا بھی آفتاب ہی کا نقص ماننا پڑتا۔

وحدت وجود کے لیے کیا تشبیہیں ہو سکتی ہیں۔

مسئلہ وحدت وجود کو سمجھنے کی یوں بھی کوشش ہو سکتی ہے کہ اگر اُس ذات کو دریا سے تشبیہ دی جائے اور تعینات عالم کو دریا کی لہریں فرض کیا جائے یعنی دُنیا کی ہر ایک چیز کو اُس ذات کا ایک حصہ مانا جائے تو وہ ذات ایک جسم کی طرح طول عرض وغیرہ جسمانی صفات سے متصف ہو گی اور صاحب اجزا ہونے کے سبب بیم نہ رہیگی اور اس صورت میں یہ احتمال بھی دوسرے لفظوں میں محض مادہ کا اپنی لطیف تر حالت میں قدیم ہونے کا احتمال ہو گا۔ اور اگر اس تشبیہ کو ناقص سمجھا جائے اور واقع میں وحدت وجود کے نقطہ خیال سے یہ تشبیہ ہے بھی ناقص۔ کیونکہ وہ

---

[1] دیکھنا ہے گیان یوگ باب یازدہم۔

لوگ دنیا کی ہر ایک چیز کو اُس ذات کا ایک جزو یا حصّہ نہین مانتے بلکہ یقین رکھتے ہین کہ ہر چیز بلکہ ہر ذرہ مین اُس کا کامل ظہور ہے تو اِس صورت مین اُس ذات مطلق کی نظیر انسان یا دیگر امور کلیہ کو ماننا چاہیئے کیونکہ انسان بھی ایک ہستی مطلق ہے اور اپنے ہر فرد یعنی زید بکر عمر خالد وغیرہ مین وہ کامل طور پر موجود ہے یعنی افراد کو انسان کا ایک حصّہ نہین کہتے بلکہ ہر شخص کو پورا انسان کہتے ہین۔ لیکن ایسا مطلق ماننے مین یہ قباحت ہے کہ ایسی ہستی مطلق مثلاً انسان محض اپنے افراد مین موجود ہو سکتی ہے اور افراد سے باہر اس کا کوئی وجود نہین یا یون کہا جائے کہ محض زید و عمر کا وجود ہے جس سے انسان کی ہستی مطلق کو خیال کرنیوالے کا ذہن استنباط کرتا ہے ورنہ خارج مین زید عمر وغیرہ کے سوا اور کوئی چیز موجود نہین اور اسلیئے جب زید و عمر وغیرہ تمام افراد معدوم ہون اُس وقت انسان بھی موجود نہ ہوگا۔ اسی طرح پر وہ ذات جس کو مطلق مانکر دنیا کے تعینات کو اُسکے افراد مانا جاتا ہے اُسکا وجود بھی خارج مین محض دنیا کی وساطت سے ہوگا اور یہ تعینات جو یقیناً حادث ہین اس لیے جبکہ ماننے مین اُنکو معدوم فرض کیا جائے اسوقت خدا بھی موجود نہ ہوگا اور لازم آئیگا کہ وہ ذات اس عالم کی علت اور فاعل نہین ہے بلکہ خود ایک طرح سے معلول اور اپنے وجود کیلیئے وجود عالم کا محتاج ہے اور اس صورت مین پھر عالم کو موجود کرنے کیلیئے جس سے وہ ہستی مطلق بھی موجود کی عزت حاصل کرے کسی اور فاعل کی تلاش ہوگی اور چونکہ اسکے سوا کوئی اور فاعل مانا نہین جاتا اسلیئے اس صورت مین بھی معلول کا بغیر علت کے موجود ہونا لازم آئیگا۔

اور اگر یہ تمثیل بھی غلط قرار دی جائے اور خدا کو نہ دریا کی طرح تمام مظاہر کا مجموعہ مانین اور نہ انسان کی طرح تمام افراد کا امر مشترک سمجھین اور پھر بھی یہ خیال کرین کہ وہی ایک موجود ہے اور تمام مظاہر مین جلوہ کرتا ہے تو یہ ایسا دعوی ہے کہ اگر صحیح ہو تو اجتماع نقیضین اور دیگر تمام ناممکن دعوے بھی صحیح ہونگے کیونکہ نظیر نہ اُسکی موجود ہے اور نہ اُنکی۔ اور بے دلیل ماننا ہو تو اُلٹا سیدھا سب کچھ مانا جا سکتا ہے۔

غرض محض ایک ذات کو موجود ماننا اور سب کو مادی صورتون مین جلوہ گر فرض کرنا ہر طرح سے ویسا ہی ناقابل حل ہے جیسے [illegible] ہونا اور یہ خیال قائم کرنے کے لیئے دنیا مین کوئی نظیر موجود نہین۔

پیدائش

نیست سے ہست ہونا۔ کیا نیست سے ہست ہونے کی کوئی نظیر موجود نہیں۔ نظیر کی تلاش میں کوتاہی ہوئی ہے۔ خیالی مخلوق نظر آسکتی ہے۔ خیالی مخلوق قابل لمس اور وزن دار ہوتی ہے۔ خیالی مخلوق دوسروں کو بھی محسوس ہوتی ہے۔ نیست سے ہست کرنے والے میں شعور کی صفت ہونی چاہئیے۔ خیال کی پیدائش اور صفات رکھتی ہے جو مادی مخلوق میں ہیں۔ معلول حادث اور علت قدیم۔ وحدت شہود۔ علم کے لئے کوئی معلوم ہونا چاہئیے۔ علم کس کس چیز کا ہو سکتا ہے۔ خدا کا علم کیونکر خیال میں آسکتا ہے۔ خدا کی ہمیشگی اور زمانہ و فضا کی نسبت اعتراض اور اسکی تحقیق۔ خاص سے عام کیطرف جانا قانون فطرت ہے۔ خدا کو ماننے سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔ مسٹر بریڈلا کا اعتراض کہ دنیا جیسی چیز کبھی پیدا ہوتی نہیں دیکھی۔ تعویذ باری تعالیٰ کو ضعیف کرنیکے اسباب۔ لا محدودیت۔

نیست سے ہست ہونا

ترتیب احتمالات کے رو سے یا کم از کم میرے علم میں اب صرف ایک احتمال باقی ہے اور وہ یہ کہ کسی ہستی بے کیف نے اس عالم کو نیست سے ہست کیا ہے۔

کیا نیست سے ہست ہونیکی کوئی نظیر موجود نہیں؟

اس خیال کو دل میں جگہ دینے کے وقت سب سے پہلے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ محض نیست ہست کیونکر ہو سکتا ہے اور تلاش ہوتی ہے کہ آیا دنیا میں اسکی کوئی نظیر موجود ہے؟ اس تلاش میں دنیا کے اکثر واقعات پیش نظر آجاتے ہیں مگر کسی میں کوئی چیز محض عدم سے وجود میں آتی معلوم نہیں ہوتی بلکہ ایک ہمیشہ رہنے والا مادہ مختلف شکلیں بدلتا نظر آتا ہے درخت اگتا ہے تو وہ کوئی نئی چیز نہیں ہوتی بلکہ تخم اور اجزاے زمین نئی شکل میں جلوہ گر ہو جاتے ہیں جاندار پرورش پاتا ہے تو وہ نیست سے ہست نہیں ہوتا بلکہ نطفہ اور خوراک کی شکل میں انقلاب ہو جاتا ہے نجار کرسی بناتا ہے یا درزی کوٹ سیتا ہے تو صرف موجودہ اشیا کو نئی شکل دیتا ہے۔ غرض ایسے ہی واقعات

ہین جن سے یقین ہوگیا ہے کہ کوئی چیز ہے جو ہمیشہ موجود رہتی ہے اور صرف اُس کے اعراض مین انقلاب ہوسکتا ہے اور یہ ممکن نہین کہ کوئی چیز محض عدم سے وجود مین آئے۔

نظیر کی تلاش مین کوتاہی ہوئی ہے

مگر کیا ہمنے تمام تغیرات کو دیکھ لیا اور کیا کسی تغیر مین نیست سی ہست نظر نہین آتا؟ شاید ایسا ہی ہو مگر ابھی تک ہماری تلاش ضرور ناقص ہے ہمنے اگرچہ تمام شہر مین ڈھنڈورا پیٹ لیا ہے مگر اپنی گود کو دیکھنا باقی ہے یعنی بے شعور چیزون کو شعور دار انسانون کو دیکھا لیکن خود شعور کو نہین دیکھا اور اگرچہ اس غرض کا خیال بڑے بڑے کے دل مین پیدا ہوا ہے لیکن افسوس ہے کہ کسی نے خود خیال کی طاقت کو نہین آزمایا کہ وہ کیا کیا کچھ کرسکتا ہے اور علمی کارنامون مین شاید اس سے زیادہ تعجب انگیز کوئی امر نہ ہوگا کہ جس چیز سے روزمرّہ کام لیتے ہین اسی کی ایسی خاصیت کو نہین دیکھتے جو کم وبیش ہر شخص مین موجود ہے۔

خیالی مخلوق نظر آسکتی ہے

خیالی طاقت کا سب سے کمتر ظہور عموماً اور قریباً ہر شخص کو نظر آتا ہے جب کوئی شخص تنہا اور بالخصوص تاریکی مین ہو اور کسی چیز کا خوف نہایت شدت سے پیدا ہووے تو ایسے وقت مین جس چیز کا خوف ہے، وہ اکثر پیدا ہوجاتی ہے شیر کا خوف ہے تو شیر کی شکل دانت نکالے ہوئے حملہ کرتے ہوے دکھائی دیتی ہے دیو کا خیال ہے تو ایک ملند اور مہیب بُت آنکھین چمکاتا ہوا اور ہاتھ بڑھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ خوف زدہ انسان کو یقین ہوجاتا ہے کہ رہائی ناممکن ہے کسی وقت بے اختیار آنکھین بند کرلیتا ہے کبھی بھاگتا ہے اور کبھی چیخ مار کر بیہوش ہوجاتا ہے لیکن اگر کوئی دل گُردہ رکھتا ہو اور اس نے اس خیال کو دور کرکے پھر دیکھا تو وہان کچھ بھی نہین ہوتا۔

خیالی مخلوق قابل لمس اور وزندار ہوتی ہے۔

پس کیا اس وقت نظر آنے والا نیست سے ہست نہین ہوا؟ البتہ اس وقت تک ایسی چیز کا محض نظر پر اثر کرنا معلوم ہوا ہے مگر اس سے بڑھکر بعض انسانون کو سوتے مین اور بالخصوص کسی مرض کی حالت مین معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھاری انسان نے اس کو دبوچ لیا ہے۔ ایسی حالت مین مریض اکثر بیدار ہوجاتا ہے اور بیداری اور ہوش مین بھی کچھ دیر تک خیالی اثر قایم رہتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ پشت پر فلان جگہ اس کا سر ہے اور

فلان مقام پر چھاتی اور فلان فلان جگہ اُسکی موٹی موٹی انگلیون سے دبی ہوئی ہے اور وہ ہلنا چاہتا ہے ہلا نہین جاتا۔ بولنا چاہتا ہے بولا نہین جاتا۔ تھوڑی دیر مین خواب کی خیالی قوت ختم ہوتی ہے اور دیکھتا ہے تو چارپائی پر اس کے سوا کوئی نہین۔ یہان بھی چیز غیبت ہی ہست ہوئی ہے جس مین وزن بھی ہے اور جس کو پیدا کیا گیا ہے اُسے قوت باصرہ نے دیکھا اور قوت لامسہ نے چھوا اور کم و بیش اکثر اشخاص کو اُس کا تجربہ ہے۔

خیالی مخلوق دوسرون کو بھی محسوس ہوتی ہے

مگر ان مثالون مین اپنے خیال نے خود اپنے تئین ایسا نظارہ دکھایا ہے لیکن اس سے بڑھکر ایسے واقعات بھی نہایت کثرت سے پیش آتے ہین جن مین قوت خیال نابود کو بود کرتی ہے اور دوسرون کو دکھاتی ہے اور نہ صرف قریب والون کو بلکہ بڑے بڑے فاصلہ پر یہ غیر مادی شکلین نظر آتی ہین اور نہ صرف کسی ایک آدھ کو بلکہ بعض اوقات بہت سے لوگون کو اس کا تجربہ ہوتا ہے اور اس طاقت کا ظہور نہ صرف اتفاقاً ہوتا ہے بلکہ ایسی نظیرین موجود ہین جن مین کسی شخص نے اپنے ارادہ سے خیالی وجود کسی فاصلہ پر اور وہ بھی ایسے شخص کو دکھایا ہے جسکو پہلے سے اس قسم کا خیال نہ تھا۔

سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ نے روحانی مظاہر کی تحقیقات مین جو واقعات خیالی قوت ظاہر ہونے کے جمع کئے ہین اُن مین سے بہت سے مسٹر پڈمور نے اپنی کتاب کے ایک باب مین لکھے ہین[1]۔ چنانچہ بعض مین کسی مرنے والے کو جس عزیز کے دیکھنے کی حسرت ہے اس عزیز کو کسی فاصلہ پر اسوقت مرنے والے کی شکل نظر آئی ہے۔ بعض مین مرنے والے کے پاس تیمارداروں نے اس کے کسی عزیز کو دیکھا ہے جس کو مرنے والے کا خیال دامنگیر ہے مگر اُس کے پاس نہین آسکتا اور تیمارداروں نے جس شکل کو اور جس قسم کے لباس کو دیکھا ہے وہ پہلے اس سے آشنا نہ تھے مگر بعد مین ملاقات کے وقت یہ باتین صحیح ثابت ہوئی ہین بعض مین کسی دوست کی شکل دیکھی ہے مگر اُس کا لباس ایسا نظر آیا ہے جس کا پہلے سے علم نہ تھا اور بعد مین صحت ہوئی ہے کہ اُس وقت نظر آنے والے کا واقعی وہی لباس تھا۔ اور بعض

[1] کتاب سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ باب ہشتم

مین کسی شخص نے کسی فاصلہ پر خود کسی دوست کو اپنی شکل دکھانے کا ارادہ کیا ہے اور اسکو نظر آیا ہے اور یہ سب بیداری میں اور روشنی مین نظر آئے ہین بلکہ بعض اوقات بڑی روشنی مین باہون کے وقت دکھائی دئے ہین۔ اور ان کے بعد وہ ایسے واقعات جمع کرتے ہین جن مین بہت سے لوگون کو کسی کی خیالی طاقت کا جلوہ نظر آیا ہے۔ چنانچہ ان واقعات کی تمہید مین لکھتے ہین کہ :-

یہان تک تو ہی روحانی نقش ذکر کئے ہین جو ایک شخص کو معلوم ہوئے اور اکثر ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ محض ایک شخص کو تنہائی مین نظر آئے ہین۔ کیونکہ دوسرون کی موجودگی مین حود مانع مضرت ہوتی ہے وہ اکثر حالات مین ان واقعات کے لئے مناسب نہین مسز ھرلی کا واقعہ جو اوپر درج ہوا ہے (جسمین ایک شخص کو دوسرون کی موجودگی مین مرنے والے کی شکل نظر آئی تھی) ایک مستثنیٰ واقعہ ہے[۵]۔ لیکن تاہم ایسا بھی واقعہ ہوا ہے کہ ایک ہی خیال دو یا دو شخصون کو نظر آیا ہے اور بعض دفعہ وہ معلوم کرنے والے خود بھی ایک دوسرے سے فاصلہ پر ہوئے ہین اور دونون کو یہ خیال مختلف وضع سے نظر آیا ہے مثلاً سر کلارنس جونس مقام ہری سفٹ اینڈ منڈ مین تھے اور ان کے بھائی ویسٹ منسٹر مین جبکہ انھون نے اپنے والد کے وفات کی شب کو غیر معمولی تجربہ دیکھا۔ سر کلارنس اس آواز سے چونکے کہ "ایک خوفناک واقعہ پیش آیا ہے" اور مسٹر ھربرٹ جونس جو بیدار تھے انھون نے اپنا نام دو دفعہ سُنا اور ایک بھاری چیز سیڑھیون سے گرتی ہوئی سنائی دی۔ اور دیگر واقعات مین (اور اکثر اسی قسم کے ہوتے ہین) معلوم کرنے والے ایک جا جمع ہوتے ہین اور عموماً خیال بھی ایک ہی شکل مین نظر آتا ہے۔ اگر کوئی ایک شکل کو دیکھتا ہے تو سب وہی شکل دیکھتے ہین اور اگر ایک آواز سنتا ہے تو دوسرے بھی آواز ہی سُنتے ہین۔ چنانچہ سائیکلس کی رپورٹ مین مجتمع اشخاص کے ۹۵ نظارے لکھے گئے ہین جن مین سے ۶۷ انسانی شکلون کے تجربے ہین اور ان مین ۲۷ ایسے واقعے ہین جن کے نظر آنیوالے زندہ اشخاص تھے"

[۵] ایسے واقعات دیگر ابواب مین مسٹر پڈمور نے اور بھی لکھے ہین۔

اور اس کے علاوہ اور واقعات جن میں کسی خاص مقام پر کوئی شکل عموماً نظر آتی ہے اور جس کو دیکھنے[1] جن کہتے ہیں یا مُردون کی رُوح فرض کی جاتی ہے لیسے واقعات کو دو بابون[1] میں جمع کر کے مسٹر پڈ سو ر اپنے استدلال سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ عموماً خیالی قوت کا اثر ہوتا ہے اور بعض جگہ جہان کے لوگون کو جنات پر یقین ہو سب کی خیالی طاقت اس شکل کو پیدا کرتی ہے اور بعض جگہ کسی ایک شخص کا خیال پیدا کرتا ہے اور دوسرے اس کے خیال کو محسوس کرتے ہین۔

مسٹر جے ہڈسن اپنی کتاب میں ایک عنوان "اشکال مردگان" کا قائم کرتے ہین اور اس مین لکھتے ہین[2]:-

"یہ امر بالکل ثابت شدہ ہے کہ انسان کی رُوح مین خیالی جسم پیدا کرنے کی طاقت موجود ہے جو دوسرون کے ظاہری حواس کو نظر آسکے اور بہت سے واقعات ہین جن مین ایک ہی وقت پر بہت سے شخصون نے خیالی اجسام دیکھے ہین اور اکثر اس طرح نظر آئے ہین کہ دیکھنے والے پوری صحت اور معمولی حالت مین تھے۔ اور ایسی چیزون کو نہ صرف انسانی نظر محسوس کرتی ہے بلکہ وہ ایسی مجسم اور نمایان ہوتی ہین کہ انکا عکس اتارا جاسکتا ہے۔ گر یہ پیدا اسی وقت ہوتی ہین جب خیال پوری قوت سے عمل کرے اور چونکہ ایسی قوت بڑی آرزو کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی آرزو انسان کو مرنے کے وقت اپنے عزیزون کو دیکھنے کی ہوتی ہے اور خصوصاً ایسے لوگون کو جو تنہائی مین ناگہانی اظلم کی موت سے مرین اس وقت سخت حسرت ہوتی ہے کہ کاش ان کے دوستون کو اس واقعہ کا علم ہوتا اور وہ اسکا تدارک کرتے اس لیے یہ واقعات بیشتر مرنے والون ہی کے دیکھے گئے ہین اور انکی اس وقت کی حسرت ان کے خیال کو مجسم کر کے انکے عزیزون کو دکھا دیتی ہے یا کسی عرصہ تک اس طرح مین نظر آتی رہتی ہے جہان موت واقع ہوئی ہو۔ اور اسی وجہ سے اکثر روحین غمگین اور افسردہ نظر آتی ہین کیونکہ

---

[1] باب نہم و دہم کتاب سٹڈیز۔

[2] کتاب لاآف سائیکک فینامنا باب بستم ملاحظہ۔

وقت کا خیال بالطبع افسوسناک ہوتا ہی اور اگرچہ بعض اوقات زندہ لوگوں کی شکلیں بھی نظر آتی ہیں مگر اُن کی طاقت کسی قدر کم ہوتی ہے اور سبب یہی کہ اُنکی حسرت اس درجہ کی نہیں ہوتی جیسی مرنے کے وقت ہوسکتی ہے "

مُردے کی شکل نظر آنے پر ایک گمان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شاید یہ خیالی قوت نہ ہو بلکہ خود مُردے کی رُوح نظر آتی ہو لیکن جن حالات مین زندہ شخص کی تصویر دوسرے مقام پر نظر آتی ہے یا جس وقت کسی شخص نے اپنے ارادہ سے کوئی شکل دوسرے کو دکھائی ہے اُس وقت خود روح کے جانے کا گمان نہیں ہوسکتا - بلکہ مسٹر ہڈسن مُردے کی شکل کو بھی خیالی قوت کا اثر ثابت کرتے ہین اور لکھتے ہین کہ

"عموماً مُردون کے ساتھ اونکا لباس اور کبھی گاڑی گھوڑا بھی نظر آیا ہے اور اس حال مین جب گاڑی گھوڑے اور لباس کی رُوح نہین فرض کرسکتے اور یہ عُقدہ صرف خیالی قوت کے اثر سے حل ہوتا ہے تو انسان کی روح ماننے کی کوئی وجہ نہین "

مگر اس بحث کو طول دینے کے بغیر بھی زندہ اشخاص کا تجربہ خیالی قوت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے چنانچہ جو لوگ ارواح کا باقی رہنا اور ایک طرح کے جسم مین جس کو وہ اسٹرل باڈی کہتے ہین داخل ہونا مانتے ہین وہ بھی انسان کی خیالی قوت سے انکار نہین کرسکتے - چنانچہ تھیوسافیکل سوسائٹی کے مشہور ممبر مسٹر لیڈ بیٹر جو قیام ارواح کے بڑے حامی ہین اپنی کتاب کا ایک باب خیالی اجسام کے ذکر پر وقف کرتے ہین اور ایسے واقعات کو کثرت کے ساتھ جمع کرکے جن مین صرف خیال کا اثر مانا جاسکتا ہے خیالی جسم اور اسٹرل جسم مین یہ فرق بتاتے ہین کہ[1]

آسٹرل جسم صرف دوسرون کو نظر آسکتا ہے جبکہ خاکی جسم موت کے سبب ناپیدا ہوگیا ہو یا سخت مرض یا غلبہ خواب کے سبب بیکار رہے - اور جس وقت خاکی بیداری اور قوت کی حالت مین ہو اس وقت اگر وہ دوسروں کو کسی اور مقام پر نظر آئیگا تو خیالی جسم ہوگا "

نیست سے ہست کرنے کی مثال صورت مین	غرض دنیا کی اور چیزون مین اگرچہ دیکھا جاتا ہے کہ تغیرات مین ایک مخفی مادہ برابر موجود رہتا ہے مگر اُن جسموں مین جو ہمکو خوف کے وقت شیر یا دیو کی شکل مین نظر

[1] کتاب دی آدر سائڈ آف ڈیتھ خلاصہ باب سیزدہم -

آتے ہین یا سوتے مین خوفناک وزن کے ساتھ ہم کو دبا لیتے ہین اور بیداری مین بھی پیچھا نہین چھوڑتے یا حوفاصلہ پر لوگون کو نظر آتے ہین۔ پھرتے ہین۔ کبھی اشارہ کرتے ہین۔ کبھی مُنہ سے بولتے ہین اور اُن کی حرکات اور آواز کو ہم اپنے جسمانی حواس سے دیکھتے اور سُنتے ہین اور اُن کا اثر نہ صرف انسان کو محسوس ہوتا ہے بلکہ خیال قوی ہونے کی صورت مین عکسی آئینہ بھی ان سے متاثر ہو جاتا ہے یہ ایسے اجسام ہین جو کسی فاعل نے نیست سے ہست کر دیئے ہین[1]۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوا کہ ایسا فعل صرف شعور کی طاقت ہی کر سکتی ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ تغیرات عالم کو دیکھ کر اور اُن کے متعلق تمام احتمالون مین معلول کا بغیر علت کے پیدا ہونا لازم آنے پر ہم جس علت اولی تک پہونچے ہین آیا اس مین علم و شعور کی صفت ثابت ہوتی ہے یا نہین۔ سو جب ہم دیکھتے ہین کہ دُنیا کے تمام مظاہر مین ایک خاص مدعا اور انجام کو مدنظر رکھا گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک واقعہ پیش بینی اور مآل اندیشی کے طور پر آغاز ہوا ہے اور خواہ نتائج اور فائدے کیسے ہی لمبی ترتیب اور کتنے ہی بڑے عرصہ مین ظاہر ہوتے ہون مگر ہر چیز کی فطرت مین وہ قابلیت پہلے سے رکھ دی گئی ہے جس کا ظہور لاکھا سال کے بعد ہوتا ہے، اور اس امر واقعہ سے منکرین خدا کو بھی انکار نہین ہو سکتا[2] تو معلوم ہوتا ہے کہ جس ہستی سے یہ مظاہر پیدا ہوئے ہین وہ صفت علم سے متصف ہے اور نیز یہ کہ اگر وہ موجود ہے اور علم کی صفت بھی رکھتی ہے تو چونکہ اس کے کام انسان کے کامون سے بے انتہا عظمت اور قوت رکھتے ہین اس لیئے اس کا علم و شعور بھی انسانی شعور سے بے انتہا زیادہ ہوگا۔ اور جب انسان اپنے خیال سے نظر مین آسکنے لایق جسم بغیر مادہ کے پیدا کر سکتا ہے تو وہ ہستی بھی اپنے

---

[1] مسٹر میریڈیلا کے سامنے نیست سے ہست کرنے کی مثال مین نئے خیالات نئی حرکات اور جسمانی چیزون کے نئے نمونے پیش کیئے گئے تھے جن کے جواب مین وہ لکھتے ہین (روی ھنکس تکسٹ بُک صفحہ ۲۹ ۔۱۹۰۲ء) کہ یہ چیز کا پیدا کرنا نہین بلکہ صفت کا پیدا کرنا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ خیالی اجسام کو کسی نے پیش نہ کیا ورنہ وہ دیکھتے کہ یہان کسی موجود چیز کی صفت پیدا نہیں ہوئی بلکہ خود چیز کو نیست سے ہست کر دیا گیا ہے۔

[2] ڈاکٹر مِل استدلال تحقیق کے نام سے اس صفت کو امور دُنیا مین مسلم مانتے ہین اور کہتے ہین کہ ایک یہ قوی ایسا ہے جس سے خدا کی نسبت گمان غالب پیدا ہوتا ہے (ملاحظہ ہو ایسے ۳ بحث مذکور)

علم سے بغیر مادہ کے نظر میں آنے کے لائق اشیا ہم سے بڑھکر پیدا کرسکتی ہوگی اور جب انسان ایسے بے مادہ جسم کو مس کرنے کے لائق اور حرکت کرنے اور بولنے کے لائق بنا سکتا ہے تو وہ ہستی بھی ان اشیاء کو انسان سے بہت زیادہ محسوسیّت حرکت آواز اور اثر کے لائق بنا سکتی ہوگی۔

خیال کی پیدائش ویسی ہی اور مادی ایسی ہی جو مادی مخلوق میں ہیں

پس علم خدا سے بغیر مادہ کے پیدا ہونے کی نظیر خود انسان کے اندر ایسی موجود ہے کہ اس میں اور انقلابات عالم میں تفاوت محض درجہ کا ہے نہ قسم کا۔ کیونکہ اگر خیالی جسم محسوس نہیں ہوتا بلکہ محض اسکی شکل وزن یا آواز محسوس ہوتی ہے تو اسی طرح کائنات کا مادہ بھی کبھی براہ راست محسوس نہیں ہوتا اور صرف اس کا رنگ وزن اور دیگر صفات محسوس ہوتی ہیں اور جس طرح یہاں صفات سے مادہ پر استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح شکل وزن وغیرہ سے خیالی جسم پر استدلال ہو سکتا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ خیالی جسم معدوم ہو جاتا ہے مگر دنیوی مادہ معدوم نہیں ہو سکتا تو یہ بھی ایک دعوی ہوگا کیونکہ خیالی جسم بھی جبھی معدوم ہوتا ہے کہ خیالی طاقت ختم ہو جاوے یا خود خیال کرنیوالا اپنے خیال کو بدل دے یا بعض حالات میں کوئی اسی قوت کا دوسرا خیال مخالف اثر پیدا کرے۔ ورنہ ان حالات کے بغیر اگر کوئی دوسرا شخص کسی کی خیالی تصویر کو نابود کرنا چاہے تو نہیں ہوسکتی اور اسی لئے تجربہ ہوا ہے کہ بعض اوقات کوئی خیالی جسم سالہاسال تک قایم رہا ہے اور لوگوں کے بنائے کچھ نہیں بنی اور یہی حال مادہ کا ہے کہ وہ بھی ہماری ضعیف قوت سے معدوم نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم سے بے انتہا زیادہ قوی ہستی نے اسکو موجود کیا ہے۔ اور جس علم نے اسے موجود کیا ہے وہ اگر چاہے تو جب بھی معدوم نہ ہوسکیگا اسکی کوئی دلیل نہیں۔

غرض انسان آنکھ کھول کر دوسری چیزوں کو دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور خود اپنے تئین نہیں دیکھتا اور اوسکی قدرت کے نشان اس عالم اصغر یعنے انسان میں یعنے عالم اکبر سے زیادہ نظر آسکتے ہیں

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (ذاریات پارہ ۲۶ ع ۱) — زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشان ہیں اور خود تمہارے اندر ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ — ہم ان کو اپنے نشانات دنیا میں دکھاتے ہیں اور خود ان

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ ؕ   نفسوں میں تا اُن کو معلوم ہو کہ وہ ذات حق ہے ۔

(حم سجدہ پ۲۵ ع۶)

معلول حادث اور علت قدیم ان نظائر کو دیکھتے ہوئے اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح پر انسان چھوٹے پیمانہ پر اپنی خیالی طاقت سے انسان کا اور اُسکے لباس اور دیگر اشیا کا جسم اور جسم کے خواص یعنی محسوسیت وغیرہ کو نیست سے ہست کر دیتا ہے اسی طرح پر خدا نے بڑے پیمانہ پر اپنی علمی طاقت سے مادہ اور اس کے خواص کو پیدا کر دیا ہے مگر ابھی اس خیال کو صحیح سمجھنے سے پہلے چند اور امور کا لحاظ کرنا بھی ضرور ہے از انجملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ خدا قدیم ہے اسلئے اگر وہ اور اُس کا علم اس عالم کی علّت ہو تو لازم تھا کہ عالم بھی قدیم سے ہوتا حالانکہ عالم جو ہم دیکھتے ہیں اُسکے حادث ہونے کی علامات خود اُس کے اندر بیشمار موجود ہیں اور اگر اس عالم کے بننے اور بگڑنے کے سلسلہ کو دراز کیا جائے اور کہا جائے کہ موجودہ عالم سے پہلے بھی بیشمار عالم بن بن کر تباہ ہو چکے تو اول تو اس عالم میں اسکی شہادت موجود نہیں اور دوسرے اس سے پیشتر کے مفروضہ عالم چونکہ بن بن کے فنا ہو گئے ہیں اسلئے وہ بھی ضرورت حادث ہونگے کیونکہ قدیم کے فنا ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اسلئے ضرور ہے کہ کسی نہ کسی وقت میں اس سلسلہ کو شروع کیا گیا ہے پس اس شروع کے وقت کا خیال جاکر اعتراض ہوتا ہے کہ جو چیز پہلے نابود تھی اسکو موجود کرنے کی علّت کیا ہوئی اور اگر کہا جائے کہ خدا ذی ارادہ ہے اس لیئے ایک وقت پر اُس نے اپنے ارادہ سے عالم کو پیدا کر دیا تب بھی سوال ہوتا ہے کہ اُس وقت پر ارادہ کے پیدا ہونے کا کیا سبب ہوا ۔ اور اس بنا پر اگرچہ خدا قدیم ہے اور اگرچہ اسکی علمی قوت نیست سے ہست کرنے کے لئے کافی ہے مگر پھر بھی نیست سے ہست ہونے کی صورت یہ سے اعتراض دور نہیں ہوتا ؛

اس اعتراض کو ہمارے زمانہ کے ایک بڑے فاضل[۵] نے لاینحل مانا ہے اور بظاہر ان الفاظ میں شوکت بھی ایسی ہے کہ عقل ایک دفعہ ضرور چکّر کھا جاتی ہے مگر تعجب یہ ہے کہ یہی بزرگ اس اعتراض کو وحدت وجود کے مسلک پر حل شدہ گردانتے ہیں حالانکہ غور کیا جائے تو وحدت وجود کو ماننے پر یہ اعتراض اور بھی قوی

---

[۵] یعنی علامہ شبلی نعمانی ۔ ملاحظہ ہو تذکرہ مولانا روم ۔ بحث وحدت وجود ۔

ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تعینات جن مین وحدت وجود والے خود ذات باری کو ظہور کرتے ہوے مانتے ہین
وحدت وجود کو مان کر بھی حادث ہین اس لئے نیست سے ہست کرنے مین تو اتنا ہی اعتراض تھا کہ جب
پہلے نہ کیا تھا تو اس وقت ایسا کیون کیا مگر وحدت وجود کی صورت مین ایک تو یہی سوال باقی رہتا ہی
کہ جب پہلے تعینات کو اختیار نہین کیا تھا تو اس وقت کیون کیا؟ اور دوسرا سوال یہ ہوتا ہے
کہ اس نے اپنی کامل او مطلق ذات کو نقص او قید کی آلائشون سے کیون آلودہ کیا اور ناقص چیز کو
پیدا کرنا تو پھر بھی بہتر ہے وہ ذات خود کیون پاک سے ناپاک ہو گئی۔ اسلئے اگر یہ اعتراض پیدا کرنے
کی صورت مین لاینحل ہے تو ذات کے ظہور کرنے مین لاینحل سے بھی بہت بڑھکر ہے۔ مگر اب ہم دیکھتے
ہین کہ اس اعتراض مین کس قدر قوت ہی۔

اس اعتراض کی بنا اس مسئلہ پر ہے کہ جس وقت کوئی کامل علت موجود ہے اس کے معلول کو بھی اسی
وقت موجود ہونا چاہئے اور اگر معلول اسی وقت موجود نہ ہو بلکہ کچھ عرصہ بعد ہو تو ایسے معلول کے لئے اس
علت کو کامل نہین کہنا چاہئے بلکہ کوئی اور علت بھی تلاش کرنی چاہئے مثلاً اگر حرکت حرارت پیدا کرنے
کے لئے کامل علت ہے تو جس وقت حرکت موجود ہو اسی وقت حرارت بھی موجود ہونی چاہئے اور اگر ہم کو
ہاتھ ہلاتے ہی حرارت محسوس نہین ہوتی بلکہ پہلے سردی معلوم ہوتی ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض
حرکت کا وجود حرارت پیدا کرنے کیلئے کافی نہین بلکہ حرکت کا موجود ہو کر کچھ عرصہ تک قائم رہنا یا سخت
حرکت کے بعد دفعتہً سکون پیدا ہونا یہ شرطین ہین جن کے ساتھ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور اس
لئے کامل علت اس صورت مین حرکت اور حرکت کا استمرار یا حرکت کے بعد سکون کا طاری ہونا ہی
یہ کلیہ اگرچہ بالکل درست ہے مگر اسکو سمجھنے مین کسی قدر فروگذاشت بھی ہوئی ہے اور اس کو دیکھنے
کے لئے ایک اور مثال کی ضرورت ہی۔

ایک کاریگر کلاک بناتا ہے اور بنانے کے بعد اسکو چلاتا ہے اب اگر فرض کیا جائے کہ اس نے
بارہ بجے کے پانچ منٹ پر کلاک کو کوک دی ہے تو وہ ٹک ٹک اسی وقت سے کرنے لگیگا لیکن ایک
بجنے کی آواز کا فعل پچپن منٹ بعد پیدا ہوگا اور دو کی آواز پانچ منٹ کم دو گھنٹہ بعد اور علی ہذا بارہ

کی آواز پانچ منٹ کم بارہ گھنٹے میں ظہور پذیر ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ کلاک کی ٹک ٹک کی علت
اور گھنٹوں کی آواز کی علت وہی کاریگر اور اسکی کوک تھی مگر معلول ایک اسی وقت پیدا ہوگیا ہے
تو دوسرا کچھ عرصہ بعد۔ پس کیا مذکورہ بالا کلیہ اس وقت غلط ہوگیا؟ اور کیا ثابت ہوگیا کہ معلول
علت سے کچھ عرصہ بعد بھی پیدا ہوا کرتا ہے؟ نہیں۔ وہ کلیہ غلط نہیں بلکہ اسکی صورتیں دو ہیں
کبھی تو ایک علت کے بعد کسی دوسری مستقل علت کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی کامل علت ایک
ہی ہوتی ہے مگر فعل کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ اسکا ظہور کچھ عرصہ کے بعد ہو چنانچہ کلاک کی فطرت
ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بجنے کی آواز ضرور ہی کسی قدر دیر میں پیدا ہو اور اگر فعل کی فطرت کو دوسری
علت کہا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور مضمون بحث کو سمجھنے میں دقت نہ ہوگی چنانچہ اس
عالم کو حادث مانکر اور اسکی کامل علت علم خدا کو گردان کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیشک خدا قدیم ہے اور اسکی صفات
بھی قدیم ہیں لہذا اسکا علم بھی قدیم ہے اور اسکا علم غلط نہیں ہو سکتا ہم بیشک کل آنیوالے واقعہ کو غلطی سے سمجھ سکتے
ہیں کہ وہ آج ہوگیا لیکن اگر خدا کا علم قدیم ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ قدیم سے ہر زمانہ کو جانتا
ہے اور ہر زمانہ کی ہر چیز کو عین اسی زمانہ کے ساتھ جانتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو بلکہ وہ دو سال بعد آنے والی
چیز کو جانتا ہو کہ دو سال پہلے گذر چکی یا اگر اس کو علم ہی جب ہوتا ہو جب کوئی چیز موجود ہو جائے تو وہ معاذ اللہ
عالم نہ ہوگا جاہل ہوگا حالانکہ دنیا کی ساخت شہادت دیتی ہے کہ اس کو ہر ایک نتیجہ کا پہلے سے علم ہے
اسلئے جب قدیم سے اسکا علم ہی اس طرح پر ہوگا کہ یہ کائنات ایک خاص وقت میں موجود ہونگی تو جس
طرح کلاک کے نیچر میں داخل ہے کہ گھنٹہ کی آواز چلنے کے بعد ایک خاص وقت پر ہو اسی طرح پر اس علم
کے نیچر میں داخل ہے کہ دنیا کا وجود علم کے بعد ایک خاص وقت پر ہو۔ اور جب آواز کے لیے کلاک
کی فطرت کے سوا کسی اور علت کی ضرورت نہیں تو حادث دنیا کے لیئے بھی علم کی فطرت کے سوا کسی
اور علت کی ضرورت نہ ہوگی۔ پس خدا کہو۔ خدا کا علم کہو۔ علم کی فطرت کہو لفظوں کا تفاوت ہوگا اور
مطلب ایک ہی رہیگا کہ ایک کامل ہستی نے دنیا کو نیست سے ہست کیا ہے یا زیادہ سے زیادہ یوں
کہو کہ کائنات اسکے علم میں قدیم سے تھی اور ظہور بعد میں ہوا جس طرح پر گھنٹہ کی آواز کلاک میں پہلے سے

تھی مگر اُس کا ظہور بعد میں ہوا[1] لیکن جس طرح پر انسان کی خیالی مخلوق جو کسی کو نظر آتی ہے خیال کرنے والے کی ذات کا عین نہیں ہوتی اور نہیں کہ سکتے کہ وہی انسان بعینہ اپنی تصویر اور اپنے لباس اور گاڑی گھوڑے کی تصویرین گیا ہے بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ اُس نے ان چیزوں کو اپنی خیال سے پیدا کر دیا اور خود اُن کے ظہور کے سبب سرچشمہ بنا - اسی طرح خدا کے علم کی مخلوق اسکی ذات کا عین نہ ہو گی

---

[1] اِس اعتراض کو کہ ازلی میں مسٹر سپنسر نے پیش کیا ہے (کتاب فرسٹ پرنسپلز باب دوئم اقتباس مسٹر مین سل) کہ کامل علت ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ علت ہو جاتا ماننے سے پہلے نہیں اُس صفت کی کمی ہو گی جس کو علت بن کر پورا کیا بس علت بننے سے پہلے مکمل نہ ہو گا - اس اعتراض کا جواب بھی اس تقریر سے ہو سکتا ہے کہ جب کلاک کی طرح علم کی چیز ہی تھی کہ اسکی رو سے مخلوقات کو ایک خاص وقت پر پیدا کرے تو اگرچہ اس وقت ایک کامل ہستی حادث مخلوقات کی علت ہوئی مگر اس عجیب طرز سے کہ مخلوقات کے موجود ہونے پر اسکی ذات میں کوئی اضافہ لازم نہیں آتا - کیونکہ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اس کے علم کی یہی شکل تھی کہ مخلوقات ایک وقت تک موجود نہیں اور اس کے بعد معدوم ہیں اور مخلوقات کو موجود ہونے پر بھی اسکا علم یہی ہے کہ مخلوقات ایک وقت پر موجود ہیں اور اس سے پہلے معدوم ہیں - پس اس کا علم پہلے بھی مکمل تھا اور اب بھی اسی طرح کا مکمل ہے جس طرح کلاک گھنٹے کی آواز پیدا ہونے سے پہلے بھی مکمل تھا اور بعد بھی اسی طرح کا مکمل ہے اسلئے اس طرح کی علت ہونے اور نیز قدیم کو کامل ہونے میں کوئی تناقض نہیں ہے -

اس اعتراض کا جواب امام غزالی علیہ الرحمۃ نے قریباً اسی طرح پر دیا ہے - چنانچہ فرماتے ہیں (کتاب تہافۃ الفلاسفہ بحث قدم عالم) کہ جو شخص کہتا ہے کہ عالم حادث ہے اور وہ پیدا ہوا ہے خدا کے قدیم ارادہ سے اور ارادہ قدیم سے یہی تھا کہ ایک خاص وقت پر عالم پیدا ہو گا چنانچہ جبتک اس کے ارادہ میں عالم کا عدم تھا وہ معدوم رہا اور جس وقت ارادہ میں عالم کا وجود تھا اسی ارادہ سے وہ موجود ہو گیا تو اس عقیدہ پر کیا اعتراض ہے ؟ - اور پھر خود ہی امام موصوف منکرین کی طرف سے اِس عقیدہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حادث کے لئے کوئی موجب اور سبب ہوا کرتا ہے اور جس طرح پر حادث کا بغیر موجب اور سبب کے پیدا ہونا محال ہے اسی طرح ایسے موجب کا وجود بھی محال ہے جس کے تمام شرائط اور لوازم موجود ہوں سبھی کہ کسی امر کا انتظار باقی نہ ہو اور پھر اسکا معلول اس سے متاخر رہے - اور اسی وقت موجود نہ

اور نہ کہہ سکین گے کہ وہی ذات بعینہ ان تعینات مین جلوہ گر ہے بلکہ یہی کہا جائیگا کہ اُس نے ان چیزون
کو اپنے علم سے پیدا کر دیا اور خود اُن کے ظہور کا سرچشمہ بنا اور یہان وہ دِقّت پیش نہ آئیگی جو وحدت وجود مین
لازم آتی ہے کہ ایک کامل اور بے عیب ذات خود تعینات کے نقص اور عیوب سے آلودہ ہو۔ اور اگر کوئی وحدت
وجود کا حامی خدا کو اسی طرح کا سرچشمہ گردانتا ہو اور تعینات مین اُس کا ایسا ظہور فرض نہ کرتا ہو جس طرح پر انسان

پس عالم کے وجود سے پہلے ارادہ کرنے والا اور ارادہ موجود تھا اور اس ارادہ کا تعلق حادث سے موجود تھا اور ان مین سے
کوئی چیز ایسی پیدا نہین ہوئی جو قدیم سے موجود نہ تھی۔ کیونکہ ایسا ہی ہے کسی کو تو سب ماننا خدا کی ذات مین
تغیرات کو ثابت کرنا ہے۔ تو اب ارادہ کا مدعا یعنے عالم کیون قدیم سے موجود ہوا۔ حالانکہ عالم کے پیدا ہونے
کا وقت اور اس سے پیشتر کا وقت یکسان ہین اور کسی وجہ سے تفاوت نہین۔ اس اعتراض کے بعد امام صاحب
ایسے ارادہ کو جو قدیم سے ایک خاص وقت پر پیدا کرنے کے لیے ہو محال نہین مانتے۔ مگر قاضی ابن رشد (کتاب
تہافتہ التہافہ بحث قدم عالم) اگرچہ اصل اعتراض کو ضعیف سمجھتے ہین اور اپنے سلک کے مطابق اس کا جواب
دیتے ہین لیکن امام صاحب کے جواب کو سفسطہ اور دھوکا قرار دیتے ہین اور منکرین کی طرف سے جو اعتراض امام
صاحب نے پیش کیا ہے اس کو بیّن غایۃ البیان یعنے نہایت ہی صریح اور صاف بتاتے ہیں اور بیشک
اگر عالم کی پیدائش اسی طرح فرض کیجئے جیسی مادہ اور خدا دونون کو قدیم ماننے سے لازم آتی ہے اور جیسے ہم کوئی مکان
موجودہ مصالح سے بنایا کرتے ہین تو پہلے ہمارے دل مین اس کو ایک خاص وقت پر بنانے کا ارادہ ہوتا ہے
اور پھر اُس وقت کے آجانے پر عزم پیدا ہوتا ہے اور اسکے بعد وہ فعل ظہور کرتا ہے جس سے مکان بن جاتا ہے
اور اس صورت مین پہلے ارادہ کے سوا مکان بنانے کے وقت ایک عزم نیا پیدا ہوتا ہے اور پھر ایک فعل
پیدا ہوتا ہے اگر خدا نے اسی طرح عالم کو بنایا ہو تو بیشک اسکی ذات مین عزم اور فعل کی نئی صفت پیدا ہوئی جو
پہلے سے نہ تھی۔ لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے پیدائش عالم کی یہ صورت نہین بلکہ اسکی پیدائش قوت علم سے ہے
اور تجربہ سے قوت علم کا یہ خاصہ ثابت ہوا ہے کہ اسمین ایک خاص وقت کے لئے جس واقعہ کا خیال قایم ہو وقت آنے
پر وہ واقعہ موجود ہو جاتا ہے اور اسکے لئے کسی نئے عزم اور نئے فعل کی ضرورت نہین ہوتی۔ پس جب خدا کے
علم میں موجود تھا کہ ایک وقت پر یہ عالم موجود ہوگا تو عالم اسی علم کی قوت سے اپنے وقت پر پیدا ہو گیا ہے اور پیدا ہوتے

مطلق زید و عمر مین ظہور کرتا ہے تو بیشک ایسی وحدت وجود پر مذکورہ بالا اعتراض وارد نہ ہوگا -
لیکن اس وقت بحث صرف لفظی رہ جائیگی اور پیدائش کے عقیدہ مین اور ایسی وحدت وجود مین
کچھ اختلاف نہ ہوگا -

وحدت شہود	بعض مسلمان فاضلون نے وحدت وجود کے خلاف ایک اور خیال قائم کیا ہے

وقت اسکی ذات مین کسی جدید صفت اور کسی تغیر کا وجود لازم نہین آیا اور علم کی یہ صورت فرض کرنے پر
منکرین کا یہ اعتراض کہ جب کوئی نسبت اور کوئی سبب نیا پیدا نہین ہوا اور سب کچھ قدیم سے تھا تو عالم قدیم
سے کیوں نہ ہوا کسی طرح بلّہ غایۃ اللسان کہلانے کا مستحق نہیں کیونکہ علم اور مخلوقات کے مابین نسبت
ہی ایسی ہے کہ گو علم قدیم سے ہے مگر اس علم سے مخلوقات خاص وقت سے پہلے پیدا نہین ہوسکتی -
البتہ امام علیہ الرحمۃ منکرین کی طرف سے ایک خاص وقت کی نسبت ایک اعتراض پیدا کرتے ہین
اور وہ یہ کہ خدا کے لئے یہ وقت جس مین عالم کو پیدا کیا اور اس سے ما قبل اور ما بعد کا زمانہ برابر تھا لیس وہ
کیا وجہ تھی جس سے اس وقت خاص کو دوسرے وقتون پر ترجیح ہوئی اور اگر کہو کہ خود ارادہ نے ایک
وقت کو چن لیا تو ہم کہتے ہین کہ ارادہ نے دو مساوی وقتون مین سے ایک وقت کو کیون ترجیح دی -
حالانکہ ہم دیکھتے ہین کہ آدمی کے سامنے کھانے کیلئے دو سیب رکھے ہوئے ہیں اور وہ دونوں کو دفعۃً
منہ مین نہین رکھ سکتا اور اس لیئے کسی ایک کو پہلے کھانے کے لئے اٹھاتا ہے تو اس وقت یا تو ایک دوسرے
کی نسبت زیادہ پختہ ہوتا ہے یا خوش رنگ ہوتا ہے یا ہاتھ کے قریب ہوتا ہے اس لئے اُسے پہلے اٹھاتا ہے
غرض کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے جس سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیجاتی ہے - تو جب تمام زمانے خدا کے
نزدیک مساوی ہین اور اُسکے قدرت ہر زمانہ مین پیدا کر سکتی ہے تو ایک وقت کے لئے ارادہ کرنا اور دوسرے
وقت کو چھوڑنا بے وجہ ہے - امام صاحب جواب دیتے ہین کہ اسی مثال مین یہ بھی فرض کیا جاسکتا ہے کہ دونو
سیب پختگی اور رنگت اور تمام صفات مین مساوی معلوم ہوتے ہین اور اس کے دہنے ہاتھ کو جو کام کے لئے
جلدی حرکت کرتا ہے مرکز مانکر اسکے گرد ایک دائرہ فرض کیا جاسکتا ہے جس کے خط پر دونو سیب رکھے
ہوں اور ہاتھ کا اور ہر ایک سیب کا فاصلہ مساوی ہو اس وقت انسان کو بھوک کا بھی فرض کرو تو ایسی صورت

جس کو وحدت شہود کہتے ہیں[1]۔ اور جو عام اسلامی مسئلہ یعنی نیست سے ہست ہونے کے خلاف نہیں بلکہ فلسفیانہ طریقہ سے اسکو قابل فہم بناتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کے مقابل میں اسکی ضد ہوا کرتی ہے مثلاً علم کے مقابل میں جہالت اور نور کے مقابل میں ظلمت لیکن ایسی ضدین عدم محض ہوتی ہیں یعنے جہالت علم کا عدم ہے اور ظلمت نور کا نہ ہونا۔ پس اسی طرح خدا کی صفات کاملہ کے مقابل

میں کوئی مرجح نہ ہونے کے سبب کیا وہ شخص حیران رہ جائیگا اور سبب جو اسکی گرفت میں آسکتے ہیں انکو نہ کھائیگا ؟ یہ نتیجہ یقیناً غلط ہے بلکہ وہ ضرور ان میں سے ایک کو پہلے اٹھائیگا تو جو قوت اس وقت دونو میں سے ایک کو ترجیح دیتی ہے وہی ارادہ ہے اور خدا چونکہ صاحب ارادہ مانا جاتا ہے اس لئے دو مساوی وقتوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور اس وقت یہ کہنا کہ ارادہ نے کیوں ایک کو انتخاب کیا بعینہ ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ علم نے کسی چیز کی واقعی حالت کو کیوں پہچانا یعنی فضول ہے کیونکہ علم کہتے ہی اس طاقت کو ہیں جس سے چیزوں کی واقعی شناخت ہو اسی طرح ارادہ کہتے ہی اس قوت کو ہیں جس سے دو مساوی چیزوں میں سے ایک کو انتخاب کیا جائے۔ قاضی ابن رشد چونکہ امام صاحب کی کلام میں نکتہ چینی کو فرض سمجھتے ہیں اسلئے اس جواب پر بھی فرماتے ہیں کہ یہ تغلیط ہے کیونکہ جب دو چیزیں بالکل ہم مثل فرض کیجائیں تو اس وقت ارادہ کرنے والے کا ایک کو اختیار کرنا ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا نہیں کیونکہ دو تو ہم مثل ہوں اور پھر ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو۔ یہ بے معنی ہے بلکہ اس وقت وہ دونو کو ہم مثل ملتا ہے اور ہر ایک کو دوسرے کا بدل فرض کرتا ہے اور جانتا ہے کہ کوئی سی چیز اٹھائی جائے مدعا پورا ہو جائیگا۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ قاضی صاحب نے اس ایچ پیچ سے کیا اعتراض پیدا کیا۔ دو مساوی چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرے بہ اس فعل کو ترجیح کہو یا دونو کا برابر ہونا ثابت ہوا کہ ارادہ کی قوت سے دو ہم مثل چیزوں میں سے ایک کو لیا جا سکتا ہے اور اعتراض یہی تھا کہ خدا نے ہم مثل وقتوں میں سے ایک کو کس طرح پر لیا پس ایک وقت کو ترجیح نہ سہی اس کو دوسرے وقت کے برابر سمجھ کر ایک کو اختیار کر لیا تو یہ وہی عمل ہوا جو دو سبب یکساں ہونے کی صورت میں انسان کرتا ہے اس لئے اسمیں کوئی استحالہ نہیں۔

[1] اس بارہ میں ملاحظہ ہوں مکتوبات مرزا جانجاناں اور مکتوبات قاضی ثناء اللہ علیہما الرحمہ۔

مین انکی ضدین یا اعدام ہونگے اوران اعدام نے ہرایک صفت کے مقابل ہونے کے سبب کسی قدر امتیاز حاصل کرلیا ہوگا مثلاً نہ ہونا ایک مطلق مفہوم ہے اور علم کا نہ ہونا یا قدرت کا نہ ہونا اس مطلق مفہوم کی ممتاز فردین ہیں۔ پس اسوقت ان اعدام ممتازہ پر صفات خداوندی کا عکس پڑا ہوگا جسطرح سے انسان کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے چنانچہ یہ کائنات وہی صفات خداوندی کا عکس ہے جن مین اعدام ممتازہ بمنزلہ مادّہ کے ہین اور عکوس صفات بمنزلہ صورت کے ہین اور یہی وجہ ہے کہ یہ کائنات وجود اور عدم دونو کی قابلیت رکھتی ہے اور یہی سبب ہے کہ اس سے خیر اور شر دونو طرح کی صفات ظاہر ہوتی ہین۔

اس عقیدہ پر یہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کوئی چیز موجود ہونی چاہیے جس پر دوسری چیز کا عکس پڑے جس طرح سے انسان کے مقابل مین آئینہ موجود ہوتا ہے اور صفات کی ضدّون مین سے اگرچہ ایک صفت کا عدم دوسری صفت کے عدم سے ہمارے ذہن مین ممتاز ہے لیکن خارج مین وہ سب معدوم محض ہین اسلئے عکس پڑنے کی قابلیت نہین رکھتین۔

اس اعتراض کا حل یونہی ہوسکتا ہے کہ پہلے علم کی قوّت سے اشیا عالم وجود مین آئیں اور پھر اُن پر صفات آلہیہ کا عکس پڑکر ان مین خیر اور بھلائی کی قابلیّت پیدا ہوئی پس وحدت شہود مین اصلی احتمال وہی علم خداوندی کی قوّت سے اشیاء کا نیست سے ہست ہونا ٹھہریگا۔ اور یہ بعد مین دوسری بحث ہوگی کہ اِن اشیا مین بھلائی اور بُرائی کیون ہے جس کو حل کرنے کے لئے اِس خیال کو پیش کیا جائیگا کہ چونکہ یہ چیزین عدم سے وجود مین آئی ہین اور عدم عیب ہے اِس لیئے اِن مین بدی کی قابلیّت ہے اور چونکہ علم وغیرہ صفات خداوندی کا ان پر عکس پڑتا ہے اس لئے ان سے بھلائی صادر ہوسکتی ہے اور غالبًا وحدت شہود والے بھی اس اصول کو تسلیم کرتے ہین کہ علم خداوندی نے

غرض حاضر وقت کا اعتراض امام صاحب کی تقریر سے پورے طور پر حل ہو جاتا ہے اور خدا کے قدیم ارادہ اور تقدیم علم مین جس وقت پر عالم کا پیدا ہونا مرکوز تھا اسوقت پیدا کرنے سے ہی ٹیٹس کا مدعا پورا ہو جاتا ہے جسطرح دو سیبوں مین سے ایک کو اُٹھا لینے سے کھانے کا مدعا پورا ہوگیا تھا۔ اور جب ایسے فعل کے لیئے نظیر موجود ہے تو جواب کو تغلیط کہنا تغلیط سے بھی بڑھکر ہے۔

اضداد وصفات کو نیست سے ہست کر دیا ہے اور اس کے بعد ان پر صفات کا عکس پڑا ہے کیونکہ وہ اپنی تقریر میں صفات ربانی کا اس کے علم میں مفصل اور ممتاز ہونا مانتے ہیں اور علم کی اس شکل کو مرتبۂ واحدیت سے موسوم کر کے اضداد با ہمدگر ممتاز ہونے کے لئے اس مرتبہ کو سبب قرار دیتے ہیں۔

علم کے لیے کوئی معلوم ہونا چاہئے | عدم سے وجود میں آنا چونکہ علمی ثبوت پر منحصر ہے اسلئے علم کے متعلق ایک اور اعتراض بھی قابل غور ہے کہ علم اور معلوم باہم ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر موجود نہیں ہو سکتا۔ "عالم کسی معلوم کا عالم ہوگا اور معلوم کسی عالم کا معلوم ہوگا" اور موجودات اپنے وقت سے پہلے معدوم تھیں اس لیے اس حال اُنکا علم بھی نہ ہوگا۔

ھربرٹ سپنسر اس پر اور اضافہ کرتے ہیں کہ خدا کا علم مخلوقات کے متعلق ایک طرف۔ خدا کو جو اپنی ذات کا علم ہے وہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔[1] کیونکہ وہ خدا کی ذات پر منحصر ہوگا پس اس وقت مطلق صرف ذات کو کہہ سکینگے اور علم مطلق نہ ہوگا۔

اس اعتراض کا جو حصہ مسٹر سپنسر نے پیش کیا ہے اس میں اسیقدر الزام ہے کہ خدا کا علم خدا کی ذات پر منحصر ہے اور بیشک عام طور پر صفات کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ وہ ذات پر منحصر ہوں لیکن ذات مطلق ہو اور اسکی صفات مطلق نہ ہوں یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر اس بارہ میں تحقیق و تفتیش کو طول نہیں دے سکتے اس لیے کہ خدا اور اسکی ذات و صفات احاطۂ عقل سے بالاتر ہیں اور خدا کی ذات اور اسکے علم کا سمجھ میں آنا ایک طرف خود مسٹر سپنسر تسلیم کرتے ہیں کہ ہم کو جو اپنی ہستی کا علم ہے اسکی کیفیت بھی ناقابل فہم ہے چنانچہ وہ اس بحث کو تفصیل سے لکھتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں[2] کہ "تمام علوم کی پہلی اور بنیادی شرط عالم و معلوم کا تقابل (غیریت) ہے پس اپنا علم ہونے کی صورت میں آپ اگر معلوم ہے تو عالم کون ہوگا یا عالم اگر خود ہے تو علم کس چیز کا ہے۔ پس اس چیز کا تعین جو عالم ہے اور جسکی ہستی کا سب سے زیادہ یقین ہے ایک ایسا معما ہے جو بالکل سمجھ میں نہیں آتا" لیکن باوجود نہ سمجھ سکنے کے جب ہمکو یقین ہے کہ ہم اپنی ذات اور صفات کا علم رکھتے ہیں تو اسی طرح خدا کو بھی اپنی ذات

---

[1] کتاب فرسٹ پرنسپلز باب دوئم اقتباس مسٹر مینسل۔
[2] ایضاً باب سوئم

اور صفات کا علم ہوگا مگر مخلوقات چونکہ قدیم سے موجود نہین ہین اس لئے علم خداوندی کا ان سے متعلق ہونا البتہ غور طلب ہی۔ اور ہمارے اپنے علم کی کیفیت دیکھی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عموماً اسی چیز کا علم حاصل کرتے ہین جو موجود ہو اور جس چیز کا کسی قسم کا بھی وجود نہ ہو وہ ہمارے علم مین نہین آسکتی مگر اس قاعدے کو ذرا تفصیل دینے کی ضرورت ہی۔

علم کس کس چیز کا ہوسکتا ہی؟

ہم ایک تو اُن چیزون کا علم حاصل کرتے ہین جو خارج مین موجود ہون مثلاً یہ در و دیوار اور گھوڑا گاڑی جو خارج مین موجود مین ان کا تصور بھی ہمارے ذہن مین موجود ہی اور ایک ایسی چیز کا تصور بھی ہم کرسکتے ہین جو خارج مین موجود تو نہین مگر اُسکی اجزا کی مختلف شالین موجود مین۔ مثلاً ہم ایک دیو کا تصور کرسکتے ہین جسکی انگارہ سی آنکھین ہون آسمان سے لگا ہو اسر ہو بھاڑ سا کھلا ہوا منہ ہو اور پھاوڑے سے نکلے ہوئے دانت ہون اور درخت جیسے ہاتھون سے ہم کو پکڑنے کے لئے لپکے۔ ایسا وجود خارج مین دیکھا نہین گیا مگر ایسی چیزین موجود ہین جن سے اُس کے اعضا کو تشبیہ دیکر ہمنے خیالی وجود قایم کرلیا ہے۔ اور ایک ایسی چیز کا تصور بھی ہم کرسکتے ہین جو نہ خود خارج مین موجود ہو اور نہ کسی قسم کی اُسکی ناقص تشبیہ موجود ہو مگر اسکی ضد ہمارے تصور مین ہو مثلاً ایک مادرزاد نابینا روشنی کا تصور کرسکتا ہے حالانکہ اُس نے خارج مین کبھی روشنی کو نہین دیکھا اور وہ تصور اس لئے کرسکتا ہے کہ اسکی ضد یعنی تاریکی اُس کے علم مین موجود ہے جس سے وہ خیال جما سکتا ہے کہ اُس کا نہ ہونا روشنی ہے اور یہ ضد سے دوسری ضد کا علم صرف نابینا پر منحصر نہین۔ بلکہ علمی دنیا مین اکثر تحقیقات کی بنیاد اسی قسم کے تصور پر ہے۔ ہمنے جب سے دیکھنا شروع کیا ہے بلکہ جب سے ہماری تاریخ اور تجربہ نے دیکھنا شروع کیا ہے ہم نے زمین کی یہی شکل دیکھی ہے پس ایسی ضد کو تصور کرسکنے کی طاقت کا کرشمہ ہے جس سے ہم خیال کرسکے کہ زمین جو اس وقت ٹھوس ہے کبھی سیال یا گیس کی شکل مین تھی اور اس سے بڑھکر یہ کہ کبھی یہ سرے سے موجود ہی نہ ہوگی۔ پس ہمنے جو زمین کے سیال یا معدوم ہونے کا تصور کیا ہے ایسا تصور ہے جس کا موضوع ہم کو خارج مین کبھی نظر نہین آیا اور جو کچھ دیکھا ہے وہ سیال یا معدوم ہونے کی ضد ہے پس ہمنے دیکھا کہ اسی ضد سے

ہمکو دوسری ضد کا تصور پیدا ہو گیا۔ اور اسی طرح چاند سورج جو خارج مین ہم کو اسی شکل مین نظر آتے ہین ہم ان کے وجود کی ضد بھی تصور کر سکتے ہین اور نہ صرف کر سکتے ہین بلکہ عنوانوں کو دیکھنے کے بعد ایسا یقین بھی رکھتے ہین کہ ایک وقت مین فضا کی لبساط پر یہ روشن ٹھہرے چنے ہوئے نہ تھے۔ اور تو اور خود اس اعتراض مین جو مخلوقات کے معدوم ہونے کے وقت خدا کے علم کی وجہ دریافت کی جاتی ہے اس وقت مخلوقات کے معدوم ہونے کا تصور خود ہماری اس تصور کی طاقت کو ثابت کرتا ہے جس سے ہمنے موجودات کے موجود ہونے سے اسکی ضد یعنی عدم کا خیال قائم کیا۔

خدا کا علم کیونکر خیال مین آسکتا ہے؟

پس علم کا قاعدہ یہ معلوم ہوا کہ کوئی چیز خارج مین خود موجود ہو یا اسکی تشبیہ موجود ہو یا اسکی ضد موجود ہو ان سب صورتوں مین ہم اسکا تصور کر سکتے ہین۔ اب اگر خدا کے علم مین اتنی ہی طاقت مانی جاوے جتنی انسان مین ہے تب بھی چونکہ خدا کو اپنی ذات کا علم ہے اپنی صفات کا علم ہے اور وہ سب عدم ذات اور عدم صفات کے اضداد ہین اسلئے عدم کا بھی علم ہوگا اور علاوہ برابن صفات کے علم کا سوا اس کے کوئی مطلب نہین کہ وہ سب اپنے عدم سے ممتاز ہین مثلاً قدرت کا علم یہی ہوگا کہ وہ عجز نہین ہے اور وجود کا علم یہی ہوگا کہ وہ عدم نہین علم کا علم یہی ہوگا کہ وہ جہل نہین۔ کیونکہ اگر اسکو قدرت اور عجز یا وجود اور عدم مین امتیاز ہی نہین تو قدرت اور وجود کا علم بھی نہین بلکہ جہل ہے پس نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ خدا کو اضداد صفات کا علم ہونا ممکن ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوا کہ اسکو ان اضداد کا ضرور علم ہوگا اور یہ اعدام جنکے مقابل مین صفات ربانی ہین یہی وہ مادہ ہے جس سے علمی قوت نے دنیا کو پیدا کیا اس لئے لازم نہین آتا کہ ازل مین مخلوقات کی تصور کی کوئی وجہ موجود نہ تھی۔

پس جس طرح نابینا تاریکی کو دیکھ کر روشنی کا تصور کر سکتا ہے اور پھر اپنے علم کے موافق اسکی کوئی شکل فرض کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ اسکی صفات قائم کر سکتا ہے یا جس طرح ہمنے زمین اور آفتاب وغیرہ کے وجود سے ان کے عدم کا تصور کیا ہے اور پھر اس عدم کی صورت کو پھیلا کر اپنے ذہن مین اس تمام مادے کو نیبولا یعنی بخار کے بادل سے لیکر گیس اور سیال اور منجمد طرح طرح

کی شکلین قائم کرلی ہین اِسی طرح ممکن ہے کہ علم خدا مین ان اعدام کی پھیلی ہوئی شکلین موجود
ہوں مثلاً عجز کے پھیلاؤ سے ایک عاجز مخلوق کی صورت اور اس پر قدرت کے عکس سے کسی
قدر طاقت کا ظہور یا موت کے پھیلاؤ سے ایک بیجان مخلوق کی صورت اور صفت حیات
کے عکس سے کسی قدر جانداری کا نشان یہ تصوّرات ہون گے جن کو علمی قوت نے انسان کی
خیالی تصویر کیطرح موجود کرلیا۔

غرض اہل وحدت شہود کی فلسفیانہ دقت نظر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انھون نے الہام
ربانی کے ٹھیک منشا کو سمجھ کر اسکے بعض نکات کو اس خوبی سے حل کیا ہے کہ اِس سے بہتر نہین
ہوسکتا۔ ورنہ جن لوگون نے اسی قسم کی دقتون سے تنگ آکر خود خدا کو ان تعینات مین ظہور کرتے
ہوئے مانا تھا وہ پاک ہستی کو ناپاک بنانے کے مرتکب ہوئے اور جنھون نے اُس کے ساتھ مادّہ
کو قدامت کا حصہ دار ٹھیرایا تھا وہ دونو مین ایک صفت مشترک مانکر دونوں کے مرکب ہونے
اور اجزا کے محتاج ہونے سے خدا اور مادّہ کو واقع مین قدامت سے محروم کرنیوالے ٹھیرے اور
باوجود اس کے علم کی کوئی وجہ بیان نہ کرسکے۔ کیونکہ خواہ وہ ذات خداوندی خود ہی تعینات مین ظہور
کرتی ہو مگر ذات کے مرتبہ مین یہ تعینات نہ تھے اس لیے اس وقت ذات کو ان تعینات کا علم ہو تو
یہی اعتراض وارد ہوتا ہے اور اسی طرح خواہ مادہ قدیم ہو مگر اسکی یہ شکلین خدا نے پیدا کی ہین اسلئے
بے شکل مادہ موجود ہونے کے وقت خدا کو ان شکلون کا علم ہو تو یہی دقت پیش آتی ہے حالانکہ خدا کا
پہلے سے عالم ہونا اس تمام نظام کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے پس اسکا حل سواے اس کے اور کوئی نہین
ہوسکتا جو وحدت شہود نے پیش کیا ہے کہ یہ سب کھیل ہی علمی قوت کا ہے اور علمی قوت ایک ضد کے
وجود سے دوسری ضد کیطرف جاسکتی ہے۔

خدا کی ہستی اور زمانہ و فضا کی نسبت اعتراض اور اسکی تحقیق۔

ڈاکٹر ہربرٹ سپنسر نے جس قدر شکوک مذہبی احتمالون کی نسبت
قائم کئے ہین عموماً ان کا میلان اُن کے لاادریہ اصول کے موافق
اس جانب ہے کہ وہ خدا اور مخلوقات کے تعلق کو سمجھ نہین سکتے ورنہ وہ تسلیم کرتے ہین کہ باوجود نہ سمجھ

سکنے کے اقرار خدا اور مذہب کو تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہین لیکن چونکہ نہ سمجھنے سے گمان ہوسکتا ہے کہ ان تعلقات کا یا خدا کا عقیدہ غلط ہوگا اس لئے جا بجا اُن کے شکوک کو بطور اعتراض کے ذکر کیا گیا ہے چنانچہ ان مین ایک اعتراض اور قابل غور ہے۔ وہ موجودات عالم کی نسبت تین احتمال پیدا کرتے ہین۔ ؎

(۱) قدیم سے اسی طرح موجود ہونگے

(۲) خود بخود پیدا ہوگئے ہونگے

(۳) یا کسی خدا نے اُن کو پیدا کیا ہوگا

اور ان مین سے دوسرے احتمال کی نسبت وہی اعتراض کرتے ہین جو پہلے اس اعتراض کے ضمن مین ذکر ہوچکا ہے کہ پیدا ہونے کے لئے کسی علّت کا ہونا ضروری ہے ورنہ قانون علیت کا باطل ہونا لازم آئیگا۔ اور پہلے احتمال کی نسبت کہتے ہین کہ ہمیشہ سے موجود ہونے کے لئے غیر محدود زمانہ فرض کرنا پڑیگا حالانکہ غیر محدود زمانہ ماضی کا سمجھنا ناممکن ہے۔ اور تیسرے احتمال یعنی خدا کی قدرت سے پیدا ہونے کی نسبت تین اعتراض کرتے ہین۔ ایک تو یہ کہ بغیر مادہ کے پیدا کرنے کی کوئی نظیر نہین اور اگر مادہ سے پیدا کیا ہو تو پھر اس مادّہ کی نسبت یہی تین احتمال ہوسکتے ہین اور ہر احتمال پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جس فضا مین یہ دنیا ہے وہ کہان سے آئی۔ اگر فضا کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے تو مخلوقات سے پہلے فضا بھی نہ ہوگی حالانکہ ہم فضا کے نہ ہونے کو سمجھ نہین سکتے اور تیسرے یہ کہ بنانیوالا خود کہان سے آیا۔ آیا وہ قدیم سے تھا یا خود بخود پیدا ہوا یا اُس کو کسی اور خدا نے پیدا کیا۔

ان اعتراضون کے بعد وہ تینون احتمالون کو ناقابل فہمید قرار دیتے ہین اور یہی وجہ حیرت ہے کیونکہ پہلے اور تیسرے احتمال کی نسبت ان کا اعتراض صرف یہی ہے کہ وہ سمجھ سے باہر ہین مگر دوسرے احتمال کی نسبت نہ سمجھ سکنے کے علاوہ یہ اعتراض بھی ہے کہ وہ قانون علّیت کو توڑتا ہے پس اگر پہلا اور تیسرا احتمال ایک درجہ پر رکھا جائے تو دوسرا احتمال پھر بھی ان سے زیادہ مشکل اور ایک بڑی قانون قدرت کو توڑنے کے سبب قابل ترک قرار دینا چاہئے تھا۔

؎ فرسٹ پرنسپلز باب دوئم۔

اور پھر دیکھا جائے تو موجودات کے ہمیشہ سے ہونے پر جو پہلا احتمال ہے اور خدا کے ہمیشہ سے ہونے پر جو تیسرے احتمال سے لازم آتا ہے جو اعتراض وہ کرتے ہین اُسکا وزن بھی مساوی نہین ہے یہ ضرور ہے کہ اگر موجودات عالم کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر کوئی اور اعتراض وارد نہ ہوتا تو خدا کے اور موجودات کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر صرف یہی اعتراض رہتا کہ ہم اُسکو سمجھ نہین سکتے اور اس صورت مین دونون جگہ اعتراض کا وزن مساوی ہوتا مگر اب صورت یہ ہے کہ موجودات عالم کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہین کہ انکی حالت یوماً فیوماً اور لحظہ بلحظہ بدلتی رہتی ہے حتیٰ کہ ہماری عقل کی صحیح رفتار نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام زمین و آسمان ایک وقت پر اس صورت مین نہ تھے بلکہ جب سے یہ موجود ہین اپنی شکلون کو بدلتے رہے ہین پس اگر یہ مخلوقات ہمیشہ مانی جائے تو سمجھ نہ سکنے کے علاوہ یہ بھی لازم آتا ہے کہ اُن کے تغیرات بھی بغیر کسی علت کے خود بخود پیدا ہوتے ہین اس لئے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس احتمال پر بھی قانون علیت کا باطل ہونا لازم آتا ہے اور اس وجہ سے اس احتمال پر جو اعتراض ہے وہ وزن مین دوسرے احتمال کے اعتراض سے مشابہت رکھتا ہے اور قانون دائمی کو توڑنے کے سبب اس احتمال کو بھی قابل ترک قرار دینا چاہئے۔

رہا خدا کے ہمیشہ سے ہونے پر اعتراض سو اسکی یہ صورت ہے کہ جس عقلی رفتار سے ہم اس مسئلہ پر ہونچے ہیں اس سے ماننا پڑتا ہے کہ خدا کی ذات ہمیشہ غیر متغیر اور "کان کما کان" ہے پس اُسکو ہمیشہ سے ماننے پر قانون علیت کا ٹوٹنا لازم نہین آتا اس لئے اسکی نسبت صرف نہ سمجھ مین آنیکا الزام باقی ہے۔ اور واقع مین ہماری محدود عقل خواہ آگے کی نسبت غور کرے خواہ پیچھے کی نسبت ایک حد تک جا کر وہ تھک جاتی ہے اور آگے تاریکی کا ناقابل عبور پردہ حائل ہو جاتا ہے اور ہم ہمیشگی کو خواہ وہ ماضی کی ہو یا مستقبل کی معین و مشخص طور پر اپنے ذہن مین حاضر نہین کر سکتے مگر یہی تو ہماری عقل کا ہی ناطق فیصلہ ہے کہ دو ضدوں مین سے اگر ایک نہ ہو تو دوسری ضد ضرور موجود ہوگی مثلاً اگر روشنی موجود نہ ہو تو ضرور تاریکی موجود ہوگی اور اگر علم موجود نہ ہو تو ضرور جہل موجود ہوگا اور اس لئے جب ہم کسی موجود کے حادث ہونے کو ناممکن یقین کرتے ہین تو ضرور ماننا پڑیگا کہ وہ قدیم ہوگا۔ اور نیز دُنیا مین بہت سی چیزین ہین جن کو ہم

سمجھ نہین سکتے چنانچہ حرکت کا وجود۔ شعاع کی رفتار اور اور ایسی بہت سی باتین ہین جن کو خود مسٹر سپنسر ناقابل فہمید ثابت کرتے ہین[1] مگر باوجود اس کے ہم حرکت اور رفتار شعاع وغیرہ کو یقیناً موجود مانتے ہین کیونکہ ان کو ماننے کے سوا چارہ نہین اس لئے خدا کی ہمیشگی بھی باوجود نہ سمجھنے کے جب اسکے اقرار کے بغیر چارہ نہین یقین کرنا پڑیگا۔ پس یہ اعتراض تیسرے احتمال کے متعلق کوئی وزن نہین رکھتا حالانکہ پہلے احتمال کی نسبت بوجہ تغیرات کے ایسا بھاری ہے کہ اٹھ نہین سکتا۔

رہا دوسرا اعتراض کہ پیدا کرنے کی کوئی نظیر نہین اسکی نسبت پہلے لکھا جا چکا ہے کہ انسان کی خیالی مخلوق بعینہ اسی شکل کی ہوتی ہے اور حیرت ہے کہ اس قابل تعظیم فلاسفر کی قوت واہمہ نے دنیا کے ہمیشہ سے ہونے کی نظیر پیدا کرلی اور مان لیا کہ اسکا نمونہ درخت ہے جو خود بخود مکمل ہو جاتا ہے حالانکہ درخت ہرگز خود بخود موجود نہین ہے بلکہ ہزارہا قسم کی ارضی و سماوی اثر ہین جو درخت کو مکمل کرتے ہین اور وہ خود نمونہ مانکر پھر تردید کرتے ہین اور کہتے ہین کہ ہمیشہ سے ہونیکا مطلب یہ ہے کہ وہ بغیر شروع کے ہو پس جب اس قدر نقص موجود ہین تو اس احتمال کو صاحب نظیر ہونے کی عزت نہین معلوم کس خیال سے دی گئی ہے اور یہی حال دوسرے احتمال کی نظیر کا ہے کہ بخارات سے بادل کا پیدا ہونا خود بخود پیدا ہونے کا نمونہ قرار دیتے ہین حالانکہ پھر خود ہی کہتے ہین کہ "بادل پہلے بالکل معدوم تو نہ تھا" اور دوسرے اسکو پیدا کرنے مین صرف بخار ہی فاعل نہین بلکہ آفتاب کی حرارت بازگشت کا کم ہوتے جانا بالائی کرہ کا سرد ہونا اور زمین کا کشش کرنا بہت سے فاعل ہین جنھون نے بخار کے ساتھ عمل کر کے بادل کو پیدا کیا ہے پس اسکو خود بخود پیدا ہونیکا نمونہ کہنا اور عدم سے وجود مین آنے کی نظیر سے کانون پر ہاتھ دھرنا حیرت پر حیرت ہے حالانکہ جن چیزون کو دنیا مین موجود کہا جاتا ہے وہ بھی محض عرض طول رنگ وزن اور حرکت وغیرہ سے پہچانی جاتی ہین ورنہ اصل چیز یعنی مادہ کو کسی نے نہین دیکھا اور جو جسم انسان کا خیال پیدا کرتا ہے اسمین بھی طول عرض رنگ وزن اور حرکت وغیرہ تمام جسمانی صفات مہیا ہوتی ہین فرق صرف اس قدر ہے کہ خدا کا علم بڑا ہے اس لئے اسکی مخلوق بھی بڑی ہے اور انسان کا علم حقیر ہے اس لئے اس کی مخلوق بھی حقیر ہے پس اگر نظیر رکھنے کی

[1] اس قسم کے اقتباسات گذشتہ ابواب مین اکثر ذکر ہو چکے ہین۔

عزت حاصل ہے تو صرف اسی احتمال کو نہ کسی اَور کو۔ اور اس لئے ایسے فاضلوں کا ایسی واضح نظیر کو نہ دیکھنا تعجب ہے۔ مگر سچ ہے

گاہ باشد کہ پیرِ دانشمند بر نیاید درست تدبیرے

غرض خدا کی ہمیشگی کو ذہن کا معین نہ کر سکنا ذہن کے وسیع نہ ہونے کے سبب سے ہے اور اس لئے حقیقت میں یہ کوئی اعتراض نہیں جس سے خدا کا انکار لازم آئے۔ پیدایش کی نظیر کا نہ ہونا البتہ اعتراض تھا مگر نظیر موجود ہے اس لئے اس وقت جو امر غور طلب باقی ہے وہ فضا کے متعلق اعتراض ہے اور اس اعتراض پر جو مسٹر سپنسر کی تحریر سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ وہ فضا کے موجود ہونیکا یقین رکھتے ہیں مگر اس پر اعتراض بھی کرتے ہیں[1] کہ

"اگر وہ خارج میں موجود ہوگی تو شے ہوگی اور ہمکو تجربہ بتاتا ہے کہ اُس کا شے ہونا ممکن ہے کیونکہ شے ہونے کے یہ معنے ہیں کہ وہ صاحب صفات ہو کیونکہ شے کو لاشے سے ہم تمیز بھی اس طاقت سے کرتے ہیں جو کوئی شے ہمارے علم پر اثر کرنے کے لیے رکھتی ہو اور جو اثر وہ ہمارے علم پر کرتی ہو اُس کو اس شے کی صفت کہتے ہیں۔ اور ان صفات کا معدوم ہونا اس اصطلاح کا معدوم ہونا ہے جس سے ہم اس شے کو تصوّر کرتے ہیں اور اس طرح اس شے کا تصوّر ہی فنا ہو جاتا ہے۔ اب شے کے لئے صفات کا ہونا لازمی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ فضا کوئی صفت نہیں رکھتی۔ فضا کی صفت پھیلاؤ ہو سکتا ہے مگر فضا کی صفت فضا کہنے کے برابر ہے پس جب وہ کوئی صفت نہیں رکھتی تو اسکو شے کہنا بھی غلط ہوگا۔ اب اگر وہ شے نہیں تو لاشے بھی نہیں ہو سکتی اور کسی اور شے کی صفت بھی نہیں ہو سکتی ورنہ اُس شے کے نہ ہونے سے اُس کا عدم لازم آئے حالانکہ یہ معدوم خیال میں نہیں آسکتی اور اگر یہ موجود ذہنی ہو تو ذہن کے عدم سے معدوم ہونی چاہئیے۔"

غرض یہ ہے خلاصہ اُس الجھن کا جو ڈاکٹر سپنسر کو فضا کے متعلق ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ فضا نہ خود صفات رکھتی ہے اور نہ کسی اور چیز کی صفت ہو سکتی ہے اور نہ موجود ذہنی ہے اور موجود ہونے کی یہی تین صورتیں تھیں مگر باوجود اس کے وہ موجود بھی ایسی ہے کہ اور سب چیزوں کو معدوم فرض کر سکتے ہیں مگر

[1] فرسٹ پرنسپلز باب سوم۔

اس کا معدوم ہونا کسی طرح خیال میں نہیں آتا البتہ اسکی نسبت ایک اور شکل سے بھی غور ہو سکتا ہے۔
شطرنج کا ایک گول مہرہ جس پر گھوڑے یا فیل کی شکل نہ بنی ہوئی ہو جب کسی جگہ رکھا ہو اور فرض کیا جائے کہ اس کے پاس کوئی انسان بھی موجود نہیں تو اس مہرہ کا بسبب گول اور بے تصویر ہونے کے نہ کوئی آگا ہوگا نہ پیچھا اور صرف غیر محسوس فضا اس کو چاروں طرف سے محیط ہوگی۔ لیکن جب اسکو کوئی انسان بساط کے اوپر اور مہروں کے ساتھ چننے اور کھیلنا شروع کرے تو اس وقت انسان کے وجود اور نیز دوسرے مہروں کے وجود سے اُس کے گرد کی فضا میں آگا پیچھا پیدا ہو جائیگا۔ یعنی جس مہرہ کو انسان نے اپنے آگے اُس مہرہ سے پہلے رکھا ہے وہ اس کے پیچھے ہوگا اور جس کو اُس مہرہ کے بعد رکھا ہے وہ آگے ہوگا اور اسی طرح بعض مہرے اس کے دائیں ہونگے اور بعض بائیں۔ غرض جو غیر محسوس فضا پہلے بغیر کسی تمیز کے اسکو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی اب اس فضا کے چار حصے ہوگئے جن کو آگا پیچھا دایاں بایاں کہہ سکتے ہیں۔ اب فرض کیجیے کہ کھیل ختم ہوگیا۔ بساط الٹ گئی مہرے بکھر گئے اور وہ مہرہ کسی تنہا مقام میں جا پڑا تو پھر وہی آگا پیچھا رکھنے والی فضا بغیر کسی تمیز کے مطلق فضا رہ گئی۔ اب اُس مہرے کے آگے پیچھے کی نسبت سوال ہو کہ وہ خارج میں موجود ہے یا نہیں تو یہی جواب ہوگا کہ خارج میں صرف اردگرد کی غیر محسوس فضا موجود ہے مگر انسان کے بیٹھنے اور مہروں کو چننے سے ایسی شکل پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہم اس فضا کے چار حصے کر سکتے ہیں اور ان کا نام آگا پیچھا دایاں بایاں رکھ لیتے ہیں پس قبلیت اور بعدیت حقیقت میں کوئی موجود خارجی نہیں ہیں بلکہ ایک غیر محسوس چیز یعنی فضا اور چند محسوس چیزیں یعنے انسان اور مہرے ان سب کا مجموعہ ایسی ترکیب ہے جس سے قبلیت اور بعدیت کا تصور ہوتا ہے اور اس مجموعہ کے بعض افراد یعنی انسان اور مہروں کے پراگندہ ہوتے ہی جس چیز کو ہم معدوم فرض نہیں کر سکتے وہ غیر محسوس فضا ہے۔

اس مثال کو دیکھنے کے بعد جب ہم فضا کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خیال بھی ہمارے ذہن میں اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ چیزوں کو دیکھتے ہیں جو خود بھی عرض و طول رکھتی ہیں اور نیز دوسرے

چیزون کے ساتھ کبھی پیوستہ اور کبھی تھوڑے فاصلہ پر اور کبھی بڑے فاصلہ پر واقع ہوتی ہین اور
جہان تک کسی چیز کا طول ہوتا ہے ہم وہان تک اس چیز کو دیکھتے جاتے ہین اور پھر اُس کے بعد
جگہ خالی پاتے ہین یا یون کہو کہ وہان کوئی محسوس چیز نہین ہوتی اور وہ خلا کچھ دور تک ہماری نظر کو
لیجاتی ہے پھر کوئی اور چیز حائل ہوجاتی ہے اور اس کے بعد خلا یا کوئی تیسری چیز حتے کہ اسی طرح جسمانی
یا قیاسی آنکھ سے جہان تک رسائی ہوسکے تمام چیزون اور اُن کے درمیانی خلا کو دیکھتے ہوے آخری
حد تک پہونچتے ہین اور اسکے بعد خلا کو دیکھتے ہین جو دور تک چلی جاتی ہے اور پھر نظر اور قیاس کی
حد تک پہونچکر تاریکی ہماری رفتار کو روکتی ہے۔

غرض موجودات کی اس شکل اور ترتیب نے ہمارے ذہن مین فضا کا تصور پیدا کردیا ہے
جس طرح مہرون کی ترتیب اور انسان کے وجود نے قبلیت اور بعدیت پیدا کردی تھی اب اگر کوئی
وقت ہو جبکہ یہ تمام موجودات معدوم فرض کی جائین تو اس وقت کسی فضا کا تصور بھی نہ ہوسکیگا جس
طرح ایک مہرہ کے تنہا ہونے کے وقت قبلیت اور بعدیت نہین ہوتی لیکن جیسے مہرہ کے گرد
غیر محسوس فضا موجود ہے اسی طرح اُس وقت ایک غیر متمیز عدم یعنی خلا موجود ہوگی۔ مطلب یہ کہ فضا
کی حقیقت عدم ہے جیسے قبلیت اور بعدیت کی حقیقت فضا تھی مگر یہ عدم ہمارے ذہن پر یہ اسلئے
کرتا ہے کہ اِس عدم کے ساتھ اشیا کا طول و عرض اور باہمی بعد اور فاصلہ مل گیا ہے اور ان سب کے
مجموعے نے ہمارے حواس پر اثر کیا ہے جس طرح مہرون کی ترتیب نے قبلیت و بعدیت کا اثر پیدا کیا
تھا پس جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے وہ حقیقت مین موجودات خارجی ہین جس طرح قبلیت و
بعدیت پیدا کرنے کا سبب مہرون کی ترتیب تھی اور جس چیز کو ہم بقول مسٹر سپنسر کے ہم معدوم فرض
نہین کرسکتے وہ خلا محض ہے جس طرح مہرہ کے لئے غیر محسوس فضا تھی جس کو معدوم فرض نہین کرسکتے تھے

غرض جو چیز معدوم نہین ہوسکتی وہ اور ہے یعنی عدم اور جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے وہ
اور چیز ہے یعنی موجود چیزین جن سے اس عدم کا فرض تصور پیدا ہوتا ہے۔ آگے یہ اصطلاح کا فرق ہے
کہ اس کا نام موجود خارجی رکھو اس لئے کہ ہمنے اسے خارجی چیزون سے تصور کیا ہے یا موجود ذہنی

کہو اس لئے کہ ذہن ہی اس سے متاثر ہوا ہے یا معدوم کہو اس لیے کہ اسکی حقیقت عدم ہی مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہی کہ جو چیز ہمارے حواس پہ اثر کرتی ہے اُسے موجود ذہنی کہین کیونکہ موجودات خارجیہ سی مستنبط ہوتی ہے اور موجود ذہنی اسی چیز کا نام ہے جس کا تصوّر دیگر اشیا سے پیدا ہو جیسے انسان کہ زید عمر وغیرہ موجودات خارجیہ سے مطلق انسان کا تصور پیدا ہوتا ہے اور جس چیز کو ہم معدوم فرض نہین کر سکتے اسکو اُس کے اصلی نام یعنے عدم سے نامزد کرین کیونکہ اُس کا خالص تصوّر اس وقت پیدا ہوتا ہی جب تمام حقائق کو معدوم فرض کیا جاتا ہے اور اس وقت عدم کے سوا اور کچھ نہین۔

اس نتیجہ کے بعد جب مسٹر سپنسر کے اعتراض کا خیال کیا جاتا ہے کہ فضا کو کس نے پیدا کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض کسی حقیقت پر مبنی نہین کیونکہ موجودات کو پیدا کرنے سے پہلے جو کچھ تھا اور ہمارے نزدیک معدوم نہین ہو سکتا وہ عدم ہی ہے پس اُسکی نسبت پیدا کرنیکا سوال فضول ہی اور ہم کہہ سکتے ہین کہ بیشک اُسکو کسی نے پیدا نہین کیا۔ خدا نے موجودات کو پیدا کیا۔ اُن کے عرض و طول کو پیدا کیا اُنکو قریب قریب اور فاصلے سی ترتیب دیا جس سے ہم اس قابل ہوے کہ اس عدم کا تصور اپنے ذہن مین لائین اور اس لئے کہہ سکتے ہین کہ موجودات کو پیدا کرنے سے اُس نے اس عدم کے تصوّر کو بھی پیدا کیا اور اگر خدا موجودات کو پیدا نکرتا تو عدم کا تصوّر بھی پیدا نہوتا اور صرف عدم ہوتا جو پہلے سے تھا۔

مسٹر سپنسر پہلے احتمال یعنے دُنیا کے ہمیشہ سے ہونے پر اعتراض کرتے ہین کہ اس کے لئے غیر محدود زمانہ چاہیے جو سمجھ مین نہین آتا اور یہ درست ہے لیکن ہے زمانہ کی بھی وہی صورت جو فضا کی ہے کہ کسی چیز کے شروع ہونے سے اس کے قایم رہنے سی پھر ختم ہو جانے پر دوسری چیز کے شروع ہونے سی غرض اس قسم کی موجودات خارجیہ سے ہمارا ذہن ایک عرصہ کو تصور کر لیتا ہے اور اس کا نام زمانہ رکھتے ہین اور موجودات کا آغاز تسلیم کرنے پر ان سے پہلے کا عرصہ تصور مین آتا ہی اور موجودات کو ختم کرنے پر ان کے بعد کا زمانہ خیال مین آتا ہے پھر جب ان مخلوقات کے پہلے اور پیچھے کسی اور موجود چیز کا خیال نہ قایم کیا جاوے تو یہ پہلے اور پیچھے کا زمانہ ہمارے تصور مین ایک غیر محدود طول اختیار کرتا ہی جس کو سپنسر صاحب درست کہتے ہین کہ ہم سمجھ نہین سکتے مگر یہ بھی ضرور ہی کہ اسکی کوئی حد بھی فرض نہین کر سکتے

مگر یہ تمام ذہنی عمل اسلئے ہوا ہے کہ ہمنے موجودات کو یکے بعد دیگر سامنے آتے اور کچھ کچھ عرصہ قیام کرتے دیکھا ہے اور اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو عدم محض کے وقت زمانہ بھی ایک عدم ہی ہوتا اور تصور نہ کیا جاسکتا پس دُنیا کو قدیم مانکر زمانہ کا اُسکے ساتھ ساتھ چلنا اس لئے قابل اعتراض نہیں کہ وہ سمجھ مین نہین آتا بلکہ اسلئے قابل اعتراض ہے کہ دُنیا تغیرات کو قبول کرتی ہے اور ان تغیرات کے سبب سے وہ عدم طویل یعنی زمانہ بھی اجزا مین تقسیم ہوتا جاتا ہے اور قابل تصور رہتا ہے اور اس طرح پر دُنیا کے تغیرات کا اور زمانہ کے قابل تصور ہونے کا وجود بغیر کسی علت کے لازم آتا ہے۔ مگر اگر بجائے دُنیا کے خدا کو قدیم مانا جائے تو چونکہ خدا کی ذات مین کوئی تغیر نہین ہے اس لئے وہ عدم جو تغیرات سے قابل تصور ہوتا ہے اس صورت مین اُس وقت قابل تصور نہ ہوگا اور محض عدم رہیگا اور عدم کے لئے کسی علت کی ضرورت نہین اس لئے خدا کو قدیم مانکر وہ دقت لازم نہین آتی جو دُنیا کو قدیم مانکر لازم آتی تھی۔

خاص سے عام کیطرف جانا قانون قدرت ہے۔

مسئلہ تخلیق پر عقلی اعتراضون کے سلسلہ مین سب سے آخر وہ اُٹھتا ہوا ہے جو سوامی دیکانند[1] کرتے ہین کہ دُنیا کو خدا کی مخلوق ماننے مین عقل کا کلیہ قاعدہ خاص سے عام کیطرف جانیکا پایا نہین جاتا اور نیچر کو نیچر سے واضح کرنیکا یہ دستور نہین۔ اُن کا مطلب ویدانت تعیوری یعنے وحدت وجود کے موافق غالباً یہ ہے کہ اگر مثلاً مرکبات عناصر سے اور عناصر ایتھر سے اور ایتھر رُوح سے اور رُوح خدا سے نکلی ہوئی مانی جاتی تو یہ خاص سے عام کیطرف جانے کی صورت ہوتی اور اسی طرح پتھر جو گرتا ہے اگر کہا جائے کہ اس کا سبب قانون فطرت ہو تو نیچر کی نیچر سے توضیح ہوگی لیکن اگر پتھر کے گرنے کو کسی انسان کی طرف منسوب کیا جائے یا کسی جن کی طرف تو خلاف نیچر ہوگا پس اگر دُنیا کو مانا جائے کہ اپنی فطرت کے موافق ایک مطلق ذات سے پیدا ہوئی ہے تو نیچر کے موافق ہے اور اگر اسکو خدا کی مخلوق مانا جائے تو نیچر کے خلاف ہو۔ مگر آپ تو گذشتہ تحریر مین ہمنے محض عقل کی رہنمائی سے تغیرات کو قدیم ماننے سے لیکر ذات مطلق کے درجہ تک تمام احتمالون کو دیکھا ہے اور اُن مین سے ہر ایک پر کسی نہ کسی صورت مین قانون علیت کو توڑنے کا الزام آتا نظر آیا ہے اور ان کے بعد تخلیق

[1] کتاب گیان لوگ باب ستر دہم۔

کے احتمال کو دیکھا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اسکے اعتراضون پر ہم غالب آسکتے ہین اور ہم دیکھتے ہین
کہ دُنیا مین عام طور پر کسی نامعلوم سبب کو تلاش کرنے کے لئے یہی صورت ہو سکتی ہے کہ اسکے متعلق
تمام احتمالون مین سے جو اعتراضون سے پاک ہو اس پر یقین کیا جاسے۔ ہم جب چھت پر رکھے ہوئے
برتن کو زمین پر گرتا دیکھین اور دیکھین کہ نہ چھت گری ہے اور نہ ہوا ایسی چلی ہے جو برتن کو اُڑا سکے
اور نہ زمین کی کشش ایسی حالت مین اثر کر سکتی ہے تو ضرور اس احتمال پر یقین کرتے ہین کہ اِس کو کسی
نے اُٹھا کر پھینک دیا ہے اور یہی صورت یہان پیدا ہوئی ہے اور تمام احتمالون کے غلط ہونے سے
ہمنے یقین کیا ہے کہ اِس دُنیا کو کسی خالق نے پیدا کیا ہے اور پھر مفصل طور پر یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ پیدا
کرنے کے لئے جو عنوان ہماری عقل تسلیم کرتی ہے وہ موجود ہین اور جو اعتراض خیال مین آسکتے ہین
وہ غلط ہین تو پھر ایسے عمل کو نیچر کے خلاف قرار دینا کسی طرح صحیح نہین۔

اور دوسرے وہ ذات مطلق جس کو ویدانت کے حامی ان تعیّنات مین ظہور کرنے ہوئے
مانتے ہین اگر اس کو بے شعور اور بے ارادہ سمجھا جائے تو جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اسکو اپنے اطلاق کے درجہ سے
ان تعیّنات مین ظہور کرنے کے لیئے کسی اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور اگر اسے ذی شعور اور ذی ارادہ
مانا جاوے اور کہا جائے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے یہ ظہور کرتی ہے تو یہ عمل خود ویسا نیچر کے مطابق ہوگا
جیسا سوامی جی کو مطلوب ہے کیونکہ موجودات کے جس قدر درجے فرض کئے جاسکتے ہین اِن مین سب سے
آخری درجہ یعنے صرف انسان صاحب شعور نظر آتا ہے ورنہ اس کے نیچے جس قدر درجات ہین ان
مین سب کے بعد دیگرے شعور و ارادہ معدوم ہوتا جاتا ہے حتے کہ مادہ کی ابتدائی شکلون مین اِس کا
نام و نشان نہین رہتا پس ان تمام بے شعور درجوں سے پہلے اور سب سے عام درجہ جس کو وہ
ذات مطلق کہتے ہین وہ سب سے زیادہ بے شعور ہونی چاہئے اور اگر صاحب شعور ہو تو رفتار عام
سے عام تر نہ ہوگی اسلئے اس احتمال کو بھی خلاف نیچر کہنا چاہئے۔

اور پھر اگر خاص سے عام کی طرف جانے کو دیکھا جاوے تو وہ بھی اپنی مکمل صورت مین محض
اسی احتمال مین موجود ہے کیونکہ ویدانت مین وجود کو خاص سے عام کرتے ہوئے اس عمل کو ایک

موجودی پر جا کر ٹھیرا دیا گیا ہے جس کو ذات مطلق کہتے ہیں اور اس کے خلاف اس اختال میں مرکبات سے عناصر اور عناصر سے ایتھر وغیرہ عام تر اور لطیف تر موجودات کو فرض کرتے ہوئے آخر میں ایسے عام پر بس ہوئی ہے جس سے زیادہ عام خیال میں نہیں آسکتا یعنی عدم۔ اب دیکھنے والے دیکھیں کہ خاص سے عام کی طرف وہ سلسلہ جاتا ہے جس میں وجود کو وجود ٹھیرایا گیا ہے یا وہ جس میں وجود کو تحلیل کرتے ہوئے عدم سے ملا دیا ہے اور پھر اس کے علاوہ ایک ایسے وجود کو مانا گیا ہے جو ہمیشہ سے یکساں رہا ہے اور رہیگا اور تغیرات کی آلایش کو اسکی ذات سے نہ مس ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

خدا کو ماننے سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے؟

علمی اعتراضوں کے بعد اُس اخلاقی اعتراض کا درجہ ہے جو سوامی ویکانند سے مہاتما بدھ کی طرف سے پیش کیا ہے[1] کہ خدا کو ماننا انسان کو ذلیل بناتا ہے۔ کیونکہ اس سے انسان اپنے تئیں عاجز جانتا ہے اور ہر کام میں ایک بیرونی طاقت کا محتاج بنتا ہے حالانکہ طاقت سب اس کے اندر ہے۔ پس جس قدر بدی دنیا میں ہے وہ بیشتر خدا کو ماننے کی وجہ سے ہے اس سے اُس کو وسیلہ تلاش کرنے کی عادت ہوتی ہے جس سے مذہبی پیشواؤں کا ظلم و تشدد شروع ہوتا ہے۔

اس اعتراض کو ایک بڑے آدمی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس لیے قابل التفات ہو تو اور بات ہے ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی واقعی حالت کو یقین کرنے سے انسان ذلیل کیوں ہو جاتا ہے اور جو ذلت واقع میں موجود ہو اُسے خدا کا انکار کرنے سے کیونکر دور کر سکتا ہے اور جو طاقت اسمیں نہیں ہے صرف اسکا خیال جما لینے سے کیا عزت پا سکتا ہے بیشک انسان کی فطرت میں بہت سی طاقتیں ودیعت ہیں اور جو لوگ اُن کو پیدا کر سکتے ہیں وہ حیرت انگیز کرشمے دکھاتے ہیں لیکن جس شخص نے اُن طاقتوں کی مشق نہیں کی وہ واقع میں ذلیل ہے اور اس وقت اگر وہ خدا کو نہیں مانتا بلکہ خود خدا ہے جب بھی ذلیل خدا ہے۔ پس اس وقت محض غلط الیقین کر لینے سے کہ میں سب کچھ کر سکتا ہوں وہ ذلت سے بری نہیں ہو سکتا اور کسی واقعی فخر کا مستحق نہیں ہو سکتا اور نیز جو لوگ خدا کو مانتے ہیں وہ بھی ایسے شخص کو جو خدا کی دی ہوئی طاقتوں کی مشق نہیں کرتا ذلیل خیال کرتے ہیں اور فرض سمجھتے ہیں کہ جہاں تک اس کو خدا نے ہمت دی ہے

[1] کتاب گیان یوگ باب ہفتم۔

دوسرے کا دست نگر ہو پس اس صورت مین خدا کو ماننے سے کیا ایسی قباحت لازم آتی ہے جو خدا کا انکار کرنے سے دور ہو سکتی ہو۔ اور اُدھر ایسی بہت سی طاقتین ہین جو انسان کی فطرت مین ودیعت نہین ہین۔ انسان انسانی جسم مین رہے اور ابدالآباد تک زندہ رہے ناممکن ہے انسان انسانی جسم مین رہے اور قوانین قدرت اور بالائی طاقتون کے اثر سے محفوظ رہ سکے ناممکن ہے سب اور بات ہے کہ انسان کو خدا یا روح کا مظہر مانکر کہا جائے کہ مرنے کے بعد وہ روح یا خدا باقی ہے اس لئے انسان بھی غیر فانی ہے کیونکہ اُس وقت اگر غیر فانی مانا جائیگا تو اُس ہستی مطلق کو مانا جائیگا نہ کہ اس پیکر خاکی کو۔ پس وہ ہستی مطلق اس پیکر خاکی مین جلوہ گر رہی اور پھر دایم و باقی رہے یہ بدھ اور ویدانت کے نزدیک بھی ناممکن ہے بس اس واقعی حالت پر یقین رکھنا کیونکر ذلت کہلانیکا مستحق ہے اور اسکے خلاف مہمل طور پر اپنے اندر سب طاقتون کا دعوی کرنا کہانتک قابل تحسین ہے اس وقت ویدانت یا بدھ مذہب کی بحث سے (جو گذر چکی) یک سو ہو کر جو امر واقع معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جو طاقتین واقع مین انسان کو حاصل ہین انہی کا دعوی اسے زیب دیتا ہے اور انہی سے کام لینا اسکا فخر ہے اور انہی کو بیکار چھوڑ رکھنا ذلت ہے اور جہانتک کم از کم اس پیکر انسانی مین رہکر اس کی رسائی نہین ہے اُن کا دعوے فخر بیجا ہے اور ان سے عاری ہونے کا اعتراف قابل ملامت نہین اور اس بارہ مین خدا کو ماننے والے اور انکار کرنیوالے سب برابر ہین۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کو نہ ماننے کا دعوی عملی طور پر زبان سے اُتر کر دل تک کبھی نہین پہونچ سکتا۔ جو لوگ خدا کو نہین مانتے وہ بھی اِس ہستی انسانی کے ضعف سے انکار نہین کر سکتے اور ہر ایک کام جو وہ کرتے ہین اس سے ثابت کرتے ہین کہ کوئی اور طاقت یا قانون ہے جو ان کی موجودہ حالت سے برتر اور انکی موجودہ حالت پر حکمران ہے۔ کیا ہوا اگر وہ بظاہر دل خوش کُن مثالون سے اپنے تئین تسلی دیتے ہین کہ "صرف نام اور شکل ہے جس سے لہر سمندر سے جدا ہو گئی ہے"۔ ہا ہمنے اپنی آنکھون پر خود ہاتھ رکھ کر اندھیرا اندھیرا پکارنا شروع کر دیا ہے" ورنہ حقیقت چاہے کچھ ہو اس وقت جو کچھ موجود ہے لہر ہی کی شکل اور اسیکا نام ہے اس لیے وہ سمندر کی عظیم الشان طاقت کے ماتحت ہے اور جو پیکر انسانی

موجود ہے اسکی آنکھوں پر ضرور ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور اس لیے اس وقت اسکو کسی اور سے رہنمائی
حاصل کرنے کی ضرورت ہی اور جب یہ حالت موجود ہے تو اس وقت پانی کی پتلی سی لکیر ہونے کے وقت
سمندر ہونے کا دعوی اور آنکھین بند ہونے کے وقت سب کچھ دیکھنے کا فخر ہرگز درست اور سچا نہین اور
یہی وہ دعوی ہے جو خدا کو ماننے والے پیش کرتے ہین فرق صرف یہ ہے کہ خدا کو نہ ماننے والے اس
بالاتر طاقت کی نسبت یقین رکھتے ہین کہ وہ ہم ہی ہیں مگر ہمار العین اس وقت موجود نہیں ہوتا
اور خدا کو ماننے والے اسکو "ہم" اور "مگر" وغیرہ قیود سے بھی پاک اور اصلی معنون مین برسر خیال
کرتے ہین - پس خواہ کوئی ایسا خدا موجود نہ ہو مگر خدا ماننے والون کا محکوم ہونے کا دعوی السا صحیح ہے
کہ منکرون کو بھی تسلیم کرنے سے چارہ نہین پس ایسے دعوی کو دوسرون کے سر لگا کر کس طرح ذلت
کا باعث قرار دیا جاتا ہے - یہ دعوی باعث ذلت اس وقت ہوتا کہ فی الواقع انسان بقید انسانیت
ہر قسم کا کمال رکھتا اور خدا کو نہ ماننے والے ان کمالون کو ظاہر کرتے ہوئے دکھائی دیتے اور اس کے
برخلاف خدا کو ماننے والے اپنے تئین محکوم سمجھ کر تمام طاقتون سے محروم رہتے تو اس وقت منکرین
یہ کہنے کا حق رکھتے تھے کہ خدا کو ماننے سے یہ ذلت نصیب ہوئی - مگر جب حالت اس کے برخلاف ہے
اور موجودہ کمزوری مین دونون فریق یکسان ہین تو اس سچی حالت کو تسلیم کرنا کیونکر ذلت کا باعث
قرار دیا جا سکتا ہے -

رہا یہ اعتراض کہ دنیا مین بدی محض خدا کو ماننے سے پیدا ہوتی ہے اسکا ثبوت نہین معلوم
کیا ہوگا ورنہ جو لوگ خدا کو مانتے ہین وہ اس کو محض نیک اور تمام نیکیون کا سرچشمہ سمجھتے ہین اور بدی کو
کو اس سے دور ہونیکا باعث خیال کرتے ہین پس اس خیال کا جب پختگی سے ذہن مین قائم ہونا لازمی اثر
ہے کہ انسان تمام برائیون کو ترک کرے اور ہمہ تن نیکی کا طالب ہو - اور ہم جو اس کے خلاف بدی کرتے
ہین تو اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ جو اعتقاد واقع مین خدا پر ہونا چاہیئے اور جو یقین نیکی کرنے سے قرب ربانی
کا انسان کو رکھنا چاہیئے وہ پایا نہین جاتا - مثلاً انسان کو یقین ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے جل جائیگا
اس لیے کبھی کوئی دانستہ اس فعل کا مرتکب نہین ہوتا پس اگر اسی طرح کا یقین اس عقیدہ پر ہو کہ بدی کرنے

سے خدا سے تب ہوگا جو سب عذابون سے بڑھکر ہے تو انسان دانستہ ہرگز بدی کا ارادہ نہ کرے پس اس سے
ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت مین خدا کا یقین کامل نہ ہونیکا یا دوسرے لفظون مین خدا کا انکار کرنیکا عنصر ہے
جو دنیا مین بدی کو رواج دیتا ہے نہ خدا کا یقین جیساکہ ان اعتراض کرنیوالون کا خیال ہے وہ کہتے ہین کہ
خدا کو مانکر وسیلہ تلاش کرنے کی عادت ہوتی ہے اور بیشک خدا کو ماننے والے یقین رکھتے ہین کہ ان طاقتون
کا قیام جو خدا نے انسان کو دی ہین اور ان قوانین قدرت کا انتظام جو دنیا مین عمل کررہے ہین سب کچھ خدا
کے ہاتھ مین ہے اور اس لیئے وہ کوئی کام کرنے کے وقت اپنی تمام طاقتون کو اور تمام بیرونی اسباب کو مہیا
رکھنے کے لیے خدا سے ملتجی ہوتے ہین مگر اس بارہ مین ان کے اس شغل سے کوئی اور بہتر فعل خدا کا انکار کرنے
والے بھی نہین کر سکتے کیونکہ اس دنیا مین رہکر وہ بھی تمام قوانین قدرت کے ماتحت ہین اور کسی کام کے
وقت اُن کی بھی دلی آرزو یہی ہوتی ہے کہ جو اسباب اندرونی اور بیرونی اس کام کے لئے ضروری ہین
وہ مہیا رہین۔ اور پھر خدا کو ماننے والے جس وسیلہ کی تلاش کرتے ہین اگر وہ سچے خدا کو ماننے والے ہین تو
وہ وسیلہ محض خدا ہے۔ مذہبی پیشوا یا کوئی اور مددگار اُن کے نزدیک بھی کارساز نہین ہے اس لیے مذہبی
پیشواؤن کا ظلم و تشدد جو ایمان والون کے سر تھوپا جاتا ہے وہ بھی حقیقت مین خدا کے اعتراف مین نقص
رہنے کے سبب پیدا ہوتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ خدا کو کامل کارساز نہ ماننا اور اس کے سوا دوسرے
بانبازون کو خدائی اختیار دیکر سیاہ و سفید کا مالک ٹھیرانا وہی خدا کے انکار کا بقیہ ہے جو اس قباحت کا
باعث ہوا ہے۔ ہان دنیا مین رہکر اپنے تمام کاروبار کے لیے اسباب کو تلاش کرنا انسان کا فرض ہے
وہ چلنے کے لئے لکڑی پر سہارا لیتا ہے سیکھنے کے لیئے استاد سے مدد مانگتا ہے روحانی مشق کے
لئے روحانی پیشواؤن سے تعلیم حاصل کرتا ہے اور اسی ضمن مین مذہبی پیشواؤن سے اُن کے متعلقہ
فرائض مین ہدایت پاتا ہے مگر خدا کو ماننے والا ان سب چیزون کو ذریعہ گردانتا ہے اور فاعل حقیقی
ہر امر مین خدا کو جانتا ہے پس اگر یہ فعل بدی پیدا کرنے کا باعث ہے تو خدا کو نہ ماننے والے بھی اس سے
زیادہ کچھ نہین کر سکتے اور عالم اسباب کے قانون سے باہر ہو کر اور وسائل معینہ کو چھوڑ کر کوئی کام انجام
نہین دے سکتے۔

مسٹر بریڈ لا کا اعتراض کہ دنیا جسی چیز کبھی پیدا ہوتی نہیں دیکھی

مذکورہ بالا استدلال مین چونکہ جا بجا قانون علیت کا تذکرہ ہوا ہے اور ہر جگہ اس قانون کو جاری پاکر مانا گیا ہے کہ اس تمام نظام عالم کی بھی کوئی علت ہوگی اسلئے اس قانون کے متعلق مسٹر بریڈ لا کا ایک اعتراض دلچسپ اور قابل غور ہے۔ انکا خیال[۱] ہے کہ

"ہم کسی چیز کو دیکھ کر اسکی علت اور فاعل کی تلاش اسی لئے کیا کرتے ہین کہ اور موقع پر ہمنے اپنی آنکھ سے وہ چیز کسی فاعل کے ہاتھ سے بنتی دیکھی ہوتی ہے مثلاً جنگل میں کسی کا عمدہ تحریر لکھی ہوئی دیکھ کر کسی لکھنے والے کا فقص اس لئے کرتے ہین کہ اور موقعون پر ہمنے لوگون کو لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر جیسی یہ دنیا ہے ایسی دنیا کو ہمنے بنتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا اس لئے اس دنیا کے فاعل کی تلاش عبث ہے"

اس استدلال کی قوت بیشک حیرت مین ڈالتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر بریڈلا نے ہمکو ایسے موقع پر ٹوکا ہے کہ استدلال علیت کا تمام سلسلہ درہم برہم ہوگیا ہے۔ مگر نہین معلوم یہ ہدایت جو طالبان خدا کو دی گئی ہے دیگر علوم دنیوی کی تلاش کرنیوالون کو بھی مسٹر موصوف اسی قسم کی تنبیہ کرتے ہین یا نہین اور اگر نہین کرتے تو اس وقت اپنے فرض سے کوتاہی کرنا کیون جائز سمجھتے ہین حالانکہ وہ لوگ بھی اکثر اپنے نتائج یقینیہ اسیطرح بغیر کسی مقیس علیہ کے پیدا کیا کرتے ہین۔ مثلاً انہون نے زمین جیسے کرہ کو کبھی گیس کی حالت سے منجمد ہوتے ہوئے آنکھ سے نہین دیکھا اور چاند جیسے ٹکڑے کو کبھی زمین سے ٹوٹتے ہوئے مشاہدہ نہین کیا۔ اور نہ نظام شمسی کو ایک دور تک پھیلے ہوی بخار کے بادل سے بنتے دیکھا ہے اور نہ آفتاب جیسے کرہ کا زمین کو اپنی طرف کھینچنا یا زمین جیسے کرہ کا چاند کو کشش کرنا یا کسی کرہ کا پہلے جاندارون سے اور نباتات سے خالی ہونا اور پھر بتدریج آباد ہوتے جانا یا آفتاب کا حرکت کرنا اور زمین کا اسکے گرد گھومنا نظر سے گذرا ہے۔ غرض کوئی واقعہ جو تحقیق عالم کے متعلق ہو اپنی آنکھ سے نہین دیکھا اور جہانتک افرادی یا مجموعی نظر کا تعلق ہے اس عالم کو اسی شکل پر آباد دیکھا ہے مگر باوجود اس کے

[۱] جی ڈبلیو تھنکرس ٹکسٹ بک صفحہ ۱۱ و ۱۳ سنہ ۱۸۸۵ء

وہ ان تمام واقعات پر یقین رکھتے ہین اور یقین پیدا ہونے کی وجہ یہی ہوئی ہے کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے واقعات مین اس قسم کے انقلاب نظر آتے ہین پس جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ جنگل مین پڑے ہوئے کاغذ کا لکھنے والا مانو مگر دنیا کے بنانے والا نہ مانو اس لیئے کہ ایسے بنانے والے کو دیکھا نہین اسی طرح یہان اعتراض ہونا چاہیئے کہ بخار سے پانی اور پانی سے برف بن جانے کو مانو مگر گیس سے زمین بن جانے کو نہ مانو اس لئے کہ ایسا مشاہدہ نہین ہوا اور درخت سے پھل گرنے کو زمین کی کشش کہو مگر زمین کی حرکت کو آفتاب کی کشش نہ کہو بلکہ زمین کو حرکت کرتے ہوئے بھی نہ مانو اس لیے کہ ایسا کبھی دیکھا نہین اور کسی انسان کا کبھی منہ نظر آنے پر اور کبھی پشت دکھائی دینے پر بیشک کہو کہ وہ شخص گھوم رہا ہے مگر آفتاب کے داغون کو سامنے آتے جاتے دیکھ کر نہ کہو کہ وہ حرکت کرتا ہے اس لیے کہ اتنے بڑے جسم کی دوری حرکت کا کبھی تجربہ نہین ہوا بلکہ جس طرح پروہان مسٹر بریڈلا کہتے ہین کہ دنیا یونہی پیدا ہو گئی ہوگی اسی طرح یہان کہنا چاہیئے کہ زمین ہمیشہ سے یونہی آباد ہو گئی ہوگی اور حرکت بے وجہ پیدا ہو گئی ہوگی اور آفتاب کے داغ بے سبب سامنے آتے جاتے ہونگے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ مسٹر بریڈلا کا اعتراض غلط ہے اور کسی بڑے واقعہ کے لیے اسی جیسا آنکھون سے دیکھنا ضرور نہین بلکہ انسانی عقل کی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ کسی چھوٹے واقع کو دیکھتی ہے اسکی وجہ تلاش کرتی ہے اور چند واقعات مین وہی علت موجود پانے پر کلیہ بناتی ہے اور پھر اس کلیہ کو بڑے واقعات کے متعلق جاری کرنے کی پیکل ہوتی ہے کہ بڑے واقعہ کی جو حالت موجود ہے اسکا اور اسکی ضد کا اور دیگر کسی قدر مخالف حالات کا تصور کر کے اپنے کلیہ قاعدہ کو جس حالت پر منطبق پاتی ہے اس کے وجود کا حکم دیتی ہے اور اسی طرح یہان تمام دنیا مین معلول کو بغیر علت کے موجود ہوتے نہین دیکھا گیا اس لیے اس کلیہ کو تسلیم کرنا پڑا اس کے بعد مختلف علتون کے مختلف اوصاف دیکھے اور ان اوصاف کے مطابق معلول مین مختلف حالات نظر آئے یون اور کلیات بنتے گئے اور ان سب کی مجموعی حالت کو مد نظر رکھ کر جب ایجاد عالم کی نسبت غور کیا تو دنیا کی موجودہ حالت اور اس کے خلاف صرف مادہ کے موجود ہونے کی حالت یا بالکل معدوم ہونے کی حالت یا ایک خدا کے قدیم ہونے کی حالت غرض اس قسم کی تمام

صورتوں کو تصور کیا گیا اور قانون علیت کو ہر حالت میں منطبق کرنا چاہا شدہ شدہ اس نتیجہ پر پہونچے
کہ یہ قانون جبھی مطابقت کہاتا ہے کہ کوئی فاعل ہو جس نے عالم کو نیست سے ہست کر دیا ہے

ثبوت باری تعالیٰ کو ضعیف کرنے کے اسباب۔

غرض جس طریق استدلال سے یہان کام لیا گیا ہے اگر اس مین غلطی نہین تو کہا جاسکتا ہے کہ خدا کی علمی قوت سے عالم کے پیدا ہونیکا احتمال دیگر تمام
مذہبی اور غیر مذہبی احتمالون کی نسبت زیادہ قرین عقل اور اعتراضون سے پاک ہو اور نیز کہا جا سکتا
ہے کہ موجودات عالم کا سلسلہ علت و معلول اور موجودات عالم کی ترتیب اور نظام اور خود انسان
کی اندرونی طاقتین یہ سب ملکر خیالات کا ایسا سلسلہ بناتے ہین جو اس بالاتر ہستی کا پتہ دیتا ہے
اور اس کے خلاف جس قدر اعتراض پیدا کئے جاتے ہین ان مین جن مقدمات کو کلیہ فرض کیا جاتا
ہے وہ واقع مین کلیہ کہلانے کے مستحق نہین ہوتے مثلاً نیست کا ہست نہ ہوسکتا یا موجودات
خارجی کے سوا کسی اور چیز کا تصور مین نہ آنا اور اس کے سوا اور قاعدے جو گذشتہ اعتراضون
مین تسلیم کئے گئے ہین ثابت ہوا ہے کہ وہ واقع مین قاعدہ کلیہ نہین ہین۔ اور اس کے علاوہ
ایک بڑی بات یہ بھی ہے کہ جو لوگ مذہب کے خلاف قلم اٹھاتے ہین وہ اپنے اعتراضون مین اس
طرح بھی کامیاب ہوئے ہین کہ انھون نے دلیل ثبوت کے چند ٹکڑے کر لیے ہین اور ان مین سے
ہر ایک ٹکڑے کو جو واقع مین پوری دلیل کا ایک ایک مقدمہ ہے مکمل دلیل گردان کر ثابت کرنا چاہا ہے کہ
ان دلیلون سے خدا کا ثبوت بہم نہین پہونچتا مثلاً سلسلہ علیت کو ایک دلیل اور نظام عالم کو
دوسری دلیل اور جذبہ فطری کو تیسری دلیل ٹھیرایا گیا ہے اور پھر اعتراض کیا گیا ہے کہ اتنی اتنی
بات سے مدعا ثابت نہین ہوتا گویا کسی انسان کی طاقت کو آزمانے کے لئے اس کے دست و پا اور
دیگر اعضا کو کاٹ کر ہر ایک کی جداگانہ حالت کو انسانی قوت کا معیار فرض کیا گیا ہے حالانکہ انسانی
طاقت مکمل انسان مین دیکھنی چاہئے۔

مثلاً مسٹر جان سٹوارٹ مل نے علت اولیٰ کو دلیل مانکر اعتراض کیا ہے کہ دنیا مین مادہ
قائم رہتا ہے اور صرف حالات بدلتے ہین اس لیے مادہ کے لیے کسی علت کی ضرورت نہین اور علت

اولی کی تلاش بالکل فضول ہے مگر اتنی ہی بات سے خود اُن کو بھی اطمینان نہین ہوا - اور واقع مین یہان سوال پیدا ہوتا ہے کہ انقلاب حالت کی علت کیا ہوگی؟ چنانچہ اسی سوال پر انھون نے غور کیا ہے اور فرمایا ہے کہ تمام علوم جسمانیہ کی متفقہ شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ تغیرات کی علت فورس یعنی طاقت کی کچھ مقدار اور ترتیب ہے اور اس لیئے علت اُولیٰ مادہ کو یا فورس کو کہنا چاہیئے ورنہ کوئی خدا موجود نہین ہے جسے علت اولیٰ مانا جائے - غرض اس نتیجہ تک پہونچ کر انھون نے اپنی طرف سے دلیل علت کو غلط ثابت کر دیا ہے حالانکہ ابھی اس دلیل سے خدا کو ثابت کرنیکا موقع ہی نہین آیا تھا بلکہ یہ ایک ابتدائی تمہید تھی جس کے بعد خیال کرنا چاہیئے تھا کہ جس قوت کو علت اولے قرار دیا جا سکتا ہے وہ قدیم ہونی چاہیئے ورنہ اُس کے لیے کسی اور علت کو تلاش کرنا پڑیگا اور پھر قوت اور مادہ دو چیزین جدا گانہ قدیم نہین ہو سکتین ورنہ دونون کا مرکب ہونا لازم آئیگا اور بقول مسٹر سپنسر ان کے اس جزو کو جو دونون مین مشترک ہے قدیم ماننا پڑیگا اور پھر قدیم قوت کو خدا[1] مانکر دیکھنا چاہیئے تھا کہ نظام عالم کی شہادت سے اُس مین پیش بینی اور علم بھی ثابت ہوتا ہے - اس طرح دلیل علتیت سے اس قدیم اور علیم ہستی تک پہونچ سکتے تھے جس کے علمی فورس کو وہ دنیا مین کام کرتے دیکھتے ہین اور واقع مین اُس وقت اس دلیل کی وہ قوت معلوم ہوتی جس کو انھون نے قلم کی ایک کشش سے اُڑانا چاہا ہے -

اسی طرح مسٹر مل نے نظام عالم کو ایک مستقل دلیل فرض کیا ہے اور اسکو اُتار چڑھاؤ دیتے ہوئے آخر مین تسلیم کیا ہے کہ "ہمارے علم کی موجودہ حالت مین یہ دلیل وجود خدا کا ایک گمان غالب پیدا کرتی ہے" - اور پھر فرمایا ہے کہ اور دلائل ثبوت سے اس دلیل کو کوئی قوت نہین ملتی - حالانکہ یہ دلیل بھی مکمل دلیل کا ایک درمیانی مقدمہ ہے اور اس کے ساتھ علت اُولے کی دلیل کو ضرور خیال کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ بقول ان کے فزیکل سائنس کی تمام شاخون سے ثابت ہوتا ہے کہ مادہ کے علاوہ ایک قوت موجود ہے جو تمام تغیرات کو پیدا کرتی نظر آتی ہے اور پھر دیکھنا چاہیئے

[1] اس موقع پر باب گذشتہ مین وحدت وجود بادی کی بحث ملاحظہ ہو -

کہ وہ قوت جسکو اِس دلیل نظام سے علیم بھی کہنا چاہیے بدین وجہ قدیم اور لیگانہ بھی ہے کہ اگر حادث ہو تو اس کے لیے اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور لیگانہ نہ ہو تو مرکب اور حادث ٹھیرگی اور اس طرح تمام دلائل کو یکجا کرنے سے خدا اور اسکی علمی قوت کا پتہ اس سے زیادہ ملتا جس قدر صرف نظام سے آنکو ملا ہے۔

لامحدودیت — اِسی طرح دلائل عقلیہ کو جو موجودات حسّی سے بنائی جاتی ہین غور کرتے ہوئے یہ لوگ اعتراض کرتے ہین کہ ان سے اگر خدا ثابت ہوتا ہے تو اسکی لامحدود قوت ثابت نہین ہوتی یا یہ کہ اُس کی لامحدودیت کو ہم سمجھ نہین سکتے۔ اور بیشک ہم خود محدود ہین ہماری نظر، ہمارا تجربہ ہماری عقل اور اس کا استدلال سب کچھ محدود ہے۔ ہم جہان تک غور کرین اور جہان تک موجودات عالم کی مخفی سے مخفی حالات کا پتہ لگائین وہ سب محدود ہوگا اور اس لیے اُن کے فاعل کا فعل بھی جو اس وقت تک ہمارے سامنے آئیگا وہ محدود ہوگا اور غیر محدود کو ثابت کرنے کے لیے ضرور ہے کہ اُس غیر محدود کا اثر مشخص اور معین طور پہ ہمارے پیش نظر ہو پس ہمکو اِس اعتراف کے سوا چارہ نہین کہ غیر محدود کو محض استدلال عقلی سے ثابت کرنا اور منوانا ہماری قدرت سے باہر ہے۔ مگر یہان بھی استدلال کو ناقص چھوڑنے کا جرم کسی قدر موجود ہے کیونکہ اِس وقت صرف موجودات حسّی کو دیکھا گیا ہے اور جو قوت ان کے ساتھ جذبۂ فطری کو ملانے سے پیدا ہوتی ہے اسکو نظرانداز کردیا گیا ہے حالانکہ مذہب اور خدا کے اعتقاد کی جو حقیقت تھی وہ اسی جذبۂ فطری مین پائی جاتی ہے اور موجودات خارجیہ کو دیکھنے کا صرف اسی قدر فائدہ تھا کہ جس خدا کے خدا ہونے کی آواز ہمارے ہی نوع کے ہر عالم و جاہل کے دل سے ہر ملک اور ہر زمانے مین کسی نہ کسی شکل سے پیدا ہوتی رہی ہے اور جس کو کوئی اندر بیٹھا ہوا لامحدود اور بے انت پکار رہا ہے اُس کا اعتقاد محض دل ہی مین جاگزین نہین ہے بلکہ دُنیا کے ہر ذرہ سے بھی اُسکی اپنی اپنی قابلیت کے موافق اُس ہستی کا کچھ نہ کچھ نشان ملتا ہے اور اسی نشان ڈھونڈھنے کا نام استدلال عقلی ہے۔ اس لیے موجودات حسی سے یہ امیدہی رکھنی فضول تھی کہ وہ خدا کو اس کی پوری حقیقت کے ساتھ ہمارے

سامنے جلوہ افروز کر سکیں گی۔ پس جو دعوی غیر محدود ہستی کا مذہب کی طرف سے پیش ہوتا ہے وہ عقل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کو صرف ہمارے وجدان اور جذبہ مذہبی نے ہی سمجھا ہے اور ہمارے اندر اسکی جڑ ایسی مضبوط ہے کہ خواہ سمجھ میں نہ آئے اور کوئی واضح ثبوت بہم نہ پہونچے لیکن پھر بھی ان محدود اشیا اور محدود خیالات کو دیکھ کر ذہن ان سے پرے ایک غیر محدود ہستی کیطرف جاتا ہے اور اسی غیر محدود کی تلاش ہے جس کے لیے ابتدائے آفرینش سے ابتک ہزاروں طرح کے مذہبی جد و جہد ہو چکے ہین اور یہ اس کے سمجھ مین نہ آنے کا سبب تھا جس سے ہر ایک ناقص مذہب نے غیر محدود مانکر پھر اسکو کسی ایسی شکل مین سمجھا کہ غیر محدود محدود ہو گیا۔ اس لیے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس فطری تلاش کا آخری مقام ہونا ہی یہ چاہئے تھا کہ غیر محدود مانکر اس کو غیر محدود ہی رہنے دیا جائے اور اسکی ذات اور کُنہ کو سمجھنے کی ہر ایک کوشش کو ترک کیا جائے اور صرف صحیح تعلق دریافت کرنے پر اکتفا کی جائے جو ہمکو اس ذات کے ساتھ ہے کیونکہ اُس ذات کے متعلق سمجھ جہان تک جائیگی وہان تک غیر محدودیت نہ رہیگی۔ پس استدلال عقلی سے غیر محدودیت کا ثابت نہ ہونا درحقیقت اعتراض نہیں بلکہ اگر عقل ایسا ثابت کر سکتی تو ایک طرح سے اعتراض ہوتا کہ وہ ذات عقل کے احاطہ مین آ گئی اسلئے غیر محدود نہیں ہے۔

مگر اسکی ذات یا ذات کی غیر محدودیت کو سمجھ نہ سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس ذات کا خیال جو ہمارے ذہن مین فطرت نے ودیعت کیا ہے اس کو چھوڑ دیا جائے بلکہ ہمارا فرض ہے کہ بحیثیت عطیۂ فطرت ہونے کے اُسکو ترقی دین اور دیگر نفسانی غلطیون سے پاک کر کے اس کے حقیقی ثمرہ کو حاصل کرین اور پھر ہم جو اس کا اعتراف کرتے ہین اور دُنیا مین اسکی نظیر تلاش کرتے ہین تو اگرچہ کوئی کامل نظیر دستیاب نہیں ہوتی مگر ناکمل سی نظیر پھر بھی مل ہی جاتی ہے کیونکہ ہم دُنیا کی چیزون کو دیکھتے ہین او اپنی اور تمام گذشتہ تجربہ کرنے والون کی متفقہ کوشش سے یقین کرنے لگتے ہین کہ کم از کم اس وسیع دُنیا کے کسی گوشہ کے تمام نباتات اور ہر قسم کے حیوانات کو جان گئے ہین مگر پھر بعد مین اپنے زمانے کی نظر یا آئندہ آنے والون کی نظر کو اور نباتات اور حیوانات ایسے دکھائی

دی جاتے ہین جن کو پہلے تجربہ کرنیوالون نے نہ دیکھا تھا۔ اسی طرح زمین و آسمان اور اجرام علویہ کو آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہین اور سمجھنے لگتے ہین کہ ہم اس فضا کے کونے کونے سے واقف ہو گئے مگر بعد مین ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی چیزین پہلے نظر نہ آئی تھین جو اب دکھائی دینے لگی ہین پھر ان چیزون کی اندرونی ساخت کو دیکھنے لگتے ہین کھول کھول کے اور تحلیل کر کر کے گمان کرتے ہین کہ بس اب سب کچھ معلوم ہو گیا مگر تجربہ اور آگے بڑھتا ہے تو کہتا ہے کہ ابھی تم نے دیکھا ہی کچھ نہین پھر چیزون کے خواص اور تاثیرون کو دیکھتے ہین اور ایک حد پر پہونچ کر ہمہ دانی کا دعوی کرنے لگتے ہین مگر زمانہ ثابت کرتا ہے کہ اس امتحان مین بھی فیل ہوئے اور بہت سے خواص اور تاثیرین باقی ہین جو ہمہ دانی کے وقت معلوم نہ ہوئی تھین۔ غرض کہنے کو کہدینا آسان ہے کہ دُنیا جس کو ہم دیکھتے ہین محدود ہے مگر دُنیا کے کسی ایک چھوٹے سے حصہ کو بھی یقیناً محدود ثابت کر دینا بہت مشکل ہے اور ہمارے گذشتہ ناکام تجربے ثابت کرتے ہین کہ اشیاء موجودہ کی تعداد ان کے اقسام ان کے افراد اور ان کے خواص کوئی بھی کسی حد تک ختم نہین ہوتے اس لئے اگر اس نظام کے بنانے والے کی طاقت کو خشک منطقی استدلال سے نامحدود ثابت نہین کیا جا سکتا تو کم از کم ایسا نامحدود ضرور ماننا پڑتا ہے جس کو انسانی عقل احاطہ نہ کر سکے اور انسان کی عقل ہی وہ بڑی کائنات تھی جو جذبہ فطری کے مقابل مین کچھ چون وچرا کر سکتی ہے پس جب وہی اس کو احاطہ نہین کر سکتی تو اور کونسی طاقت ہے جس نے اسکی قدرت کو گھیر کر محدود کیا ہوا ہے اور جس سے جذبۂ فطری ہار مان سکتا ہے

مسٹر سپنسر ایک مقام پر اشیاء عالم مین سے صرف علم کو دیکھتے ہین کہ وہ محدود ہے یا غیر محدود چنانچہ لکھتے ہین کہ[1]

"اب اندرونی حالات کی طرف توجہ کرین اور اپنے علم کے درجات کو دیکھین کہ کیا ہماری قوت محدود ہے یا غیر محدود۔ غیر محدود تو کہہ نہین سکتے ایک تو اس لیے کہ ہم بالواسطہ جانتے ہین کہ اسکی کوئی ابتدا ضرور تھی اور دوسرے غیر محدود کوئی ہو سمجھ سے بالاتر ہے اب اگر محدود کہین تو یہ بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ اُس کا کوئی کنارہ ہمارے علم مین نہین۔ اپنے حافظہ کو دیکھو اور خیال کی

[1] فرسٹ پرنسپلز باب سوم صفحہ ۹۱ سنہ ۱۹۳۷ء

دوربین سے جہاں تک پیچھے کو جا سکتے ہو جاؤ۔ تاریکی چھا جائیگی اور کچھ نظر نہ آئے گا اور نہ معلوم ہوگا کہ ہم نے کہاں سے شروع کیا تھا۔ اور یہی حال انجام کا ہے کہ آیندہ کے لیے کہیں ختم ہوگا ہم کو علم نہیں۔ حال ہی جو سب سے آخری درجہ علم موجود ہے وہ ہی ہم دریافت نہیں کر سکتے کیونکہ جس درجہ کو ہم آخری سمجھیں وہ حقیقت میں آخری نہیں کیونکہ اس وقت ہم اسکو آخری سمجھ رہے ہیں اور یہ بھی ایک علم ہے جو آخری کے بعد آیا پس آخری آخری نہ ہوا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم اُس کی حد معین طور پر جان نہیں سکتے مگر بالواسطہ یہ خیال تو کر سکتے ہیں کہ اسکی کوئی حد ضرور موجود ہوگی مگر ایسا نہیں۔ ہم خیال بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہم سلسلہ واقعات کا انجام نہیں دیکھ سکتے سوا اسکے کہ ایک اور تصور انجام کے متعلق قایم کرتے ہیں۔ اور نیز جب کوئی کیفیت ذہنی پیدا ہوتی ہے تو اسکی نسبت ہم جانتے ہیں کہ وہ پہلی حالت ذہنی کی مانند ہے یا نہیں کیونکہ اگر یہ معلوم نہ ہو تو وہ کیفیت ذہنی ممتاز نہ ہوگی اور نہ پہچانی جائیگی پس اسکو علم بھی نہ کہہ سکیں گے۔ اس لیئے اسکی نسبت مانند ہونے یا نہ مانند ہونے کا خیال ایک اور علم ہے جو اس کیفیت ذہنی کے بعد پیدا ہوا۔"

غرض یہ ہیں وہ نظیریں جو اگرچہ مکمل نہیں ہیں مگر تاہم درجات علم اور دیگر اشیاء کو پیدا کرنے والے کی نامحدود قوت کا کچھ نہ کچھ پتہ دیتی ہیں اس لیئے مذہب کا خدا کو نامحدود سمجھنا اگرچہ وجدان پر موقوف ہے مگر عقل کے رُو سے بھی ایسا نہیں کہ اسکی کوئی بنیاد نہ ہو یا اس کی تردید ہو سکے ؛

پیدائش کے متعلق مذہبی شہادتین

ویدبھگوان کی شہادت - بائبل کی شہادت - قرآن کی شہادت - اول - دوئم - سوئم - چہارم - پنجم - ششم
وحدت وجود کا نقلی استدلال - انسانی افعال کا خدائی افعال ہونا - خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا -

ہمیشہ سے ایک نامحدود قدرت رکھنے والے وحدہ لاشریک خدا کا موجود ہونا اور ازل سے اسکے علم مین مقدر ہونا کہ ایک وقت پر وہ سلسلۂ کائنات کو عدم سے وجود مین لائیگا اور پھر اُس وقت پر اُسکی علمی طاقت سے خیالی تصویر کی طرح عالم کا وجود مین آنا بھی وہ صورت ہے جو تمام دیگر احتمالات کی نسبت دقتون سے خالی اور قرین عقل ہے اور یہی وہ صورت ہے جس پر الہامی روایات اور پیشوایان مذہب کے اقوال منطبق ہوتے ہین -

ویدکی شہادت | مثلاً وید مین مذکور ہے کہ[1]

"اُس پرماتما کی نابھی یعنے ناف سے درمیانی عالم پیدا ہوا - سر سے بالائی عالم اور پاؤن سے زمین ہوئی اور کانون سے سمت - اسی طرح وہ سب لوگوں کو بھی پیدا کرتا ہے"

---

[1] یہ مضمون یجروید ادھیائے نمبر ۳۱ منتر ۱۲ کا ہے اور اگرچہ یقیناً کہا نہین جاسکتا کہ وید مقدس کا دعویٰ الہامیت کہان تک درست ہے مگر بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اِس قدر ہمکو یقین ہے کہ اِس سرزمین اور اِس قوم مین بھی حسب ارشاد قرآنی ضرور انبیا مبعوث ہوے ہونگے - اور فرامین الٰہی کسی نہ کسی طرز مین اُن پر اُتارے گئے ہون گے اسلئے ممکن ہے کہ وید بھی اسی قسم کی کتاب ہو - خواہ بعد مین اُسکی شکل جیسا کہ بعض دیگر الہامی کتابون کی نسبت دیکھا جاتا ہے بعض جگہ یا ہر جگہ بدل گئی ہو یا شروع سے کچھ تو حسب استعداد زمانہ اور زیادہ تر مضمون کی پیچیدگی کے سبب وہ مضامین مجمل الفاظ اور پیچیدہ استعارون اور تشبیہون کی شکل مین بیان کئے گئے ہون ۔

اِس منتر کے الفاظ مین چونکہ خدا کو انسان کی طرح دست و پا اور دیگر اعضا سے متصف مانا گیا ہے
جو یقیناً شان ایزدی کے خلاف ہی اس لیے اگر یہ الفاظ الہامی ہین تو ضرور ان کا مطلب کچھ
اور ہوگا اور جو اور مطلب قرار دیا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ علم خداوندی مین جو صورت اس سلسلہ
کائنات کی ہوگی اسمین ضرور بلندی و پستی اور اطراف وغیرہ ہون گے کیونکہ علم یا خیال مین کوئی
چیز موجود ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اُس کے تمام اجزا کی ترتیب اور تصویر موجود ہے اور چونکہ
وجود اُسی کی علمی طاقت سے ہوا ہے اس لیے جو صورت اُس کے علم مین ہوگی اسی کے مطابق ظہور
ہوا ہوگا پس جس طرح کی مخلوق اُس کے علم مین جس جس جگہ کے لیئے مقرر ہوگی وہ سب اسی جگہ پیدا
ہوئی ہوگی پس اس مضمون کو بیان کرنیکے وقت اس علمی صورت کو اطراف و جوانب رکھنے کی
سبب انسان سے تشبیہ دیکر بیان فرمایا گیا ہے کہ جو شکل اس صورت کی ناف یعنی وسط مین تھی
وُہی درمیانی عالم کی ہے اور جو صورت بالائی جانب مین تھی وُہی دنیا کی بالائی جانب کی ہوئی
اور اسی طرح تمام اشیا عین اسی علمی تصویر کے مطابق ظہور پذیر ہوئین اور پھر چونکہ علم خدا کا تھا اِس لیئے
یہ ایک اور استعارہ استعمال کیا گیا کہ صفت کی بجائے خود موصوف کا ذکر کر دیا گیا اور یون بیان
ہوا کہ خدا کی ناف اور سر وغیرہ سے دنیا موجود ہوئی۔

اسی طرح ایک خاص منتر مین جو اشمید یگ کے آخری اشنان مین پڑھا جاتا ہے اور جس کو
ویدک دھرم والے اپسند ھیا کا پہلا منتر شمار کرتے ہین لکھا ہے کہ

"تپ سے یعنی عدم محض کی حالت مین برہم ہی برہم (خدا) تھا اور پھر جب دُنیا کا آغاز ہوا تو پہلے
تاریکی پیدا ہوئی اس کے بعد پانی کا سمندر پیدا ہوا۔"

اس موقع پر پہلے تاریکی کو پیدا کرنے کا ذکر ہے حالانکہ تاریکی نور کا عدم ہے اور جس وقت مین نور نہ ہو وہ
خود بخود موجود ہوتی ہے اس لیے اسکو پیدا کرنیکا کوئی مطلب نہین سوا اس کے کہ اگر نور موجود نہ ہوتا
تو تاریکی بھی ممتاز اور ممیز نہ ہوتی کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اس لیے تاریکی کی شناخت
نور کو پیدا کرنے سے ہوئی ہے اور اس لئے کہہ سکتے ہین کہ اگرچہ تاریکی مخلوق نہین مگر اس کا امتیاز

مخلوق ہے اور وہ اسی وقت ہوا ہے جبکہ نور کو پیدا کیا گیا اور پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ جب کسی چیز کو موجود کرنیکا خیال اور ارادہ ہوتا ہے تو اس خیال اور ارادہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے نابود ہونے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور خواہش ہوتی ہے کہ یہ حالت عدم دور ہو۔ غرض موجود کرنیکا پہلا قدم نابود ہونے کی طرف توجہ کرنا ہے اور چونکہ اسی توجہ سے اس کا امتیاز پیدا ہوگا اس لیے اس مضمون کو مختصراً یون کہدیا گیا کہ سب سے اول تاریکی یعنے عدم کو پیدا کیا۔

اسی مضمون کو قرآن شریف مین صاف الفاظ مین بیان کیا گیا ہے اور ارشاد ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۵	حمد کے لائق وہ خدا ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ظلمت و نور کو بنایا
انعام پارہ ع ۱	

یہان پیدا کرنیکا لفظ موجودات پر استعمال کیا گیا ہے اور نور جس کا ظہور بعض موجودات کے پیدائش سے ہوا اور تاریکی جو نور کے سبب سے ممتاز ہوئی ان کو جَعَلَ یعنی بنانے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور چونکہ ظلمت مقدم ہے اور اسی کی طرف توجہ کرنے سے وجود اور نور پیدا ہوا ہے اس لیے ظلمات کو نور سے پہلے ذکر کیا گیا۔

بائبل کی شہادت | ایسے کھنگی کی چادر مین چھپے ہوئے جواہر کے بعد جو وید مقدس سے تلاش کرنے پر مل سکتے ہین جس الہامی کتاب تک مجھے دسترس ہے وہ عہد عتیق و جدید ہے چنانچہ اس مین اس مضمون کو کسیقدر وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ کتاب امثال مین علمی قوت کو دانائی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسکی زبان سے کہا گیا ہے۔

"خداوند اپنے اعمال کے شروع مین مجھے رکھتا تھا۔ اپنی صنعتون سے پیشتر قدیم سے۔ مین ازل سے مقرر ہوئی۔ زمین کی پیدائش کی ابتدا سے پہلے . (باب ۸ آیت نمبر ۲۲-۲۴ وغیرہ)

اور کتاب یوحنا کے آغاز مین یہی مضمون ہے جس مین علمی قوت کو کلام کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ:-

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی۔ زندگی اسی میں تھی اور وہ زندگی انسان کا نور تھی"

قرآن کی شہادت قرآن شریف میں اس مضمون کو متعدد جگہ مختلف اسلوب سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ

اول ۱- مذکور ہے کہ خدا نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور چونکہ تمام اشیا میں مادہ بھی شامل ہے اس لیے مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ سب کو نیست سے ہست کیا ہے۔ ارشاد ہے

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَنّٰى يَكُونُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ط وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ط (انعام پارہ ۸ ع ۱۳)

وہ آسمان و زمین کو ایجاد کرنے والا ہے۔ اس کے ہاں بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ اسکی ہمخوابہ کوئی نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے (اور کیوں نہ ہو) وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہ ہے خدا تمہارا پروردگار عبادت کے لائق اسکے سوا کوئی نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے تم اسی کی عبادت کرو۔

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱)

وہ خلق کو آغاز کرتا ہے پھر دوبارہ پیدا کرتا ہے

الَّذِي لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيرًا ط (فرقان پارہ ۱۸ ع ۱)

وہ ذات ہے جس کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے اور جس کے ہاں کوئی اولاد نہیں اور نہ کوئی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز کے لئے اندازہ مقرر فرمایا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُونَ (مومن پارہ ۲۴ ع ۷)

یہ خدا تمہارا پروردگار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں پس تم کیونکر اس پر افترا باندھتے ہو

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا (دہر پارہ ۲۹ ع ۱)

کیا انسان پر زمانہ کا ایسا وقت نہیں آیا جبکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔

دوم ۲- پیدائش کے ساتھ اپنی صفت علم اور صفت ارادہ اور قدرت کو ذکر کیا ہے اور بیشک نیست سے ہست ہونے کی یہی صورت ہے کہ کس چیز کا خیال یا علم ہوا اور اس کو موجود کرنے کی خواہش

اور ایسی قدرت حاصل ہو۔

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (آل عمران پارہ ۳ ع ۵)
اس نے کہا کہ اسی طرح خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (مائدہ پارہ ۶ ع ۳)
وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے (اور کیوں نہ ہو) خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

خَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ (انعام پارہ ۷ ع ۱۳)
اس نے ہر چیز پیدا کی ہے اور (کیوں نہ ہو) وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ؕ (روم پارہ ۲۱ ع ۷)
وہ پیدا کرتا ہے جو چاہے اور (کیوں نہ ہو) وہ دانا اور قادر ہے۔

ذٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ الَّذِىْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱)
یہ چھپی کھلی کو جاننے والا غالب اور مہربان خدا ہے جس نے ہر چیز کو خوبی سے پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کا آغاز مٹی سے کیا۔

يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۚ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۱)
زیادہ کرتا ہے پیدائش میں جو چاہتا ہے بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِىْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ (یس پارہ ۲۳ ع ۵)
کہدو کہ زندہ کریگا اُن کو وہ جس نے پیدا کیا تھا اُن کو پہلی دفعہ اور وہ ہر مخلوق کو جانتا ہے

اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (ایضاً)
کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا قادر نہیں ہے کہ اُنھی جیسا پیدا کرے۔ ہاں کیوں نہیں وہ پیدا کرنیوالا اور جاننے والا ہے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (حمعسق پارہ ۲۵ ع ۲)
زمین و آسمان کو پیدا کرنیوالا جس نے تمکو جوڑا جوڑا بنایا اور چارپایوں کو جوڑا جوڑا بنایا تمکو اس میں پھیلاتا ہے اس جیسا کوئی نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ (زخرف پارہ ۲۵ ع ۱)

اور اگر اُن سے پوچھو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے کہ ان کو ایک غالب اور دانا نے پیدا کیا ہے۔

وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (فتح پارہ ۲۶ ع ۱)

اور خدا کے لیے ہے آسمان و زمین کا لشکر اور اللہ علم و حکمت کا مالک ہے۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (ذاریات پارہ ۲۷ ع ۳)

آسمان کو ہم نے اپنی قدرت سے بنایا اور ہم کو بڑی قدرت ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (ملک پارہ ۲۹ ع ۱)

خدا وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی قدر زمینیں اسکا حکم ان میں اترتا ہے تاکہ تم جانو کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسنے علم سے ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے (پس اس لیے کیا کہ تم کو پیدائش کے متعلق غور کرنے سے اسکے علم و قدرت کا پتہ لگے) کیا جس نے پیدا کیا وہ علم نہیں رکھتا؟ حالانکہ وہ لطیف اور دانا ہے

سوئم

۳۔ مذکور ہے کہ وہ چیز کو موجود ہونے کے لیے حکم دیتا ہے اور وہ فوراً ہو جاتی ہے اور فی الحقیقت جو چیز خیال کی قوت کے ساتھ نیست سے ہست کیجائے اسمیں صرف خیال کرنا کافی ہوگا اور اس سے زیادہ کسی سامان کو مہیا کرنے کی ضرورت نہیں۔

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ (بقرہ پارہ ۱ ع ۱۴)

وہ آسمان و زمین کو ایجاد کرنے والا ہے اور جب حکم دیتا ہے کسی بات کا تو کہتا ہے ہو، وہ ہو جاتی ہے۔

كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ (آل عمران پارہ ۳ ع ۵)

اسی طرح خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ وہ جب حکم دیتا ہے کسی بات کا تو کہتا ہے ہو، وہ ہو جاتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

وہ وہی ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور

وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ (انعام پارہ ۷ ع ۹)

جس دن کہتا ہے "ہو" وہ ہو جاتی ہے

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (نحل پارہ ۱۴ ع ۵)

ہماری بات کسی چیز کے لیے جب ہم اُس کا ارادہ کریں یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں "ہو" وہ ہو جاتی ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یس پارہ ۲۳ ع ۵)

اُسکا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے یہ ہے کہ وہ کہتا ہے "ہو" وہ ہو جاتی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (مومن پارہ ۲۴ ع ۷)

وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پس حکم دیتا ہے کسی بات کا تو صرف کہتا ہے "ہو" وہ ہو جاتی ہے۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ (قمر پارہ ۲۷ ع ۳)

ہمارا حکم صرف ایک ہے جیسے کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھ لینا۔

چہارم ۴۔ مذکور ہے کہ خدا سب چیزوں پر محیط ہے اور سب کو بلکہ ہر ذرہ کو جانتا ہے اور اُس کی حفاظت اُسکے لیئے دشوار نہیں ہے اور واقع میں کسی چیز کے علم اور قبضہ اور حفاظت میں دشواری جبھی ہوتی ہے کہ وہ پہلے سے موجود ہو اور دوسرے شخص کو بعد میں اس پر تصرف کرنا پڑے مگر جب تمام اشیاء کو علمی قوت سے موجود کیا جائے تو اس علم کا وجود بعینہ تمام اشیاء کا وجود ہے اور علم ہی کے موجود رہنے سے وہ سب چیزیں قبضۂ قدرت اور احاطہ میں رہ سکتی ہیں اور جبتک خیال یا علم میں وہ اشیاء موجود ہیں ظاہر میں بھی موجود رہ سکتی ہیں اس لیے دنیا کا علم اور قبضہ اور حفاظت اُسکی ذات کو ہرگز دشوار نہیں۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۴)

اس کا قبضہ آسمانوں اور زمین پر وسیع ہے اور اسکو انکی حفاظت تھکاتی نہیں اور وہ بلند و باعظمت ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا (نساء پارہ ۵ ع ۱۶)

اور اللہ تمھارے اعمال پر محیط ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (نساء پارہ ۵ ع ۱۸)

اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ

اور تیرے خدا سے زمین میں اور آسمان میں ایک ذرہ

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿یونس پارہ ۱۱ ع ۸﴾	بھی مخفی نہین ۔
وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۱۸﴾	اور خدا سے زمین مین اور نہ آسمان مین کوئی چیز مخفی نہین ۔
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ﴿روم پارہ ۲۱ ع ۳﴾	یہ اُس کے نشان ہین کہ آسمان و زمین اُسی کے حکم سے قائم ہین
يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ﴿سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱﴾	وہ آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز کا انتظام کرتا ہے ۔

پنجم ۵ ۔ مذکور ہے کہ زمین آسمان مین وہی ایک خدا ہے اور وہی حق ہے اور اس کے سوا تمام اشیا فانی اور زوال پذیر ہین اور وہی اول آخر، ظاہر اور باطن ہے ۔ ان آیات کا مضمون بھی علمی قوت سے موجود ہونے پر بالکل منطبق ہے کیونکہ جو چیز خیال کی طاقت سے موجود ہو وہ سراسر اُس طاقت پر منحصر ہوتی ہے اور اپنے اندر کسی طرح کی طاقت اور کسی نوع کا استقلال نہین رکھتی اس لئے ایسی ہستی ذات خدا کے مقابل مین بالکل بے بود اور معدوم ہے پس بیان واقع ہے کہ زمین آسمان مین وہی ایک ذات حق اور دائم ہے اور جو کچھ اُس کے سوا ہے چونکہ اُس کا پیدا کردہ ہے اس لیے عارضی وجود سے متصف ہے مگر حقیقت مین فانی اور معدوم ہے اور یہی وہ طرح کی حیثیت رکھنے سے اُس کے متعلق وہ طرح کے خیالات ظاہر کئے جا سکتے ہین ۔ چونکہ عارضی سا وجود رکھتا ہے اس لئے ذات خداوندی کو اس کے مقابل مین خیال کر کے کہہ سکتے ہین کہ اگرچہ یہ موجود ہے مگر خدا کی ذات اپنی ازلیت مین ان سب سے اول ہے اور ابدیت مین سب سے آخر ہے اور ظہور صفات مین سب سے روشن تر اور نمایان ہے ، اور خفاء ذات مین سب سے پوشیدہ اور چونکہ ان سب کی حقیقت عدم ہے اس لیے ان کو فانی اور ہالک ، اور صرف خدا کو حق اور موجود کہہ سکتے ہین ۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿انعام پارہ ۷ ع ۸﴾	اور وہی خدا ہے آسمان اور زمین مین وہ جانتا ہے تمھاری مخفی اور ظاہر حالات اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ۔

فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ؕ (طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۶)
خدا المسد ہے جو مالک اور حق ہے

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؕ (قصص پارہ ۲۰ ع ۹)
خدا کی ذات کے سوا سب چیزیں فانی ہیں۔ حکم اسی کا ہے اور تم اسی کی طرف واپس جاؤگے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ؕ (رحمٰن پارہ ۲۷ ع ۱)
دنیا کے پردہ پر جو کچھ ہے فانی ہے اور خدائے بزرگ وبا عظمت کی ذات باقی رہیگی۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (حدید پارہ ۲۷ ع ۱)
اس کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اول ہے۔ آخر ہے۔ ظاہر ہے۔ باطن ہے۔ اور وہ ہر چیز کا عالم ہے۔

ششم | ۶ ۔ ایک موقع پر صفت علم سے پیدا کرنے کو ایک لطیف تشبیہ میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ (نور پارہ ۱۸ ع ۱۰)
خدا آسمان اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاق کی مانند ہے جس میں چراغ ہو اور وہ چراغ ایک فانوس میں ہو اور فانوس گویا ایک روشن ستارہ ہے جو چمکتا ہے ایک ایسے زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جو نہ شرقی ہے اور نہ مغربی ہے اور اس کا تیل گویا جل اٹھنے کو ہو خواہ اسے آگ نہ لگے۔ خدا نور پر نور ہے اور وہ ہدایت کرتا ہے اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے اور خدا مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کی رہنمائی کے لئے اور خدا ہر چیز کا عالم ہے۔

یہاں خدا نے اپنے تئیں ارض و سما کا نور فرمایا ہے اور پھر اپنے ظہور کو ایک مثال میں بیان کیا ہے۔

اس مثال میں ایک چراغ ہے جس سے روشنی نکلا کرتی ہے اس کے بعد فانوس ہے جس کے بیچ میں سے گذر کر نور پھیلا کرتا ہے - پھر طاق کا ذکر ہے جس میں فانوس رکھ دینے سے اسکی تاریکی نور سے مبدل ہو جاتی ہے - پھر فانوس کی نسبت کہا گیا کہ وہ ستارہ سا چمکتا ہے اور چمکنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے اندر ایسا تیل جلتا ہے جو اپنی نورانیت کے سبب کسی بیرونی آگ سے روشن ہونے کے بغیر جل اُٹھنے کے قابل ہے اور وہ ایسے درخت کا تیل ہے جو مشرق یا مغرب کسی سے تعلق نہیں رکھتا اس مثال کو دیکھنے کے بعد جب پیدائش کائنات کی اس صورت کو دیکھا جاتا ہے جو عقل کے مطابق ہے اور الہامی نوشتوں سے مفہوم ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثال اس صورت پر بالکل منطبق ہے کیونکہ دنیا خدا کی قدرت کاملہ سے ظہور پذیر ہوئی ہے اور صفت علم وہ واسطہ ہے جس میں ہو کر قدرت کا ظہور ہوا ہے اور عدم وہ حقیقت ہے جس کو قدرت نے نور وجود سے منوّر کیا ہے اس لئے قدرت خداوندی منبع وجود ہونے کے سبب چراغ ہے اور علم پھیلنے نور کا راستہ اور ذریعہ ہونے کے سبب فانوس کی مانند ہے اور عدم اصل میں تاریک اور قدرت سے منوّر ہونے کے سبب طاق سے مشابہت رکھتا ہے - اور پھر صفت علم جو ایسی روشن چیز ہے کہ کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں تو اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ ایک قادر و نور خدا کا علم ہے اس لیئے اگر یہ فانوس ہے تو اس کے اندر جلنے والا تیل وہی قوت و قدرت کا اثر ہے اور اگر اس کو بیل کہیں تو جس زیتون کا یہ تیل ہے وہ ذات خداوندی ہے جو مشرق مغرب وغیرہ تمام طرفوں سے اور تمام جسمانی لوازم سے پاک اور برتر ہے اور پھر علم اگر نور ہے تو ذات خداوندی جو اس نور کا منبع ہے اس سے برتر ہے اس لیئے وہ "نُورٌ عَلٰی نُورٍ" ہے - غرض وہی مضمون جس کے مختلف مدارج مختلف اسلوبوں سے گذشتہ آیتوں میں بیان کیے گئے تھے اس آیت میں اُن تمام مدارج کو ایک تشبیہ میں ادا کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی حقیقت عدم ہے اور حقیقی اور دائمی وجود وہی خداوندی ہے جس نے اپنی قدرت اور علم سے اُن کو نیست سے ہست کیا -

علامہ محی الدین ابن العربی جو وحدت وجود کے امام ہیں اپنی تفسیر میں یہاں طاق سے جسم انسان اور فانوس سے روح انسان مُراد لیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ وحدت وجود کے مطابق

سمجھو وجو سب کچھ اسی ایک ذات کی مختلف شانین اور شکلین ہین۔ پس اگر وہ ذات چراغ ہے تو پھر فانوس یعنی روح بھی خود ہی ہے اور طاق یعنی جسم بھی خود ہی ہے اور اس آیت مین یہ نہین کہا گیا کہ وہی چراغ فانوس اور طاق بن گیا ہے بلکہ اس کے نور کو فانوس مین سے گذر کر طاق کو روشن کرتے ہوئے مانا گیا ہے اس لیئے اگر یہان روح اور جسم ہی مراد ہوں تب بھی اس تشبیہ سے نتیجہ وحدت وجود کے مطابق نہین نکل سکتا بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ جس طرح چراغ بعینہ فانوس اور طاق نہین بن جاتا بلکہ ایک کے اندر سے دوسرے کو روشن کرتا ہے اسی طرح خدا روح اور جسم نہین بنا بلکہ روح کی وساطت سے جسم کو موت اور حیات بخشتا ہے اس لیے اس تشبیہ سے انکی تفسیر کے مطابق بھی وحدت وجود کی تردید ہوتی ہے نہ تائید۔ بلکہ آخر مین وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ فرمانے اور العد اور شے اور علم کا ذکر کرنے سے ایما ہوتا ہے کہ اس آیت کی تفسیر ذات خدا وندی اور صفت علم اور اشیاء موجودہ کے تعلق سے ہونی چاہیئے اور ہمنے دیکھا کہ اسی صورت مین آیت کا مضمون منطبق ہوتا ہے۔

وحدت وجود کا نقلی استدلال

علمائے وحدت وجود مذکورہ بالا آیت نور کے علاوہ منجملہ آیات گذشتہ کے بعض اور آیتون سے بھی وحدت وجود کا خیال اخذ کرتے ہین۔ مگر ہمنے دیکھا کہ تمام آیات مذکورہ کا مضمون پیدائش کے خیال پر بالکل منطبق ہوتا ہے اور اکثر آیات مین علم و قدرت کے ذکر سے علمی قوت اور اسکی ایجاد کی طرف ایما ہوتا ہے اور بعض آیات مین پیدائش کا مضمون بصراحت مذکور ہے اس لیئے بعض آیات کو تاویل سے وحدت وجود پر منطبق کرنا زبردستی ہے۔ مگر تاہم بعض ایسی آیتین جو اوپر ذکر نہین ہوئین اور جن سے مسئلہ وحدت وجود ثابت ہونیکا دعوی کیا جاتا ہے انکی نسبت غور کرنا باقی ہے چنانچہ وہ ان آیتون سے اپنے مدعا کو ثابت کرنا چاہتے ہین۔

وَمَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ (نساء پارہ ۵ ع ۸)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بیشک خدا کی اطاعت کی۔

فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡہُمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَہُمۡ ۪ وَ مَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ (انفال پارہ ۹ ع ۱۶)

تم نے انکو قتل نہین کیا بلکہ انکو خدا نے قتل کیا ہے اور جب (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم نے ان پر تیر چلائے ہین تو تم نے نہین چلائے بلکہ خدا نے چلائے ہین

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ط (فتح پارہ ۲۶ ع ۱)

بیشک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہین وہ خدا سے بیعت کرتے ہین۔ ان کے ہاتھ پر خدا کا ہاتھ ہے۔

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ط (بقرہ پارہ ۱ ع ۱۴)

مشرق اور مغرب خدا ہی کے واسطے ہے۔ تم جس طرف منہ کرو خدا تمھارے سامنے ہوگا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ط (ق پارہ ۲۶ ع ۲)

بیشک ہمنے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہین جو خیال اسکے دل مین گذرتا ہے اور ہم اس سے شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ط (حدید پارہ ۲۶ ع ۱)

اور وہ تمھارے ساتھ ہے تم کہین بھی ہو۔ اور اللہ تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (مجادلہ پارہ ۲۸ ع ۲)

کیا تو نہین دیکھتا کہ خدا آسمان و زمین کی ہر ایک چیز کو جانتا ہے کوئی مشورہ نہین ہوتا جسمین تین شخص ہون اور خدا انکے ساتھ چوتھا نہو۔ یا پانچ شخص ہون اور خدا انکے ساتھ چھٹا نہو یا اس سے کم زیادہ ہون اور وہ ان کے ساتھ نہو۔ وہ کہیں بھی ہون۔ پھر خدا قیامت کے دن انکو ان کے اعمال سے آگاہ کریگا۔ کیونکہ خدا ہر چیز کا عالم ہے۔

انسانی افعال کا خدائی افعال ہونا

یہان پہلی تین آیتون مین ایک انسان کی اطاعت کو خدا کی اطاعت۔ انسانی فعل کو خدا کا فعل اور انسانی ہاتھ کو خدا کا ہاتھ کہا گیا ہے۔ اور چوتھی آیت مین خدا کا ہر جگہ ہونا اور باقی تین آیتون مین خدا کا سب کے ساتھ ہونا بیان کیا گیا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ خدا اور مخلوقات کی حقیقت ایک ہونے کے سبب ایسی یگانگت اور معیت ظاہر کی گئی ہے۔ مگر اصل مین یہان جن انسانون کے اوصاف وافعال کو خدا کے اوصاف وافعال کہا گیا ہے

وہ وہی لوگ ہین جن کو مقربان الٰہی مانا گیا ہے چنانچہ صرف رسول علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ اس سے بیعت کرنا خدا سے بیعت کرنا ہے اور اسکی اطاعت خدا کی اطاعت۔ یا رسول علیہ السلام اور اُن کے رفیقون کی نسبت کہا گیا ہے کہ قتل وغیرہ جو اُن کے ہاتھ سے سرزد ہوا ہے اُس کا فاعل حقیقت مین خدا ہے۔ پس اگر اُس یگانگت کا باعث یہی ہے کہ ان سب مین ذات خداوندی کا ظہور ہے تو وحدت وجود کے مطابق صرف نیک بندے نہین بلکہ ہر چیز خدا کی ایک شان ہے اس لیئے ہر مومن و کافر بلکہ ہر چرند و پرند کا فعل خدا کا فعل ہونا چاہیئے اور اس لیئے مقربان الٰہی کی کچھ خصوصیت نہ رہتی اور رسول ؐ کی اطاعت کرنے والون کے لیئے یہ تعریف کا موقع نہ ہوتا کہ وہ خدا کی اطاعت کرتے ہین کیونکہ رسول ؐ کو خدا کا نام لینے پر مارنے کے لیے جو لوگ اپنے حکام کی اطاعت کرتے تھے اُن کی اطاعت بھی معاذاللہ خدا کی اطاعت ہوتی ہے اس لیے کہ رسول ؐ کو مارنے کا حکم دینے والے اور مارنے والے بھی مظاہرات خداوندی ہی کے مظہر ہین پس ضرور ہے کہ یہان جو مقربان خدا کے افعال کو خدا کے افعال کہا گیا ہے تو اسکی وجہ وحدت وجود کا مسلک ظاہر کرنے کے سوا کچھ اور ہے اور وہ وجہ یہی ہے کہ جو شخص حاکم وقت کیطرف سے کوئی حکم سناتا ہے اسکی آواز گو اُسکے منہ سے نکلتی ہے لیکن حقیقت مین وہ حاکم وقت کی آواز ہوتی ہے اور جو لوگ ایسے حکم کی اطاعت کرتے ہین اور اس حکم کو بجالاتے ہین وہ حقیقت مین اس کہنے والے کی اطاعت نہین کرتے بلکہ حاکم کی اطاعت کرتے ہین۔ اسی طرح یہان جو شخص خدا کے احکام سناتا ہے اور اپنی طرف سے کچھ نہین کہتا اُس کے الفاظ بھی حقیقت مین خدا کے الفاظ ہین اور جو لوگ اُسکی اطاعت کا حلف اُٹھاتے ہین اور اُس سے بیعت کرتے ہین وہ حقیقت مین خدا کی اطاعت کا حلف اُٹھاتے ہین اور خدا ہی سے بیعت کرتے ہین اور اس وقت گو پیغمبر کا ہاتھ بیعت لے رہا ہے مگر اصل مین خدا کا ہاتھ ہے جس مین وہ لوگ اپنا ہاتھ دیتے ہین کیونکہ رسول محض ایک واسطہ ہے اور اصلی تعلق مخلوق اور خالق کا ہے۔

اور علیٰ ہذا جب رسول اور اُس کے رفقا خدا کا نام لینے پر ستائے جاتے ہین اور وہ خدا کے حکم سے ستانے والون کے خلاف ہاتھ اُٹھاتے ہین تو چونکہ یہ فعل محض حکم خدا سے ظہور پذیر ہوا ہے اور اُن کی

رکھی ہے جس کیفیت کے اسباب موجود ہوں اُس کے خلاف ممکن ہو سکتا۔ خدا نے سوسائٹی کو توجہ پیدا کرنے کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ خدا نے سوسائٹی کو نیک اور بد دو نو ترقیوں کا باعث گردانا ہے۔ ہدایت اور ضلالت خدا کی طرف سے ہے۔ خدا کے علم میں سب کچھ ہے۔ خدا نے انسان کو قوت فیصلہ عطا کی ہے۔ انسان نہ مجبور محض ہے نہ مختار بالکل انسان کو مختار کامل اور مجبور محض سمجھنا دو نو خیال غلط ہیں مگر پہلے خیال میں غلطی بہت ہی اور دوسرے خیال میں نقصان کم ہے۔ جبر و اختیار کی نسبت مزید غور۔ رحم اور غضب۔ خدا کا غصہ۔ رحم کی تعریف۔

الہامی نوشتوں سے مضمون پیدائش کو ثابت کرنا ایک جملہ معترضہ تھا اس سے پہلے جو کچھ مذکور ہوا ہے اگر وہ صحیح ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا ازل سے موجود ہونا اور کائنات کا اسکی قدرت کاملہ سے وجود میں آنا بھی ایک مسئلہ ہے جس تک پہونچنے سے عقل کو تسکین حاصل ہوتی ہی اس لیئے جس مذہب میں یہ تعلیم ہو وہی قابل ترجیح ہونا چاہیئے۔ مگر یہاں پہونچکر سوال ہوتا ہے کہ خدا کی ماہیت کیا ہے اور اسکی مخلوق میں ایسے آثار کیوں ہیں جن کو ہم بُرا خیال کرتے ہیں۔ ان دو نو سوالوں کا جواب مذہب کی طرف سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف خدا کو قابل فہم بنانے کے لئے اپنے اپنے وقت کی استعداد کے موافق کنکر پتھر سے لیکر برگزیدہ انسانوں تک کسی نہ کسی کو کسی نہ کسی حد تک خدا ٹھیرایا گیا ہے۔ اور دوسری جانب نیکی اور بدی کی علت دریافت کرنے کے مختلف دعوی کیئے گیے ہیں مگر مقام مسرت ہے کہ مذاہب کی پہلی کوشش یعنے خدا کو قابل فہم بنانے کی تجویز جو یقیناً انسانی آمیزشوں کا نتیجہ تھی نابود ہوتی جاتی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ توحید کے ایک دل آویز ترانہ کے بعد جو چند صدی پہلے ایک خاص سمت سے سنائی دیا تھا زمانہ نے ایک ایسا رُخ بدلا ہے کہ نہ صرف دو تین خدا ماننے والوں میں بلکہ کروڑوں معبودوں کی بھینٹ چڑھانے والوں میں غرض دُنیا کے قریباً تمام بڑے مذہبوں میں توحید کی جانب عام میلان ہو گیا ہے۔ اور اگرچہ ابھی جا بجا پہلی غلط کاریوں کے مختلف آثار باقی ہیں مگر ایسے فرقے بالعموم موجود ہیں جو توحید کا کسی نہ کسی حد تک اعتراف کرتے ہیں اور اس مسئلہ کے متعلق سب متفق نظر آتے ہیں کہ اگرچہ عقل کو خدا کی ماہیت دریافت کرنیکا اشتیاق ہے مگر اُس کی کنہ یقیناً عقل کی گرفت سے باہر ہے اور انسان اس کو سمجھنے سے عاجز ہے۔ اور اگرچہ

ایسے لوگ اپنی اپنی الہامی کتابون سے توحید کا مسئلہ نکالنے کا دعویٰ کرتے ہین اور ضرور ہے کہ ہر ایک الہامی کتاب مین اپنے زمانہ کے موافق کسی نہ کسی پیرایہ مین توحید کی تعلیم ہوگی مگر مجھے یقین ہے کہ اُن الفاظ سے توحید کا مطلب سمجھنے کی توفیق جبھی ہوئی ہے کہ کسی نے (فداہ ابی وامی) انکی تفسیر کا غلغلہ صاف اور واضح الفاظ مین بلند کیا - اور گذشتہ ابواب مین دیکھا جاچکا ہے کہ تمام مذہبی احتمالون کا حقیقت توحید سے کس قدر تفاوت ہے اور ابھی ان مین کیا نقص باقی ہین جن کو دور کرنا چاہیئے -

خیر و شر کے متعلق مختلف رائین

اب ہم دیکھتے ہین کہ مذاہب عالم اس دوسری کوشش مین کہان تک کامیاب ہوئے ہین اور دنیا مین نیکی و بدی موجود ہونے کا سبب کہان تک دریافت ہوسکا ہے -

شر مادہ یا روح کی طرف سے ہے -

اس بارہ مین ایک وہ احتمال ہے جس مین خدا کے ساتھ مادّہ کو یا مادّہ اور روح دونو کو قدیم مانا گیا ہے اور ایسا احتمال پیدا کرنے والے دنیا کی تمام بُرائیون کو مادّہ یا روح کی طرف منسوب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ جس طرح روح اور مادّہ غیر مخلوق اور قدیم ہین اسی طرح اُن کے خواص اور خواہشین بھی قدیم ہین اور اسی لیے ان سے نیک اور بد افعال سرزد ہوتے ہین اور ان پر نیک اور بد نتائج مرتب ہوتے ہین -

شر خواہش وجود سے پیدا ہوتی ہے

اور ایک احتمال مہاتما بدھ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے - چنانچہ کہا جاتا ہے کہ[1]

"بدھ مذہب کی تمام شاخون کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ غم کی پیدائش اور شخص کی پیدائش بالکل ایک ہے - غم حقیقت مین نتیجہ اس کوشش کا ہے جو کوئی فرد اپنے تئین باقی موجودات سے جداگانہ قایم رکھنے کے لیئے کرتا ہے - حالانکہ ترکیب و تحلیل کے عام قانون سے انسان اور فرشتے کوئی مستثنےٰ نہین - قوتون کا وہ مجمع جو کسی موجود کو ترکیب دیتا ہے جلدی یا دیر مین منتشر ہوجائیگا اور اس انتشار مین توقف ڈالنے کی کوشش ہی وہ چیز ہے جس سے تمام قسم کے غم اور ہر طرح کی تکالیف پیدا ہوتی ہین جونہی کوئی فرد باقی موجودات مین سے جدا ہوتا ہے (یعنی پیدا ہوتا ہے) مرض زوال اور موت اُس پر

[1] کتاب ریلیجس سسٹمز آف دی ورلڈ - پروفیسر ٹی ڈبلیو ریس ڈیوڈز کا مضمون دربارۂ مذہب بدھ -

سب سے زیادہ حیران ضرور ہے۔

الواسے بیان کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ

ہر گھونٹ میں یہ جانور بیشمار جاندار مخلوق کو ہضم کرتے ہیں۔ اس لیے صرف نباتات میں جو دولت ہے اسی کو موجود مان کر سوا چند پتنگوں کے اور سب جاندار محروم رہتے۔ یہ تو نباتات کا وہ بڑا نقص ہے کہ وہ اپنی نیچر سے تمام جانداروں کو معدوم رکھنا چاہتی ہیں اور اس کے علاوہ بہت سی زہریلے مادے بھی ان میں ایسے ہیں کہ جانداروں کو سب کچھ نقصان پہونچاتے ہیں اور بعض اوقات انکی بدولت سے بڑی بڑی تباہیاں وجود میں آتی ہیں۔

اور ان سے اتر کر معدنیات اور گیس وغیرہ عناصر کا درجہ ہے اور اگر صرف انہیں پر مدار ہوتا تو کیڑوں پتنگوں سمیت تمام جاندار مخلوق کا خاتمہ تھا اور صرف معدنیات کی وساطت سے دنیا محض نباتات کا جنگل ہوتا اور جو زندگی کی برکت اب ہے وہ تختہ زمین پر نظر نہ آتی اور جس قدر گیس وغیرہ کے پھٹنے اور معدنیات کے بدمست کے جوش مارنے سے جانداروں کا اور نباتات کا نقصان ہوتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔"

"اس سے اتر کر زمین اور اس سے اتر کر آفتاب کا درجہ ہے اور ظاہر ہے کہ اگر زیست کا انحصار صرف انہی پر ہوتا تو مادہ نہایت ہی ابتدائی اور سادہ شکل میں رہتا اور یہ انواع اقسام کی شکلیں اور طرح طرح کی زیب و زینت عالم میں نظر نہ آتی اور اس نقص کے علاوہ ان کے دیگر نقصانوں کا یہ عالم ہے کہ آفتاب کا ادنے طوفان اور زمین کا ایک آتش فشاں پہاڑ تھوڑی دیر میں وہ بدی ظاہر کرتا ہے جو کوئی انسان یا حیوان ہزار برس میں بھی نہیں کر سکتا۔"

"آفتاب سے پرے ہمارا تجربہ چل نہیں سکتا لیکن اتنا قیاس ضرور ہو سکتا ہے کہ جو درجات اس سے پہلے ہوں گے اگر صرف انہی پر مدار ہوتا تو مادہ اور بھی سادہ اور ابتدائی شکل میں رہتا اور دنیا میں جو کچھ ہوتا وہ نہ ہونے کے برابر ہوتا۔ اور علٰے ہذا ان درجات کے طوفان بھی جو ہونگے وہ آفتاب اور زمین کے طوفانوں سے زیادہ تباہی بخش ہونگے۔"

"یہ ہے مجموعہ اُن بُرائیوں کا جو نیچر میں موجود ہیں اور شمار کرنے والوں نے محض انہی برائیوں کو گنا ہے جس میں ایک جاندار دوسرے جاندار کو مار دیتا ہے حالانکہ جیسا جاندار کو مارنا اسکی زندگی معدوم

کرنا ہے اسی طرح نباتات کو کھا جانا جلانا بھی انکی ہستی کو معدوم کرنا ہے اور اس لئے دونو برے ہیں۔ اور اسی طرح مچھے سے معدوم رکھنا اور ہستی کی نعمت سے بہرہ یاب نہ ہونے دینا بھی اس سے زیادہ برا ہے اور اس سے کسیکو انکار نہیں ہو سکتا البتہ بولنے میں اصطلاح کا فرق ہے۔ زندگی معدوم کرنے کے وقت کہا جاتا ہے کہ اس نے برا کیا اور زندگی سے محروم رکھنے کا خیال کرنے پر کہا جاتا ہے کہ اس کا نقص ہے اور دونوں حالتوں کیلئے مشترک طور پر کہہ سکتے ہیں کہ جاندار کو مار کر زندگی بسر کرنا بھی عیب ہے اور جانداروں کو پیدا کرنے کی قابلیت نہ رکھنا بھی عیب ہے۔ غرض یہ دونو کی ایک ہے اور اس لیے اعتراض کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ دنیا اول سے آخر تک برائیوں اور عیبوں کا مجموعہ ہے؟

بدی مادہ کی ترقی سے درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔

"مگر اس کے ساتھ اتنا اور بھی کہنا چاہئے کہ مادہ کی تمام شکلوں کو دیکھتے ہوئے جس قدر ابتدا کی طرف چلے جاؤ برائی اور عیوب زیادہ ہوتے جائیں گے اور جس قدر انجام کی طرف آؤ بدی کے درجہ میں کمی آتی جائیگی اور نیکی یا فائدہ بڑھتا جائیگا۔ آفتاب اگر اکیلا ہوتا تو مادہ نہایت سادہ شکل میں رہتا اور جاندار اور دیگر مخلوق پیدا نہ ہوتی۔ مادہ کو کسی نہ کسی شکل میں موجود رکھنا اسکا فائدہ ہے اور دیگر اعلیٰ اشکال کو پیدا نہ ہونے دینا نقص۔ مگر زمین پیدا ہونے پر نقص کم ہو گیا اور فائدہ بڑھ گیا کیونکہ اب مادہ کو اور بھی چند پہلے سے مکمل تر شکلوں میں آنے کا موقع ملا۔ علیٰ ہذا جمادات۔ نباتات اور ابتدائی حیوانات کے پیدا ہونے پر نقص کی کمی اور فائدہ کی زیادتی درجہ بدرجہ اور نمایاں ہوتی گئی کہ دنیا آبادی کے قریب تر ہو گئی اور پہلا سالس وود سلادان تھے؛ ان کے بعد بڑے حیوانات کے پیدا ہونے سے نقص میں اور بھی کمی ہو گئی کہ ان میں سے بعض مانوس ہو کر دوسری مخلوق کو خوراک کے علاوہ اور فائدہ بھی پہونچا سکے اور انہی کی وساطت سے مادہ نے آگے ترقی کی اور زیادہ لطیف شکلیں وجود میں آئیں۔ ان کے بعد انسان پیدا ہوا تو وہ اگر کسی قدر جانداروں کو مارتا ہے تو کچھ جانداروں کی پرورش بھی کرتا ہے۔ اور دیگر مانوس حیوان اگر مجبور ہو کر کام دیتے تھے تو یہ اپنی خوشی سے بھی اپنے ہم جنسوں اور دیگر مخلوقات

کے کام کرنے لگا۔ اور بہت سے حیوان براہ راست معدوم کرنے کی کوشش کرتے تھے اور انسان کچھ کوشش
براہ راست معدوم کرنے کی کرتا ہے تو بعض کوششوں میں صرف عرصہ حیات چھیننے پر ہی قناعت کرتا
ہے اور اس طرح پر بالکل معدوم کرنے سے اپنی تسلی کسی قدر دور رکھتا ہے۔ اور پھر اس نے
تہذیب میں ترقی کی تو جو برائیاں وحشی انسان کرتے تھے ان میں سے اکثر کو چھوڑتا گیا اور ہمدردی
اور فائدہ رسانی میں بڑھتا گیا اور مہذب انسانوں سے بڑھکر وہ انسان ہیں جو تہذیب کے ساتھ
ایمان بھی رکھتے ہیں کیونکہ مہذب انسان جبتک ایماندار نہ ہو صرف انہیں برائیوں سے گریز
کرتا ہے جو اس زندگی میں نقصان پہونچائیں اور وہی ہمدردی کرتا ہے جو اس دنیا میں مفید ہو
لیکن ایماندار انسان لوگوں کو ان برائیوں سے بھی بچاتا ہے جو آئندہ زیست میں اثر کریں اور
اُس ہمدردی کو بھی اپنا فرض سمجھتا ہے جو اگلے جہان میں فائدہ دے چنانچہ وہ مالی اور جسمانی
نقصان پہنچانے کے علاوہ دوسروں کو گناہ اور کفر کی ترغیب دینے سے بھی گریز کرتا ہے اور حتی الوسع
انتہائی ترقی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر چونکہ سب انسان ہیں اس لیے اضطرار
یا بے اختیاری سے جانداروں پر بسر کرنے یا حیوانات کو کھانے کے نقص سے بالکل پاک کوئی
بھی نہیں "

ضد سے ضد کی طرف آنے میں ترقی تدریج ہوتی ہے۔

" غرض یہ ہے نقشہ اس نقص اور کمال یا بدی اور نیکی کا جو موجودات عالم
میں پائی جاتی ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ نیست سے ہست کرنے کی تصویری پر
عقل کے نزدیک دنیا میں نیکی اور بدی کی بھی شکل ہونی چاہئے یا کچھ اور۔ اور چونکہ عدم اور وجود
باہم ضدین ہیں اس لئے معدوم کے موجود ہونے کے واسطے وہی شکل قرین قیاس ہوگی جو دنیا کی
اور ضدوں کے انقلاب میں ہوتی ہو۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ لوہے کو جس کا اصلی رنگ سیاہ ہے صیقل
کرنے سے ایسا روشن کر سکتے ہیں کہ آئینہ کی طرح اس میں سے چہرہ نظر آئے اور بالکل سفید ہو جائے مگر اسکی
شکل یہی ہوتی ہے کہ ایک زنگ آلود لوہے کو جب صیقل کرنے لگیں تو پہلے اس کا زنگ دور ہوتا ہے اور سطح کسی قدر
صاف ہو جاتی ہے اس حالت میں اگرچہ نور اس میں پیدا ہو گیا ہے مگر ایسا ناقص کہ سیاہی کچھ بھی دور نہیں ہوئی
اور اگر کالا رنگ نور کے مقابل میں سیاہ ہو تو لوہے کی اس حالت میں برائی بہت بڑی حد تک موجود ہے اسکے بعد

اور زنگ آجائے تو سیاہی دور ہوتی شروع ہوتی ہے مگر اس عمل کے ہر ایک درجہ میں نور بڑھتا جاتا ہے
لیکن سیاہی بھی کم سے کم نہ ہوتی ہوئی ہر وقت موجود رہتی ہے حتیٰ کہ وہ آئینہ جیسا چمک اٹھتا ہے
اس وقت اگرچہ نور جہاں تک لوہے میں آسکتا تھا آگیا اور اگر اُسے آفتاب کے سامنے رکھا جائے تو آفتاب
کی جھلک اس میں نظر آجائیگی مگر پھر بھی لوہا لوہا ہی ہے اور وہ آفتاب کے برابر نورانی نہیں ہوگیا
اور پھر جس قدر نور موجود ہے وہ ایسا کمزور ہے کہ آئندہ ذرا سی بے احتیاطی سے دور ہو سکتا ہے
اور لوہا سیاہ ہوتا ہوا پھر زنگ آلود حالت کو پہونچ سکتا ہے ۔ اس وقت ایک بات اور بھی یاد رکھنی
چاہئے کہ لوہے میں نور کا ایسی آہستگی سے ورآنا اور کامل شکل میں پھر بھی موجود رہ ہونا اور بڑی احتیاط ہی
سے فوراً دور ہونے لگنا نور آفتاب کے قصور سے نہیں بلکہ لوہا چونکہ اصل میں نور آفتاب کی بالکل
ضد ہے اس لئے اسکی پیچ ہی ایسی ہے کہ نور کو محض اسی شکل سے حاصل کر سکتا ہے اور نور کی نقل اسکی
طرف صرف " دیر آید درست آید " کے اصول پر ہو سکتی ہے "

" اس نظیر کو دیکھنے کے بعد مضمون کی عظمت کے لحاظ سے ایک اور نظیر کا پیش کرنا بھی نامناسب
نہ ہوگا ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی جاہل علم حاصل کرنے لگتا ہے تو پہلے علم کے بے انتہا ذخیرہ
میں سے بہت تھوڑا سا مہیا کر سکتا ہے اور اس میں سے بھی کچھ یاد رکھتا ہے اور کچھ بھول جاتا ہے
اس حالت میں اگر جہالت اگر برائی ہے تو وہ علم کے آغاز پر نہایت کثرت سے موجود ہوتی ہے ۔ رفتہ
رفتہ علم کا سرمایہ بڑھنا شروع ہوتا ہے اور جہالت کا عنصر کم ہوتا جاتا ہے ۔ مگر ترقی کے ہر درجہ
میں جہالت کا بقیہ کچھ نہ کچھ موجود رہتا ہے حتیٰ کہ انسان کسی علم یا اسکی کسی شاخ میں ماہر اور صاحب الرائے
ہونے کا فخر حاصل کرتا ہے ۔ مگر اس وقت بھی یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر اس علم کے متعلق اسکی دس رائیں صحیح
ہوتی ہیں تو ایک رائے ضرور غلط ہوتی ہے اور ایسا کمال کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی قیاس
بھی غلط نہ نکلے ۔ بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی اُس نے کسی مسئلہ میں صحیح رائے قائم کی ہے تو دوسرے
وقت پھر دماغ ایسا چکرایا ہے کہ اسی مسئلہ میں غلط خیال کا حامی بنتا ہے اور علمی پراحتیاط در
کمال حاصل کرتا ہے اگر اس کی بحث و تکرار نہ رکھے تو وہ کمال رفتہ رفتہ زوال پانے لگتا ہے حتیٰ کہ

عالم ایک وقت میں بالکل کندہ ناتراش ہو سکتا ہے۔ اور یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نور علم کا نقص نہیں ہے کیونکہ جس مسئلہ میں ہم کسی وجہ سے غلطی دیکھتے ہیں اسی مسئلہ میں وہی نور علم جو کسی اور عالم میں جلوہ گر ہے اس مسئلہ کو نہایت صحت کے ساتھ دریافت کر لیتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نور علم میں بیشک مسائل کی اصلی حقیقت دریافت کرنے کی قابلیت ہے اور یہ جو کچھ نقص نظر آتا ہے وہ اس لیے ہے کہ جہالت کی فطرت ہی علم سے اس قدر تناقض رکھتی ہے کہ وہ جس قدر دور ہو سکتی ہے تدریج ہوتی ہے اور پھر بھی کسی نہ کسی شکل میں اس کا بقیہ موجود رہتا ہے اور وہی جہالت ہے جو ابتدائی درجات میں پورے طور پر نمایاں ہے اور وہی جہالت ہے جو مہارت کے وقت بھی مختلف شکلوں میں اپنی لقا کو ظاہر کرتی ہے اور علم کی برکت پر پردہ ڈال دیتی ہے۔"

عدم سے وجود میں آنے کی رفتار بھی اسی طرح تدریجی ہے اور ہر حال میں علم کا اثر یعنی مدد نمایاں رہتی ہے

اس کے علاوہ اور دیگر واقعات عالم میں جس قدر غور کیا جاوے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک ضد کا دوسری ضد کی طرف جانا اسی ترتیب اور اسی نقص کے ساتھ ہوتا ہے پس یہی کیفیت آفتاب وجود کی ظلمت عدم پر عکس ڈالنے کی ہونی چاہئے تھی اور یہی ہوئی کہ اس کی پہلی شعاع سے زنگ عدم دور ہوا اور مادہ کی ابتدائی شکل وجود میں آئی اور اس کے بعد جس حد تک عکس پڑتا گیا اسی حد تک عدم کی ظلمتیں یعنی نقص اور عیب دور ہوتے گئے اور وجود کی کامل سے کامل شکلیں بنتی گئیں حتی کہ انسان اور کامل انسان میں اگر اس نابود نے وہ نمود حاصل کی کہ آفتاب وجود کی شعاعیں اس کے اندر چمکنے لگیں اور عقل اور معرفت کے نور سے جسمانی اور روحانی جلوے ایسے ظاہر ہوئے کہ بعض حالات میں اس پر خود آفتاب وجود ہونے کا دھوکا ہوا جس طرح مثلاً تلوار کو سورج کے سامنے رکھنے سے اس کے اندر آفتاب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض کوتاہ بینوں نے اسی کو خود ذات خدا کا ظہور سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں خود ذات خدا کا ظہور نہیں البتہ ایک طرح سے نور خدا کا مظہر ضرور ہے جس طرح لوہا خود آفتاب کا ظہور نہیں بلکہ اس کا مظہر ہے۔ اور یہ اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوہا پہلے ایسا نورانی نہ تھا اور بعد میں بھی سبب اصلی تصور تاریک ہو جاتا ہے اور ادھر انسان پہلے ایسا

عارف ۔ تھا اور بعد میں ذرا سی لغزش سے پیر کو رباطن ہو سکتا ہے ۔"

" پس یہاں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس معدوم کی ایسی دھیمی رفتار اور اس کے اندر نقصوں کا اس قدر ہجوم اس آفتاب وحدت کا نقص نہیں بلکہ یہ عدم ہے اس لیے اس کی یہ طرح مقتضی ہے کہ اسی صورت سے ترقی کرے اور اسی لیے ذات خداوندی کو بدی کا منبع قرار دینے کی بجائے ثابت ہوتا ہے کہ وہ محض خیر کا سرچشمہ ہے ۔ چنانچہ اس نے سب موجودات کو اس عیب سے بری کیا جو سب سے بڑھکر تھا یعنی عدم ۔ اور بدی بھی اس خوبی سے کیا کہ اب چاہے بدی کرنے والے کیسی ہی بدی کریں وہ موجودات کو موجود سے معدوم نہیں کرسکتے اور زیادہ سے زیادہ جو ان کا زور چل سکتا ہے وہ ایک چیز کی محض شکل کو بدل دینا ہے ۔"

" اور محض وجود یا مادہ کی محض سادہ شکل عطا کرنے پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ ترقی کا ایسا سلسلہ معلوم کر دیا گیا ہے کہ جس چیز میں جس حد تک اس بڑی بدی یعنی عدم سے بعد ہوتا گیا اسی حد تک اس میں سے عدم کا میلان کم ہوتا گیا اور اسی حد تک وجود کی مکمل تر اشکال پیدا کرنے کی طاقت بڑھتی گئی حتیٰ کہ میلان عدم کم ہونے اور وجود کی طاقت بڑھنے کا سلسلہ کامل انسان میں اس حد تک پہونچ گیا کہ وہ اپنی طاقت کے موافق کسی شخص اور کسی فرد کو نقصان پہونچانیکا روادار نہیں اور تمام عالم کو اپنے وجود سے فائدہ پہونچانے کے اور ہر چیز کی اصل حقیقت کو اس کے مناسب حال سمجھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن چونکہ اصلیت عدم ہے اس لیے عیب سے بالکل پاک ہونیکا دعویٰ نہیں کرسکتا چنانچہ وہ بھی عدم کا بقیہ تھا جس کے سبب نباتات وغیرہ ابتدائی مخلوقات وجود کے بہت سے کمالات سے محروم تھی اور یہ بھی عدم کا بقیہ ہے جس کے سبب انسان جیسی اعلیٰ مخلوق کبھی امراض وغیرہ کی شکل میں اپنے اندر عدم کو ظاہر کرتی ہے اور کبھی شرارت وغیرہ کی شکل میں دوسروں کو معدوم کرنے کی کوشش کرتی ہے جس طرح وہ بھی جہالت کا بقیہ تھا جو علم کے ابتدائی درجہ میں بہت سے مسائل کو مخفی رکھتا تھا اور وہ بھی جہالت کا بقیہ ہے جو ایک عالم میں کبھی کبھی غلط رائے قایم کرنیکا سبب ہوتا ہے ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عدم کا ظہور نباتات وغیرہ میں اندھیاری کا ظہور ہے

علم کے آغاز میں بے ارادہ ہے اس لئے کہ ابھی ارادہ کی قابلیت ہی پیدا نہیں ہوئی۔ اور جہالت کا ظہور عالم کی غلط رائے میں اور عدم کا ظہور انسانی افعال میں ارادہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس لئے کہ اس وقت ارادہ کی قابلیت بھی موجود ہے۔ مگر جب ماہر کی غلطی کو یقیناً جہالت کا نقص کہہ سکتے ہیں نہ نور علم کا قصور۔ تو انسان کی بدی کو بھی عدم کا نقص سمجھنا چاہئے نہ آفتاب وجود کا قصور۔"[1]

بدی ہیولیٰ کا پھل ہے یا بدی خیر ہے

غرض جہاں تک میری واقفیت ہے یہ وہ بڑی وجہیں ہیں جو بدی کے موجود ہونے کی نسبت پیش کی جاتی ہیں اور ان کے علاوہ بعض کیطرف سے تناسخ کو بھی بدی کی وجہ قرار دیا گیا ہے اور بعض اس نقص کو یوں ہلکا کرتے ہیں کہ ازل سے ابد تک موجودات عالم کی بے انتہا شکلیں تجویز کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے[2] کہ موجودہ عالم ان شکلوں میں سے ایک مختصر سی شکل ہے اور اس غیر محدود سلسلہ کے لحاظ سے اس کا زمانہ ایک لمحہ سے زیادہ نہیں اس لئے اس حالت میں تکالیف اور عیوب کا ہونا چنداں قابل اعتراض نہیں۔

[1] یہ مضمون میں نے مختلف علمائے وحدت شہود کے اشارات سے ترتیب دیا ہے اسلئے اسکو اقتباس کی شکل میں لکھا گیا مگر حیرت ہے کہ مسٹر اے جی براؤن نے (کتاب ریلیجس سسٹمز آف دی ورلڈ۔ لیکچر درباره تصوف) مولانا روم وغیرہ کی شہادت سے بدی کو عدم قرار دیا ہے اور اسکو وحدت وجود کیطرف سے پیش کیا ہے حالانکہ بدی کو عدم کیطرف منسوب کرنا اور پھر اسکو وحدت وجود کی طرف سے پیش کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ وحدت وجود کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایک موجود مطلق ان تعینات میں ظاہر ہوتا ہے جیسے پانی موج اور حباب کی شکل میں ظہور کرتا ہے اس لئے جس طرح موج اور حباب کی حقیقت پانی ہے اسی طرح تعینات کی حقیقت وجود مطلق ہے پس اس خیال کے رو سے نیک اور بد دونو طرح کے افعال کی تحریک ہی ایک ذات مطلق سے جو ان تعینات میں ظہور کرتی ہے اور اس لئے نیکی اور بدی دونو اسی ذات کیطرف منسوب ہو سکتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ انکی نسبت اس ذات کیطرف اسی حالت میں ہے کہ وہ تعینات کو اختیار کئے ہوئے ہے لیکن بدی کو عدم کیطرف منسوب کرنا وحدت شہود کے مسلک پر ہی چسپاں ہو سکتا ہے جو اشیاء کا نیست سے ہست ہونا مانتے ہیں اور عدم کو کائنات کی ماہیت قرار دیتے ہیں۔

[2] یہ خیال میں نے مسٹر لوئی فگیئر کی کتاب دی آفٹر ڈتھ سے اخذ کیا ہے۔

لیکن خواہ تناسخ یا غیر محدود سلسلہ صحیح ہو مگر حقیقت میں ان دونو کو بدی کی وجہ گردانا صحیح نہین کیونکہ تناسخ جیسا کہ مانا جاتا ہے ایک صورت سزا اور انتقام کی ہے اس لیے اگر دنیا والون کی بدی اور عیب انکی پہلی جون کا پھل ہے تو ضرور ہے کہ پہلی جون مین کوئی بدی اس سے سرزد ہوئی ہوگی جس کا ایسا بد نتیجہ پیدا ہوا اور اگر اس کو بھی اور پہلی جون کا پھل سمجھا جائے تو بدی کو اس سے بھی آگے ماننا پڑیگا اور اس طرح خواہ تناسخ کا سلسلہ ماضی کی طرف کتنا ہی دور تک چلا جائے بدی کا وجود پہلے رہیگا اور انتقام پیچھے۔ اس لیے تناسخ بدی پیدا ہونیکا سبب نہین بن سکتا اور اسی طرح خواہ موجودہ زمانہ کیسا ہی چھوٹا اور حقیر سمجھا جائے تاہم اس کے موجود ہونے سے اور اس کے اندر بدی اور عیب کے وجود سے انکار نہین ہو سکتا۔ اس لیے خواہ بدی تھوڑے سے عرصہ کے لیے موجود ہوئی مگر اس کا سبب کوئی ضرور ہوگا اور یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ دنیا مین بدی کیون ہے؟

ان خیالات مین سے بعض کو بعض پر ترجیح ہے

پس تناسخ اور غیر محدود سلسلہ کو اس بارہ مین ناکافی سمجھ کر یہی پہلی تینون صورتین غور کے قابل باقی رہتی ہین۔ ان مین سے مادہ یا مادہ اور روح کی قدامیت کا مسئلہ اگر صحیح ہو اور اگر مادہ اور روح کے نیک اور بد خواص بھی قدیم ہون تو بیشک اس وقت بدی کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی بلکہ خود خدا کو ماننے کی بھی ضرورت نہین رہتی۔ کیونکہ جب مادہ اور روح کی صفات قدیم ہوئین اور انہین صفات کے سبب سے نیک و بد افعال صادر ہوتے ہین تو مادہ اور افعال مادہ کے سوا اور کوئی کام باقی نہین رہتا جس کے لیئے خدا کو موجودات کے سٹیج پر آنے کی تکلیف دی جائے مگر دیکھا جا چکا ہے کہ نہ صرف مادّہ کو قدیم ماننا پیدائش کے مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور نہ مادہ اور خدا یعنی ایک سے زیادہ چیزون کا قدیم ہونا ممکن اور قرین عقل ہے۔

مہاتما بدھ کی طرف سے جو وجہ پیش کی گئی ہے اس مین اگرچہ پہلے یہ دعوی کیا گیا ہے کہ کسی فرد کا دنیا مین پیدا ہونا اور غمون مین مبتلا ہونا حقیقت مین ایک ہی۔ گویا وجود ہی بدی اور غم کا باعث ہے۔ مگر بعد مین جو اسکی تفصیل کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غم وجود کے سبب سے نہین بلکہ اُس عدم کے سبب سے ہے جو موجود ہونے کے بعد مرض۔ ضعف۔ پیری وغیرہ مصائب کی شکل مین ظاہر

ہوتا ہے اور جس کا انجام موت پر ہوتا ہے اور وقوع میں اگر غم اور فکر ہوتا ہے تو یہی کہ مبادا طاقت معدوم نہ ہو جاوے۔ مبادا جسم کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ مبادا اسباب زیست یعنی مال و منال معدوم نہ ہو جائے اور مبادا موت نہ آجائے۔ یا یہ کہ افسوس یہ مصیبتیں آگئیں اور وجود کی نعمت جیسی ہونی چاہیئے تھی موجود نہیں رہی۔ پس صاف ظاہر ہے کہ پیدائش اور غم ایک نہیں بلکہ پیدائش کی نفی یا نفی کا گمان اور غم ایک ہے اور جس چیز کا غم ہو اسی کو بدی کہنا چاہیئے۔ اس لیے وجود بدی نہیں بلکہ وجود کی نفی یعنی عدم بدی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ دنیا چونکہ عدم سے نکلی ہے اس لیے وجود کی ہر ایک شکل میں عدم کا ظہور رہتا ہے اور اسی لیے وجود کے ہر درجہ میں اس عدم کے سبب سے غم لاحق رہتا ہے۔ پس شاعرانہ استعارہ کے طور پر وجود کے ساتھ عدم کا ظہور اور عدم کے ساتھ غم کا وجود ہونے کے سبب سے وجود کو غم کا باعث کہا جائے تو اور بات ہے ورنہ حقیقت میں غم کو اصلی تعلق عدم سے ہے اور اس لیے مہاتما بدھ کی طرف سے جو وجہ بدی کی قرار دی گئی ہے اس کو کھول کر دیکھنے پر وہی بات ثابت ہوتی ہے جو اہل وحدت ہنود نے پیش کی ہے کہ عیب اور بدی کی نیچر عدم ہے اور دنیا کی حقیقت بھی عدم ہے اس لیے دنیا میں بدی پائی جاتی ہے۔ اور واقعات عالم کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک عقل انسانی کام کرسکتی ہے یہی ایک وجہ ہے جو بدی کے مسئلہ کو پورے نیچرل طرز سے حل کرتی ہے۔ چنانچہ اسکے رو سے اگر انسان امراض اور تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی لیے کہ عدم ہونے کے سبب اس کو کامل وجود حاصل نہیں ہوا۔ اور اگر کسی قوم میں مریض اور اپاہج زیادہ ہوتے ہیں تو اسی لیے کہ وہ قوم دیگر اقوام کی نسبت کمال وجود میں اور بھی کم ہے۔ اور اگر بچے جوانوں کی نسبت زیادہ تباہ ہوتے ہیں تو اس لیے کہ وہ جوانوں کی نسبت نور وجود سے کم منور ہیں۔ اور اگر کوئی انسان دوسرے کو قتل کرتا یا نقصان پہونچاتا ہے تو اسی لیے کہ وجود کی جس قدر تکمیل نوع انسانی میں ہوسکتی ہے وہ ابھی اس حد تک نہیں پہونچا اور اسی طرح انسان سے کمتر طبقات میں جو نقص اور عیب موجود ہیں تو اسی لیے کہ شاہراہ وجود میں وہ اور بھی پیچھے ہیں غرض جو کچھ نقص ہے وہ اپنی اصلیت یعنی عدم کا ہے اور خدا نے جو ہمکو پیدا کیا تو اس لیے کہ خبر پیدا ہو کر ترقی کرے۔